براہینِ قاطعہ

بجواب

انوارِ ساطعہ

مروجہ مولود و فاتحہ اور شرک و بدعات و رسومات کے رد میں لاجواب کتاب
جس میں "انوار ساطعہ" کا مفصّل جواب اور احمد رضا خاں صاحب کے بہتانات کے شافی جواب شامل ہیں

حضرت مولانا خلیل احمد محدّث سہارنپوریؒ
حسب الحکم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
ضمیمہ از: مولانا محمد منظور نعمانی

دار الاشاعت
اردو بازار کراچی ۱ فون ۲۶۳۱۸۶۱

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے لوگو! تحقیق آئی تمہارے پاس حجت تمہارے رب کی طرف سے

الحمد للہ تعالیٰ الاعلیٰ کہ کتاب لاجواب ماحی رسوم و بدعات و قامع
اوہام و ظلمات محلّیٰ بحجج لامعہ موشی بدلائل نافعہ اعنی

البراهين القاطعة

على

ظلام الانوار الساطعة

الملقب

بالدلائل الواضحة

على

كراهة المروج من المولود والفاتحة

باَمر حضرت بقیۃ السلف حجۃ الخلف رأس الفقہاء و المحدثین تاج العلماء الکاملین جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ

دار الاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی ۱

اشاعت اول مارچ ۱۹۸۷ء

فہرست مضامین براہین قاطعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہزار ہزار شکر تیرا اے منعم حقیقی کہ تو نے ایسا حبیب مقبول عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجا جس کا وجود باجود مومنین کیلئے موجب نور وایمان اور باعث آرام جان ہے، لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ کتاب وجہ تالیف وضرورت تالیف

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین الی یوم الدین اما بعد بندہ احقر الناس خلیل احمد انبیٹھوی عفا اللہ تعالیٰ عنہ بخدمت مستفیدان بادانش عرض کرتا ہے کہ ہر چند جناب حق تعالیٰ کے منشور عام واجب الاذعان[۱] ازال فرمایا کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کیا) اور فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اشتہار علی الاعلان فرمایا کہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین عضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ الحدیث (تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور نئے نئے امور سے بچو اس لئے کہ اسمیں نئی نئی باتوں کا پیدا کرنا گمراہی ہے) مگر تاہم عوام کالانعام[۳] باغوائے شیطانی[۴] اختراع فی الدین سے باز نہ رہے اور محدثات کو عمدہ عبادت تصور کر کے منہمک ان سیئات کے ہوئے اور پھر علماء ربانیین نے اگر قلع وقمع میں ان محدثات کی سعی بلیغ فرمائی مگر علماء دنیا نے بحصول نفع نفسانی[۵] ان بدعات کی تحسین میں رسائل تالیف کئے ہر چند یہ سب کچھ تھا لیکن کسی نے فقہاء مجتہدین وعلماء راسخین کو سب وشتم[۶] سے یاد نہ کیا تھا اور نہ علماء واولیاء کے طعن سے اپنا دنیا و دین برباد کیا، اس سن تیرہ سو تین ہجری کے ماہ شعبان میں ایک کتاب مسمی بانوار ساطعہ کہ فی الواقع وہ ظلمات باطلہ ہے اس احقر کی نظر سے گذری کہ اس کے مؤلف نے نصراحتاً علماء راسخین اور اولیائے مقبولین پر طعن وشتم کر کے مورد من عادی ولیا لی فقد آذنتہ بالحرب کا ہوا ہے اور طرفہ یہ کہ وہ خود علم وفہم سے بالکل عاری جہل مرکب میں مبتلا ہے، نہ سائل کی مراد سے واقف ہوا نہ مجیب کے جواب کو سمجھا اور نہ اپنے دعوے ودلیل کو جانا کہ کیا لکھتا ہوں اور کیا مقصود تھا اور اس پر دعوی علم وتبحر وتفقہ کا وہ کچھ ہے کہ گویا دنیا میں لاثانی ہے اور باوصف اس زعم وتبحر[۷] وناز لینے علم کے کہ جہل مرکب ہے اپنے نام کو ستر اخفا میں محجوب کیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اپنی اس تحقیق باطل کا متردد ہو رہا ہے تا گنجائش انکار باقی رہے مگر بقول ع نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا، چونکہ مؤلف مجمع جہلاء میں فخر اپنی اس تالیف کو بزعم خود بے مثل تصور

---

۱ دین دار ۲ قابل یقین ۳ جانوروں کے مانند ۴ شیطان کے بہکانے سے ۵ نفس کے فریب میں آکر ۶ گالی گلوچ ۷ تکبر
۸ پوشیدہ،

لاکھوں کروڑوں درود اس امام رسل ؐ کی روح پرفتوح پر جسکے فیض تعلیم وہدایت سے ہر زندہ دل اپنے مردگان غمناک کی ارواح کو فاتحہ و درود سے راحت رساں ہو ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولاتجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف الرحیم

امابعد :۔ اہل اسلام کو اپنی اس حالت نازک پر رونا چاہیئے کہ اسلام ایک گل پژمردہ کی طرح سموم[1] اختلافات بیجا سے آناً فاناً کمہلایا جاتا ہے۔ اور عناد وفساد ایک تند باد شدید ظلمانی کی طرح ہر طرف سے اٹھا چلا آتا ہے نہ زبانیں بچی نہ سینے صاف سیکڑوں مفسد ہزاروں اختلاف کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ جناب باری عزاسمہ جس کی شان عالی یہ ہے من اصدق من اللہ حدیثا اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہے

کرکے ممدوح کرکے داد چاہتا ہے اور بریں فہم ودانش وعلم چند جہلا کی تحسین پر اپنے جامہ میں نہیں سماتا چنانچہ خود تحریر رسالہ گواہ اس دعوے کی ہے لہذا خوب روشن ہوگیا اور مثل آفتاب نیمروز کے واضح ہوا کہ مؤلف اس کا مولوی عبدالسمیع رامپوری ہے جو میرٹھ میں بر مکان شیخ الہی بخش مرحوم رہتا ہے کہ اس نے ابتدائے طفلی سے رسائل مبتدعین[2] کو جمع کرکے یہ ملکہ واہیہ بہم پہنچایا، اور باوجودیکہ خدمت جناب مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری اور مولوی سعادت علی صاحب سہارنپوری اور مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی ۔۔۔۔۔۔۔ اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم میں یہ بضاعۃ مزجاۃ علم بے فہم کی حاصل کی تھی ان کو بھی مع علماء متقدم ومتاخر کے نشان سہام[3] طعن وشتم بنایا، اس وجہ سے زیادہ تر موجب ملال تعجب کا ہوا، چونکہ جہلاء ضلال[4] اس کتاب پر ناز کرتے ہیں اور خود مؤلف بھی اس تار عنکبوت[5] کو حصن حصین[6] تصور کرتا ہے اس کی حقیقت جہل کو کشف کرنا[7] کو ضروری جانا تاکہ مؤلف کو مبلغ اپنے علم وفہم کا واضح ہوجائے اور ہر ناظر پر کیفیت مؤلف کی اور استعداد ولیاقت اس کی ہویدا ہوجائے، اور اس رد انوار ساطعہ کا نام البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ رکھا گیا اور اس رد میں لفظ مؤلف سے مراد مولوی عبدالسمیع رامپوری ہوئے گا اور ۔۔۔۔ مجیب سے وہ عالم کہ جس کے جواب پر مؤلف نے بحث شروع کی ہے اور اس جواب میں مقاصد مضامین اس رسالہ کا ابطال اور حاصل مراد مؤلف کا قمع کیا گیا ہے اور اس کے الفاظ وعبارت کی اغلاط اور مقولات وخرافات کا جواب اور سب وطعن کا انتقام اور جملہ جملہ کا افساد وابطال بسبب خوف وطوالت کے ترک کیا گیا ہے "الا ما شاء اللہ تعالیٰ" بس بغور ملاحظہ طلب ہے کہ مؤلف کے جملہ مطالب کو نیست ونابود اور جمیع قبائح ومفاسد کو باختصار تمام سعائن ومشہور باذنہ تعالیٰ کردیا گیا ہے کہ تھوڑی فہم والا بھی اس تالیف ومؤلف کی قدر پر مطلع ہوجائے گا، واللہ ولی التوفیق وعلیہ الاعتماد وبیدہ ازمۃ الحق والتحقیق۔ قولہ کوئی کہہ رہا ہے کہ جناب باری عزاسمہ الخ اقول۔ مسئلہ خلف وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے کہ نہیں چنانچہ درمختار میں ہے ھل یجوز الخلف فی الوعید فظاھر ما فی المواقف والمقاصد ان الاشاعرۃ قائلون بجوازہ لانہ لایعد نقصا بل جودا وکرما الخ (خلف وعید جائز ہے کہ نہیں ظاہر تو یہ ہے اشاعرہ اس کے قائل ہیں ۔۔۔۔۔ اس وجہ سے کہ وہ اس کو نقص نہیں شمار کرتے بلکہ بخشش اور کرم تصور کرتے ہیں) ایسا ہی دیگر کتب میں لکھا ہے پس اس پر طعن کرنا مؤلف کا پہلے مشائخ پر طعن کرنا ہے اور اس پر تعجب کرنا محض لاعلمی ہے ہاں حق تعالیٰ کو اپنی مخلوق کی مثل پیدا کرنے پر قادر نہ ہونا آج تک کسی اہل علم نے نہ کیا تھا، جیسا کہ اس شیزدہم صدی کے مبتدعین نے کہا ہے اور عجز قادر مطلق کے مقر ہوئے اور ان اللہ علی کل شیئ قدیر کے خلاف عقیدہ ٹھہرایا، اس پر مؤلف کو افسوس اور عبرت نہ ہوئی پس یہ باجرالائق دید ہے کہ تمام امت کے خلاف حق تعالیٰ کے عجز پر عقیدہ ٹھہرا

[1] اختلاف کی آندھی [2] اہل بدعت [3] گالی گلوچ کے تیروں کا نشانہ [4] گمراہ جاہل [5] مکڑی کا جالا [6] مضبوط قلعہ [7] ظاہر [8] مقام [9] واضح [10] تیرہویں صدی [11] اقرار کرنے والے

اس کو امکانِ کذب کا دھبہ لگاتا ہے اور حضرت فخرِ موجودات سرورِ کائنات جسنے خود اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا ہے کہ ایکم مثلی یعنی کون ہے تم میں میری مانند لستُ کاحدٍ کم یعنی ایک تم میں میری طرح نہیں اور وہ تو وہی ہیں۔ ان کی بیبیوں کی یہ شان عالی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ینساء النبی لستن کاحدٍ من النساء (ترجمہ) اے نبی کی بیبیو تم عام عورتوں میں سے کسی عورت کی طرح نہیں۔ ہوا پھر اس زمانہ میں ایک ادنیٰ سا آدمی ہے کہ وہ کہہ رہا ہے رسول اللہ میرے بھائی ہیں، واضح ہو کہ بھائی جسقدر ہوتے ہیں سب اپنے باپ کے کل ترکہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، اس لفظ میں ایہام دعویٰ برابری حضرت فخر الانبیاء کے ساتھ ہے معاذ اللہ منہا اب کس کس اختلاف کو بیان کیجئے، ایک کہتا ہے کہ وتر ایک رکعت پڑھو تین رکعت ضرور نہیں،

تو مولف کے پیشوایان کا دین ہے اور مؤلف اس پر افسوس نہیں کرتا، اور امکان کذب کہ خلف وعید کی فرع ہے جو قدما میں مختلف فیہ ہو چکا ہے اس پر طعن کرتا ہے اس سے حال علم و فہم مؤلف کا ہر شخص امتحان کرکے دیکھے فقط **قولہ** اور حضرت فخر موجودات صلے اللہ علیہ وسلم الخ **اقول** ایکم مثلی میں مماثلۃ تقرب الی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے چنانچہ لفظ ما بعد کا یطعمنی و یسقینی (ترجمہ) وہ مجھکو کھلاتا اور پلاتا ہے، خود اس پر دلالت کرتا ہے اور ایسا ہی لستن کاحدٍ من النساء میں نفی مماثلہ شرف زوجیت ولوازم زوجیت کی مقصود ہے پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا، البتہ نفس بشریت میں مماثل آپ کے جملہ بنی آدم ہیں کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے قل انما انا بشر مثلکم (ترجمہ) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں، اور بعد اسکے یوحی الی کی قید سے پھر وہی شرف تقرب کو بعد اثباتِ مماثلہ بشریت کے ثابت فرمادیا، پس اگر کسی نے بوجہ آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص کے کہدیا وہ تو خود نص کے موافق ہی کہتا ہے اور فخر عالم نے بھی فرمایا وددت انی قد رایت اخوانی الحدیث (ترجمہ) مجھے پسند ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں، پس اخوت بوجہ اولاد آدم ہونے کے کہا اور یہی وجہ قائل کی ہر موافق قرآن و حدیث کے ہے اسپر طعن کرنا قرآن و حدیث پر طعن ہے اور اس کیخلاف کہنا نص کی مخالفت ہے لہذا چونکہ جس نے آپ کو اخ کہا ہے بوجہ اولادِ آدم ہونے کے کہا ہے اور تقرب کی مماثلہ کا وہ ہرگز قائل نہیں تو اسپر طعن سوائے مخالفت نصوص کے اور کیا ہووے گا اور آپ کی ذات کو بشریت سے نکال کر جو اشرف المخلوقات ہے کسی دوسری نوع میں داخل کرنا محض گستاخی اور ہتک شان رفیع نبوی ہے، سو مؤلف کو ہنوز یہ بھی خبر نہیں کہ قائل کی کیا مراد ہے اور طعن مولف کا خود قرآن و حدیث پر ہوتا ہے مگر اپنی کم فہمی کی کہانی کہنی ضرور ہے علیٰ ہذا حال آیۃ لستن کاحدٍ من النساء کا ہے **قولہ** واضح ہو کہ بھائی جسقدر ہوتے ہیں، الخ **اقول** اگر یہ اخوۃ نفس بشریت میں اور اولاد آدم ہونے میں ہو، ایمیں مساوات بنص قرآن ثابت ہے اور کمالات تقرب میں نہ کوئی بھائی کہے نہ مثل جانے سو یہ طعن بالکل سفسطہ ہی خلاف فہم و عقل کے تامل درکار ہے جیسے کہ وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے **قولہ** کہتا ہے کہ وتر کی ایک رکعت الخ **اقول** وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے اور عبداللہ بن عمر اور ابن عباس وغیرہما صحابہ اس کے مقر اور مالک و شافعی و احمد کا وہ مذہب پھر اس پر طعن کرنا مولف کا ان سب پر طعن ہے ہو اب ایمان کا کیا ٹھکانا جب آنکھ بند کرکے ائمہ مجتہدین پر اور صحابہ اور احادیث پر تشنیع کی پس یہ تحریر بجز جہل کے اور کیا وجہ رکھتی ہے معاذ اللہ منہا،

[1] یعنی زوجیت کا شرف اور اس کی وجہ سے جو لوازم مرتب ہوتے ہیں ان کی مثال عام عورتوں میں نہیں ہے [2] کم عقلی ہے [3] غور طلب

[4] یعنی اگرچہ بہت سے صحابہ کرام اور امام اعظم کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں ہیں مگر بعض صحابہ و ائمہ مجتہدین کے نزدیک وتر کی ایک رکعت ہے سو اس قول پر طعن کرنا ان حضرات پر طعن کرنا ہے ہاں اگر غیر مقلدین پر اتباع ہوائے نفسانی کا طعن کرتے تو ممکن تھا نہ کہ اس طرز سے جیسے کیا ہے ۱۲

اور تراویح بیس پڑھنی بدعت ہیں آٹھ سنت ہیں اسی طرح وہ محفل میلاد جس کو عالم عامل محدث کامل فقیہ فاضل حافظ ابو الخیر سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جمیع اطراف وجوانب ارض میں اہل اسلام پڑھتے ہیں مولد نبی کریم اور پاتے ہیں اس کے سبب برکات عظیم اب اس دور میں کوئی آدمی اس کو کفر وشرک کہتا ہے کوئی بدعت کہتا ہے کوئی حرام نعوذ باللہ منہا

محفلِ مدح پاک کو کہتے ہیں کفر وشرک جو : ان سے کہو واہیوں منھ کو ذرا لگام دو

علیٰ ہذا القیاس وہ اموات جو محزون اپنے غار زنگ دردناک و تاریک میں پڑے ہوئے آس کررہے ہیں کاش میرا بیٹا یا بیٹی کچھ مجھکو دیں یا بھائی بہن فاتحہ درود بھیجیں، اب اس وقت میں بعض وہ صاحب ہیں کہ بے دھڑک فتوے دے رہے ہیں کہ یہ سب امور بدعت ہیں، ان مفتی صاحبوں میں جو واعظین ہیں وہ اپنی گود بھرتے ہیں مردوں کا مال جسقدر دیدو گٹھڑی باندھ لیتے ہیں اور جو ان میں مدرسین ہیں وہ امور فاتحہ مردہ کو بدعت بتلاکر تمامی اموال موتیٰ کا اپنے مدرسوں میں آنا آرزو کرتے ہیں، غرضیکہ ہر کوئی اپنی طرف کھینچ رہا ہے، عوام جو تئیس تراویح کی تقلید میں کچھ گرفتار تھے وہ بالکل شترِ بے مہار ہوگئے، بدعت سن کر تمام مصارف خیر سے سبکدوش اور دست بردار ہوگئے امداد اموات بند ہوگئی، لیکن ان حضرات مانعین کو اس سے کیا غرض موتیٰ اپنی قبروں میں تڑپا کریں اور مساکین بھو کے خاک میں لوٹا کریں اور تماشا یہ کہ جب ان سے کہیئے کہ میاں کیوں امر خیر بند کراتے ہو، کہتے ہیں واہ ہم تو بہت اچھا کام کرتے ہیں بس یہ کہنا ان کا اسی کے قریب جا کر ٹھہرا کہ قرآن شریف میں وارد ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ، تیرہویں صدی میں لوگوں کا کیا عجب حال تھا اب چودھویں شروع ہوئی دیکھئے کیا قیامت ہو، دنیا میں کیا خرابی اور دین میں کیا مصیبت ہو، ان ایام میں دہلی کے تین نفر اور چند علماء دیوبند وگنگوہ وسہارنپوری حسن توجہ سے اور مطبع خاص ہاشمی میرٹھ کی سعی سے ایک فتویٰ چار ورق پر چھپکر اکثر اطراف میں تشہیر کیا گیا ہے، ما حصل نتیجہ اس کا یہ ہے، کہ محفل مولد شریف علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام گناہ ہے، اور اسی طرح اموات کا فاتحہ درود جو ہندوستان میں رائج ہیں یہ سب خراب وتباہ ہے

قولہ تراویح بیس پڑھنی الخ **اقول** تراویح آٹھ سے زیادہ کو بدعت کہنا قول کسی عالم کا نہیں بلکہ قول سفہاء کا ہے ایسے اقوالِ ساقط کا ذکر یہاں بے محل ہے البتہ بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن نہیں،

قولہ اسی طرح وہ محفلِ میلاد الخ **اقول** نفس ذکر میلاد فخر عالم علیہ السلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل ذکر دیگر سیر وحالات کے مندوب ہے، چنانچہ یہ امر فتویٰ مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری میں صراحتاً مذکور ہے اور مولف اس کو دیکھ چکا ہے کہ یہ کتاب اس کی اُسی فتوے کے رد میں تالیف ہوئی ہے البتہ امور غیر مشروعہ جو اس کے ساتھ ضم ہوگئے ہیں، اس کی وجہ سے حکم مجموعہ پر بدعت ومنکر ہونے کا یا شرک وحرمت کا لگایا جاتا ہے اور یہ حکم باعتبار ان قیود غیر مشروعہ کے ہے نہ بوجہ نفس ذکر کے چنانچہ یہ سب قریب معلوم ہوجائے گا، پس مولف کا یہ طعن بدون سوچے سمجھے ان فتاویٰ کے محض کم فہمی ہے افسوس کہ اصل سوال اور جواب کو غور بھی نہ کیا اور اعتراض کرنے کو کھڑا ہوگیا **قولہ** علیٰ ہذا القیاس وہ اموات جو محزون الخ **اقول** ایصالِ ثواب طعام وقرارۃ اموات کو کسی نے منع نہیں کیا اس باب میں جو منع ہے تو اس طرح وہیئت سے ایصال کو منع کرتے ہیں کہ جس میں تشبہ بکفار لازم آجاوے یا تقیید مطلق کی جاوے کہ یہ دونوں تمام امت کے نزدیک حرام وبدعت ہیں اور یہ امر کہ منع کرنا بوجہ قیود وہیئت

لہ آزاد مٹے بیوقوفوں سکہ شامل سکہ غریبوں کو کھانا کھلانے اور قرارۃ قرآن کے ذریعہ مردوں کو ثواب پہنچانا

کچھ دن اس پر نہ گذرے تھے کہ ایک فتویٰ دوسرا چوبیس صفحہ پر مطبع ہاشمی میں چھپکر دربدر پھرنے لگا، اس میں زیادہ تر مذمت میلاد شریف کی ہے اور وہی چو ورقہ جو پہلے چھپا تھا پھر دوبارہ اسمیں چھپایا مجھ سے بعض اخوان طریقت نے بتاکید تمام یہ فرمائش کی کہ اس فتوے کے سبب لوگوں میں ایک نزع و جدال ہو رہا ہے اور کچے دل کے آدمی تشکیکات میں پڑے جاتے ہیں اور معاندین اس فتوے کو جابجا دکھاتے ہیں اب تم کو چاہیئے کہ تم خبر لو ورنہ یہ عوام جگر خام گرداب ضلالت میں ڈوب جائیں گے اور پھر کبھی ساحل ہدایت کی طرف خروج نہ پائیں گے ہر چند کہ مریض تفقہ کم طاقت حوائج علائق سے کم فرصت اس قدر گنجائش نہ رکھتا تھا لاکن ملہم الصدق والصواب نے جسکے قبضہ قدرت میں آدمی کا دل ہے میرے دل میں بھی ڈال دیا کہ بالفعل اس باب میں امر حق افراط و تفریط سے خالی لکھدینا چاہیئے، ایسے موقعہ میں سکوت کرکے عوام کالانعام کو جو اغوای مانعین سے بہکے جاتے ہیں .... نہ ڈبونا چاہیئے، تب میں نے نظر ڈالی دونوں فتووں مطبع ہاشمی پر تب پایا فتویٰ پچھلے میں زیادہ تر اہتمام فقط مذمت مولد شریف کا اور دیکھا پہلے فتوے میں انکار مولد شریف پر اور نیز طعن و تشنیع چند امور خیرات و حسنات پر اس لیئے جواب لکھا میں نے اسی فتویٰ اول کا جسمیں چند امور تھے اور نیز اس کے مکرر چھپنے سے اس کی تاکید سمجھی گئی تھی، لیکن فتویٰ ثانیہ کی بھی دلائل اور مسائل کو اسی کے ذیل میں کہیں صراحتاً کہیں ضمناً رد کیا گیا ہے چاہیئے کہ ناظرین بچشم تدبر ملاحظہ فرماویں اور نام رکھا ہم نے اس فتویٰ کا فتویٰ انکاری جس مقام پر یہ نام آوے جان لیجئے وہی فتویٰ چو ورقہ مانع الخیرات مراد ہے اور نام رکھا ہم نے اپنے رسالہ کا **انوار ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ** مشتمل چار انوار پر نور اول میں دو لمعے ہیں **لمعہ اولیٰ** میں بیان ہے ان علماء و مشائخ کا جو مفتیان فتویٰ انکاری کے مقتدا ہیں **لمعہ ثانیہ** میں اس سوال کی نقل ہے لفظاً لفظاً جو اس فتویٰ انکاری میں درج ہے پھر جو کچھ خطائیں اس سوال میں ہیں ان کی تشریح پھر ثبوت دیا گیا ہے خوش آوازی اور فروش تکلفی بچھانے اور تقسیم شیرینی اور روشنی کرنے کا اور حرمین شریفین کی عظمت اور خطاب حاضر مدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کرنے کا اور یہ کہ حکم شرعی موقوف فقط حدیث پر نہیں، نور دوم میں چھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ میں جواب مانعین منقول ہے بلفظہ اور مولوی محمد یعقوب صاحب مدرس اول مدرسہ دیوبند کی چار شکایتیں، لمعہ ثانیہ میں رد جواب مانعین ثبوت بدعت حسنہ بدلائل ساطعہ لمعہ ثالثہ میں نقل ہے عبارت مولوی عبدالخالق صاحب واعظ دیوبندی کی پھر رد کرنا اس کا لمعہ رابعہ میں ہے رد عبارت مولوی عبدالجبار اور اثبات ہر جگہ موجود ہونے ملک الموت اور ابلیس اور چاند اور سورج کا، اور نہ مشرک ہونا آدمی کا اس اعتقاد سے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک محفل مولد شریف میں آتی ہے **لمعہ خامسہ** نقل عبارت مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی پھر اس کی شرح، **لمعہ سادسہ** عبارت مولوی امیر باز خان صاحب واعظ جامع مسجد سہارنپوری کی، پھر جواب اس کا اور ذکر سماع اور حقہ کا،،

کے ہے نہ بوجہ ایصال کے اس فتوے میں جس کا رد کرنے کو مؤلف نے یہ کتاب لکھی ہے، مصرح، ہے مگر دیدۂ حق بیں نہ ہو تو اس کا کیا چارہ. بس اگر کسی نے مسلمانوں کو خسران دین و دنیا سے بچایا کہ مال بھی ضائع ہوا اور مقصود بھی حاصل نہ ہوا کہ مقصود ثواب اموات تھا نہ کہ معصیت سے ملوث ہونا تو یہ عین دین ہے اس کو قبیح کوئی اہل دین و دانش ہرگز نہیں کہہ سکتا،

لہ جھگڑا ئے شبہات کے صدق اور ثواب کا الہام کرنے والا مراد اللہ تعالیٰ کے وہ صحیح ہے نقصان

نور سوم میں چھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ۔ جواز فاتحہ اور جواب دلائل مانعین لمعہ ثانیہ جمعرات کی فاتحہ لمعہ ثالثہ، عیدین و شب برات و عشرہ محرم میں فاتحہ لمعہ رابعہ جواز طریقہ فاتحہ سوم لمعہ خامسہ۔ ذکر چہلم و بستم و دہم کا اور بھیجنا گھڑا مسجد میں لمعہ سادسہ نصائح در باب اموات نور چہارم میں آٹھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ اثبات محفل مولد شریف لمعہ ثانیہ، یہ اعتراض کہ محفل مولد شریف کو کنھیا کے جنم اور نصاریٰ کے بڑے دن سے مشابہت ہے پھر اس کا جواب لمعہ ثالثہ یہ اعتراض کہ یہ محفل بدعت سیئہ ہے پھر اس کا جواب اور اصول مقررہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے ثابت کرنا کہ یہ محفل سنت ہے بدعت ہرگز نہیں کیونکہ اس کی اصل بھی ثابت ہے اور نظیر اور مثل بھی لمعہ رابعہ یہ اعتراض کہ محفل خاص بارہویں ربیع الاول کو کیوں کرتے ہیں اور ہر سال التزام کیوں ہے پھر اس کا جواب اور ثبوت تخصیص یوم والتزام دائمی چند دلائل سے لمعہ خامسہ یہ اعتراض کہ قیام شرک ہے اور روح کا وہاں حاضر جاننا شرک ہے پھر ان سب کا جواب اور جلنا پھر نا روح کا دلائل قویہ سے ثابت کرنا اور یہ بھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچتی ہے محفل مولد شریف کی، لیکن قیام اس واسطے نہیں کہ روح مبارک تشریف لاتی ہے بلکہ قیام چند وجوہ سے شرع میں پایا گیا ہے لمعہ سادسہ۔ یہ اعتراض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غائب ہیں الفاظ حاضر مخاطب ان کے واسطے بولنے کفر ہیں پھر اس کا جواب دلائل قاطع سے اور ثبوت اس کا عہد صحابہ سے اب تک لمعہ سابعہ اعتراضات متفرقہ واہی تباہی پھر ان کا جواب لمعہ ثامنہ اسماء مبارک حضرات عالی درجات فقہاء و محدثین مجوزین ایں عمل و برکات تضمین یعنی مولد ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہٖ و اولیاء امتہ اجمعین مؤلف رسالہ جمیع اہل اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ جب میں نے یہ بات دیکھی کہ بعض جاہلین فتویٰ انکاری پڑھ پڑھ کر اپنے مسلمان بھائیوں کو بیدردی سے چڑاتے ہیں اور فتنہ کی آگ جو اس قسم کی تحریکات نفسانی سے بھڑکتی ہے بھڑکاتے ہیں تب اس نزع باہمی پر کمال افسوس ہوا اور اگر یہ مفتیان دین سمجھتے کہ یہ آدمی فتویٰ لکھوا کر باہم سر پھوڑیں گے اور شیشہ اتفاق و جمعیت سنگ تفرقہ سے توڑیں گے نہایت درجہ کے یقین کامل سے کہتا ہوں کہ کبھی یہ علماء اسمیں قلم نہ اٹھاتے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر کفار کو اپنی خانہ جنگی کا تماشہ نہ دکھاتے بہر گذشتہ را صلوات اب میں بصد التجا سب صاحبوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میں ایک مرد مبتلائی افکار ہوں، ترددات سے دم بھر خالی نہیں جنگ و جدال اور تضیع اوقات سے بچتا ہوں کیونکہ میں کوئی وارستہ مزاج لاابالی نہیں اپنے کاروبار کو اصلاح دین کے لئے چھوڑ کر یہ رسالہ لکھتا ہوں،

البتہ واعظین و مدرسین پر جو کہ تمثل امر بلغوا عنی ولو آیہ کے ہیں اور امروا بالمعروف و نہوا عن المنکر کے عامل طعن و تشنیع کرنا اور بدظنی کو کام فرمانا کہ منہی عنہ بنصوص قطعیہ ہے لاریب تسویل شیطان اور رضاء لعین ہے اور قرین ثواب فخر عالم کی کرکے اپنی عاقبت کا برباد کرنا اور خلق کا گمراہ کرنا ہے پس مؤلف اپنے اس فعل شنیع سے اپنا انجام سوچے کہ کیا ہے اور یہ عذر کہ وہ بطمع دنیا یہ وعظ و درس کرتے ہیں سو اس کا حساب علی اللہ تعالیٰ ہے مؤلف کو حکم حسن ظن کرنے کا تھا نہ بدظنی کا لقولہ علیہ السلام ایاکم والظن الحدیث۔ سو مؤلف عدول حکم ہو کر کون ہوتا ہے اور جو وہ اجرت لیتے ہیں

[1] آزاد [2] جس کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے

اے اہلِ اسلام بنظرِ انصاف اس کو دیکھو، نفسانیت کو ہرگز دخل نہ دیجیو، اگر حق سمجھ میں آجاوے تو قبول کیجیو، اور قولِ سابق سے رجوع کرنے کو کسرِ شان مت سمجھیو، اور اگر مدتوں کی جمی ہوئی دل سے نہ نکالو تو اتنا بالضرور کرو کہ طرفِ ثانی کی تشنیع سے زبان سنبھالو۔ مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں۔ وہ لوگ جو باقتدائے سلفِ صالح ان امورِ حسنہ کے قائل ہیں دیکھو ان کے پاس اپنی تقویت میں کسقدر دلائل ہیں، اور دلائلِ شرعیہ سے مدلل ان کے مسائل ہیں ورسالوں میں دو لمعے ہیں، لمعۂ اولی میں بیان ہے ان علماء و مشائخ کا، جو مفتیانِ فتویٰ انکاری کے اساتذہ اور مشائخ اور مقتدا اور پیشوا ہیں واضح ہو کہ اس فتوے کے جسقدر مفتی ہیں وہ معتقد ہیں اُن دو عالموں کے یعنی مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اور مولوی اسحاق صاحب دہلوی کے پس بعضوں کو ان صاحبوں کے خاندان میں واسطہ در واسطہ رابطہ شاگردی کا حاصل ہے، بعضوں کو مریدی کا اور بعضوں کو محض تقلید اور اتباع، پس مولوی اسماعیل صاحب کا خاندانِ طریقت یہ ہے کہ وہ مرید ہیں سید احمد صاحب کے اور وہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے اور وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے اور مولوی اسحاق صاحب علم حدیث میں شاگرد ہیں شاہ عبدالعزیز صاحب کے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے اور مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب کا ایک سلسلہ تو صابریہ ہے دوسرا نقشبندیہ مجددیہ وہ منتہی ہوتا ہے شاہ ولی اللہ پر اس طرح کہ یہ دونوں صاحب اور نیز تیسرے مولوی محمد قاسم صاحب ساکن نانوتہ ضلع سہارنپور، یہ تینوں صاحب مرید ہیں جناب حاجی امداد اللہ صاحب کے اور وہ میاں جی نور محمد صاحب کے اور وہ سید احمد صاحب کے اور وہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے اور وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے حاصل یہ کہ ان صاحبوں کے استاد یا پیر امام معتقد بہٖ حضرت شاہ ولی اللہ ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب کا سلسلہ اوپر کو اس طرح چلتا ہے خاندان مجددیہ یہ ہے کہ وہ مرید ہیں اپنے باپ شاہ عبدالرحیم صاحب کے اور وہ مرید ہیں سید عبداللہ صاحب کے وہ سید آدم بنوری کے اور وہ امام ربانی مجدد الف ثانی سے الیٰ آخرہ اور دوسرا سلسلہ اپنا شاہ ولی اللہ صاحب نے کتاب انتباہ میں یہ لکھا ہے کہ اس فقیر نے علم حدیث لیا اور خرقۂ تصوف پہنا اور خلافت پائی شیخ ابو طاہر سے اور انھوں نے شیخ ابراہیم سے اور انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے اور انھوں نے شیخ احمد شناوی سے اور انھوں نے اپنے باپ علی بن قدوس سے اور انھوں نے شیخ عبدالوہاب شعراوی سے اور انھوں نے شیخ جلال الدین سیوطی سے اور انھوں نے شیخ کمال الدین امام کاملیہ سے اور انھوں نے شیخ الاسلام

تو آخر علماء متاخرین نے درس اور وعظ پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور خود مؤلف بھی ایک رسالہ اس باب میں طبع کرا چکا ہے پس یہ طعن اپنے اوپر اور علماء متاخرین اور فقہاء پر ہوا کہ اپنی غرض فاسد کی اتباع میں اپنا قول بھی یاد نہ رہا سخت تعجب ہے معہذا جو کچھ واعظ کو اور مدرس میں بہ نیت ایصال ثواب دیا جاتا ہے اس کا ثواب بھی تو اموات کو پہنچتا ہے سو اموات کا حرمان نہ معلوم کہ مؤلف کس طرح سمجھ گیا مگر شاید مؤلف کے نزدیک وعظ و درس کوئی گناہ ہے کہ اس کے صرف میں وصول ثواب بھی نہیں ہوتا معاذ اللہ ورنہ وعظ و درس چونکہ فرض ہے ان کے صرف میں اجر بھی زیادہ ہوتا ہے تو مساکین کے دینے سے اسمیں اموات کو زیادہ نفع ہے حسب حکم شرع پس مؤلف کا یہ کلام محض کینہ کا اظہار اور بیخبری علم دین سے ہے پس جواب مسئلہ و طعن ناموزوں مؤلف کا حاصل ہو چکا اور

ابو الخیر ابن الجزری شیخ القراء والمحدثین سے الی آخرہ الحاصل یہ بزرگان مندرجہ سلاسل مذکور مقتدا اور پیشوا ہیں مفتیان فتویٰ انکاری کے اور نقل کیا ہم نے ان اسماء کو ان کی کتب مشایخ مثل الانتباہ و قول جمیل، و ضیاء القلوب سے، اور یہ اس لئے کہ ہم جو قول یا دلیل پیدا کریں گے تو وہ یا خود ان بزرگواروں کی تصانیف میں ہوں گی، یا ان بزرگواروں کی مسلم الثبوت کتابوں میں **لمعہ ثانیہ** سوال فتویٰ انکاری کی نقل ہے **سوال**۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولود خوانی مدح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی ہیئت سے کہ جس مجلس میں امردان خوش الحان خوانندہ ہوں، و زیب و زینت و شیرینی درو شی کثیر ہے اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں جائز ہے یا نہیں، اور قیام وقت ذکر ولادت صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے یا نہیں، اور حاضر ہونا مفتیان کا ایسی مجلس میں جائز ہے یا نہیں، اور نیز بروز عیدین و پنجشنبہ وغیرہ کے آگے طعام سامنے رکھکر اس پر فاتحہ وغیرہ ہاتھ اٹھا کر پڑھنا، اور ثواب اس کا اموات کو پہنچانا جائز ہے یا نہیں اور نیز بروز سوم میت کے لوگوں کو جمع کر کے قرآن خوانی و کلمہ طیبہ چنوں بھنوں پر مع پنج آیت کے و شیرینی تقسیم کرنا بحدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا؟ تمام ہوئی عبارت سوال کی حرفاً حرفاً اب شرح اس سوال کی کرتا ہوں اس طرح پر کہ عبارت سوال پر لفظ قولہ ہو گا اور میری عبارت پر لفظ اقول ہو گا، **قولہ**۔ جس مجلس میں امردان خوش الحان خوانندہ ہوں الخ **اقول** دیکھو سائل چونکہ سخت عناد محفل خیر العباد سے رکھتا ہے خواہ اپنے مفتیوں کے مشورہ سے خواہ اوروں کی کمیٹی سے وہ لفظ درج کرتا ہے جس میں مفتی صاحب گھنڈے مہر منا ہی کی لگا دیں، بھلا کوئی اس سائل سے پوچھے کہ کیا مجلس میلاد کو خاص امردانِ خوش الحان ہی پڑھتے ہیں اے مرد خدا آنکھیں کھولکر دیکھ دہلی میں مولانا عبد الحکیم صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور

جو کچھ کلام لایعنی اس کا سوائے اس کے ہے اس کا حوالہ یوم الجزاء پر کیا جاتا ہے نہ یہ کام علم کا ہے، بلکہ دہلی کے بھکڑ باز اس سے زیادہ لکھ سکتے ہیں اس کے بعد جو مؤلف نے وجہ تالیف لکھی اور اپنے عالم متبحر ہونے اور معتبر زمانہ کی داد دی ہے اس کا جواب دینا فضول ہے کیونکہ یہ کتاب مؤلف کی خود شاہد اس کے علم و فہم کی اور مکذب اس کے دعوے کی موجود ہے کہ ہر اہل علم مبلغ فہم مؤلف کا دریافت کر سکتا ہے علیٰ ہذا تبویب و تقسیم رسالہ و لمعہ اولیٰ نور اول کا قابل جواب نہیں اس سے عبور کر کے آگے بڑھتا ہوں فقط **قولہ لمعہ ثانیہ** سوال فتویٰ انکاری کی نقل الخ **اقول**۔ سائل نے وہ ہیئت واقعہ محفل مولود جو مروج ہے درج سوال کر کے اس کا حکم پوچھا تھا اس کی غرض یہ تھی کہ اصل ذکر مولود کو تو سب علماء جائز رکھتے ہیں مگر اس ہیئت کا کیا حال ہے مؤلف نے بنام نہاد شرح سوال کے اس کا جواب یا ہے اور شرح میں اپنی رائے سے جو مناسب جانا لکھدیا ہے چنانچہ ظاہر ہوا جاتا ہے **قولہ** اقول۔ دیکھو سائل چونکہ سخت عناد محفل الخ **اقول** یہ مؤلف کا محض کینۂ قلبی ہے کہ سائل کو معاند فخر عالم علیہ السلام کا لکھا ہے البتہ اگر سائل متبع سنت ہے

تو اس ہیئت کا معاند بیشک ہو گا کیونکہ اس ہیئت کو بدعت جان کر اس سے مجتنب ہے لقولہ علیہ السلام کل بدعۃ ضلالۃ اور اصل ذکر کو وہ مندوب ہی جانتا ہے مگر مؤلف کے حسن فہم سے جو کچھ اس کے قلب میں ہے وہ ٹپکتا ہے **قولہ** وہ لفظ درج کرتا ہے الخ **اقول** اس کلام سے اس قدر معلوم ہوا کہ امردان کا حاضر ہو کر غزل و قصیدہ پڑھنا مؤلف کے نزدیک بھی موجب تامل فتویٰ کراہت کے دینے کا

لہ اچھے آواز والے نابالغ لڑکے ۲ے ممنوع ۳ے جھٹلانے والی ۴ے مخالف

مولوی وزیر الدین واعظ جامع دہلی اور چند علماء معمر میلاد شریف پڑھتے ہیں اور کئی برس ہو مولوی عبد الرب صاحب دہلوی بھی مولد شریف پڑھتے تھے خوب محفل سجاتے ہیں یہ بھی ساٹھ برس کے ہوں گے امرد خوبرو نہیں ہیں البتہ بعض محافل میں کوئی لڑکا خوش آواز بھی آجاتا ہے

ہے جس سبب سے سائل پر غصہ ہو کہ کیوں ایسا سوال بنایا اور مؤلف اپنی مجالس میں امردوں کی مولود خوانی سے انکار کرتا ہے مگر مؤلف کا یہ قول کسقدر کم فہمی ہے گو کیا مجلس میلاد کو خاص کر ان خوش الحان ہی پڑھتے ہیں کیوں کہ سائل نے کب کہا ہے کہ امرد ہی پڑھتے ہیں یہ حصر مؤلف کے فہم ناقص سے پیدا ہوا ہے، سائل یہ کہتا ہے کہ امردان خوش الحان خواندہ ہوں اور خواندہ ہونا عام ہے کہ بالکل ہی پڑھیں یا کچھ پڑھیں اور مطلب سائل کا حسب فہم مروجہ ہے قصائد مدح وغیرہ مجلس میں پڑھنے سے ہے نہ کہ خود کتاب مولود کی پڑھنا سو یہ توجیہ مؤلف کی خواب غفلت ہے کیوں کہ اس کی غرض حضور امارد اور خوش الحانی سے قصائد پڑھنا ہے اور یہ امر مجالس میں موجود ہے کیوں کہ اس سے انکار کرنا ممکن نہیں تھا کہ خود مؤلف کی محافل میں بھی یہ امر موجود ہوتا ہے لہٰذا اس کے دفعہ کے واسطے یہ تدبیر کی کہ قول سائل سے کہ امرد خواندہ ہوں امرد کا کتاب مولود کی پڑھنا شرح سوال میں مراد لیا اور پھر استشہاد دلائے کہ دہلی وغیرہ میں سب بوڑھے اور معمر پڑھتے ہیں سبحان اللہ خوب شرح کی اور خوب اعتراض کیا عوام کو تو شاید دھوکہ لگ جائے مگر فہیم آدمی تو اس کاریگری کو خوب سمجھ لیوے گا پھر یہ کہ اگر بالفرض یہ امر نہ بھی ہوتا تاہم سائل ایک صورت فرضی کر کے اس کا حکم پوچھتا ہے اور ہر روز یہ ایسے سوالات امر شائع رہے ہیں یہاں تک کہ کتب فقہ میں بعض ایسے سوال مندرج ہیں کہ محال عادی ہیں، پس سائل پر یہ عتاب مؤلف کا کہ یہ صورت کہاں ہوتی ہے ایسا سوال کیوں کرتا ہے کون عقل کی بات ہے مجیب اور عالم کو واقعہ سے کیا بحث ہے وہ سوال کی صورت کا جواب دیتا ہے یہ مؤلف کا نیا قاعدہ مخترعہ ہے مگر بات وہی ہے کہ سائل نے خود عیب مؤلف کا بیان کیا اس کے رنج میں غصہ آگیا اور دوسری شرح خلاف مقصود کر کے جواب میں انکار واقعہ کر دیا گیا مگر اس تغیر سے کیا حاصل ہوا کیوں کہ قصائد خوانی اور مولود خوانی دونوں کا ایک ہی حکم ہووے گا غرضکہ حضور امارد خوش الحان سے ہے مگر مؤلف ایسا فہم کہاں سے ہو گیا جو اس کو سمجھتا یہ سمجھا کہ جواب سکبدوش حالاں کہ یہ جواب قابل خندہ ہے کیوں کہ سائل پوچھتا ہے کہ جس محفل میں امردان خوش الحان قصائد پڑھیں اور حالانکہ امرد بعض حسین صبیح بھی ہوتے ہیں اور مجالس مولود میں جوانان فساق فجار بھی حاضر ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں اندیشہ فتنہ کا ہے سو چوں کہ سب سامان وہاں موجود ہوتے ہیں تو مظنہ شہوت حرام کا ہے کہ امارد میں کوئی صبیح کم کوئی زیادہ اور خوش لحنی اور لباس صاف اور خوشبو کا ہونا اور فسق وفجور شباب کا ہونا داعی پس ایسی حالت میں گو ذکر عالم علیہ السلام کا ہی ہو مگر مظنہ شہوت نفس غالب ہے ایسی محفل کا کیا حکم ہے اگرچہ ذکر مندوب ہے مگر لحوق معصیت اور کراہت کا بھی ہے اور مجموعہ پر حکم باعتبار قیود کے ہوتا ہے تو مؤلف نے جواب اول تو دیا کہ دہلی وغیرہ میں کوئی امرد مولود نہیں پڑھتا اور اگر کوئی امرد آجاوے تو امردوں کو قرآن یا مدح پڑھنا کہیں منع آیا وہ سبحان اللہ کیا عمدہ جواب ہے، وہ تو پوچھتا ہے کہ اس مجمع اور ہیئت میں حاضر ہونا اور مدح خوانی کیسی ہے مؤلف جواب دیتا ہے کہ مکتب میں یا خلوت و گھر میں قرآن پڑھنا منع نہیں ہے وہ مکتب و خانہ میں قرآن و مدح کو پوچھتا ہے یا مطلق قرآن و مدح کو پوچھتا ہے وہ تو ایسے مجمع میں کہ مظنہ فتنہ کا ہے سوال کرتا ہے مطلق قرآن و مدح کو اس نے کہاں پوچھا

لے دلیل ۲ ایجاد کردہ ۳ امرد کی جمع ۴ گمان ۵ خوبصورت ۶ قید کی جمع۔

کوئی منقبت یا مدح یا حمد خوش آوازی سے پڑھ دیتا ہے، سو یہ کہیں قرآن وحدیث فقہ اصول سے ثابت نہیں کہ امردوں کو قرآن پڑھنا یا اپنے رسول کریم کی مدح اور نعت کا پڑھنا ممنوع ہے کچھ تعریف زلف و رخ و خال و خد محبوبان نازنین کا ذکر نہیں پڑھتے باقی رہی خوش الحانی، سو اس فرقہ کے مسلم الثبوت عالم ربانی مجدد الف ثانی جلد ثالث مکتوبات میں فرماتے ہیں دیگر در باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن و در قصائد و نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف و تغیر حرف و قرآن است و التزام رعایت مقامات نغمہ و تردید صوت بآں بطریق الحان با تصفیق مناسب آں کہ در شعر غیر مباح است انتہیٰ اس سے معلوم ہوا کہ خوش آوازی سے مولود پڑھنا جائز ہے ہاں البتہ تالی بجانا اور رعایت راگنی کے قواعد کی نہ چاہیئے یہ ان کا قول ہے اور مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں والحق ان السماع اذا وقع بصوت حسن بشعر متضمن للصفات العلیا والنعوت النبویۃ المحقق بہیج باعث الآلات المحرمۃ وآثار کان من الحجنۃ الشریفۃ العلیہ کان من الحسن فی غایتہ و تمام تزکیۃ النفس نہایتہ الی آخرہ، اور نیز مولوی اسمٰعیل صاحب صراط مستقیم میں لکھتے ہیں حب عشقی کے بیان میں، از جملہ مؤیدات آں استماع الحان خوش و اصوات دلکش و قصص شوق آمیز و اشعار عشق انگیز است انتہیٰ اور ابن جزری جو سید احمد صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کے مشائخ میں ہیں فرماتے ہیں سن سات سو بیاسی ہجری (۷۸۲ھ) مصر نے محفل مولد شریف کی تھی ہیں اسمیں حاضر ہوا محفل کا احتشام دیکھکر مجکو حیر

ہے اور جو مولف کی غرض ہے کہ اصل ذکر تو درست ہے گو عروض فتنہ عارض ہوگیا تو یہ بالکل غلط ہے کیوں کہ حرمت عارضی بھی مثل اصلیہ کے محکوم ہوتی ہے اگر یہ مراد ہے کہ مطلق جب حلال ہو تو پھر جس قید میں اس کا وجود ہو حلال ہی ہے فاتحہ یہ بھی سراسر غلط ہے کہ مطلق حلال قید ممنوع سے ممنوع ہوجاتا ہے چنانچہ نماز ارض مغصوبہ[1] میں ممنوع و مکروہ ہے اور یہ جو مراد ہے کہ امرد اگر خد و خال کے اشعار پڑھے تو منع ہے مگر مدح فخر عالم علیہ السلام کا اندیشہ نہیں تو یہ بھی محض غلط ہے کیوں کہ شہوت پرستوں اور جوانان باشہوت کو مدح اور قرآن اور غزل میں اور صلوٰۃ و ذکر میں کچھ تمیز نہیں ہوتی طبعاً اور یہ امر بدیہی ہے ہر شخص جانتا ہے گو مولف دیدہ و دانستہ انکار کرے یا بوجہ ضعف دماغ کے قوت شہویہ زائل ہوگئی ہو، دیکھو در مختار میں صبیح کی امامت کو مکروہ لکھا ہے — اور وجہ اس کی وہی مظنۂ فتنہ ہے جب نماز اور قرآن میں علماء مکروہ لکھتے ہیں تو ایسی مجلس میں مدح خوانی کب درست ہووے گی اور احیاء العلوم میں امرد کی صوت کو در صورت مظنۂ[2] فتنہ کے مکروہ لکھا ہے مولف آنکھ کھولکر مطالعہ کرے پس ہر گاہ کہ اس زمانہ صلاح میں اس کو مکروہ لکھا ہے تو اس زمانہ فتن میں صلحاء کا بھی حال قابل طمانیت نہیں چہ جائیکہ اس محفل میں جہاں فساق[3] موجود ہوں پس حاصل یہ کہ مولف نے کمال فہم کو کام فرمایا کہ سائل تو ایسی محفل کے حضور کو پوچھتا ہے جسمیں فتنہ کا ظن غالب اور امارد کا وہاں ہونا موجب فتنہ کا ہے اور مولف جواب دیتا ہے کہ امرد کا قرآن و مدح پڑھنا درست ہے یہ علم مولف کا قابل دید ہے **قولہ** باقی رہی الحان خوش الخ **اقول** سبحان اللہ مولف اپنے دعویٰ پر دلیل لایا ہے کہ صوت حسن جائز ہے حضرت مجدد کا قول اور مواہب لدنیہ کی عبارت اور صراط مستقیم کی تقریر مگر کوئی مولف سے پوچھے کہ ان روایات سے صوت حسن کا جواز معلوم ہوا مگر امردوں حسن الصوت کا مجمع فساق میں پڑھنا ثابت نہیں ہوتا سائل اس ہیئت کو پوچھتا ہے نہ مطلق صوت حسن کو تو آپ ان روایات سے

---

[1] جو زمین زبردستی کسی سے چھینی گئی ہو [2] نابالغ لڑکا [3] جب فتنہ کا گمان ہو [3] فاسق کی جمع

ہوئی اور میں اس کو دیکھکر خوش ہوا خیال کرتا ہوں کہ اس محفل میں دس ہزار مثقال سونا خرچ ہوا ہوگا، کھانے پینے کی چیزوں اور خوشبوئیں اور روشنی شمعوں میں بچیس حلقے تو چھوٹی عمر کے لڑکوں قرآن قرارت سے پڑھنے والوں کے تھے نقل کیا اس حکایت کو ملا علی قاری نے اپنی مورد الروی میں اور اس کے قریب قریب ذکر کیا نور الدین ابو سعید بورانی نے اور یاد رکھو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پسند کرتے تھے خوش آواز کو روایت ہے کہ سنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا ابی موسیٰ کا فرمایا لقد اوتی ھذا مزمارا من مزامیر آل داؤد جب یہ خبر ابی موسیٰ کو پہنچی، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو میں جانتا کہ آپ سنتے ہیں تو خوب ہی بنا کر پڑھتا غرضکہ حسن صوت اور خوش الحان ہر سلیم الطبع کو پسند ہے مگر جو لوگ بلید الطبع بارد مزاج ہیں وہ اس کی قدر نہیں جانتے علامہ قسطلانی نے مواہب میں لکھا ہے وحن الجمع مع بلادۃ طبعہ تیاثو بالحداء تاثرا یمیل عنقہ وبصغی سمعہ الی الحادی فمن لم یحرکہ فھو فاسد المزاج وبعید العلاج انتھی اسی معنی میں سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اشتر بشعر عرب در حالت است وطرب   گر ذوق نیست ترا کج طبع جانورے

قولہ زیب وزینت **اقول** یہ لفظ اکثر مانعین ومنکرین میلاد سے سنا ہے کہ وہ منجملہ دلائل منع کے زیب وزینت کو بھی منہیات میں شمار کرتے ہیں محفل میلاد میں زیب وزینت یہ ہوتی ہے کہ بانی محفل دری چاندنی قالین خوب صورت جو اس کو بہم پہنچتے ہیں اپنے گھر میں

کیا سود حاصل ہوا اور سوائے تطویل کے کون سا نفع ملا علی ہذا ابن جزری کے قصے میں بچیس حلقے لڑکوں میں قرآن خوانی کو وہ بھی بچگان کی قرآن خوانی کو بعینہ نہ اس سائل کے مقصد کو مضر علی ہذا حدیث لقد اوتی مزمارا من مزامیر آل داؤد اور قسطلانی کا قول اور سعدی کا شعر ان سب سے سوال کا جواب ہرگز حاصل نہیں ہوتا مؤلف کی محض تطویل در خواہ مخواہ   جمع کرنا روایات بے محل کا جس سے جہلا تو سمجھ گئے کہ مؤلف نے بہت سے   دلائل سے مدعیٰ اپنا ثابت کیا اور اہل علم جان گئے کہ مؤلف کو سوائے جمع الفاظ کے معنی اور مطلب سے کوئی بھی مناسبت نہیں سائل کچھ پوچھتا ہے اور مؤلف کچھ اور ہی جواب دے جاتے ہیں جس امر کو سائل لکھتا ہے اس کو فقہاء خود منع کرتے ہیں نماز و قرآن میں بھی اور جس کا جواب مؤلف دیتا ہے وہ سب کے نزدیک درست ہے اس کو اس سے کچھ مناسبت ہی نہیں ہے بس ایسے فہم مؤلف پر ہم کو بڑا اندیشہ ہوتا ہے کہ جب مؤلف کا یہ طریقہ ٹھہرا کہ اگر کوئی مقید کا حکم پوچھے گا مؤلف مطلق کا حکم بتلا کر گمراہ کیا کریگا مثلاً سائل کہے گا کہ بکری چوری کی کیسی ہے مؤلف جواب دیگا کہ بکری حلال ہے قرآن و حدیث میں بکری کو حلال لکھا ہے حرام کہیں نہیں لکھا کوئی پوچھے گا کہ زوجہ سے نفاس میں صحبت کیسی ہے، مؤلف کہے گا کہ صحبت اپنی زوجہ سے حلال ہے کہیں حرام نہیں لکھا، علی ہذا تمام ابواب فقہیہ کو قیاس کرلو کہ سائل قید کے حکم کا طالب ہوگا مؤلف مطلق کا حکم لکھ کر گمراہ کرے گا اور تمام دین کو برہم کردیوے گا لاحول ولا قوۃ الا باللہ، جیسا اس سوال میں علم و فہم کو مؤلف نے صرف کیا کہ سائل ایسے مجمع میں کہ مظنہ فتنہ کا ہے امردوں کی نعت خوانی کو پوچھتا ہے مؤلف صوت حسن کے جائز ہونے اور امرد کے قرآن و مدح پڑھنے کو جواز کی دلیل قرار دیکر جواز اس امر کا مکروہ کا ثابت کرتا ہے اور پھر اس علم پر فخر و ناز ہے اور جو کسی اور سے بزعم مؤلف کچھ ایسا کلام بظاہر سرزد ہو جاوے تو اس پر سخت اعتراض کرتا ہے اور خود اپنی خبر نہیں **قولہ** زیب وزینت .... **اقول**، یہ لفظ اکثر مانعین الخ **اقول** اس کو بھی مؤلف خوب سمجھے اور

۱؎ بچے ۲؎ جمع جاہل کی ۳؎ نفاس وہ خون جو عورت کو ولادت کے بعد آتا ہے ۴؎ فتنہ کا گمان

بمقام محفل بچھاتا ہے سو یہ باتیں سب جائز ہیں فتاویٰ عالمگیری جو فریقین کی مسلم الثبوت کتاب ہے مولوی اسحاق صاحب جابجا اپنی تصنیفات میں اس کی سند پکڑتے ہیں اس کی جلد خامس باب ہفتم میں ہے کہ جائز ہے انسان کو بچھانا اپنے گھر میں جو کچھ چاہے فروش و قالین سفید یا رنگین سادہ یا نقشین **قولہ وشیرینی قول** یہ لفظ بھی اس لئے درج کیا ہے جب مجبین ذکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مانعین کے منع پر کسیطرح شمول محفل میلاد شریف سے باز نہیں آتے تب یہ جال ڈالتے ہیں کہ ایک گفتگو طعن و تشنیع کے طور پر شروع کرتے ہیں کہ شاید ہمارے چڑانے اس محفل کو ترک کریں کہتے ہیں کہ یہ لوگ شیرینی کی طمع سے جاتے ہیں اور وہ لوگ بھی جواب ترکی بہ ترکی چڑانے کا جواب چڑانا اس طرح پر یہ اشعار پڑھ دیتے ہیں: **اشعار**

خوب جواب دیا اور مصداق اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کی ہوئی کیوں کہ اور سفقیان پر طعن کرتے ہیں کہ کس واسطے تفصیل مسئلہ کی نہیں لکھتے اجمالی جواب دیتے ہیں اور یہاں خود اس پر عمل کرتے ہیں سنو کہ غرض سائل کی صاف ظاہر ہے کہ یہ ہے کہ جب محفل میلاد میں حضور جوان و طفل و پیر و صالح اور فاسق دنیا دار ہر قسم کے آدمی کا ہوتا ہے اور حسب عادت بوجہ رغبت کے عمدہ فاخرہ لباس میں آتے ہیں اور بیشتر لباس غیر مشروع بھی ہوتا ہے اور وضع میں بھی امر غیر مشروع ہوتا ہے اور موقع امر بالمعروف کا بھی نہیں کیونکہ اگر امر بالمعروف ہو تو یہ مجمع ہی نہ ہو چنانچہ سب مشاہد ہے علیٰ ہذا القیاس بساط فراش میں اکثر خلاف شرع ہو جاتا ہے اور دیوار گیری وغیرہ امور بھی ہوتے ہیں پس جہاں کہیں کہ زیب و زینت کسی قسم میں حسب عادت خلاف مشروع ہوا اور امر بالمعروف نہ ہووے وہاں حاضر ہونا کیسا ہے اور ذکر ولادت فخر عالم علیہ السلام کا وہاں جا کر سننا کہ مندوب ہے ایسی محفل میں کہ یہ امور غیر مشروع وہاں جائز ہے یا نہیں تو مؤلف صاحب نے کس جزم کے ساتھ جواب دیا ہے کہ اول تو شرح زیب و زینت کی آپ ہی کی کہ فقط فرش کو اس کا مصداق بنایا اور دیوار گیری وغیرہ زیب و زینت مکان کو اور زینت حاضرین کو یک قلم حذف کیا اور فرش کی زینت کو بھی بلا ذکر کچھ اور عموماً جواز کا حکم فرما دیا گویا زیب و زینت چاندنی دری ہی کا نام ہے لغۃً اور پھر فرش بساط بالکل گویا کبھی غیر مشروع ہوتا ہی نہیں نہ کچھ تفصیل کی نہ شرح کی مطلقاً سب کو مباح لکھدیا حالاں کہ بخاری میں منقول ہے کہ ابو ایوب صحابیؓ دیوار گیری ہونے کے سبب ابن عمرؓ کے گھر سے لوٹ آئے اور دعوت کو کہ سنت ہے رد کر دیا اور عالمگیریہ ہدایہ اور بزازیہ وغیرہ میں موجود ہے کہ اگر محل دعوت میں معصیت ہو تو وہاں جانا جائز نہیں قال اللہ تعالیٰ فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظٰلمین پس جہاں لباس حریر اور دراز بھی جرحی ہو وے اور پاجامہ میں اسبال[2] اور مکان میں دیوار گیری اور قندیل سوز وغیرہ چاندی کے مثلاً اور دیگر امور ہوں وہاں جانا کس طرح درست ہو گا مگر مؤلف نے چشم بند کر کے عوام کو دھوکہ دینے کو حکم جواز کا دیکر ایک روایت عالمگیری کی نقل کر دی اور غرض و مراد سائل سے کچھ بھی خبر نہیں یہ تماشا ہے کہ سائل کچھ پوچھتا ہے اور مؤلف کچھ اور شے کا جواب دے رہا ہے اولاً سوال عام کو ایک فرد میں مقید کر دیا، ثانیاً اس فرد کو بھی بلا تفصیل مطلقاً حلال لکھدیا اور صریح خلاف نصوص کے فتویٰ جواز کا دیدیا اور پھر تمام دنیا پر اعتراض کہ جواب سوال میں مطابقت نہیں اور جواب میں اجمال ہے اور اپنا یہ حال کہ سوال جواب کو مناسبت نہیں اِنَّ ھٰذا لشیئ عجاب

بحث شیرینی و تحقیق مسئلہ التزام مباح | **قولہ شیرینی اقول** یہ بھی اسلئے **اقول** اس قید کی شرح میں تو مؤلف نے خوب داد اپنے علم کی دی

---

[1] یقین [2] پاجامہ کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا

سب میں تقسیم اگر مٹھائی ہوئی × تم ہوا سہیں کیا برائی ہوئی × مومنوں کا تو منہ ہوا میٹھا × ہاتھ ململ کے تم نے سر پیٹا
دونوں نعمت نصیب ہم کو ہونگی × ذکر شیریں و لقمۂ شیریں × دونوں لذت سے تم ہو محروم × کیا کریں اپنا اپنا ہے مقسوم
تم کو دیتا کوئی جلیبی نہیں × تاکہ منکر کا دل جلے بھی کہیں × اور کبھی اور بھی اشعار پڑھ کر ان کی مذاق بازی کا جواب دیتے ہیں
کہ مر جائیں سر پٹک کے حسود × ہم نہ چھوڑیں گے محفل مولود × اپنے حضرت کا ذکر کیوں چھوڑیں، جن کی امت ہیں ان سے منہ موڑیں
خیر یہ تو گفتگو فریقین کے مذاق میں ہوتی ہے اب ہم اصل بات سناتے ہیں نہ شیرینی کے واسطے لوگوں کو آنا منع ہے اور نہ صاحب
محفل کو تقسیم شیرینی منع ہے، آنا اس لئے منع نہیں کہ صاحب محفل نے جو شیرینی وغیرہ کچھ تیار کیا ہے اس کی غرض یہ ہے کہ سب
صاحب میرے گھر آویں اور حسب حصہ تناول فرماویں در حقیقت یہ ضیافت ہے تھوڑی بہت چیز پر منحصر نہیں حکم شریعت یہ
ہے کہ اِنْ دعیتم الی کراع فاجیبوا یعنی اگر بکری کے ایک پایہ کھلانے کے واسطے بھی تم کو بلاویں تو قبول کرو اور ہدایہ میں ہے من لم
یجب الدعوۃ فقد عصی ابا القاسم یعنی جو مسلمان دعوت کیا ہوا بغیر عذر نہ آیا تو اس نے نافرمانی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افسوس
وہ لوگ تو تعمیل سنت کیلئے آویں قلیل کثیر پر نظر نہ کریں، یہ کمبخت ان عاملان سنت پر طعن کریں اب کہیے کس کے ایمان میں یہ تزلزل
آیا!! اور بیان اس کا اثبات محفل مولد شریف میں بھی کرینگے، اور صاحب محفل کو تقسیم کرنا اس لئے منع نہیں ہے کہ شاہ عبد العزیز رح
صاحب رسالہ ما اہل بہ لغیر اللہ مطبوعہ مطبع محمدی کی ص۲۷ میں لکھتے ہیں، و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء انتہیٰ
بلفظہ فتاوی کی خزانۃ الروایات کی فصل ضیافت اور روح البیان کی جلد دوسری میں لکھا ہے فی بطن المؤمن زاویۃ لایملاء الا الحلواء

کیوں کہ علمی بحث میں ایسے مسخریات کا لکھنا مؤلف ہی کا کام ہے اس کے جواب میں کاغذ کا سیاہ کرنا فضول ہے مگر جس کو مؤلف نہ سمجھا
ہم کو اس کی تشریح کرنا ضرور ہوا اول مؤلف کے فہم کی خوبی قابل غور ہے کہ سوال مسئلہ کا تو علماء بالغیب سے ہے اور قید شیرینی کی اس
میں مجوزین کے چڑانے کو لکھی سبحان اللہ اگر یہ سوال مجوزین کے پیش ہوتا تو یہ گمان کچھ بجا ہوتا مگر مؤلف صاحب کو مضمون فہمی سے
تو کچھ کام ہی نہیں اپنے فہم سے آپ جو جی چاہا ترجمہ کر دیا آپ ہی جواب دیا اور خوش ہو گئے اور عوام کے نزدیک اپنا تبحر علمی ظاہر
کر دیا مگر اہل علم آپ کے علم کو خوب سمجھ گئے سنو کہ شیرینی کا ہونا بھی مثل زیب و زینت لباس بساط مکان کے ایک جزو ہیئت کذائیہ
کا ہے سائل یہ پوچھتا ہے کہ تقسیم شیرینی فی حد ذاتہ مباح ہے مگر چوں کہ کوئی مولود خالی اس سے نہیں ہوتا گویا کہ لوازم ضروریہ مجلس
مولود کا ہو گیا ہے تو ہر چند غرض صاحب محفل کی یہ ہو کہ اس کے ذریعہ سے مجمع خوب ہو جاوے کہ اطفال و شباب کے مزاج میں
رغبت اس کی رکھی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ جو نماز فرض اور جمعہ اور وعظ میں کبھی رخ بھی نہیں کرتے اگر ایک ٹکلی لڈو کی بھی کہیں تقسیم
ہوتی ہے تو مع تمام فرزندان کے کپڑے بدل کر رات کو بھی سب سے پہلے حاضر ہو جاتے ہیں یا کوئی دوسری غرض ہوتی ہو گی مگر بہر حال
اس التزام سے عوام کو ضروری ہونا شیرینی کا اس محفل میں عقیدہ ہو گیا ہے اور یہ مسئلہ محقق ہے کہ مباح کا ایسا التزام کہ عوام کو
موجب تنگی سمجھ ہو جاوے، مکروہ ہوتا ہے پس جب یہ محفل محتوی امر مکروہ کو ہوئی تو ایسی مجلس میں جانا جائز ہے یا مکروہ یہ مراد سائل
کی تھی مگر مؤلف اپنے مذاق کی طرف اس کو کھینچ کر لے گیا اور اصل مطلب سے بالکل غافل خوش طبعی کرنے لگا اور خواہ مخواہ ورق سیاہ

کے جائز ماننے والے کے بذات خود مشتمل

یعنی مومن کے پیٹ میں ایک گوشہ ہے جس کو نہیں بھرتی، کوئی چیز سوا مٹھائی کے اھ، اب خیال کرنا چاہیئے کہ گوشۂ شکم مومن جو
کہیں سے نہیں بھرتا مٹھائی سے اس کا طور فع کرنا کچھ اجر کی بات ہوگی اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون، یعنی
نہیں پہنچو گے تم نیکی کی حد کو جبتک نہیں خرچ کروگے وہ چیز جس کو دوست رکھتے ہو اور حدیث شریف سے معلوم ہوا ہے جن چیزوں
کو مومن دوست رکھتا ہے ان میں مٹھائی بھی ہے چنانچہ خزانۃ الروایات و نیز تفسیر روح البیان میں آیا ہے قال علیہ السلام ان المومن
حلو یحب الحلاوۃ پس معلوم ہوا کہ جو چیز خود قاسم و مومن اور نیز مومنین مقسوم علیہم کو محبوب ہے آدمی اس کے تقسیم کرنے میں نیکو کاری کی حد کو
پہنچتا ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس طرح کی وجوہات سے شاہ عبد العزیز رحمہ نے اس کو مستحسن اور خوب باجماع علماء لکھا ہے **قولہ** ورد شمعہا
کثیرہ **اقول** سائل کی بندش اور تقریر دیکھو سب جانتے ہیں محاورہ اہل زبان ہند کا کہ اگر کسی بزرگ کے مزار پر ایک چراغ جلتا ہو تو اس کو روشنی
کوئی نہیں کہتا بلکہ روشنی اس کو کہتے ہیں جس میں زیادہ چراغ جلیں سائل نے فقط روشنی کا لفظ نہ لکھا بلکہ شمعیں اور لفظ جمع کا یعنی لفظ ہائے

کے بیچ ہے ع بخر کش بقدر ہمت اوست ؛ اہل علم کو جانتے ہیں اور اہل بطن لذت اکل و شرب کو پس جناب مؤلف نے اس کو دعوت
قرار دیکر چند روایت پیش کیں اور اس محفل کی حاضری کو سنت قرار دیکر اپنے موافقین کو متبع سنت اور مانعین کو رد کرنے والا دعوت کا ٹھہرایا اور
اس علم پر بہت فخر فرمایا مگر یہ یاد نہ رہا کہ وہ عالمگیری جو زیر نظر مؤلف کے ہے وہ ایسی دعوت کو منع کرتا ہے کہ جہاں کوئی معصیت اور بدعت
ہو اور ابو درداء رض کا ابن عمر رض کے گھر سے دعوت کو رد کرکے چلا آنا پہلے بخاری شریف سے نقل کر چکا ہوں اور فخر عالم علیہ السلام کا خانہ فاطمہ رض سے
لوٹ آنا بسبب پردہ منقش کے لٹکانے کے دیوار پر یہ روایت بھی بخاری شریف میں موجود ہے پس ہرگاہ اس محفل میں خود سائل لکھ رہا
ہے کہ وہاں امارد و فساق بلباس غیر مشروع زیب و زینت مکروہ اور کراہت شیرینی کے بسبب التزام کے موجود ہے تو اس ضیافت کا
قبول کرنا کونسی حدیث سے سنت ہوا اور کس نص سے اس کو جائز فرمایا سوائے طبعزاد مؤلف کے کونسی روایت جواز حضور کے یہاں ہے کہ حاضرین
متبع سنت ہوئے لاحول ولا قوۃ الا باللہ مگر ہاں گوشۂ شکم حریص جب بدون شیرینی کی ڈلی کے نہ بھرتے تو کیا کیا جاوے گناہ ہو یا ثواب
جانا ضرور پڑتا ہے، معاذ اللہ اب دیکھو کہ یہ حال مؤلف کے فہم عالی کا ہے کہ سوال کو ہرگز نہ سمجھا اور نہ ڈلی کو باہیئت دعوت قرار
دیکر مجلس معصیت میں جانا کہ حدیث سے منع تھا سنت قرار دیا اب کہو کہ گناہ کو سنت کہنے والا کون ہوتا ہے اور پھر مؤلف نے اپنی
عادت کے موافق کہ سوال سائل کا تو قید و مقید کے حکم پہنچنے کو تھا اور مؤلف مطلق اور اپنے فہم کا جواب دیکر راضی ہوا شیرینی تقسیم کرنے
کی اباحت کی دلیل کہیں شاہ عبد العزیز صاحب کے قول سے لکھ رہے ہیں اور کہیں دعوت کے قبول کرنے کی سند دے رہے ہیں غرض بے
خبر از حقیقت حال اور دور از فہم غرض اپنی طبع زاد مراد کا جواب دیکر عوام کے زعم میں فاضل بن بیٹھے اور علماء کے نزدیک تو بجز خندہ اور
کچھ حاصل نہیں کیا شیرینی کی عمدگی کی عبارت نقل کرکے وقت ضائع کیا کہ نہ غرض سائل کی اس سے تعلق رکھتی ہے نہ مؤلف کو اس سے
کچھ فائدہ اور نہ سائل اس کا منکر تھا وہ تو قید التزام مالا یلزمہ الشارع کو پوچھتا ہے اور بسبب عوام کے مؤکد جاننے کے اس کی کراہت
کو کہتا تھا اور مؤلف صاحب شیرینی کی عمدگی کو ظاہر کرنے لگے اور مطلب سائل سے کچھ کام ہی نہیں رکھا پس مبلغ علم و فہم مؤلف کا ہر
کہ و مہ پر واضح ہوگیا کہ کسقدر نکتہ شناسی خداداد رکھتے ہیں اور کیا جواب مطابق سوال دیتے ہیں ماشاء اللہ تعالیٰ ۔

؎ وہ جیسے جس چیز نقش و نگار بے ہوں ؎ اس چیز کو لازم قرار دینا جو شارع کی طرف سے غیر لازم ہو ؎ منتہا ہے ہر شخص کی فکر اس کی ہمت کے مطابق ہر ایک کھاتا پیتا

اضافہ کیا اور کہا روشنیہا پھر اس جمع پر بھی صبر کیا اس کی صفت میں لفظ کثیرہ اور زائد کیا روشنیہائے کثیرہ سے انتہا درجہ کا مبالغہ سائل نے کیا تاکہ مفتی غیض کھا کر خواہی نخواہی اس کو حرام بول اٹھے اب ہم تحقیق اس کی لکھتے ہیں اے بھائی سن اگر تیری آنکھیں روشنی ہائے کثیرہ سے چندھیاتی ہیں تو بہت محفلیں مولود شریف کی دن کو ہوتی ہیں ان میں ایک چراغ بھی نہیں جلتا ان میں شریک ہو جایا کر لیکن تم کب شامل ہو گے تمہاری تو بہانہ بازیاں ہیں ع خوی بد را بہانہ بسیار است :: اور رات کی محفلوں میں بھی بہتیری محفلیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں ایک ہی چراغ ہوتا ہے پھر روشنیہائے کثیرہ لکھ کر تمام محفلوں پر ایک حکم لگواتے ہو کیا غضب کرتے ہو اصل حال یہ ہے کہ بعض امراء ذی مقدور جو زینت کے عادی ہیں وہ لوگ فانوس اور لمپ وغیرہ روشن کرتے ہیں سو اس کو کسی نے حرام نہیں لکھا اول روشنی کے بانی حضرت امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ ہیں علامہ نور الدین حلبیؒ نے لکھا ہے مستحب ہے لٹکانا قندیل کا مساجد میں یہ کام اول عمرؓ نے کیا جب صلوٰۃ تراویح کے لئے لوگوں کو جمع کیا تو لٹکا دیئے گئے کتنے قندیل جس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس طرف گذر ہوا دیکھا کہ مسجد جگمگا رہی ہے روشنی سے، دعا فرمائی کہ تو نے ہمارے مسجدوں کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تیری قبر کو روشن کرے اے عمر بن الخطابؓ اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے بھی کتاب تنبیہ میں روایت کی کہ حضرت علیؓ نے دعا دی حضرت عمرؓ کو اور روایت ہے کہ اسی طرح حضرت

جو روشنی وجہ ممانعت ہے کون سی ہے **اقول** روشنیہائے کثیرہ الخ اقول سائل کی بندش اور تقریر **اقول** یہاں تو مؤلف کچھ سمجھا کہ کثرت روشنی زیادہ از حد ضرورت اسراف[1] اور حرام ہے اور جس محفل میلاد میں ایسا ہوگا وہاں جانا اور یہ کرنا معصیت ہوویگا کیوں کہ مؤلف کہتا ہے کہ دسائل کی بندش دیکھو کہ روشنی بکثرت کو ذکر کرتا ہے کہ جس سے مفتی خواہی نخواہی اسے حرام بول بیٹھے جس سے صاف معلوم ہوا کہ کثرت روشنی بیشک مؤلف کے نزدیک موجب حرمت ہے شکر ہے کچھ تو سمجھے مگر مؤلف کا یہاں بھی فہم غور طلب ہے اس واسطے کہ سائل کی غرض لفظ روشنیہائے کثیرہ سے کثرت زائد از حد ضرورت ہے اور یہ امر مجالس مولود میں یقینا ہوتا ہے لیکن مؤلف اس کو اپنی طبع زاد تقریر سے ٹالا چاہتا ہے کہتا ہے کہ روشنی محاورہ اہل ہند میں زیادہ چراغوں کا نام ہے سبحان اللہ تمام ہند میں روشنی مطلق نور پر بولتے ہیں مگر ہاں رام پور، گنگوہ، انبہٹہ وغیرہ کے جہلا اجلاف، تیلی اور مبتدعین ان قصبات کے روشنی کثرت چراغاں یوم عرس کو بولتے ہیں مگر مؤلف شان سے ہی دوستی محبت کر رکھی ہے یہی اصطلاح ذہن میں سماری ہے سائل تو مبتدع نہیں اس کو اس اصطلاح سے کیا بحث تھی روشنی ہائے کثیرہ زائد از حاجت اور کثیرہ کا لفظ تاکید کے واسطے لکھا ہے بس مؤلف کی غرض اس تقریر بے معنی سے یہ ہے کہ سائل کی مراد چار سو پانچسو چراغ ہیں کیوں کہ روشنی عرس بزرگان میں دو چار سو سے عادۃً چراغ کم نہیں ہوتی پھر اس کو جمع کر کے بس یہ مراد اپنے ذہن میں قرار دیکر اس کا انکار کر دیا کہ اس قدر چراغ مولود میں کہاں ہوتے ہیں پس اس سوال سے بری ہوئے مگر بہر حال مراد سائل کی جو تھی وہ روشنی زائد از قدر حاجت تھی اگرچہ دو سو چراغ نہ ہوں اور خود مؤلف کے مولود اور دیگر مجالس میں خود موجود ہوتے ہیں تو اس کے اثبات کی فکر میں ہوتے ہیں **لقولہ** اصلی حال یہ ہے کہ بعض امراء ذی مقدور الخ **اقول** سبحان اللہ کیا عمدہ استدلال و تقریر ہے کہ سننے والا وجد میں آیا جاتا ہے دیکھو سائل تو زائد از قدر حاجت کو اسراف حرام بقولہ تعالیٰ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین والآیۃ کہتا ہے پھر وہ خود ایک ہی لمپ اور فانوس کیوں نہ ہو اور خواہ امراء عادی

---

[1] فضول خرچی [2] بلا وجہ [3] طبیعت کی ایجاد کردہ [4] اہل بدعت [5] چراغ دان۔

عثمان سے بھی دعا کا دینا آیا ہے انتہا و نیز حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جب تمیم داری نے مسجد نبوی کے ستونوں سے قندیل لٹکائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی اللہ تعالیٰ تجھکو نور دے جیسا نورانی کیا تو نے ہماری مسجدوں کو اور نیز حلبی نے لکھا ہے کہ تمیم داری نے جو قندیل[۱] آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے لٹکائے تھے کم تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کثرت سے لٹکائے اور یہ بھی حلبی نے نقل کیا ہے ایک عالم سے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھکو بادشاہ مامون نے حکم دیا کہ لکھدو حکم ہماری مملکت میں کہ مسجدوں میں بہت چراغ روشن کیا کریں۔ لیکن میرے کچھ خیال میں نہ آیا کہ کس طرح لکھدوں تب مجھکو خواب میں بشارت ہوئی کہ لکھدے روشنی کثیر کے واسطے کہ اس میں دل لگے گا تہجد گذاروں کا اور مسجد پر خانہ خدا ہیں، پس خانہ خدا سے وحشت اندھیرے کی دفع ہوگی جب میں نے بشارت دیکھی تب میں ہوشیار ہوا اور لکھدیا یہ حکم پس جس طرح زیادہ روشنی کرنے سے وحشت ظلمت کی دور ہوتی ہے مساجد سے اسی طرح دور ہوتی ہے مواقع ذکر اللہ اور ذکر الرسول ﷺ سے اور جس طرح زیادہ روشنی سے ۔۔ اُنس ہوتا ہے اور دل لگتا ہے نمازیوں کا اسی طرح

اسراف[۱] کی وجہ سے خواہ مؤلف کے انس طبع کے سبب سے ہو خواہ کسی کے گھر اور کوٹھے میں ہو خواہ محفل میلاد میں ہو سب اسراف ناجائز ہے پس عادت امراء سے حجت لانا کسقدر دور از علم ہے کہ بمقابلہ نص قطعی کے عادت امراء کو دلیل بنایا جاتا ہے نعوذ باللہ منہا اور یہ کہنا کہ اس کو کسی نے حرام نہیں لکھا دوسرے غفلت از دین ہی خود قرآن مجید میں موجود ہے اور حضرت عمرؓ کی روشنی کو سند لانا بھی دیہی عادت کم فہمی مؤلف کی ہے کہ غرض سائل کی روشنی سے زائد از حاجت ہے اور حضرت عمرؓ سے جو منقول ہے وہ روشنی مطلق قدر حاجت تھی اور ان سب روایات منقولہ حلبی میں روشنی قدر ضرورت لکھی ہے پس ان روایات کا نقل کرنا محض لغو غیر مفید مطلب مؤلف کو ہے کیوں کہ کسی روایت سے زائد از ضرورت ہرگز ہرگز نہیں معلوم ہوتا اور نفس روشنی میں سائل کو انکار ہی نہیں پس مؤلف بے خبر یہ نہیں جانتا کہ اسراف جیسا ہزار چراغ میں حرام ہے دو چار چراغ کا بھی حرام ہے وضو کے پانی میں بھی اسراف منع ہے چہ جائیکہ تیل چراغ میں اور یہ طریقہ مؤلف کا کہ رات کو اگر روشنی کے سبب سے محفل میں نہیں آتا تو دن کو آجایا کرے یہ بھی کمال حزم مؤلف کا ہے کیوں کہ سائل نے نہ تو دعویٰ التزام ولزوم روشنی کا کیا اور نہ کراہت اس مجلس کو حصر روشنی میں کیا اگر دن کو روشنی نہیں تو دیگر مفاسد تو موجود ہیں دن کو جلوہ امارد رات سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور علیٰ ہذا دیگر امور التزام شیرینی ولباس وذی فسق تداعی وغیرہ کا حال ہے البتہ اگر حق تعالیٰ مؤلف کو توفیق فرمادے اور یہ کہدے کہ ہم سب امور غیر مشروعہ کو یک قلم موقوف کردیں گے تو البتہ مسائل خوش ہیکہ اس ذکر مسند وشب کا ہو جاوے گا کاش مؤلف کو یہ توفیق ہو جاوے القصہ مؤلف کی خوبی فہم ہر ہر پہلو میں ایک جدید اعجوبہ ہے اور قول حلبی کا کہ حضرت عمرؓ نے قنادیل کثرت سے لٹکائے۔ دلیل کثرت کی فہم عالی مؤلف میں آگئی اور فی الواقع یہ کم فہمی ہے سنو کہ لفظ کثرت دو معنوں میں بولا جاتا ہے ایک کثرت اعداد مثلاً دس بیس کو کثیر کہتے ہیں دوسرے کثرت از حد ضرورت تو یہاں حضرت عمرؓ کی نقل میں کثرت اعداد مراد ہے کیوں کہ مسجد نبوی ایک بڑا وسیع مکان ہے اس میں پچاس ساٹھ قندیل بھی کم از حاجت ہیں پس حضرت عمرؓ نے قنادیل کی کثیرہ فی الاعداد کہ حد حاجت سے ہرگز زائد نہ تھے لٹکائے تھے اور اس کی مدح شیخین سے منقول ہے پس مؤلف کثرہ سے زائد از حاجت سمجھ گیا، ماشاء اللہ کیا فہم رسا ہے صحابہ کو قرآن بھی یاد نہ تھا بزعم مؤلف کہ

---

[۱] فضول خرچی [۲] مستحب [۳] قندیل کی جمع بمعنے چراغ [۴] حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہم

اس مجلس پاک میں دل لگتا ہے۔ شائقین بیان صفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا البتہ بعض علماء نے کثرت سے روشنی کرنے کو مکروہ لکھا ہے سو نہیں پہنچی ان کو یہ حدیثیں اور آثار ہیں صحیح یہی ہے کہ روشنی کا کرنا ممنوع نہیں ہے اور مجھکو یہ تعجب آتا ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ جاتے ہوں گے اور حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ نورانی کے گرد اگرد جھاڑ اور فانوس اور قندیل کی کثرت سے اس درجہ کو کہ یہاں کسی کو بھی میسر نہیں آتے وہاں روشنی دیکھتے ہوں گے معلوم نہیں یہ لوگ آنکھیں روشنی کی طرف سے بند کر لیتے ہوں گے یا اس کے غیظ اور غصہ میں زیارت ہی ترک کر دیتے ہوں گے اگر ترک کر دیتے ہیں تو ہم کو کچھ شکایت نہیں وہاں محروم رہے تھے یہاں بھی محروم رہے لیکن اگر وہاں اسی روشنی میں جا کر زیارت کی اور زیارت روضہ شریف کی مستحب ہے تو حضرت کے معجزات اور مدائح اور مناقب کا سننا بھی مستحب ہے یہ بھی روشنی میں اگر سن لو روشنی ظاہری سے ظاہر کی آنکھ اور ذکر نورانی سے باطن کی آنکھ روشن کرو وہ روضۂ پر انوار جس کی ذات اقدس کا مدفن ہے یہ محفل نورانی بھی انہیں کی شرح صفات کا موطن ہے وہاں روشنی کثرت سے کرائی جاتی ہے تو یہاں روشنی کیوں منع ٹھیرائی جاتی ہے ہم نے دلسوزی اسلامی سے دلائل اور مثال کھول کر سمجھائی اب بھی اگر یہ صاحب نہ سمجھیں تو بہت افسوس ہے اس مقام میں ایک بات اور یاد آئی کہ بعضے صاحب مکہ اور مدینہ جاتے ہیں زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً وہاں خوب محفلیں مولد شریف کی اور قیام کرنا اور تقسیم شیرینی کا ہونا سب کچھ دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ یہاں کے تمام علماء شافعی مالکی حنفی حنبلی سب اس عمل مبارک کو جائز بلکہ مستحسن فرماتے ہیں لیکن جب ہندوستان میں آتے ہیں وہی انکار کرنے لگتے ہیں اس بات میں ایک شاعر شیوا بیان نے سعدیؒ کا شعر تضمین کیا ہے واقعی حدیث صحیح میں آیا ہے ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان لسحراً یعنی بعض شعر حکمت ہوتے ہیں اور بعضے بیان سحر کی طرح دل میں کھب جاتے ہیں ان اشعار کا مضمون اور بیان اسی طرح کا ہے، وہ شعر یہ ہیں، **اشعار**

وہ خلافِ قرآن کے تبدیل کرتے اور علیٰ ہذا اس عالم کے قصہ میں جو مامون کے عہد سے نقل کرتے ہیں کثرت عدد مراد ہے اور جو دیا دوسرے معنی ہوں تو کوئی حجت بھی نہیں جواب کا قصہ عہدِ مامون کا معاملہ، یہ دونوں حجت شرعی نہیں بہرحال قنادیل کثیرہ کا کیا عمدہ استدلال ہے کہ قابل دید ہے ہرگز مولف معنی آثار کو نہیں سمجھا اور ہرگز یہ آثار اس کو مفید نہیں اور ہرگز سوال سائل کا جواب یہ نہیں ہو سکتا **قولہ** البتہ بعض علماء نے کثرت روشنی کو الخ **اقول** اب اس قدر پریشانی اٹھا کر اور تقریر لایعنی کر کے مولف کو خیال آیا کہ فقہاء کثرت روشنی کو حرام اور اسراف لکھتے ہیں تو یہ جواب دیا کہ وہ سمجھے نہیں ان کو یہ روایات نہیں ملیں نعوذ باللہ مولف اپنے جہل کو علم سمجھ گیا ہے اور فقہاء علماء کو جاہل قرار دیا فقہاء کی تمام روایات اور آیۂ قرآن پیش نظر تھی اور ان کو حق تعالیٰ نے فہم و علم دیا تھا وہ سمجھ گئے کہ کثرت سے فعل حضرت عمرؓ میں مراد کثرت اعداد ہے اور حضرت عمرؓ قرآن کے خلاف عمل کرنیوالے نہیں تھے، مگر مولف ہی اپنی جہل میں مبتلا ہے اور روایات کو نہ سمجھا اور قرآن کو بھولا اپنے فہم رکیک سے اپنے مدعیٰ باطل کو خلاف نصوص کے حق سمجھ گیا اور فقہاء پر طعن محض بے محل و بے اصل تحریر کر دیا اور کچھ خدا تعالیٰ سے نہ شرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا پس اب آگے کلام لایعنی مولف کا کیا جواب لکھوں کہ کوئی علم کی بات نہیں ہے، لکھتا ہے کہ روشنی سے دلکشائی بھی ہے، اور

۱؎ اسراف اور فضول خرچی ۲؎ کمزور ۳؎ نامناسب

ایسے منکر شدید ہیں بجھے ۔ گرچہ مکہ میں بھی وہ ہو آئے ۔ وہاں مجنوں کا ڈھنگ دیکھ آئے ۔ بزم مولد کا رنگ دیکھ آئے
پھر وہی ضد ہے اور وہی تکرار ۔ وہی مولد شریف کا انکار ۔ تجھکو سعدیؒ کا قول یاد ۔۔ آیا ۔ ایسے لوگوں کے حق میں فرمایا
خر عیسیٰ اگر بمکہ رود ۔ باز آید ہنوز خر باشد ۔ لطیفہ ۔ ایک مقام پر دو عالموں میں گفتگو ہوئی ایک ان میں مولد
شریف کے مثبت تھے اور ایک منکر ۔ منکر نے کہا قصبۂ دیوبند میں فتویٰ بھیجو دیکھو مولد شریف کو کیا لکھتے ہیں ۔ مثبت نے کہا دیوبند تو کچھ
دار اسلام نہیں یوں کہیے کہ حرمین شریف زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً کو فتویٰ بھیجیں یعنی اس لئے کہ دین و ایمان کا گھر ہے حدیث
شریف میں آیا ہے کہ دین مکہ مدینہ میں سمٹ آوے گا جیسے سمٹ آتا ہے سانپ اپنے بل میں یعنی جیسے سانپ اپنے بل سے نکلکر ہر سب
جگہ پھر کر اس میں قرار پاتا ہے اور سانپ جب بل میں گھس جاتا ہے تو ایسی قوت سے چپٹ جاتا ہے کہ کوئی اس کو نکالنا چاہے تو مشکل نکلتا
ہے پس اسی طرح دین اول مکہ مدینہ سے نکلا آخر زمانہ میں بھی اگر کہیں دین نہ ہوگا تو یہاں ضرور ہوگا اور کوئی یہاں سے دین کو نکالنا
چاہے گا تو نہ نکل سکے گا غرضیکہ اگر فتویٰ لکھواؤ تو اس ملک کے علماء سے لکھواؤ جس کی تعریف احادیث میں ہے دیوبند کی تعریف
کون سی حدیث میں آئی ہے ۔ منکر صاحب بولے مکہ میں تو چور آدمی ہیں رستہ لوٹتے ہیں ۔ مثبت نے جواب دیا رہزنی مال لوٹنا
وہاں کے بدو لوگ اطراف کے رہنے والے کرتے ہیں خاص مکہ کے آدمی نہیں کرتے سو یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وقت
سے ہے قرآن شریف میں آیا ہے ادھر یروا انا جعلنا حرماً آمنا و یتخطف الناس من حولہم یعنی سورۂ عنکبوت میں ہے کیا نہیں

بانعین مدینہ کی روشنی سے آنکھ بند کر لیتے ہوں گے اور دیگر علماء حجاز کی نسبت شوخ چشمی سے اشعار لکھے کہ یہ سب کام علماء کا
نہیں اس بھکڑ کے جواب میں وقت و کاغذ ضائع کرنا ہے مؤلف اپنے کردار کو آپ پاوے گا مگر ہاں اتنا لکھتا ہوں کہ خوشی زائد
از حاجت ہو وہ داخل اسراف ہے اور بسبب ناراضی حق تعالیٰ کی موجب ظلمات اور نار جہنم کی روشنی دکھانے والی ہے ہاں قدر حاجت
محل عبادت میں کہ خالی از منع کبیر ہو البتہ موجب کشادگی قلب کی ہے مگر سائل اس سے بحث ہی نہیں کرتا خود مؤلف یمین و یسار
سوال کے جواب لکھ رہا ہے اور صحابۂ کرام اور خلفاء راشدین کے فعل و قول کو اپنے زعم کا سدہ خلاف شرع پر حمل کر کے فقہا کی شان میں
گستاخی کر رہا ہے خدا تعالیٰ اس کو ہدایت و توبہ نصیب کرے کہ یہ سب فساد جہل کا ہے اگر کچھ بھی علم ہوتا تو اس روز سیاہ کو بچتا۔

صاحب انوار کے لطیفہ کا جواب اور تحقیق حدیث ان الدین لیارز الی الحجاز | قولہ لطیفہ الخ اقول علماء دیوبند کا حال جو کچھ ہے وہ سب

روشن ہے اور کچھ دو نہیں جس مسلمان منصف کا دل چاہے بچشم خود دیکھ لے کہ ظاہر لباس و ہیئت موافق شرع کے رکھتے ہیں اور
نماز کو بجماعت بخوبی ادا کرتے ہیں امر بالمعروف میں بشرط قدرت کوتاہی نہیں کرتے اور تحریر فتویٰ میں رعایت غنی و فقیر کی نہیں
حق جواب دیتے ہیں اور جو ان کو کوئی مشتبہ کسی خطا پر کر دیوے تو بشرط صحت کے قبول سے دریغ نہیں ۔ بشر و چشم معترف ہوتے
ہیں یہ سب اوصاف واضح ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لیوے امتحان کر لیوے اور یہی قبولیت عند اللہ تعالیٰ کا نشان ہے اور علماء
مکہ معظمہ کا حال جس نے عقل و علم کے ساتھ دیکھا وہ خوب جانتا ہے جو نہیں گیا وہ ثقات شیعہ کے بیان سے مثل مشاہدہ کے جانتا ہے اور وہ
اکثر وہاں کے علماء نہ کہ سب کیوں کہ اکثر وہاں منتفی بھی ہیں اس حالت میں ہیں کہ لباس ان کا خلاف شرع اسبال آستین اور دامن

---

۷ قائل ۸ منکر کی جمع یعنی ممنوع ۹ داہنی اور بائیں ۱۰ ناقص ۱۱ معتبر لوگ

دیکھئے کہ ہم نے کردیا کہ پناہ اور امن کیجگہ اور لوگ اچک لئے جاتے ہیں اس کے آس پاس سے انتہیٰ سو یہ مار پیٹ اور اچک لینے کی باتیں قدیم سے وہاں کے بدو آدمی خارجی کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں لیکن کفر و شرک سے منزہ ہیں وہاں کے بدوے گنوار آدمی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کریں لیکن کفر و شرک اس ارضِ مقدس کے آس پاس تک نہیں ہوتا اور دیوبند میں تو کفر و شرک بھرا ہوا ہے جا بجا سیتلا پوجی جاتی ہے مندر اور شوالے بنے ہوئے ہیں سنکھ بج رہے ہیں پھر دیوبند اچھا ہوا یا حرمین شریفین؟ منکر صاحب کی طرف سے جواب ہوا کہ ہم دیوبند کے جاہل مسلمان عامی سے اور مشرکان قوم ہنود سے سند نہیں پکڑتے ہم تو وہا

جبہ و قمیض میں کرتے ہیں بعض اکثروں کی قبضہ سے کم نماز میں بے احتیاطی مربالمعروف کا باوصف قدرت کے نام و نشان نہیں اکثر انگوٹھی چھلے آغیر مشروع ہاتھوں میں پہنے ہوئے ہیں قطع صفوف شائع ہے فتویٰ نویسی میں کچھ دیکر جو چاہے لکھوا لو اگر ان کو عضبان سے کوئی مطلع کردیوے تو مارنے کو موجود ہو جاویں اور خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ علیہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں، اور بعد اوس کے رافضی سے کچھ روپیہ لے کر ابوطالب کو مومن لکھدیا، یا خلاف روایت صحاح احادیث کے اور علی ہذا کہاں تک لکھوں کہ طول ہے اور شرم بھی آتی ہے کہ جو علماء حرمین کی لکھوں مگر بنا چاری لکھنا پڑا پس اگر کسی نے ایسی حالت میں علماء دیوبند کو علماء حرمین پر ترجیح بوجہ اعتماد کے دیدی تو کون سا غضب کیا اہل فہم انصاف کریں کہ ایسی حالت میں علماء دیوبند کا فتویٰ قابل اعتماد ہوگا، یا علماء حرمین کا، مثلاً ایک عالم فاجر مسجد میں رہتا ہو کہ اشرف مواضع ہے اور دوسرا عالم متقی بازار کی دوکان میں ہو کہ شر البلاد ہے تو بازاری عالم کا فتویٰ معتبر ہوگا یا مسجد میں رہنے والے کا پھر ایسی صورت میں اگر کوئی کہے کہ مسجد خیر البقاع والے سے مسئلہ پوچھو بازار شر البقاع والے سے مت پوچھو اور فضائل مسجد کے اور برائی بازار کی بیان کرکے حجت لاوے تو اس مسجدی بھائی کو لوگ احمق کہیں گے یا نہیں اور اس کلام سے بازار کی افضلیت مسجد پر کون بے وقوف استخراج کرے گا پس اس لطیفہ کثیفہ مؤلف کو دیکھنا چاہیئے کہ بحث تو علماء دیوبند کے معتبر اور دین دار ہونے میں اور بعض علماء مکہ کے غیر معتبر فی الفتویٰ والدین ہونے میں ہے اور اس سے افضلیت دیوبند کی مکہ پر سمجھ کر خرافات لکھنی شروع کردی اور نہ سمجھا کہ یہ مفاسد وہاں کے علماء کے زیادہ تر موجب بعد و خسران کے ہیں کہ وہاں کی معصیت اشد ہے دیگر بلاد کی معصیت سے مگر ہاں شاید مؤلف کے نزدیک وہاں کے لوگوں کو مناکیر بھی حلال ہوں معاذ اللہ پس دیکھو کہ گفتگو کیا تھی اور نتیجہ کیا نکالا کیا فہم رسا ہے مؤلف خود بھی حج کر آیا ہے اور پھر بھی مکہ سے ویسا ہی لوٹا جیسا گیا تھا سو یہی مصداق تضمین کا ہو رہا ہے، اے مسلمانوں اعتبار قرآن و حدیث و فقہ کا ہے نہ مکہ کے باشندوں کے قول و فعل کا، ذرا غور کرو کتب دین کو دیکھو کوئی معصیت مکہ کے تنازل سے حلال نہیں ہوتی بلکہ زیادہ موجب عذاب و شناعت کی ہو اور مؤلف کی بلاغت کو غور کرکے سنو کہ فضل حجاز میں کہ حرمین شریفین بھی اسمیں داخل ہے حدیث کہ ان الدین لیارز الی الحجاز کما تارز الحیۃ الی جحرھا سو اس کا ترجمہ مؤلف نے نقل کیا اور خود اس کی شرح کی ہے بقولہ یعنی جیسے سانپ اپنے بل سے نکلکر پھر سب جگہ پھر کر اس میں قرار پاتا ہو الخ پس ذی عقل والا بھی جانتا ہے کہ سانپ جب اپنے بل سے نکلکر جاتا ہے تو بل سانپ سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور پھر سانپ بل میں لوٹ آتا ہے تو اس وقت بل قرارگاہ سانپ کا ہو جاتا ہے تو اس تشبیہ

ا بازار کی جگہ ۳ اچھی جگہ ۳ گندہ ۵ بے وقوفی ۶ ٹھکانہ ۱ استدلال ۱ پوشیدہ۔

کے علمائے اہلِ اسلام کی سند پکڑتے ہیں مثبت نے کہا بس ہمارا بھی یہی جواب ہو کہ ہم حرمین کے علماءِ دین و مفتیانِ شرح متین کی سند لیتے ہیں کہ وہ سب بالاتفاق محفلِ مولد شریف کو درست فرماتے ہیں پھر تم ناحق بدوؤں اور جنگلی لٹیروں کا ذکر کیوں کرتے ہو پہلے بھی حرمین کے خواص علماء کا حکم اور فتویٰ لیا جاتا تھا علیٰ ہذا القیاس اب بھی پس علماءِ خیر البلاد کی سند منگاؤ لیکن منکر کو خوب معلوم تھا کہ اگر وہاں استفسار بھیجا تو وہاں کے سب علماء حکمِ استحبابِ محفلِ میلاد لکھدیں گے اس لئے اس نے انکار کیا کہ ہم حرمین کو نہیں مانتے، معاذ اللہ منہا ہم تو دیوبند کو مانتے ہیں، تب مثبت نے جواب دیا کہ آپ کو دیوبند مبارک ہووے اس پر لیسان دیکھئے ہم کو حرمین شریفین مبارک ہوں ہمارا ایمان ان لوگوں کے ساتھ ہے اسی پر گفتگو ختم ہو گئی اب دیکھئے ان لوگوں کی

مذکورہ مؤلف صاحب ظاہر ہے کہ کسی وقت دین حرمین سے نکلکر دیگر بلاد میں چلا جاوے گا اور حرمین دین سے خالی رہے گا اور پھر عود کر کے حرمین میں آجاوے گا اور یہ امر تقریرِ مؤلف سے ظاہر ہے گو مؤلف کو ہوش نہیں پس اگر کوئی مؤلف کو یہ کہے کہ اب اس وقت میں حرمین میں حسبِ تقریرِ آپ کے کمالِ دین و دیانت نہیں دیگر بلاد میں ہے مگر وقتِ ظہورِ امام مہدی صاحب کے عود کر کے آوے گا جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے حسبِ شرح آپ کے تو مؤلف صاحب کی ترکی تمام ہو جاوے گی اور خود حدیث سے حسبِ زعمِ مؤلف کے شرح کے ظاہر ہو جاوے گا کہ ایسے وقت میں حرمین کے باشندوں کا قول قابلِ اعتماد نہ ہوا اور یہ خلاف مقصودِ مؤلف کے ہے اور یہ نتیجہ خوش شرحِ مؤلف کا ہے کہ سلیقہ خداداد سے معنی تشبیہ کے بیان کئے نہیں اور مطلب نہیں سمجھا واہ سبحان اللہ کیا خوب استدلال ہے اب سنو کہ حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ دین وہاں سمٹ آوے گا اور قرار پکڑے گا سو اس کا کسی کو انکار نہیں یہ تو نہیں فرمایا کہ وہاں بدعات امورِ غیر مشروعہ ہوں گے اور وہاں کوئی خلاف نہ رہے گا اور عملِ بدعت نہ کرے گا تھوڑی عقل والا بھی سمجھتا ہے کہ اگر دین بھی وہاں ہوا اور خلافِ شرع اعمال بھی وہاں ہوتے ہوں تو خلافِ حدیث کے نہیں یہ کہاں سمجھا گیا کہ حرمین میں جو کچھ ہو گا وہ سب مشروع ہی ہووے گا اور بدعت وہاں ہرگز نہ ہو گی یہ تو خلافِ مشاہدہ کے ہے یہ محض کم فہمی مؤلف کی ہے بیشک حرمین محلِ دین ہے اور وہاں کے باشندگان علماء و عوام دیندار ہیں خصوصاً مہاجرین کہ اپنا ملک چھوڑ کر حرمین میں متوطن ہوئے اور تشبیہ سمٹنے سانپ کی بوجہ تم ظاہر ہو گئی مگر نہ سب علماء اور سب باشندے وہاں کے ایسے دیندار کامل ہونے ضرور ہیں، بلکہ اہلِ بدعت اور خلافِ شرع بھی وہاں رہتے ہیں جیسے سانپ کے بل میں سوا سانپ کے اور آلائش وغیرہ بھی ہوتی ہے اور حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے اور اس بندۂ عاجز نے ایک عالم نابینا سے جو مسجدِ مکہ میں بعد نمازِ عصر کے وعظ کہتے ہیں حال مجلس مولود کا پوچھا تو انھوں نے فرمایا بدعت حرام پس وہاں کے علماءِ حقانی اس عمل کو مذموم جانتے ہیں اگرچہ ملے کے ایسے بھی علماء ہیں جن کا حال اوپر گذرا، اب جو کچھ علماء نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے تھوڑا سا لکھتا ہوں ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں لکھا ہے قَالَ الداودی کان ھذا فی حیوتہ علیہ السلام والقرآن الذی کان فیھم والذین یعلوھم خاصتہ وقال القرطبی وھذا اختص بعصر النبی علیہ السلام والخلفاء الراشدین وما بعد ظھور الفتن و انتشار الصحابۃ فی البلاد ولاسیما فی اواخر المائۃ الثانیۃ وھلم جرًا فھو فی بالمشاھد بخلاف ذلک انتہٰی اور علی قاری اور شیخ عبدالحق نے بھی اس کے قریب قریب

لکھ لوٹ کر سکے مؤلف کے گمان کے مطابق نہ گذرے گی

لہ یعنی داؤدی فرماتے ہیں کہ حرمین شریفین وغیرہ کی طرف دین کا سمٹ جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں ہے اور قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ آپ کے اور آپ کے خلفاء راشدین کے زمانہ میں ظاہر ہوا لیکن بعد ظہور فتنوں کے اور ادھر ادھر بکھر جانے صحابہ کرامؓ کے خصوصاً دوسری صدی کے آخر میں حال اہلِ حرمین شریفین وغیرہ کا مشاہدہ میں خلاف حدیث مذکور ہے ۱۲

معنی آیت ان اولیاءہ الا المتقون

یہ حالت ہوگئی کہ دیوبند کے آگے حرمین شریف کو حقیر جاننے لگے ہائے وہ حرم پاک کہ ہم پانچوں وقت نمازوں میں اپنا منہ اس کی طرف کریں قول وجهك شطر المسجد الحرام اور سوتے وقت بھی رو بقبلہ سونا سنت اور مر جاویں تو بھی حکم دیا جاوے قبر میں لٹانے کے وقت کہ بوجہ الی القبلۃ اور اس خانہ محترم کے متولیان کی طفیل کار کی خدا تعالیٰ ثنا فرمادے کہ ان اولیاؤہ الا المتقون یعنی نہیں ولی کارپرداز بیت اللہ کے مگر پرہیزگار آدمی، افسوس ہے کہ یہ لوگ اس حرم پاک اور اس کے اولیاء کو اس حقارت سے یاد کریں یہ لوگ اپنے بزرگوں کا کلام بھی بھول گئے تحفۃ العرب والعجم میں مولوی قطب الدین خاں صاحب لکھتے ہیں عرب کے علماء پر جو بعضے احمق لوگ طعن کرتے ہیں بڑی خطا پر ہیں اس لئے کہ وہ خیر البقاع کے رہنے والے ہیں، انتہی، اور شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں، خبردار اہل مدینہ سے ہرگز کدورت دل میں نہ لائیو ورنہ فیضان انوار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہو گے

لکھا ہے اس سب تقریر سے اس قدر سب کو معلوم ہوگیا کہ مؤلف کا ۔۔۔ فہم کس قدر کج ہے کہ کہیں مطلب کو نہیں سمجھا اپنی رائے سے ایک مطلب قرار دیکر جچا جاتا ہے بے جوڑ لکھد یتا ہے اور پھر اپنے مطلب تراشیدہ کے موافق بھی دلائل نہیں ہیں تاکہ عجب قصہ ہے اہل علم و فہم غور سے ملاحظہ کریں، ایسی تالیف بھی کہیں دیکھی نہ سنی ہوگی **قولہ** اور اس خانہ محترم کے متولیان الخ **اقول** یہاں تک تو مؤلف صاحب نے خارج بحث خواہ مخواہ دیوبند پر مکہ کی فضیلت ثابت کی تھی حالانکہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اب اہل مکہ و علماء کی افضلیت وتقوی آیۃ ان اولیاؤہ الا المتقون سے ثابت کرتے ہیں، علم مؤلف کو دیکھنا چاہئے، سنو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ نے مکہ میں عمرہ کے واسطے نہ جانے دیا اور لوگوں نے ان کو ملامت کیا تو جواب دیتے تھے کہ ہم متولی وخدمتگار بیت اللہ و مسجد حرام کے ہیں جس کو چاہے آنے دیں اور جس کو چاہے نہ آنے دیں ہم مختار ہیں تو اس کو حق تعالیٰ نے رد فرمایا کہ وہ ہرگز مستحق ولایت بیت اللہ کے نہیں کیوں کہ ظالم ہیں اور مشرک ہیں اور مستحق ولایت بیت اللہ کے مومن موحد ہوتے ہیں اور نیز بیت اللہ کی خدمت گاری خدا تعالیٰ کا گھر ہونے کی وجہ سے وہی کرتا ہے کہ جو حق تعالیٰ کا بندہ مومن موحد ہو، مشرک کہ دشمن حق تعالیٰ کا ہے حق تعالیٰ کے بیت کا کب متولی ہو سکتا ہے بلکہ وہ تو اپنی دنیا کی وجہ سے اور اپنی معیشت کی وجہ سے اس کی کارگذاری کرتا ہے، پس استحقاق ولایت بیت اللہ کا مشرکین کو ہونا محض غلط ہے اور علی ہذا خادم بیت اللہ کا بوجہ حق تعالیٰ کے بیت ہونے کے دعوی کرنا ان کا بالکل لغو ہے استحقاق ان کا مومنین ہی کو ہے اور خدا تعالیٰ کا بیت ہونے کی وجہ سے سوائے مومنین موحدین کے کوئی ولی بیت کا نہیں ہو سکتا ہے یہ مطلب آیت کا تھا جناب مؤلف صاحب نے ایک طبعزاد معنی پیدا کئے کہ جو ولی بیت کا ہوتا ہے وہ مومن متقی ہی ہوتا ہے غیر متقی ولی خادم بیت کا ہوتا ہی نہیں پس جن کو خادم بیت دیکھ جان لینا کہ حسب علم حق تعالیٰ کے وہ متقی ہی ہے سو اگرچہ کا فریا فاسق ولی بیت کا ہو وہ بھی متقی ہی ہوگا، سبحان اللہ کیا ذہن رسا ہے اول تو بداہۃً معلوم ہے کہ مشرکین خادم بیت تھے جن کی تکذیب قرآن کی حسب تفسیر مؤلف کے اس کو لازم آتی ہے پھر یہ کہ خادم اگر چہ فسق وفجور میں مبتلا ہو پھر بھی وہ متقی رہے گا یہ تمام آیات واحادیث و اجماع کے خلاف ہے فساق خدام بیت کو اگر مؤلف فاسق نہیں جانتا تو اپنے ایمان کی فکر کرے کہ کفر کو ایمان اور فسق کو تقوی بتلاتا ہے تمام نصوص کا انکار لازم آتا ہے اور فساق خدام کو متقی شمار کر ان کا مداح ہوکر مورد عتاب حدیث اذا مدح الفاسق اهتز عرش الرحمن وغضب الرب الحدیث کا بنتا ہے اور اس سے درگذر کر اگر یہ آپکی رائے خلاف نصوص کے کوئی جاہل تسلیم بھی کر لیوے تو آپ کو کسی ۔ ۔ ۔ مفید نہیں کیوں کہ خدام بیت اللہ کی سلطان و شریف اور شیبی اور

ہذا کلامہ ملخصاً **قولہ** اور رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں جائز ہے یا نہیں اور قیام وقت ذکرِ ولادت صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے یا نہیں **اقول** اس وقت قیام میں اہلِ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً سے جو سنا ہے تو یہ اشعار پڑھتے ہیں، یا نبی سلام علیک ؛ یا رسول سلام علیک ؛ یا حبیب سلام علیک ؛ صلوٰۃ اللہ علیک ؛ اور ہندوستان میں کچھ ذکرِ میلاد کر کے اس طرح پڑھتے ہیں **اشعار** السلام اے آفتاب داودیں ؛ السلام اے انتخاب اولیں ؛ السلام اے رحمۃٌ للعٰلمین السلام اے مہبطِ روح الامین ؛ غرضیکہ اسی قسم کے اشعار سلامیہ خطابیہ پڑھے جاتے ہیں ان کے جواز میں کون کلام کر سکتا ہے مولوی اسحٰق صاحب کی مائۃ مسائل میں خود یہ مسئلہ مذکور ہے، جواب سوال بست چہارم میں بیان فرماتے ہیں، در ندا کردن غائب میاں نبی وغیر نبی فرق است اگر نبی را ندا خواہد نمود برائے ایصال صلوٰۃ یا سلام ظاہر اجواز است بدو جہت یکے آنکہ در حدیث شریف وارد است کہ ملائکہ از طرف حق تعالیٰ مقرر اند ہر کہ بر نبی صلے اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ یا سلام می فرستد ملائکہ نزد پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم می رسانند دوم آنکہ در التحیات خطاب برائے رسانیدن سلام داخل شدہ پس بنا برایں اگر کسے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بگوید برائے رسانیدن درود یا سلام جائز است انتہٰی، پھر اگر کوئی شبہ لاوے کہ مولوی اسحٰق صاحب نے سلام درود کے ساتھ حضرتؐ کو یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہنا درست لکھا ہے اس واسطے کہ فرشتے پہنچا دیتے ہیں سلام اور درود کو لیکن وہ اشعار مخاطب حاضرہ نسبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جن میں سلام درود نہ ہو تو وہ بالکل ناجائز ٹھہرے حالاں کہ مولد شریف میں ویسے شعر بھی پڑھتے ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ بس یہی جواب ان شعروں میں بھی سمجھ لو یعنی اگر کوئی مداح اور نعت اور منقبت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب حاضر کرے گا تو یہ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے گا ان سے چھپا نہیں رہے گا امت کے سب اعمال اور سب کہنا سننا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا ہے روای البزاز بسند جید صحیح عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئتی استغفر اللہ لکم، اور شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی سورہ بقرہ میں آیۃ ویکون الرسول علیکم شہیدا میں لکھتے ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مطلع است بنور نبوت بر رتبہ متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین

خواجہ سرا و خدمتگاران مسجد ہو ویں گے نہ علماء و سکانؒ وہاں کے کہ ان کو کچھ بھی اختیار مسجد و خدمت بیت کا نہیں مثل دیگر ناس کے ہیں پس ان میں بحث ہے یا علماء میں پس آپ کے ترجمہ ناصواب کے موافق بھی آپ کا مدعیٰ برآمد نہ ہوا اور یہاں بھی وہی ہو گیا کہ اصل مدعیٰ کچھ اور اثبات کچھ قرآن شریف کی تفسیر کو مسخ بھی کیا مفسر بالرائے بھی بنا مگر مطلب نہ نکلا لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور حال لباس معاش ان خدام کا بھی محض خلاف شرع ہے پھر ان کو متقی جاننا مؤلف جیسے حق پوش ہی کا کام ہے قرآن و حدیث سے تو وہ ہرگز متقی نہیں ہو سکتے معاذ اللہ اور نواب قطب الدین صاحب نے بھی ناحق طعن کرنا وہاں کے علماء کا لکھا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ناحق کدورت لانے کو منع کیا ہے نہ یہ کہ وہاں کے اہلِ فسق کو اچھا جانو اور ان کی مدح کرو بغض فی اللہ جزو ایمان کا ہے ان کے اس فسق کو برا جانو اور اس وجہ سے ان کو برا سمجھ کر ان کی برائی ظاہر کرنا واجب ہے تاکہ احمق جاہل ان کے افعال کو دین اور جائز نہ سمجھ جاویں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فاسق کی غیبت سے مت اندیشہ کرو مگر ہاں وہ غیبت بوجہ دین اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے ہو نہ بوجہ اپنے غیظ کینہ کے پس اب

لے باشندے سے لوگ سے بگاڑ دینا،

من رسیدہ الی ان قال ودر آیات آمدہ ہر نبی را اعمال امتیان خود مطلع می سازند کہ فلانے چناں می کند و فلانے چناں تا روز قیامت ادای شہادت تواں کرد انتہیٰ، اور نیز علامہ اسمٰعیل آفندی اور قسطلانی اور زرقانی رحمۃ اللہ علیہم روایت کرتے ہیں عن سعید بن المسیب قال لیس من یوم الا وتعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفہم بسیماہم واعمالہم فلذالک یشہد علیہم یوم القیمۃ، پس اگرچہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم مدح خوانوں کی نظر سے غائب ہیں لیکن ان کے اشعار مخاطب حاضر پڑھے ہوئے سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک خدا پہنچا دیتا ہے ہر صبح و شام پھر جس علت اور دلیل سے الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ یا ایہا النبی وغیرہ بقول مولوی اسحاق صاحب جائز ہوا تھا اسی دلیل سے مدح اور منقبت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب حاضر کے اشعار پڑھنے جائز ہیں اور ہم ذمہ لیتے ہیں کہ صحابہ کرام سے لے کر آج تک اولیاء کرام اور علماء عظام سے اشعار مخاطب حاضر کا پڑھنا ثابت کر دیں گے بیان اس کا ابحاثِ محفل مولد شریف میں آوے گا افسوس ہے کہ اپنے پیر مرشدوں کے کلام پر بھی نظر نہیں رکھتے بول اٹھتے ہیں منھ سے جو چاہیں یہ نہیں جانتے کہ ہر لفظ کا مباحثہ قیامت کو ہوگا وما یلفظ من قولٍ الا لدیہ رقیبٌ عتید اس مقام میں ایک شعر مولوی محمد حسین فقیر کا یاد آیا جو مذمت محفل مولد شریف میں بیان فرماتے ہیں ؎ بہت ندائے رسول خدا میں شاغل ہیں ؛ یہ مشرکوں کی علامت ہے محفل میلاد ؛؛ تو صاحبو عرب میں جو ندائے رسول کرتے ہیں اور جو ہند میں کرتے ہیں ان کا حال تم کو سنایا گیا ہے اب کہئے اگر یہی شرک ہے تو یہ مفتی صاحب اپنے اعتقاد کے موافق پانچوں وقت عین نماز میں مشرک بنتے ہوں گے

مؤلف کا فہم و استدلال خوب واضح ہو گیا مؤلف ایسے کلمات سے توبہ کرے اور کہیں رہ کر کچھ پڑھ لیوے فقط

تحقیق ندا بلفظ یا رسول اللہ **قولہ** حضرت فخر عالم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں الخ **اقول**، سائل کی مراد اس سے یہ تھی کہ ندا اور خطاب تو سب لغات میں حاضر موجود کے واسطے موضوع ہے سو اشعار و مدح میں جو ندا و خطاب پڑھا جاتا ہے تو اگر ذات فخر عالم کو حاضر ناظر بالذات کوئی عقیدہ کرے تو مشرک ہوتا ہے اور اگر یہ عقیدہ نہیں بلکہ محض محبت میں کہتا ہے یا بوجہ اس کے کہ اگر ضمن صلوٰۃ و سلام میں ہے تو ملائکہ آپ تک پہنچا دیں گے اور جو بدون اس کے ہی وقت عرض اعمال کے پیش ہو جاوے گا تو جائز ہے مگر چونکہ اس مجمع میں جہال سفہا اور اہل بدعت کہ تمام اولیاء تک کی نسبت ان کا عقیدہ عالم بالذات ہونے اور متصرف بالذات ہونے کا ہے موجود ہوتے ہیں تو بصورت ندا و خطاب کے ان کے عقائد کا افساد اور ان کی بدعت و شرک کی تائید ہوتی ہے تو در صورتیکہ یہ امر مظنون بلکہ محکم یقین ہے تو در صورت ثانیہ خطاب شرک نہیں مگر تو ہم شرک اور بسبب فتنہ و فساد کا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں اور اس امر کے ضم سے یہ مجلس کیا حکم رکھتی ہے یہ تھی مراد سائل کی تو مؤلف صاحب نے پہلی شق جس میں شرک لازم آتا تھا مطلقاً ذکر نہ فرمائی اس کو بالکل حذف فرمایا گویا یہ معنی خطاب و ندا کے تھے ہی نہیں اور دوسری شق کو اپنی اصل پر رکھ کر فی حد ذاتہ اس کا جواب دیا کہ بالکل جائز ہے کون اس کو منع کرتا ہے اور پھر اس کے اثبات میں دلائل پیش کر دیں، اب مؤلف صاحب سے کوئی پوچھے کہ جس شق کے اصل جواز کا آپ فتویٰ فرما رہے ہیں اور اس پر بڑی دھوم دھام سے مولانا محمد اسحاق صاحب و شاہ عبد العزیز صاحب اور بزازیہ وغیرہ سے روایت کشی ہو رہی ہے اس کا سائل کب منکر ہوا اور وہ اس کو کہاں پوچھتا ہے تم کیوں سر کھپا کر تقریر طویل لاحاصل کر رہے ہو یا تو شق اول کا جواب لکھنا تھا کہ آیا وہ شرک ہے یا نہیں یا دوسری شق کی عارض پر بحث کرنی تھی

ؔ جاہل کی جمع ؔ بیوقوف

اس لئے کہ التحیات میں پڑھتے ہیں السلام علیک ایہا النبی یعنی سلام ہو تم پر اے نبی دیکھو اس میں ندائے رسول خدا موجود ہے اب کوئی کہنے
میں مولوی صاحب نمازیوں کے حق میں بھی یہ شعر پڑھیں گے ؎ بہت ندائے رسول خدا میں شاغل ہیں ٭ یہ مشرکوں کی علامت
ہے پنجگانہ نماز ٭ نعوذ باللہ من سوء الاعمال الاعتقاد اور واسطے بیان خطاب حاضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آئندہ زیادہ تر تحقیق

کہ باوصف اس مفسدہ کے بھی مجامع عام میں ایسے اشعار پڑھنے درست ہیں یا نہیں وہ کب کہتا ہے کہ فی حد ہ یہ صورت ناجائز ہے اور
مفتیوں کے مرشدوں دوستوں نے اگر ایسے اشعار کبھی پڑھے تو خود خلوت میں یا خواص میں پڑھا ہے نہ عوام جہلا میں اور طبع ہو کر
ان کی تشہیر کا اگر قصور ہے تو دوسرے لوگوں کا ہے پس کیا عجیب مؤلف کے فہم پر ہے کہ جس کو سائل پوچھتا ہے اس کا تو قلیل کثیر کچھ بھی جواب
نہیں، اور ایک غیر مسئول امر پر زور و شور علم کا جتلایا جاتا ہے پس آپ کی سب روایات منقولہ مسلم ہیں مگر آپ کے فہم پر اور حسن جواب پر صد
آفرین ہے، الغرض جواب آپ کی خوبی علم و فہم کا، اور اس تقریر طویل کا تو ہو چکا اب اگر تم دلائل اولیاء و علماء و صحابہ کے اس باب میں نقل
کرو گے تو آپ کو ہرگز ذرہ بھر بھی مفید نہیں کیوں کہ سب کا یہی جواب ہے کہ ان کا عقیدہ ہرگز حضور و اثبات علم و غیب کا فخر عالم علیہ السلام کا
نسبت نہیں اور یہ کلمات فرط محبت میں کہے اور خلوت یا جلوت خواص میں پڑھے، اب بولو کہ آپ کی اوراق نویسی اس ایک کلام سے
رد ہو گئی یا نہیں بعد اس کے جو آپ نے مولوی محمد حسین فقیر پر ایک طعن کیا ہے محض بیجا ہے کیوں کہ اہل بدعت کا یہ عقیدہ علم غیب بالذات
کا محقق و مشہور ہے سو انھوں نے ان کی ہی نسبت یہ شعر لکھا ہے اور واضح ہے کہ اس عقیدہ سے خواہ ضمن صلوٰۃ و سلام میں خطاب ہو یا غیر
صلوٰۃ و سلام میں بہر حال شرک ہے اور بدون اس عقیدہ کے خواہ صلوٰۃ و سلام ہو یا غیر اس کے جائز جبتک مجمع عوام و سفہا میں نہ ہو سو
ان پر طعن بیمحل ہے اگر التحیات میں عقیدہ علم غیب کا ہوگا تو ان کو اس کے شرک ہونے سے کب انکار ہے وہ بھی شرک ہو جاوے گا اور
التحیات میں یہ صیغہ یا محض نقل و ہدایت ہے اس واسطے درست ہوا یا بوجہ سلام کے کہ وعدہ ایصال ہو چکا ہے اور خلاف اس کے عقیدہ
کرنے میں بھی وہی حکم ہے، پھر طعن کیسا بے موقع ہوا مگر مولوی محمد حسین صاحب تو آپ کے معاصر ہیں ان پر طعن کرنے سے کوئی آپ کو
بڑائی حاصل نہیں ہوتی، البتہ بڑے بڑے علماء پر جیسے مولوی محمد اسماعیل صاحب مولوی محمد اسحاق صاحب ان پر اعتراض کرلیں اور
علماء و فقہاء متقدمین میں جو روشنی کثیر کو مکروہ فرماتے ہیں ان پر طعن علمی سوا ایت کرنے سے جیسا روشنی کے مسئلہ میں گذرا اور خود حضرت
عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ پر اسراف کی روشنی کرنے اور اس کی مدح کرنے پر کہ قرآن شریف کے حکم کے خلاف اسراف کیا آپ صراحتاً و اشارۃً طعن
کر چکے ہیں تو وہ البتہ موجب آپ کے تبحر علم کا عوام کالانعام کے نزدیک ہوتا ہے تو اس باب میں بھی ہم آپ کو بتلاتے ہیں کہ بخاری میں
ہے کہ ابن مسعودؓ تا حیات فخر عالم السلام علیک ایہا النبی التحیات میں پڑھتے تھے اور بعد وفات آپ کے السلام علی النبی پڑھنے لگے
تھے اب ان پر طعن فرمائیے تاکہ لوگوں کے نزدیک خوب عظیم شان آپ کی ہویدا ہو جاوے مولوی محمد حسین تو بڑوں کی تقلید سے بری
ہو جاویں گے، ایسوں پر طعن فرمائیے تاکہ لوگوں کے نزدیک؟ اب مؤلف صاحب غور فرماویں اور سب اہل علم نظر فرماویں کہ مؤلف صاحب
نے شرح سوال کیا کی اپنی طرف سے ایک سوال نیا تصنیف فرمایا ہے سائل نے پانچ قید سوال میں لکھی تھی، امردان خوش لحن کا قصائد
مدح پڑھنا زیب و زینت کا ہونا، شیرینی کا ہونا، روشنی کثیر کا ہونا، فخر عالم کو خطاب و ندا سے یاد کرنا، سو پانچوں قیود کی وہ شرح فرمائی

ھٰ شہر کرنا جس کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا ۔ شاباشی کی زیادتی محفل کا ثابت ہم زمانہ گنہار عوام جانور کی طرح ہیں

نوینہارم میں آوے گی **قولہ** حدیث نبوی جائز ہے یا نہیں بیوا تو جوا **اقول** سائل نے حصر کر دیا دین کو حدیث میں کہ حدیث سے جائز ہے یا نہیں، یوں پوچھنا چاہیئے تھا، کہ شرع شریعت میں جائز ہے، یا نہیں، اس لئے کہ شرع شریف کے مسائل فقط حدیث ہی سے نہیں نکلتے، بلکہ اول دلیل شرع قرآن مجید ہے پھر حدیث شریف پھر اجماع امت پھر قیاس اس بات کا کہ ہم خاص ان ہی کے مجتہد مذہب سے بسنوائے دیتے ہیں، دیکھو مولوی اسماعیل صاحب تذکیر الاخوان میں درباب رد بدعت لکھتے ہیں، جو مسئلہ کہ قرآن میں مفصل مذکور نہیں، اس کا حال حدیث سے دریافت کرے اور جو حدیث میں بھی صریح بیان نہ ہو تو وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابوں سے دریافت کرے اس اجماع کے موافق عمل کرے اس واسطے کہ حدیث کی رو سے صحابہؓ کے اجماع کی پیروی کرنے کا حکم ثابت ہے، پھر جو مسئلہ اجماع سے ثابت نہ ہو یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں ویسا واقع نہ ہوا جو اس پر وہ حکم صحیح اگر اجماع کرتے تو ایسی بات پر مجتہدوں کے قیاس صحیح کے موافق عمل کرے انتہی، بلکہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے کلام سے تو مابعد مجتہدوں کی بات نکالی ہوئی بھی حق معلوم ہوتی ہے اس مقام میں بعد تیرہ ۱۳ چودہ ۱۴ سطر کے فرماتے ہیں پھر اور کوئی مولوی مشائخ جو اپنی عقل کو دخل دیکر کوئی بات نکالے تو اس کا کیا ٹھکانا، مگر ہاں اگر عالم دیندار متقی پرہیزگار اُس مسئلہ کو قبول کرلیں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے، انتہی۔ اب سائل کو معلوم کرنا چاہیئے کہ جب جواز امور کے واسطے بہت دلائل ہوئے، یعنی قرآن اور حدیث اور اجماع اور قیاس مجتہدین اور اتفاق اکثر علماء دیندار پس جب کوئی امر ان دلائل میں کسی ایک دلیل سے ثابت ہو جا ئے گا اس کو کہیں گے کہ یہ امر شرع میں جائز ہے یہ نہیں

کہ ہرگز سائل کے ذہن میں بھی نہیں گذری ہے اپنی طرف سے خلاف مقصود سائل کے ایک شرح فرمائی اور پھر جواب بھی اُس شرح کے لکھے وہ بھی اکثر جگہ اس شرح کے مطابق و مناسب نہیں چہ جائیکہ اصل مقصود سائل کی موافق ہوتی چنانچہ تحریر بالا سے ہویدا ہو گیا سوا ایسا جواب سوال اور ایسی شرح شاید کسی نے آنکھ کھول کر دیکھی ہوگی عجب تماشہ ہوا اور پھر ان جوابات میں جن جن امور کی نسبت اہل حق کو مطعون بناتے ہیں وہی امور خود اختیار فرماتے ہیں، سبحان اللہ کیا اعجوبہ ہے **قولہ** بحدیث نبوی الخ **اقول** یہ اعتراض سائل پر ہے کہ فقط حدیث سے ہی کیوں کہ طلب جواب کیا قرآن و اجماع و اجتہاد بھی حجت شرعیہ ہے سو بیجا ہے اول تو اس کا عذر قبول ہو کہ بیچارہ ناواقف ہے مگر خوب محقق ہو گیا کہ مؤلف کے نزدیک فقط حدیث سے مطالبہ کرنا کسی حکم کا معیوب و زبون ہے بلکہ حجج اربعہ میں سے کسی سے جواب دیدے تو کافی ہے اور اتباع امر معیوب کا بھی ناجائز ہے اگر کوئی مستفتی خواہ مخواہ جواب سوال کا حدیث سے ہی طلب کرے تو مفتی کو اس پر عمل کرنا جائز نہیں کیوں کہ اتباع ناروا کا بھی درست نہیں ہوتا سو مؤلف اس اپنے قاعدہ مقررہ کو یاد رکھے کہ اس کے خلاف میں مؤلف مطعون ہووے گا اور جو اس بیچارہ کے کلام کی تاویل کرسکو تو کیوں اس پر غصہ ہوتے ہو قرآن کی حدیث تفسیر ہو اور حدیث بھی تابع وحی ہے سو قرآن و حدیث تو ایک ہی ہوئی معنیً و حکماً اور اجماع بلا سند نہیں ہوا کرتا سو سند قرآن کی آیت یا کوئی حدیث صراحۃً اشارۃً دلالۃً ہوتی ہے سو وہ بھی حکماً حدیث ہی ہوا اور قیاس خود مظہر حکم ہے نہ مثبت حکم سو وہ بھی اگر اجماع سے ہے تو وہ معلوم ہوا کہ حدیث ہی ہر حکماً اور قرآن سے ہے تو وہ بھی معنیً حدیث سے متحد ہے پس اس کا کہنا بایں تاویل درست ہے پس مطالبہ حدیث میں اگر کوئی قول مجتہد کا پیش کردیگو یا جزئیہ علماء کا جو قاعدہ کلیہ مجتہد سے نکالا ہے پیش کردیوے تو وہ جواب حدیث سے ہی ہووے گا صریح حدیث کی ضرورت نہیں بہر حال

لے ظاہر سے براءۃ جمع ہے حجت کی معنی دلیل کے یعنی قیاس سے حکم ظاہر ہوتا ہے، ثابت نہیں ہوتا،

کہ جس کا نام فقط حدیث میں صریح آیا ہو وہ جائز ورنہ ناجائز یہ بات ہرگز محققین کامل کے نزدیک مسلم نہیں واضح کہ یہاں تک سوال فتویٰ انکاری کی شرح کی گئی اب انہی کے جوابات جو مفتی صاحبوں نے لکھے ہیں اس کی توضیح کرتا ہوں **نور دوم** میں چھپے ہیں **لمعہ اولیٰ** نقل جواب واضح ہو کہ اس سوال کا جواب اول دہلی میں لکھوایا گیا پھر اصحاب دیوبند نے اس پر مہریں لگائیں وہ یہ ہے **جواب فتویٰ انکاری** انعقاد محفل میلاد اور قیام وقت ذکر پیدائش آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قرون ثلثہ سے ثابت نہیں ہوا پس یہ بدعت ہے اور علیٰ ہذا القیاس بروز عیدین وغیر عیدین و پنجشنبہ وغیرہ میں فاتحہ مخصوصہ ہاتھ اٹھا کر پایا نہیں گیا البتہ نیابۃ عن المیت بغیر تخصیص ان امور مرقومہ سوال کے للہ مساکین و فقراء کو دیکر ثواب پہنچانا اور دعا و استغفار کرنے میں امید منفعت ہے اور ایسا ہی حال دہم سویم چہلم وغیرہ اور چنے اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا عدم ثبوت حدیث اور کتب دینیہ سے خلاصہ یہ کہ بدعات مخترعات ناپسند شرعیہ ہیں انتہیٰ حرفاً حرفاً اب مؤلف رسالہ ہذا اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد پر بھروسہ کر کے بیان کرتا ہے ان امور ناصواب کو جو اس جواب میں ہیں واضح ہو کہ اس جواب پر دہلی کے تین صاحبوں کی مہر ہے، الٰہی بخش، حبیب اللہ، شریف حسین، یہ صاحب دہلی میں غیر مقلد ہیں سب ان کو جانتے ہیں ان کا یہ جواب لکھنا کچھ تعجب نہ تھا لیکن اصحاب دیوبند اس فتویٰ میں ان کے تابع ہو گئے مدرسہ دیوبند کے طلباء اور مدرسین کی پانچ مہریں چند دستخط ہیں ایسے ایسے بعض کہ ان میں سے ایک صاحب کی عبارت یہ ہے، ہذا مسئلہ جواب صحیحۃ حسن علی عفی اللہ عنہ، سبحان اللہ عبارت ان مفتی صاحب کی دیکھنے کے قابل ہے اور فصاحت و بلاغت تذکروں میں لکھنے کے قابل ہے لفظ ہذا کی تذکیر و تعریف مسئلہ کی تانیث تنکیر، جواب کی تذکیر صحیحۃ کی تانیث پھر مسئلہ یعنی سوال مبتدا اور جواب صحیحۃ اس کی خبر سوال کی خبر جواب کیا کیا تماشے ہوئے ہیں خیر ہم کو ان صاحبوں میں کسی سے کچھ تعارض نہیں، الا مولوی محمد یعقوب صاحب، کہ اس مدرسہ کے مدرس اول ہیں چونکہ انھوں نے غیر مقلدوں

پھر جا موافقت کی ہیں کو یاد رکھے، الحمد للہ برہان اول نے لمعہ نور اول کو ظلمات مکونہ سے کہ ظلمات جہل پر نور مثل طمع کے غبار رفع کر کے اس کی ظلمات اصلیہ کو واضح طور پر نمایاں عیاناً کر دکھایا **قولہ نور دوم الخ اقول** اس میں مؤلف نے جواب بالفظ نقل کیا ہے بعد اس کے کچھ اپنے علم کے فخر یہ کلمات لکھے ہیں کہ اس کے جواب کی ضرورت نہیں علم مؤلف کا نور اول ہی خوب ظاہر ہو چکا **قولہ** ان میں سے ایک، صاحب کی عبارت یہ ہے الخ **اقول** حسن علی نام کوئی مدرس مدرسہ دیوبند میں نہیں ابتدائے بناء مدرسہ سے آج تک کی کیفیات موجود ہیں دیکھ لو مؤلف کو اگر دیوبند کے مدرسہ پر طعن کرنا مقصود ہے تو ایسی طرح طعن کرنا کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہ ہو شرم کی بات ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے ان بعض الظن اثم پھر خواہ مخواہ حسن علی کو دیوبند کا مدرس یا طالب علم قرار دیکر محض اپنی طرف سے یہ لکھنا کس قدر خلاف امر حق تعالیٰ کے ہے اور جو توہین مدرسہ کی غرض مؤلف کی ہے تو ایسے واہی مطاعن سے کچھ نہیں ہوتا اور مدرسہ دیوبند کا جو کچھ علم ہے اگر کچھ فہم خداداد مؤلف کو ہے تو اوسے اور دیکھے اس فقیر کے گمان میں یہ آتا ہے کہ مدرسہ دیوبند کی عظمت حق تعالیٰ کی درگاہ پاک میں بہت ہے کہ صدہا عالم یہاں سے پڑھ کر گئے اور خلق کثیر کو ظلمات ضلالت سے نکالا یہی سبب ہے کہ ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھکر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی آپ تو عربی ہیں، فرمایا کہ جب سے علماء مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آگئی، سبحان اللہ اس سے رتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا پس جس کا رتبہ عند اللہ زیادہ ہوگا، شیطان عدو مبین اس کی تخریب و توہین میں زیادہ

---

۱ رائج، ۲ میت کی طرف سے قائم مقام ۳ طعنے حسین کو طعنہ دیا جائے

کی تحریر پر مہر لگادی اس لیے ہم کو ان سے چار شکایتیں ہیں **شکایت اولیٰ**۔ بقانون طریقت یعنی ان کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب سے ہم نے مکہ معظمہ میں ملنے کا ہرگز یہ طریق متعصبانہ نہیں دیکھا بلکہ نہایت مستقیم و معتدل افراط و تفریط سے خالی پایا لوگوں نے مسئلہ قیام کا پوچھا حالاں کہ مانعین اس کو بڑا منکرات میں سمجھتے ہیں، کفر و شرک تک نوبت پہنچاتے ہیں، لیکن انھوں نے یہ جواب دیا کہ اگر اصحاب محفل کھڑے ہو جاویں کھڑے ہو جاؤ اگر بیٹھے رہیں تم بھی بیٹھے رہو، ایسی گفتگو مصلحت آمیز ہے کہ اس میں جھگڑا مقصود نہیں اور چند مسائل ان کے اسی طور دیکھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے سب مریدوں کو اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو منع فرمایا ہے کہ جو مسائل ہند کے علماء میں مختلف فیہ ہیں ان پر مہر مت کیجو، پھر مولوی محمد یعقوب صاحب نے کیوں کسی کے کہنے سے اپنے مرشد ہادی کے خلاف طریق اور خلاف حکم پر مہر لگائی، **شکایت ثانیہ** یعنی کیوں دیدۂ تحقیق سے فکر کر کے کنہ مسئلہ کو نہ معلوم کیا مسئلہ میں

سرگرم ہوگا، پس مؤلف حالاں کہ علماء مدرسہ دیوبند سے اس کو کوئی گزند[1] نہیں پہنچا، اور اس کی بنا میں مدرسہ نے خلل نہیں ڈالا، البتہ اس کے بدعات کے ظلمات کا کاشف ہے لہٰذا مؤلف کو اس مدرسہ دیوبند سے عناد ہے اور اس مدرسہ کو اپنا دشمن جانتا ہے، مگر جس کا حامی حق تعالیٰ ہو اس کا کوئی کیا کر سکتا ہے، الغرض حسن علی نام کوئی مدرس نہیں، اور جب حسن علی کے دستخط ہیں خواہ مخواہ اس پر مطاعن لفظی کرنی بھی دور از دیانت ہے کیوں کہ مطبع کی غلطی کا احتمال قوی ہے چنانچہ اس فتوے میں بہت الفاظ غلط موجود ہیں سو حسن ظن کرنا اور کاتب کی یا صاحب مطبع کی غلطی پر حمل کرنا مناسب تھا مگر یہ تو جب ہوتا کہ مؤلف کو حسن ظن پر عمل کرنا مد نظر اور اندیشہ آخرت ہوتا اور چوں کہ تخطیہ[2] معنوی کا تو مؤلف کو سلیقہ و ملکہ نہیں، تخطیہ لفظی سے تسلی کر لیتا ہے خیر یہ تو سہل ہے، لیکن مشکوٰۃ اور قرآن شریف دہلی کے مطبع کے مثلاً مؤلف کو دیکھ کر جو اس میں غلطی کاتب ملاحظہ کرے گا تو معاذ اللہ حق تعالیٰ اور جناب فخر عالم پر مواخذہ نہ کرنے لگے کیوں کہ مؤلف کی عادت تو یہی ٹھہری کہ اصل مؤلف کو الزام لگاتا ہے کاتب کی خطا پر تو حمل کرتا ہی نہیں استغفر اللہ استغفر اللہ

جواب حضرت حاجیؒ کی اجازت قیام ناواقفیت حال جہلا پر...... مبنی ہے

رام پوری کی شکایت اربعہ **قولہ** شکایت اولیٰ الخ **اقول** جناب حاجی صاحب سلمہ کا جواب قیام میں اگر صحیح ہے تو یہ وجہ ہے کہ ان کو جہلاء ہند کا حال معلوم نہیں مولوی ناواقفیت حال کہ کیا عقائد پیدا ہو گئے ہیں اور فتوی دینے میں مفتی کو حال اہل زمانہ کا دیکھنا ضرور ہے کہ اختلاف احوال سے جواب بدل جاتا ہے اور یہ تبدیل مباح امور میں ہوتی ہے، پس اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کا حال ان کو معلوم نہیں اور بحسن ظن قیام کو مباح جان کر جائز رکھا اور مخالف کو موجب فتنہ جان کر موافقت کا حکم دے دیا اس رائے کو مؤلف نے بھی پسند کیا لیکن اباحت پر اس قدر اصرار فحش کہیں شرع میں درست نہیں اور یہ روایت کہ انہوں نے جناب مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم اور جناب مولوی رشید احمد صاحب کو مسائل مختلف فیہا پر مہر لگانے سے منع کیا تھا، خوب تحقیق ہوا کہ محض غلط ہے، کسی مفتری کا افترا[3] ہے کہ اپنی بات بنانا مطلب ہے پس یہ شکایت بے اصل محض ہو گئی **قولہ** شکایت ثانیہ الخ **اقول** مؤلف کو کس طرح معلوم ہوا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب نے بدون فکر کے مہر لگا دی ہے اگر یہ وجہ ہے مؤلف بحر العلوم کے فہم کے خلاف ہے اور جو امر خلاف لائے ایسے بحر زخار کے ہوگا وہ غلط ہی ہوگا تو مؤلف صاحب اپنے منہ میاں مٹھو ہوتے ہیں، نور اول میں تو مؤلف کی فہم کی ظلمات ابھی واضح ہو چکی اگر نظر بریں کتاب یہ کہا جاوے تو لائق ہے کہ جو مطابق رائے مؤلف

---

[1] نقصان [2] معنوی غلطی نکالنا [3] اصرار [4] بہتان

تقلید ایک جز کہ خاص کی بلا خوض و تفکر صحیح نہیں شکایات ثالثہ اگر مولوی شریف حسین وغیرہ یہ بات کہیں کہ قرون ثلثہ کے بعد جو حادث
ہو وہ ضلالت ہے تو کچھ ان سے بعید نہیں کیوں کہ غیر مقلد ہیں لیکن اصحاب دیوبند جن کا مذہب تقلید ہو اور یہ کہتے ہوں کہ امام واحد
کی تقلید کل مسائل میں واجب ہے چنانچہ فتویٰ مولوی محمد قاسم صاحبؒ اور اظہار الحق صاحب سے یہ بات ظاہر ہے پھر یہ صاحب
کسطرح فرماتے ہیں کہ ایجاد بعد قرون ثلثہ کا بدعت ہے یہ اعتقاد وجوب تعیین تقلید شخصی کا تو قرون ثلثہ کے بعد حادث ہوا ہے اپنے
پیران پیر شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ کو دیکھیں کہ وہ لکھتے ہیں، اھل المائۃ الرابعۃ لم یکونوا مجتمعین علی مذھب الواحد

کے ہو گا گو بظاہر درست ہو مگر درباطن لاریبٌ غلط ہو گا کیوں کہ اکثر جگہ یہی ظاہر ہوتا ہے پس مولوی صاحب کو ہرگاہ کہ جواب صحیح ہوا مہر
لگا دی ورنہ مصداق اس حدیث کے ہوتے من سئل عن علم فکتمہ الجم بلجام النار۔ اور مخالف اگر صادق امر کہے اس کی تصدیق ضروری
یہ بیدینی ہے کہ کوئی بددین اگر دین کی بات کہے تو تکذیب کر دیوے کہ اس میں یہ خود مکذب بنتا ہے، فخر عالم علیہ السلام نے یہودی کی بھی
سچی بات کی تصدیق کی ہے، چنانچہ صحاح میں یہ روایت موجود ہے، پس یہ شکایت محض کم فہمی مؤلف کی ہے **قولہ** شکایت ثالثہ الخ
اقول مؤلف اپنے خوبیٔ فہم سے بلکہ اپنے اسلاف ہم مشرب کی تقلید سے معنی موجود ہونے کے قرون ثلثہ میں اور نہ موجود ہونے کے یہ سمجھ
رہا ہے کہ اگر قرون ثلثہ میں یہ جزئی خاص حادث ہو کر وجود خارجی میں آجاوے خواہ دلیل اس کے جواز کی ان قرون میں موجود ہو یا
نہ ہو تو وہ سنت ہے اور اگر ان جزئی خاص نے ان قرون میں وجود خارجی نہیں پایا اگرچہ جنس ان کی اس قرون میں موجود غیر منکر ہو
یا دلیل جواز کی موجود ہو وہ بدعت سیئہ ہے مگر یہ فہم بالکل غلط فاحش اور محض کور علمی ہے اور مؤلف کی فقط اسی کج فہمی پر تمام اس رسالہ
کی بنا ہے اور اسی ہی کو نہ فہمی سے تمام مغالطاتؔ و قبائحؔ کا مرتکب ہوا ہے مگر ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ جو شے
قرون ثلثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے اور جو بوجود شرعی موجود نہ ہو وہ بدعت ہے اب سنو کہ وجود شرعی اصطلاح اصول فقہ میں اس
کو کہتے ہیں جو بدون شارع کے بتلانے کے اور فرمانے کے معلوم نہ ہو سکے اور حس اور عقل کو اس میں دخل نہ ہو پس اس شے کا وجود شارع
کے ارشاد پر موقوف ہوا خواہ صراحتًا ارشاد ہو، یا اشارۃً و دلالۃً، پس جب کسی نوع ارشاد سے حکم جواز کا ہو گیا تو وہ شیٔ وجود شرعی میں آگئی
اگرچہ اس کی جنس بھی خارج میں نہ آئی ہو، اور معلوم رہے کہ سب احکام شرعیہ بوجود شرعیہ ہی ہیں کیوں کہ حکم علت اور حرمت کا بدون
شارع کے ارشاد کے معلوم نہیں ہو سکتا پس جس جواز کا حکم کلیۃً ہو گیا وہ جمیع جزئیات شرع میں موجود ہو گیا اور جس کے عدم جواز کا حکم ہو گیا تو
شرع میں اس کا عدم ثابت ہو گیا اور وجود اس کا مرتفع ہو گیا، پس یہ حاصل ہوا جس کے جواز کی دلیل قرون ثلثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ موجود
خارجی ان قرون میں ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے اور وہ بوجود شرعی ان قرون
میں موجود ہے اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو خواہ وہ ان قرون میں بوجود خارجی ہوا یا نہ ہوا وہ سب بدعت ضلالہ ہے اور یہ بھی
سنو کہ اس زمانہ کا شیوع بلا نکیرؔ دلیل جواز کی ہے اور نکیر ہونا اس پر دلیل عدم جواز کی ہے علی ہٰذا اس کی جنس پر نکیر ہونا دلیل اس
کے عدم جواز کی ہوتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ حکم کا اثبات قرآن و حدیث سے ہی ہوتا ہے اور قیاس مظہر حکم کا ہے مثبت حکم کا
نہیں ہوتا پس جو قیاس سے ثابت ہوتا ہے وہ بھی کتاب و سنت ہی سے ثابت ہوتا ہے اس قاعدہ کو خوب غور کرنا اور سمجھ لینا نہ

لے یقینًا ۔ لے جو تا بنا نا ۔ لے مغالطہ کی جمع ۔ لے مانع

پس جب کہ چوتھی صدی تک تقلید شخصی پر مجتمع نہ تھے تو ظاہر ہوا کہ چوتھی صدی کے بھی بعد مسئلہ وجوب کا حادث ہوا اور خود چوتھی صدی قرون ثلثہ سے بہت بعد ہے تو مابعد چہارم تو نہایت البعد زمانہ ہوا اور تنویر الحق میں مولوی قطب الدین خاں صاحب نے قاضی ثناء اللہ کی تفسیر مظہری سے نقل کیا ہے اہل السنۃ والجماعۃ قد افترق بعد القرون الثلاثۃ او الاربعۃ علی اربعۃ مذاهب الخ یہ بات ہم کو مضر نہیں کیوں کہ ہم بعض بدعت حسنہ کو واجب بھی کہتے ہیں اور بدعت حسنہ کا وجود فقط قرون ثلثہ میں منحصر نہیں کہتے لیکن ان اصحابوں پر مشکل ہوگا۔

شکایت رابعہ: آپ کے پیر مرشد جناب حاجی امداد اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ضیاء القلوب مطبع مجتبائی ہمارے پاس ہے، وہ کتاب واسطے دستور العمل ہونے اپنے مریدوں کے لکھی ہے، اس میں بہت باتیں اس طرح کی ہیں، مثل فاتحہ بارواح مشائخ اور خطرات کو مشاہدہ جمال مرشد سے دفع کرنا یعنی (تصور شیخ)، اور عروج اور نزول کے طور پر ذکر کرنا، اور رگ کیماس کا دبانا، اور مونڈھے اور ناف اور گھٹنے وغیرہ کی طرف اشارات اثنائے ذکر میں کرنا اور اذکار کا عدد اور جلسہ کی ہیئت اور وضع اور وقت وغیرہ کی تعینات خاص کرنا اس قسم کی بہت سی چیزیں اس میں ہیں کہ قرون ثلثہ سے ہرگز بایں ہیئت کذائی ذہمیں ہیئات مجموعی ثابت نہیں اور مولوی شریف حسین اور حفیظ اللہ صاحب واعظ کی تحریر اس فتویٰ انکاری میں یہ ثابت کر رہی ہے، کہ محفل مولد شریف اور فاتحہ اموات بباعث

ہے، مولف اور اس کے اشیاخ نے اس کی ہوا بھی نہیں سونگھی، اس عاجز کو اپنے اساتذہ جہابذہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورۃً رکھتا ہوں کہ اپنے موافقین کو نفع ہو، اور مخالفین کو شاید ہدایت ہو، اگر اس کو خوب نگہداشت کیا جاوے تو تمام اس رسالہ اور دیگر رسائل مبتدعین کی خطا واضح ولائح ہے اور مولف تو کسی مطلب علمی کو کہیں بھی نہیں سمجھتا، اپنی فکر ناتمام سے ایک معنی قرار دیکر بدون مغز کلام کے سوچے سمجھے جو منہ میں آیا نکال ڈالتا ہے ایسے علم و فہم پر افسوس آتا ہے

تقلید شخصی واجب ہے پس بعد تمہید اس قاعدہ کی دیکھو کہ تقلید شخصی کی دلیل قرون ثلثہ میں موجود ہے گو وجود خارجی اس کا بھی ہو اس سے ہم کو بحث نہیں، فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون الاٰیۃ، اس میں وجوب تقلید کا حکم ہے اور باطلاقہ شخصی اور غیر شخصی دونوں کو محتوی ہے اور دونوں مامور علی التخییر ہیں اور آیہ ولا تفرقوا اور حدیث کونوا عباد اللہ اخوانا الحدیث وغیرہ میں امر وجوب تقلید شخصی کا وقت افتراق اور اختلاف کی موجودہ --- ثابت ہے، کیوں کہ زمان جہل میں اور وقت اعجاب کل ذی رائے برائہ کی عدم تقلید شخصی میں فتنہ ہوتا ہے چنانچہ اب خود مشاہد ہے لہٰذا بالتعین وجود وجوب لغیرہ تقلید شخصی کا بعد زمانہ قرون ثلثہ کے ہوا اگرچہ وجود شرعی اس کا قرون ثلثہ میں ثابت تھا، پس اس کو بدعت ضلالہ جاننا حسب مشہور محض جہل اور سوء فہم ہے کہ بعد اس شرح بسط کے کوئی عاقل جاہل بھی نہ کرے گا، اگرچہ مولف سے توقع قبول کی نہیں،

اشغال مشائخ ہیں ثابت بالسنۃ! اور علیٰ ہذا القیاس اشغال مشائخ کا جواب ہے پس یہ دو شکایتیں مولف کی ثالثہ اور رابعہ محض مولف کے عدم علم و فہم سے ناشی ہوئے اور مولف نے باتباع بعض علماء کے اس کو بدعت حسنہ سے تعبیر کیا اور یہ فرق اصطلاحی اور لفظی تھا فی الواقع کوئی خلاف معنوی نہ تھا، مطلب سب کا ایک تھا، میاں مولف نہ سمجھے نہ بوجھے اس کو نزاع حقیقی سمجھ کر الغل مارنے لگے اور اپنی حقیقت سب پر ظاہر کر دی قولہ شکایت رابعہ الخ اقول، اس کا جواب بھی جواب شکایت ثالثہ سے واضح ہو گیا اور اس کے جواب میں طول و بسط

۱؎ ثابت کرنے والا ۲؎ جماعت ۳؎ مشتمل ۴؎ اختیار کے ساتھ ۵؎ ہر شخص اپنی رائے پر اعتماد ۶؎ مشہور تعریف کے مطابق ۷؎ ایجادات

عدم ثبوت قرون ثلثہ سے مخترعات ناپسند شرعیہ ہیں اور آپ نے اس کی تصحیح پر مہر لگائی تو فی الحقیقت یہ مہر ہو گئی اس بات پر کہ جو چیز قرون ثلثہ سے
ثابت نہ ہو وہ مخترعات ناپسند شرعیہ سے ہے، پس داخل ہو گئے اس میں سب اذکار و اشغال مرسومہ خاندان جناب ضیاء القلوب میں
مندرج ہیں کہ ہرگز ان کا ثبوت بہیئت کذائی و ہیئات مجموعی قرون ثلثہ سے نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان اور ہم کو یہ اعتراض کچھ مضر نہیں اس
لئے ہم اس کے قائل نہیں کہ جو باتیں قرون ثلثہ میں نہ ہو وہ ضلالت او سیئہ ہوتی ہے لمعہ ثانیہ رد جواب مانعین و تحقیق بدعت و
ثبوت بدعت حسنہ واضح ہو کہ اس فتوی انکاری میں کوئی منع کی دلیل نہیں سوا اس کے کہ یہ باتیں قرون ثلثہ میں نہ تھیں اور جو قرون

کہا گیا کہ یہ بہت کارآمد قاعدہ ہے اور تمام رسالہ کے قمع کو کافی ہے بغور ملاحظہ کرنا لازم ہے - - - - - - - - - - - - -
بدعت حسنہ وسیئہ کی حقیقت اقول لمعہ ثانیہ رد بدعت مانعین و تحقیق بدعت الخ اقول تحقیق معنی بدعت میں مؤلف نے نہایت اپنا جوہر
فہم دکھایا اور غایت مبلغ علم کا اظہار کر دیا اور اس تحقیق پر مؤلف کو نہایت فخر و ناز ہے پہلے جواب شکایت ثالثہ میں یہ عاجز حقیقت بدعت کو لکھ
چکا ہے اب یہاں پھر لکھتا ہوں سنو کہ تمام علماء اول سے آخر تک متفق ہیں اس بات پر کہ بدعت لغت میں امر جدید کو کہتے ہیں اور کتب
شریعت میں جو اطلاق اس لفظ کا ہوتا ہے تو کسی جگہ تو اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ جو امر بعد فخر عالم علیہ السلام کے حادث ہوا مطلقاً خواہ محمود
ہو خواہ مذموم یعنی اس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو یا نہ ہو سو اس کی دو قسم کرتے ہیں قسم اول محمود کہ جس کی دلیل جواز کی شرع میں ہو
دوسری مذموم کہ دلیل اس کے جواز کی نہیں پس قسم اول کی بدعت حسنہ نام رکھتے ہیں اور ملحق بالسنت جانتے ہیں اور دوسری قسم بدعت
ضلالہ ہے، پس یہ جدید بدعت کی عام کہلاتی ہے اور کسی جگہ معنی بدعت کے یہ ہوتے ہیں کہ جو امر حادث ہو خلاف طریقہ مرضیہ شارع علیہ السلام
کے یعنی اس کے جواز کی دلیل شریعت میں نہ ہو اور یہ معنی خاص ہیں اور کتب شرعیہ میں اس ہی سے بحث ہوتی ہے تو بدعت بایں معنی ذکی نوع مذموم ہے
اور قسم محمود سنت میں داخل ہے پس یہ دونوں اطلاق درست ہیں اسمیں کسی کا خلاف نہیں فقط بیان کا فرق ہے اور بس اور اصل مراد میں سب متفق
ہیں سو جو بدعت کو مطلقاً مذموم کہتے ہیں وہ بدعت کے معنی خاص لیتے ہیں اور جو علماء تفریق حسنہ اور سیئہ کی کرتے ہیں وہ معنی عام لیتے ہیں اور
یہ جو احقر نے لکھا تمام کتب شرعیہ میں موجود ہے اور خود مؤلف بھی اس کو جانتا ہے خود اس رسالہ سے ظاہر ہے لہذا نقل روایات کی حاجت
نہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو علماء رسوم جہلم وغیرہ کو بدعت کہتے ہیں وہ بدعت کو بمعنی خاص لیتے ہیں اور مقام ذم میں ذکر کرنا اور حجت عدم
جواز کی ٹھہرانا دلیل ظاہر اس امر کی ہے ورنہ معنی عام سے ایک فرد اس کی محمود بھی ہے کس طرح مذموم مراد ہو سکتا ہے مطلقاً اور یہ امر جس کو
ادنیٰ سلیقہ ہو گا جان سکتا ہے مگر مؤلف کا سلیقہ علمی اور خوبی فہم قابل دید ہے کہ باوصف علم اس اصطلاح کے اور قرینہ کے جگہ جگہ اعتراضاً
لکھتا ہے کہ تمہارے نزدیک فلاں شے بدعت ہو اور ہمارے نزدیک کچھ حرج نہیں کہ بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے اور اس کو نہایت الزام و اعتراض
سمجھ رہا ہے تو اس تحریر مؤلف سے معلوم ہوا کہ مؤلف کے نزدیک یہ نزاع حقیقی اور مخالفت معنوی ہے فرق اصطلاحی نہیں ورنہ کیوں یہ
تو تو میں میں کرتا اور کس واسطے باوجود ضعف دماغ کے لاحاصل اس قدر تطویل کرتا کہ سب کا مآل و مقصود ایک ہو اور پھر ایک کو صحیح
اور دوسرے کو غلط بتا دے اور لاحاصل تحریر طویل لکھ کر کاغذ سیاہ کرے پس اس سے بھی تبحر علم اور خوبی فہم مؤلف کا ہر شخص پر عیاں ہو گیا جیسا
پہلی شرح سوال میں ہر ہر معنی پر کج فہمی مؤلف کی ظاہر ہو چکی

لے ایجادات ۲ے مروجہ ۳ے جڑ سے اکھاڑ دینا ۴ے پسندیدہ

ثلثہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے سو یہ قاعدہ تحقیقی نہیں، کسی کسی کے اقوال مختلفہ کا ذکر کرنا اور بات ہے اور مذہب منصور اور قول جمہور جس پر
عمل امت ہو وہ اور بات ہے اختلاف اقوال کا یہ حال ہے کہ بدعت میں چند اقوال ہیں قول اوّل یہ ہے کہ مؤلف تذکیر الاخوان نے تو اپنے طائفہ
کا دستور العمل ٹھہرا دیا کہ جو بات قرون ثلثہ میں ایجاد کی گئی ہے اس کو سنت کہنا چاہیئے اور جو بعد میں ایجاد ہوئی اس کو بدعت قرار دینا
چاہیئے اور جو چیز بدعت ہو وہ کل ضلالت اور سیئہ ہے دوسرا قول یہ ہے کہ جو چیز بعد صحابہؓ اور تابعینؒ کے نکالی جاوے وہ بدعت
ہے اور نامشروع ہے مائۃ مسائل کے سوال چہلم دہشتم میں لکھا ہے امر یکہ منقول نباشد از آں حضرت صحابہؓ و تابعین غیر مشروع است
الی ان قال قراءۃ الکافرون الی الآخر مع الجمع مکروھۃ لانہا بدعۃ لم ینقل ذلک عن الصحابۃؓ والتابعینؒ اب دیکھنا چاہیئے
کہ یہ تقریر ایک نمبر زیادہ چڑھی ہوئی ہے مولوی اسمٰعیل سے بھی کیوں کہ ان کی تقریر سے تو تبع تابعین بھی معتبر تھے اور اس تقریر سے تبع تابعین باطل
مردود ہوئے، تیسرا قول یہ ہے کہ صحابہؓ کا فعل تو سنت میں داخل ہے لیکن صحابہؓ کے بعد جو قول فعل حادث ہو وہ بدعت ہے اور ضلالت ہے
چنانچہ جلد اول مکتوبات مجددیہ مکتوب ایک سو چھیاسی میں ہے ہر چہ در دیں محدث و مبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشرؐ و خلفاء راشدین او نبودہ
علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات اگرچہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمعے کہ با او ہستند گرفتار عمل آں محدث مگرداناد اور
اسی مکتوب کے آخر میں لکھا ہے فعلیکم بالاقتصار علی متابعۃ سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والاکتفاء علی اقتداء اصحابہ الکرام
اب دیکھو کہ اس کلام سے تبع تابعین تو کیا خود گروہ تابعین بھی اڑی ہوئی ہے پس اس قول کے موافق ان کا قول و فعل بھی بدعت واجب الاجتناب ہے

بدعت کی حدود جو منقول ہیں متعارض نہیں محض اختلاف عنوان ہے الحاصل دونوں معنی بدعت کے ایک ہی مراد ہے اور پھر جو کتب میں
حدود بدعت میں الفاظ مختلف ہیں ان سب کا بھی حاصل ایک ہی ہے مگر مؤلف چوں کہ سلیقہ فہم مراد نہیں سب کو مختلف المراد جان رہا ہے
اس واسطے ان کو نقل کر کے مردود بنا دیتا ہے اور ایک معنی عام کو صحیح و معتبر ٹھہراتا ہے اور باہم سب کو مختلف جان کر غلطی میں پڑ رہا ہے سو
بیان بھی ضرور ہوا تاکہ کج فہمی مؤلف کی ظاہر ہو جاوے سو کہ تعریف بدعت شرعیہ کی بعض نے یہ لکھی ہے کہ بدعت وہ محدث فی الدین ہے
کہ زمان فخر عالم علیہ السلام میں موجود نہ ہوا یعنی نہ تو قولاً نہ فعلاً نہ تقریراً اور نہ صراحتاً نہ اشارۃً پس یہی امر ہے کہ جب کسی طرح زمان فخر عالم میں
موجود نہیں اور معلوم ہو چکا کہ موجود ہونے سے وجود شرعی مراد ہے نہ وجود خارجی تو دلیل جواز کی اس کے لیے کوئی نہ ہووے گی وہ خلاف
شریعت کے ہوگا پس اس کے معنی بعینہ بلا تفاوت وہی ہوئے جو در مختار اور بحر الرائق اور ابن حجر وغیرہم لکھتے ہیں جس کو قول خاص کر کے
مؤلف صاحب نے لکھا ہے اور مسلم الثبوت اور قول جمہور اور معتبر ٹھہرایا ہے سر مو فرق دونوں میں نہیں پھر جو شئ زمان فخر عالم میں موجود نہ ہوئی
وجود شرعی ہو صحابہؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعین کے زمانہ میں بھی موجود بوجہ خارجی نہ ہوگی، بایں معنی کہ نہ اس کا شیوع بلا نکیر ہو سکے اور
نہ اس کے جواز کی دلیل قولاً فعلاً تقریراً صراحۃً اشارۃً نکل سکے کیوں کہ وہ زمان خیریت ہے فخر عالم نے ان کی خیریت اور اتباع کا حکم
فرمایا ہے پس جو کچھ ان قرون ثلثہ میں موجود ہوگا خلاف قواعد شرعیہ کے نہ ہوگا اور جو موجود نہ ہوگا وہ بدعت ضلالہ ہووے گا، اور پھر
بیان کیا ہوں کہ موجود ہونے سے سب جگہ مراد وجود شرعی ہے یہ معنی کہ دلیل جواز کی ہونا وجود شرعی ہے اور دلیل جواز کی نہ ہونا عدم وجود
شرعی ہے پس بہر حال یہ دونوں تعریف کسی وجہ سے مخالف نہیں اور بعض نے اسی واسطے اس تعریف میں یہ زائد کر دیا ہے کہ زمان خلفاء راشدین

بدعت کے اندر دین میں پیدا شدہ چیز — سر کے بال کے برابر — اشاعت — اعتراض — گمراہی

چوتھا قول یہ ہے کہ تابعین تو تابعین خود صحابہؓ کا کچھ اعتبار نہیں ہے ان کی باتوں کو بھی بدعت کہتے ہیں ان علماء کے نزدیک بدعت کے یہ معنی ہیں الذی عمل مالم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت کے بعد اگر صحابہؓ بھی ایجاد کریں تو ان علماء کے نزدیک وہ بدعت ضلالہ ہے لامذہبوں غیر مقلدوں کا اسی پر عمل ہے کہ وہ خلفاء راشدین کے فعل کو بھی بدعت اور ناجائز کہتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ حضرت سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ لازم پکڑو سنت میری اور سنت خلفاء راشدین کی تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں مسک الختام شرح بلوغ المرام میں ہے پس کہ نہیں مراد سنت خلفاء راشدین سو مگر ایسا طریقہ ان کا کہ موافق طریقہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو اور معلوم ہے قواعد شریعت سے کہ کسی خلیفہ راشد کو نہیں پہنچتا کہ کوئی طریقہ سوائے اس طریقہ کے کہ اس پر حضرت تھے ..... مشروع کرے انتہی ملخصاً اور کتاب مفاتیح الاسرار التراویح میں ہے کہ مراد سنت الخلفاء سے وہی سنت ان کی ہے جس میں وہ موافق اور متبع سنت نبوی ہیں نہ وہ جس کے وہ خود موجد ہیں الی آخرہ، پس ان بزرگواروں کے نزدیک کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی کہ بعض امور انھوں نے زائد کئے ہیں بدعتی ہیں، نعوذ باللہ منہا، یہ فرقہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے تین نمبر اوپر چڑھ گیا وہ تو تبع تابعین تک کو مانتے تھے یہ خلف ان کے ایسے بڑھے کہ صحابہؓ تک کو بھی نہیں مانتے، کیوں نہ ہو جب تک اپنے بزرگوں سے چار قدم آگے نہ بڑھے تو پھر کیا فخر ہوا اب طالبان

میں بھی نہ پایا جاوے اور بعض نے عدم اور وجود زمانہ صحابہؓ کا ذکر کیا او اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جو زمانہ فخر عالم علیہ السلام میں نہ ہوگا صحابہؓ کے قرن میں بھی نہ ہوگا جیسا ابھی گذرا، اور پھر ایک حدیث میں خود فخر عالم علیہ السلام نے فرمایا ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین الخ دوسری حدیث میں فرمایا ما انا علیہ واصحابی اور ظاہر ہے کہ بعض امور زمانہ خلفاء میں اور صحابہؓ میں شائع اور ظاہر ہوئے کہ فخر عالم کے وقت میں ظہور ان کا نہ ہوا تھا اگرچہ اصل اور دلیل اس کی موجود تھی اور یہاں وجود شرعی ہی مراد ہے عام ہے کہ وجود خارجی میں آیا ہو یا نہ آیا ہو اور بعض نے ایک صحابہؓ کے بعد تابعینؒ کے زمانہ میں نہ ہونا بھی اس حد بدعت میں زائد کیا جیسا عالمگیریؒ نے محیط سے نقل کیا اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ زمان تابعین میں اجتہاد و قیاس ہوا اور قواعد و ضوابط بنائے گئے، اور جو کچھ زمانہ صحابہؓ میں مخفی تھا ظاہر ہو گیا تو یہ سب اس کا ہی اظہار و ضبط تھا جو پہلے موجود تھا کوئی امر جدید خلاف اس کے نہ تھا اور بعض علماء نے تبع تابعین کے قرن میں بھی نہ ہونے کو ذکر کیا اس سبب سے کہ حدیث خیر القرون قرنی میں تبع تابعین بھی ذکر فرمائے گئے ہیں اور فی الواقع اس قرن میں آئمہ مجتہدین نے بسط و تفصیل قواعد شرعیہ کی اور کلیات اجتہاد و قیاس کے ایسے کامل و منضبط کر دیئے کہ قیامت تک کو کافی ہو گئی اور اختلاف امتی رحمۃ کا ظہور بوجہ اتم ہوا پس جس کی دلیل ان قرون ثلثہ میں نہیں وہ بدعت و ضلالت ہے اور جس کی اصل پیدا ہے وہ جائز و مقبول ہے الحاصل یہ ہر چہار قول حد بدعت کے جو مؤلف نے شاذ و غلط لکھے ہیں اور قول خامس جس کو قول جمہور و مشہور معتبر لکھا ہے سب ایک مطلب اور ایک معنی رکھتے ہیں سوائے اختلاف الفاظ کے کچھ تفاوت سرمو بھی نہیں علیٰ ہذا قول تعریف بدعت کا بھی بمعنی عام اور بمعنی خاص دونوں موافق ہیں سوائے خلاف بیان و اصطلاح کے کوئی نزاع و خلاف نہیں، پس اب ہم فہم رسا و قوت حدس مؤلف صاحب کی ناظرین ملاحظہ کریں کہ اول تو معنی عام و خاص بدعت کو باہم مختلف معنوی و نزاع حقیقی سمجھ رہا ہے اور پھر ان حدود اربعہ کو قول خامس کے خلاف و معارض جان رہا ہے اور اس غلطی فاحش پر ناز کر کے کس دعویٰ سے کہتا ہے کہ مانعین نے کوئی دلیل منع کی نہیں لکھی سوائے قرون ثلثہ میں موجود نہ ہونے کے

ۓ وہ طریقہ جس پر کہ میں اور میرے صحابہؓ ہیں ۲؎ میری امت کا اختلاف

حق غور سے سنیں یہ چاروں قول جو بیان کیے گئے یہ سب اقوال شاذہ متفرقہ بعض علماء کے آپس میں مختلف ہیں چوتھے قول کو تیسرا رد کرتا ہے اور تیسرے
قول کو دوسرا اور دوسرے کو اول باطل کرتا ہے اب قول اول جو صاحب تذکیر الاخوان کا ہے اس میں جو خلل ہے یہ عاجز بیان کرتا ہے
واضح ہو کہ متقدمین و متاخرین میں کسی نے سنت کی یہ تعریف نہیں لکھی کہ سنت وہ شئی ہے جو قرون ثلثہ میں پائی جاوے اور نہ کسی نے حدیث
یا قول صحابہؓ یا تابعینؒ یا تبع تابعینؒ سے یہ بات صراحتاً ثابت کی ہم نے بارہا اس مذہب والوں کو مہلت دی کہ مہینہ دو مہینہ برس دو برس
میں کسی کتاب سے خود یا اپنے مددگاروں سے تلاش کر کر ایسی حدیث معتبر ہم کو دو جس میں یہ خاص الفاظ ہوں کہ قرون ثلثہ کے بعد جو بات
نکلے گی وہ بدعت ہوگی یا خاص یہی الفاظ کسی جماعت اصحابؓ یا تابعینؒ یا تبع تابعینؒ کی زبانی ارشاد فرمائے ہوئے ہم کو دکھاؤ معتبر
اسناد سے معتمد علیہ کتاب سے لیکن کوئی نہ لا سکا اور لاوے کہاں سے فقط ایک حدیث پڑھ دیتے ہیں خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم
ثم الذین یلونہم یعنی بہتر لوگوں میں میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے سو معنی اس حدیث کے بعضوں نے یہ

سبحان اللہ جب یہی دلیل منع کی نہیں تو پھر کون سی دلیل مؤلف کے نزدیک معتبر ہووے گی کہ یہ دلیل حاوی جمیع دلائل کو ہے اور حجج اربعہ
اس میں حصر ہو گئے ہیں پس بعد حجج اربعہ کے شاید توریت و انجیل سے حجت کی خواہش مؤلف ... رکھتا ہو گا معاذ اللہ فماذا بعد الحق الا الضلال
پھر وہی بات ہے کہ مؤلف نے اپنے فہم سے اس کلام کے معنی سمجھے اس وجہ سے تحریر لاطائل سے کاغذ سیاہ کیا اور غلط فہمی اس کی اب
بھی ظاہر ہو چکی واذ لم یہتدوا بہ فسیقولون ھذا افک قدیم
قرون ثلثہ میں جو چیز نکلی اس کے سنت ہونے کے معنی اور حدیث خیر القرون میں خیریت سے کونسی خیریت مراد ہے؟ اب یہ امر کہ مسئلہ مبحوث عنہا کی دلیل جواز
قرون ثلثہ میں ہے یا نہیں بجائے خود مذکور ہووے گی یہاں فقط اسی کا بیان ہے کہ مؤلف حدود بدعت کو نہیں سمجھا اور باہم سب کو متعارض
بنا دیا اور ائمہ مجتہدین پر مطاعن کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کیا کہ یہ کام علماء کا بلکہ عامی مسلمان کا بھی نہیں اور مورد من عادی ولیاً فقد
آذنتہ بالحرب کا بنا معاذ اللہ اور وجہ یہ ہوئی کہ بعض مبتدعین نے اپنی کور فہمی سے رسائل سے لکھتے ہیں ان میں مطاعن مولوی محمد اسمٰعیل
صاحب اور مولوی محمد اسحاق صاحب کی اور حضرت مجدد صاحب اور دیگر اکابر کے مذکور ہیں مؤلف ان رسائل سے مستفید ہوا اور کینہ ان حضرات
سے اپنا سینہ سیاہ کر کے خیالات فاسدہ یہ اپنی اس رسالہ میں تحریر کر دیئے الحاصل ان سب اقوال کا ایک حاصل ہے پھر نہایت جہل ہے کہ
چار قول کو غلط اور خامس کو صحیح کہا جاوے چنانچہ واضح ہو گیا اور مؤلف کی خیانت کا ذکر نمبر چہارم کے لمعہ ثالثہ میں کیا جاوے گا کہ عبارت
تذکیر الاخوان میں تصرف کر کے نقل کیا ہے قولہ اب قول اول جو صاحب تذکیر الاخوان کا ہے اس میں جو خلل ہے الخ اقول تعریف تذکیر
الاخوان کی خوبی معلوم ہو چکی اور مؤلف کی کم فہمی واضح ہوئی اور علیٰ ہذا قول ثالث ..... اور رابع کی حقیقت محقق ہو چکی اور اعتراضات
اور شوخ کلامی مؤلف کی مردود ہو گئی حاجت اعادہ کلام کی نہیں خلاصہ یہ کہ قرون ثلثہ میں موجود نہ ہونے کے معنی معلوم ہوئے کہ موجود
نہ ہونے سے دلیل جواز کی نہ ہونا مراد ہے آیۃ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا الآیۃ اور حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء
الراشدین المہدیین الحدیث اور حدیث ما انا علیہ واصحابی الحدیث اور حدیث خیر القرون قرنی الحدیث اور اقوال متقدمین
و متاخرین ان حدود کی مثبت ہیں اور سب متفق المعنی ہیں چنانچہ ظاہر ہو گیا مگر مؤلف خود نہیں سمجھا اور مؤلف جو لکھتا ہے کہ ہم نے بارہا

؎ وہ طریقہ جس پر میرے صحابہ ہیں ؎ بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے

یہ کہتے ہیں کہ قرنی سے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ حیات مراد ہے اور ثم الذین یلونہم سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور کے جو لوگ تھے بعد وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ لوگ مراد ہیں پھر دوسرے ثم الذین یلونہم سے دورہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آدمی مراد ہیں بس خوب خیریت سے اسلام میں موافقت اور نصرت اور ظہور شوکت ۔ تین دور تک رہی جب یہ قرون ثلثہ گذر چکے قرن چوتھا یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور ہوا اُس وقت سے اہلِ اسلام میں خانہ جنگی شروع ہو گئی وہ خیریت قرون ثلثہ کی گم ہو گئی مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری مرحوم جو علم حدیث میں مولوی محمد قاسم نانوتوی کے استاد تھے اور اس فتوی انکاری کے مفتیوں کے نزدیک ان کا علم و تفقہ مسلم تھا وہ فرماتے تھے کہ یہ معنی اس حدیث کے بہت موزوں اور چسپاں ہیں اور فرماتے تھے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ معنی اپنی بعض تصنیفات میں لکھے ہیں، پھر اگر حدیث سے یہی استدلال ہے کہ قرون ثلثہ کی چیز نکالی ہوئی سنت اور بعد کی بدعت ہے اور قرون ثلثہ منتہی حضرت عمرؓ ہیں اس تقریر مذکورہ کے موافق تو حضرت عثمانؓ کے وقت سے جو چیز ایجاد ہو وہ سب بدعت ہونی چاہیے پھر تبع تابعین بیچارے کس شمار میں رہے یہاں تو صحابہؓ کے اقوال و افعال بھی بدعت ہو جاویں گے معاذ اللہ منہا، اور اگر معنی اس حدیث کے اس طرح پر رکھیں کہ قرنی سے مراد صحابہؓ ہیں اور ثم الذین یلونہم سے تابعین اور دوسرے ثم الذین یلونہم سے تبع تابعین تو اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اچھے لوگ صحابہؓ ہیں ان سے کم تابعین ان سے کم تبع تابعین انتہی، پھر اچھے ہونے سے موافق بیان شارحین حدیث کی یہ مراد ہے کہ ان زمانوں میں خیر غالب ہو گی اور فساد کم، اس حدیث کے حرفوں کو ہرگز یہ معنی نہیں کہ جو بات یہ تینوں قرون والے نکالیں وہ سنت ہے اور جو ان کے بعد نکالیں وہ بدعت ہے معانی تو الفاظ سے نکلتے ہیں، اس حدیث میں لفظ بدعت اور سنت کے کہاں ہیں، کم سے کم پڑھا ہوا بھی جو حدیث کے لفظوں کو دیکھے گا وہ اس بات کو ٹھیک سمجھے گا، ہائے افسوس اس کم فہمی پر ہزار افسوس، کم فہمی تو اپنی پھر دوسروں کو گمراہ بتا دیں ہاں بھائی چوری اور سینہ زوری اسی کا نام ہے، توضیح اس مقام کی یہ ہے کہ ان کی دلیل دو جملے ہیں ایک یہ کہ قرون ثلثہ میں جو چیز نکلے وہ سنت ہے دوسرا یہ کہ بعد قرون ثلثہ کے جو امر پیدا ہو وہ سب بدعت ہے ہم جلد اولی میں اول کلام کرتے ہیں اگر یہ لوگ استدلال کریں کہ خیر القرون میں لفظ خیر آیا ہے، پس یہ قرون ثلثہ جو ایجاد کریں وہ خیر ہو گا جواب اس کا یہ ہے کہ لفظ خیر بہ آخر زمانہ کی امت کے واسطے بھی وارد ہوا ہے روایت ہے کہ ابو عبیدہؓ بن الجراح جو عشرہ مبشرہ میں صحابی جلیل القدر ہیں انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ احد خیر منا اسلمنا وجاھدنا

اس مذہب والوں کو مہلت دی الخ بالکل کذب ہے، سو شاید اپنے احاطہ شیخ الٰہی بخش مرحوم میں کھڑے ہو کر پکار دیا ہو گیا ورنہ مؤلف کو فہمائش کر دیا جاتا، اب اس تحریر کو دیکھکر تسکین خاطر کر لیوے اور سمجھ لیوے کہ کسقدر ۔ تعریف درست اور صحیح ہے قولہ، اس حدیث کے معنی بعضوں نے یہ کہے ہیں الخ اقول، اس بحث سے کچھ حاصل نہیں ہم نہیں کہتے کہ مؤلف سچ کہتا ہے یا جھوٹ اور شاہ ولی اللہؒ نے یہ معنی لکھے ہیں یا نہیں خواہ کچھ ہو مگر سب حدود درست ہو گئیں اور حد جس میں مؤلف سرمارہا ہے قرآن و حدیث سے ثابت اور بس حد مسلم مؤلف کی موافق ہوئی اور اس کے جہل کی دلیل راسخ ہو چکی اب کیا ضرورت کسی اثبات کی ہے یہ سارا صفحہ جو مؤلف نے سیاہ کیا محل افسوس اس کے فہم کا ہے حرف حرف کا جواب فضول ہے، پہلے اس حدیث کے معنی بیان ہو چکے یہاں ضرورت اعادہ کی نہیں، قولہ ہم جلد اولی میں کلام کرتے ہیں الخ اقول سبحان اللہ جلد اولی کیا خوب سمجھے اور خوب معنی بیان کئے مؤلف کے بے علمی کا ثمرہ ہے سنو

معک یا رسول اللہ ہم کو کسی سے بھی اچھا ہوگا ہم اسلام لائے اور آپ کے ساتھ ہو کر جہاد کئے، آپ نے جواب دیا نعم قوم یکونون من بعدکم یومنون بی ولم یرونی. یعنی آپ نے فرمایا کہ ہاں تم سے اچھے تمہارے بعد وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر ایمان لاویں گے بغیر دیکھے، یہ حدیث مشکوٰۃ میں ہے روایت کیا اس کو احمد اور دارمی نے دیکھو اس میں لفظ خیر موجود ہے جس طرح خیر القرون میں پس چاہیئے کہ بعد کے آدمیوں کا فعل نکلا ہوا بھی سنت ہو بدعت نہ ہو اور ابی امامہ نے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طوبیٰ لمن رآنی وطوبیٰ سبع مرات لمن لم یرنی وآمن بی یعنی خوشحالی ہو جیو اس کو جس نے مجھکو دیکھا اور سات مرتبہ خوشحالی ہو جیو اس کو جس نے مجھکو نہیں دیکھا، اور ایمان لایا یہ بھی مشکوٰۃ میں موجود ہے، غرضکہ اسی طرح بہت حدیثیں اس باب میں ہیں بعض مومنین آخر زمانہ کی شان میں ارشاد فرمائی ہیں کہ تطبیق دینے جمیع احادیث سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر صحابہ رضوان اللہ علیہم کو فضیلت چند وجوہ سے ہے تو بعض معانی سے آخر کے آدمیوں میں بھی خیریت اور فضیلت ہے، علماء مشہورین مثل ابن عبد البر وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے، پھر جب خیریت کے الفاظ حدیث میں مابعد کے آدمیوں کے واسطے بھی آئے جس طرح خیر القرون کے حق میں آئے تو تم کو چاہیئے کہ ان کی ایجادی باتوں کو بھی سنت مانو حالانکہ تم اس کو بدعت اور ضلالت کہتے ہو، اب دوسرے جملہ کا حال سننا چاہیئے یعنی قرون

کہ فضیلت کلیہ قرون اولیٰ میں ہے اور پچھلے قرون کی فضیلت جزئیہ اگرچہ ثابت ہے مگر مزاحم فضل کلی کو نہیں ہوتی دیکھو کہ فضیلت کلیہ گھوڑے ہی میں ہے اور ایک فضل جزئی گدھے میں بھی ہے کہ اسپ میں وہ امر موجود نہیں، باربرداری مثلاً مگر یہ فضل بارکشی کا مزاحم فضل کلی اسپ کی اور موجب تفضیل خر کا اسپ پر نہیں ہو سکتا، علیٰ ہذا پلاؤ قورمہ میں جو فضل کلی ہے اور پاخانہ میں کھاد زراعت کا ہونے کی خوبی ہے کہ یہ کام پلاؤ قورمہ سے ہرگز حاصل نہیں ہوتا کہ یہ فضل جزئی کھاد کا مقاوم فضل کلی پلاؤ قورمہ کا ہو کر افضل نہیں ہو سکتا مؤلف فضل کلی فضل جزئی کو جانتا ہی نہیں جو یہ توجیہات رکیکہ کرتا ہے اور دخل در معقولات علم اور علماء میں ٹانگ دیگر علماء میں دخیل ہوتا ہے اور کچھ بھی سمجھتا تو ایسی پر بود تقریر تحریر نہ کرتا کہ اصحاب فضل کلی کی برابر فضل جزئی والے ہو کر مساوی ان کے ہو جاویں، مثلاً فضل کلی پلاؤ میں ہے اور فضل جزئی پاخانہ میں، پس اگر کوئی بوجہ فضل جزئی کے بجائے افضلیت میں پلاؤ اور پاخانہ کو مساوی بتانے لگے تو اس کی غایت کم فہمی کہی جاوے گی، علیٰ ہذا خیریت قرون ثلٰثہ کی بوجہ علم نبوت اور تقرب الی اللہ کے ہے کہ فضل کلی ہے اور ایمان بالغیب فضل جزئی قرون مابعد میں ہے تو یہ فضل جزئی کس طرح کار علم نبوت کا دے سکتا ہے اور یہ خیریت جزئیہ مساوی فضل کلی کے کیوں کر ہو سکتی ہے اور ایمان بالغیب کے فضل سے کار علم نبوت کا اور تقرب احسان کا کس طرح یہ لوگ دے سکتے ہیں لہٰذا قرون ثلٰثہ کا امر موجودہ یعنی وجود شرعی معتبر و متحقق فی الدین اور پچھلوں کا ایجاد جو خلاف قرون ثلٰثہ کے ہو مردود ٹھہرا اگرچہ مؤلف جو ثابت کرتا ہے ہم کو مضر نہیں نہ مراد ہماری ہے مگر یہ تقریر و توجیہ اس کی بالکل غلط ہے کہ اس کے علم کی قلعی کھولتی ہے پس نقل ان دو حدیث کا اس کو کچھ مفید نہ ہوا، بلکہ اس کے مطلب کو بیخ کر دیا، اگر اندیشہ تطویل نہ ہوتا تو یہ مدعیٰ اپنا ان دو حدیث سے نکالکر دکھا دیتا اور وجہ مغالطہ مؤلف کی یہ ہوئی کہ مؤلف نے لفظ خیر پر نظر کی اور معنی نہ سمجھا یہ جانا کہ جہاں لفظ خیر کا ہوگا یہی خیریت مراد ہوگی جو اس حدیث میں ہے پس اس حدیث میں بھی لفظ خیر کا تھا، وہی معنی سمجھکر دونوں خیر کو اور ہر دو خیار کو مساوی سمجھ گیا اور خبط تقریر کرکے خواری اٹھائی

ے مقابل لے بوجود ہونا کے کہ برید کے معقولات میں دخل دینا ھ بیکار شہ برابر کے دکھا دینا،

ثلثہ کے بعد جو چیز حادث ہو وہ سب بدعت ہے میں کہتا ہوں یہ بھی غیر مسلم ہے اس لئے کہ یہ حدیث جس طرح کہ مشکوۃ میں صحیحین سے
نقل کی ہے اس کے لفظ بعینہٖ یہ ہیں وعن عمران بن حصین قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم
ثم الذین یلونھم ثم ان بعدھم قوما یشھدون ولا یستشھدون ویخونون ولا یؤتمنون وینذرون ولا یوفون ویظھر فیھم السمن
وفی روایۃ ویحلفون ولا یستحلفون متفق علیہ وفی روایۃ لمسلم عن ابی ھریرۃ ثم یخلف قوم یحبون السمانۃ۔ یعنی عمران بن حصین
صحابی روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں اچھے میرے وقت کے آدمی ہیں پھر ان کے بعد والے پھر
ان کے بعد والے پھر ان تین قرن کے بعد وہ لوگ ہوں گے کہ وہ گواہی دیں گے حالانکہ کوئی ان سے گواہی نہیں طلب کرے گا اور
خیانت کریں گے کوئی ان کو امانت دار نہ جانے گا، عہد کریں گے وہ پورا نہیں کریں گے اور وہ موٹے ہوجاویں گے یعنی مال کھا کھا کر
اور ایک روایت میں ہے کہ وہ قسم کھاویں گے اور کوئی ان سے قسم کھانے کو نہیں کہے گا، اور ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی
اللہ عنہ سے ہے کہ پھر پیدا ہوں گے ایسے آدمی جو پسند کریں گے خوب موٹا ہونا یعنی آرام چین سے خوب کھانا پینا کچھ غم دین کا ان کو نہ
ہوگا، اب سب ارباب انصاف کو دیکھنا چاہیئے کہ یہ حدیث پوری اول سے آخر تک پڑھ دی گئی، اس میں کہاں ہے کہ جو چیز قرون
ثلثہ کے بعد نکلے گی وہ بدعت اور ضلالت ہوگی، البتہ نسائی کی حدیث میں جو یہ روایت مذکور ہے اس میں ایک لفظ آیا ہے ثم یظھر الکذب

سوا بھی کیا ہے حدیث میں تو اور جگہ بھی لفظ خیر کا وارد ہوا ہے قولہ علیہ السلام خیر الناس من ینفع الناس[1] پس اب جو لوگوں کو نفع
رساں ہوگا اس کی ایجاد کو مؤلف سنت کہے گا دوسری حدیث میں ہے خیرکم خیرکم لاھلہ[2] پس اب جو اپنی زوجہ کے ساتھ حسن معاملہ
کرتا ہوگا، اس کا ایجاد بھی سنت ہوجاوے گا بزعم مؤلف کیونکہ خیر کا لفظ یہاں بھی ہے اور دیگر ایسے محل اور بھی ہیں پس مؤلف کسقدر کم
فہم ہے، اور کیا خوب جملہ اولیٰ کی شرح لکھی ہے حق تعالیٰ اس کو حیا عطا فرماوے جو شعبہ ایمان کا ہے تو اس وقت اپنے اس کلام بے مغز
خلاف شرع پر شاید شرمسار نادم ہو غرض ان دو حدیث سے یہ نکلتا ہے جو بندہ نے لکھا اور مؤلف نکالا چاہتا ہے وہ ہرگز نہیں نکلتا فافہم
اس جملہ کا مطلب اور حدیث ان بعدھم قوما یشھدون ولا یستشھدون قولہ دوسرے جملہ کا حال الخ اقول اس جملہ حدیث کو بھی مؤلف نہیں سمجھا
فخر عالم علیہ السلام نے قرون ثلثہ کے بعد کے لوگوں میں چار وصف فرمائے ہیں ایک یہ کہ کوئی ان کی گواہی نہ مانے گا وہ گواہی دینا چاہیں گے
اور یہ بوجہ ان کے کاذب لاابالی ہونے کے ہوگا، دوسری حدیث میں کہہ دیا کہ جھوٹی قسمیں کھاویں گے سو بدعت کو کذب لازم ہے کہ بدعت
خلاف دین حق کے ہوتی ہے اور بدعت مجرد کذب کی ہے سوچکر دیکھو دوسرے یہ کہ خائن ہوں گے سو بدعتی بھی خائن ہوتا ہے کہ منصب
تشریع جو شارع کا ہے اپنے آپ کو ثابت کرکے خلاف شارع کے احکام بتاتا ہے خیانت بھی بدعت کو لازم ہے کہ بدعت فرد خیانت
کی ہے تیسرے یہ امانت دار نہیں جانے جاویں گے بدعتی امانت دار نہیں ہوتا کہ دین اللہ جو امانت ہے اس میں تصرف کرتا ہے اور نذر
کو وفا نہ کرے گا عہد اللہ بھی مثل نذر کے ہے جو عہد اقرار ربوبیت وعبودیت کا بدعتی نے کیا تھا اس کے خلاف خود دعویٰ شرکت
کا کرتا ہے عدم وفاء عہد کی بھی بدعت ایک فرد ہے اور یہ داخل خیانت میں ہے چوتھے یہ کہ نفس پرور ہوں گے موٹے ہونے کو دوست
رکھیں گے بدعتی بھی اپنے نفس کی پرورش میں ہوتا ہے کہ مال دنیا کی طلب اور وجاہت دنیا کی خواہش میں بدعات نکالتا ہے غرضیکہ

---

[1] لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کا بھلا کرے [2] تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

اور کسی روایت میں یہ بھی آیا ہے ثم یفشو الکذب، معنی دونوں کے ایک ہیں یعنی بعد قرون ثلثہ کے ظاہر ہوگا اور پھیلیگا وے گا جھوٹ پس یہ لوگ اگر لفظ کذب سے جو ثم یظہر الکذب میں ہے مدعا اپنا ثابت کریں تو یہ بھی دلیل فاسد ہے اولاً یہ کہ مشکوۃ میں صحیحین کی حدیث متفق علیہ موجود ہے اس میں لفظِ کذب کا موجود نہیں چنانچہ ہم الفاظ اس کے بیان کرچکے حرفاً حرفاً اگر ہے تو نسائی کی روایت میں ہے، اور یہ محدثین میں قاعدہ ٹھہر چکا ہے کہ صحیحین کی حدیث نسائی وغیرہ کل محدثوں کی احادیث پر مقدم ہے کیونکہ اوروں کی حدیث اگر صحیح بھی ہوگی تو صحیحین اس سے صحیح اور قوی تر ہوگی ثانیاً یہ کہ اگر نسائی کی حدیث کو تسلیم بھی کرلیں تب بھی مراد ان کی پوری نہیں ہوئی اس لئے کہ کذب کے معنی جھوٹ کے ہیں اور بدعت کے معنی نئی بات پھر کجا جھوٹ بولنا اور کجا نئی بات ثالثاً پھر یہ کہ محدثوں میں یہ ٹھہرا ہوا ہے کہ بعض حدیث شرح ہوتی ہے، بعض حدیث کی پس روایت نسائی میں جو لفظ کذب کا واقع ہوا ہے کہ پھر ظاہر ہوگا جھوٹ تو اس کی وہی شرح ہے جو صحیحین کی حدیث میں گذری کہ لوگ خیانت کریں گے بدعہدی کریں گے قسم کھانے کو تیار ہوں گے بغیر قسم کھلائے اور گواہی دینے کو تیار ہوں گے بغیر گواہی دلائے، اس میں یہ نہیں آیا کہ وہ نئی باتیں دین میں نکالا کریں گے پس معلوم ہوا کہ

فخر عالم علیہ السلام نے حدیث میں ہونا بدعت کا قرون مابعد میں بضمن دیگر عیوب کے صاف فرمایا ہے مگر مؤلف کو علم و فہم کی خبر نہیں تو کہتا ہے اس میں بدعت کہاں مذکور ہے سبحان اللہ ایسا جہل یہ دعویٰ اب مؤلف کو واضح ہو گیا کہ عام عیوب میں بدعت خاص بھی آپ نے اس حدیث میں ثابت فرمادی ہے گو کوئی اپنی کم فہمی سے مطلع نہ ہو پس حاصل حدیث کا یہ ہوا کہ پھر بعد ان قرون کے بدعت مع دیگر خرابیوں کے ظاہر ہووے گی اب یہ بھی واضح ہو گیا کہ حدیث صحیحین میں کذب بھی معنی مذکور ہے جس کا مؤلف صاحب انکار کرتے ہیں اس فہم پر سخت تعجب ہے کہ مطلقاً مطلب نہیں سمجھا،

قولہ البتہ نسائی کی روایت میں الخ | صحیحین کی روایت غیر صحیحین پر کب راجح ہوتی ہے | اقول صحیحین کی روایت مرجح دوسری روایت پر اس وقت ہوتی ہے کہ باہم معارضہ ہو یہاں معارضہ ہی نہیں کیوں کہ نسائی میں فشو کذب[1] کو لکھا ہے اور صحیحین میں بھی ضمن یشہدون ولا یستشہدون میں کذب کو فرمادیا ہے معارضہ ہی کہاں ہے جو صحیحین کو ترجیح ہو آپ کو اصول حدیث بھی خوب معلوم ہے ماشاء اللہ اور جو الفاظ کے خلاف کا نام معارضہ ہے تو یہ عجب العجائب[2] ہے اور جو آپ لا یستشہدون میں کذب کو تسلیم نہ کریں تو جانے دو، یہ دوسری روایت ہے کہ صحیحین اس زیادۃ سے ساکت ہے ایسی زیادۃ بھی مقبول ہے یہ بھی معارضہ نہیں ہوتا کیوں کہ صحیحین میں کچھ اس کے خلاف مذکور نہیں تا کہ معارضہ ہو پس یہ قول مؤلف کا بالکل جہل اصول حدیث سے ہے اگر آپ کے نزدیک ساکت اور ناطق میں معارضہ ہے، تو تمام مذہب حنفیہ سے ہاتھ اٹھانا پڑے گا مگر ہاں جناب کو مولود اور رسوم کا احیا[3] رچاہیے باقی مذہب رہے یا جاوے کیا کام ہے

قولہ ثانیاً الخ اقول معلوم ہوچکا کہ بدعت بھی جھوٹ میں داخل ہے کذب عام ہے اور بدعت خاص ایک فرد کذب کی ہے سو یہ قول مؤلف کا محض جہل معنی احادیث سے ہے قولہ ثالثاً الخ اقول اولاً کہہ دیا گیا کہ لا یستشہدون میں کذب مذکور ہے اور جو نہیں مانتے تو حدیث یظہر الکذب تفسیر یشہدون الخ کے کرتی ہے جس سے کذب کا ہونا ثابت ہوا اور بدعت کذب میں داخل ہے اور شہادت عام ہے، کہ امور دنیا میں ہو یا دین میں ہو روایت میں ہو یا درروایت میں، لفظ عام کے معنی خاص لینے کا کوئی قاعدہ نہیں سو کذب کو خاص

---

[1] کذب کا عموم [2] بہت زیادہ تعجب خیز شے [3] زندہ کرنا،

سے یہی باتیں مراد رکھیں نہ بدعت رابعًا یہ کہ جس حدیث سے سند پکڑتے ہیں اس میں تو یہ ہے کہ تین قرن کے بعد جھوٹ پیدا ہوگا یعنی پہلے اس سے نہ ہوگا حالاں کہ بدعتوں کا وجود عین انھیں قرون میں ہولیے یعنی معتزلہ اور قدریہ اور مرجیہ جو بدعتی فرقے ہیں قبل گذرنے قرون ثلٰثہ کے پیدا ہوگئے تھے پھر اگر کذب سے بدعت مراد رکھیں تو بڑا اعتراض یہ پڑے گا کہ حدیث موافق واقع کے نہیں ہو سکتی خامسًا یہ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ بعد قرون ثلٰثہ کے علم فلسفہ یونانیوں کا اہل اسلام میں رائج ہوا اس کے پڑھنے سے اور اس فکر کرنے سے مسلمانوں کے عقائد عقلی طور پر بدل گئے عقائد فلسفی لوگوں میں برخلاف اعتقاد سلف کے ٹھیر گئے۔ اور معتزلی وغیرہ بدعتوں کو علم فلسفی سے طاقت پیدا ہوئی اور جبریہ عین اور اہل سنت میں عقائدی مباحثے پھیل گئے بھلا اگر کوئی لفظ حدیث سے کہ ثم یظہر الکذب ہے یہ مراد رکھی تو صحیح ہو سکتا ہے کیوں کہ عقائد فلسفی جھوٹے ہیں لیکن کہاں فلسفی دلائل اور یونانیوں کے عقائد اور کہاں محفل مولد شریف اور موتٰی کی فاتحہ درود کرنا بھلا فلسفیوں کے عقائد کو ان اعمال سے کیا علاقہ سادسًا جو مطلب یہ لوگ ثابت کرتے ہیں یہ مطلب اس وقت ثابت ہوتا کہ حدیث کے لفظ یہ ہوتے ثم لا یظہر الا الکذب یعنی بعد قرون ثلٰثہ نہیں ظاہر ہونے کا سوائے جھوٹ کے یا یہ ہوتی ثم کل شیٔ یظہر فیکون کذبا یعنی پھر جو کچھ ظاہر ہوگا وہ سب جھوٹ ہی جھوٹ ہوگا۔ لیکن یہ الفاظ تو حدیث میں نہیں نہ اس میں کوئی کلمہ مفید حصر ہے نہ مفید کلیت ہے تو معنی حدیث کے یہ ہوگئے ثم یظہر الکذب

انکو مفید نہیں اور نہ کذب کو شہادت پر حمل کرنا مفید آپ بلا سوچے جو چاہے لکھتے ہیں اور خندہ صبیان ہوتے ہیں پس یہ کلام مؤلف کا بالکل نادانی ہے،

حدیث ثم یفشوا یظہر الکذب | قولہ رابعًا یہ کہ جس حدیث سے الخ اقول۔ مؤلف ترجمہ غلط کرتا ہے یفشوا اور یظہر فرمایا ہے اس کے معنی پیدا ہوگا نہیں ہوتے پھیلجاوے گا اور ظاہر ہو جاوے گا، ظہور شی کا غلبہ کے وقت ہوتا ہے تو یہ معنی کہ ان قرون میں کذب مخفی قلیل مغلوب ہووے گا اور کذب مغلوب مضر نہیں نفاق وکفر وفرد کذب کی ہے اور کذب خود زمان فخر عالم علیہ السلام میں بھی تھا مگر مغلوب تھا ایسا ہی قرون ثلٰثہ میں رہے گا، بعد اس کے پھیلجاویگا خوب ظاہر ہو جاویگا ایسا ہی ہوا کہ قرون ثلٰثہ میں اگرچہ باطل ہوئی مگر ان کو غلبہ نہ ہوا ان کا دور دوان پر یا ظہور اس کا بعد میں ہوا اور مؤلف ازرائی خود ترجمہ تراش ہا ہر کہ پیدا ہوگا کہ پہلے اس سے نہ ہوگا تو یہ مؤلف کا حدیث میں تصرف کرنا ہوا اور ترجمہ غلط بنانا سخت جہل وخیانت ہو مؤلف نے حدیث میں بھی اپنی عادت خراب کو ترک نہ کیا کہ خود ہی معنی تجویز کرلینا اس کا شیوہ قدیم ہے جیسا سابق جا بجا مطلع کیا گیا ہو پس ارشاد نبوی واقع کے مطابق ہوا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں مؤلف کے فہم ناتمام پر البتہ اعتراض ہے فقط،

معنی حدیث ثم یفشوا یظہر الکذب | قولہ خامسًا یہ کہ بعض علماء نے الخ اقول راست ہو کہ فرق ضالہ فلاسفہ کا شیوع بھی قرون مابعد میں ہوا اور ان عقائد بھی بدعت تھے اور خلاف قواعد مقررہ قرون ثلٰثہ کے مثل دیگر بدعات کے جو بعد قرون ثلٰثہ خلاف قواعد شرعیہ رائج ہوئیں سو بیشک یفشو الکذب[1] میں یہ عقائد فلسفہ بھی داخل ہیں نہ یہ کہ کذب کا اس میں حصر ہو گیا ہے کیا خوب سمجھے پھر جہاں عقائد فلسفیہ بدعت ضلالہ میں ہیں ویسی ہی دیگر بدعات وکذب اور دہیں محفل مروجہ مولد اور ایصال ثواب کی بدعات ہووینگی مؤلف کا مصداق کذب کو عقائد حکماء میں حصر کرنا نہایت خوبی علم ورسائی ذہن کی ہے سبحان اللہ فقط قولہ سادسًا جو مطلب یہ لوگ ثابت کرتے ہیں الخ اقول معلوم ہو چکا کہ ظہور غلبہ وشیوع کے

---

[1] کذب عام ہو جائے گا

یعنی پھر ظہور کذب ہوگا ظہور کذب کے صدق کو بعض افراد محدثات میں کذب کا ہونا بھی کافی ہے اس تقریر سے صاف ظاہر ہو گیا کہ بعض چیزیں بعد قرون ثلثہ کے جنکو عباد صالحین نکالیں گے وہ درست اور حسن ہونگی اور بعض باتیں جو خلاف شرع ایجاد ہوں گی وہ گمراہی کا سبب اور قبیح ہونگی جسطرح خود بعین قرون ثلثہ کی بعض بدعتیں نکلی ہوئیں مثل اعتزال اور مذہب قدریہ اور مرجیہ سب خراب اور ضلالت ہیں، قول جمہور اور مذہب منصور یہی ہے اور وہ قول جسپر معتیان فتوی انکاری نے اعتماد کرکے ان سب امور خیر کو ضلالت قرار دیا تھا وہ بخوبی معلوم ہو گیا کہ ایک قول ہے اقوال شاذہ متفرقہ مختلفہ بین العلماء سے اور نہیں ہے وہ قول معتمد علیہ اور مفتیٰ بہ بلکہ صحیح اور جسپر امت کا سلفاً اور خلفاً جاری ہا ہے وہ قول جمہور ہے پانچواں قول مذہب جمہور واضح ہو کہ کاذ علماء اہل تحقیق کے نزدیک سیئہ اور حسنہ ہونے کی بنیاد زمانہ پر نہیں یعنی یہ بات نہیں کہ جو کچھ خیر و شر زمانہ قرون ثلثہ میں ہو گیا وہ سنت ہے اور مقبول ہے اور بعد زمانہ قرون کے جو کچھ بھلا یا برا ہو وہ سب برا ہے اور مردود ہے ایک ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں، قصہ اول حضرت امیر المومنین عمرؓ اور عبد اللہ رضی اللہ عنہما تیمم سے منع فرماتے تھے نہانے کی حاجت والیکو یہ حدیث صحیح مسلم مطبوعہ کی ۱۶۱ میں ہے اب دیکھیئے یہ حکم صحابیؓ کا ہے اور صحابی بھی کیسے خلفاء راشدین میں لیکن اس قول کو کسی نے ائمہ مذاہب میں قبول نہیں کیا، دوسرا قصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے ان کا بیٹا یزید تابعی تھا طبقہ وسطیٰ تابعین میں یعنی جس طبقہ میں حسن بصری اور ابن سیرین ہیں یہ اسی طبقہ میں تھا کذا فی التقریب اس تابعی نے جو خیر القرون میں تھا دیکھو کیسا کام سخت مشتدی کا کیا کہ خدا کسیکو نصیب نہ کرے کہ مظلمہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا اس کی گردن پر ہے تیسرا قصہ یہ کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی تھے ان کا شاگرد واصل بن عطا تبع تابعین سے تھا وہ مذہب معتزلی کا موجد اور امام ہوا اس نے یہ مذہب نکالا کہ جو مسلمان گناہ کبیرہ کرتا ہے نہ اس کو مومن کہنا چاہیئے نہ کافر بلکہ ایک درجہ ہے درمیان دونوں کے یہ بالکل مخالف اہل سنت والجماعت کے اس نے اعتقاد کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دو قسم فرماتا ہے فمنکم کافر و منکم مومن قسم تیسری نہیں فرمائی پس جب واصل ابن عطا نے اپنا وہ عقیدہ بیان کیا تب ان کے استاد حضرت امام حسن بصریؒ نے ارشاد فرمایا قد اعتزل عنا یعنی یہ مرد ک الگ ہو گیا ہم سے پس اسی روز سے اس فرقہ کا نام معتزلی ہوا اور وہ سخت بدعتی ہیں اور وہ اپنا نام کہتے ہیں اصحاب العدل والتوحید کذا فی الشرح العقائد وغیرہ یہ تین قصے قرون ثلثہ کے بیان کئے گئے اور ایسے بہت

سابق ہوتا ہے اور علاوہ بریں فشو بھی ظہور کے معنے میں ہے اور وضاحت وغلبہ اس میں مرعی ہیں، دوسری حدیث یفشو الکذب تفسیر اس کی کرتی ہے پس فقط وجود مراد نہیں ہو سکتا کہ وجود مطلق کذب کا تو فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات میں بھی تھا اور جیسا جو شق میں اعتراض کا اندیشہ مؤلف کو تھا اس سادس شق میں کیوں ایسی توجیہ اختیار فرمائی جس سے حرب تھا اس کو ہی اختیار کر لیا گیا فہم عالی ہے، الحاصل آپ کی یہ توجیہات و تقریرات سب غلط لا یعنی ہیں، ایک بھی علم کی اور فہم کی بات نہیں اور ہم کہہ چکے کہ جس مدعی کو تم ثابت کرتے ہو اس کو ہم خود اقرار کرتے ہیں مگر آپ خود گرداب ضلالت میں پڑے ہوئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہو بے سود اوراق سیاہ کرتے ہو حد و بدعت سب متفق المعنے ہیں قولہ پانچواں قول مذہب جمہور الخ اقول یہ قول خامس آپ کا قول منصور اور قول رابع بعینہ ایک ہی ہیں کوئی فرق نہیں اس میں زمانہ پر بنیاد بدعت کی ہے نہ رابع میں علی ہذا اول و ثانی و ثالث میں مجیب کی کوتہ فہمی سے تفرقہ تھا لیکن جناب اپنی غلطی کو گوش ہوش سے۔

لے ملحوظ رہے یعنی سے بے معنے کے ظہور،

تفصص ہی غرضکہ ان امثال سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ خواہ کوئی فعل ہو یا قول یا اعتقاد اس کا حسنہ اور سیئہ ہونا موقوف زمانہ پر نہیں بلکہ اس کا مدار مخالفت اور عدم مخالفت شرع پر ہے اس دعوی پر دو دلیل یعنی دو حدیث صحیح لکھے دیتے ہیں حدیث اوّل قال نبینا الامین علیہ علی آلہ الصلوۃ والسلام من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فہو رد یہ صحیحین کی حدیث ہے یعنی جس نے نکالی ہمارے اس دین میں وہ بات جو دین کی قسم سے نہیں یعنی کتاب اور سنت کے مخالف ہے وہ بات اس کی رد ہے شارحین حدیث نے لفظ مالیس منہ کی شرح میں لکھا ہے فیہ اشارۃ الی ان احداث مالاینازع الکتاب والسنۃ لیس بمذموم اور محدث دہلوی نے لکھا ہے لفظ مالیس کی شرح میں کہ مراد چیزے است کہ مخالف ومغیر دین باشد، اور نواب قطب الدین خاں صاحب نے ترجمہ مشکوۃ میں لکھا ہے کہ لفظ مالیس منہ اشارہ ہے اس کی طرف کہ نکالنا اس چیز کا کہ مخالف کتاب اور سنت کی نہ ہو برا نہیں انتہی اور شارح حدیث کو اس طرح معنی کرنے کی وجہ یہ پڑی کہ اس حدیث کو ابوداود نے ان الفاظ سے روایت کی ہے من صنع امرا علی غیر امرنا فہو رد یعنی جس نے کیا کوئی کام ہمارے کام سے غیر طریقہ پر وہ رد ہے حضرت کا کام کتاب وسنت ہے کتاب وسنت کے غیر وہی طریقہ ہوگا جو بالکل اس کے مخالف اور اس کا مغیر یعنی بدل دینے والا ہوگا، الحاصل اس حدیث سے دو بات ثابت ہوئی ایک تو یہ کہ حضرت نے لفظ من ارشاد فرمایا یہ لفظ عربی میں عام ہے اس میں قید کسی قرن کی نہیں، یعنی آپ نے یوں نہیں فرمایا جو کوئی نکالے نئی بات اول قرن میں دوسرے قرن میں یا بالکل آخری زمانہ میں بلکہ عام فرمایا کہ جب جبھی کوئی نکالے وہ رد ہے دوسری بات یہ کہ اس نئی بات نکالی ہوئی کا مردود ہونا موقوف ہے اس بات پر کہ مخالف ہو کتاب و سنت کے بس یہی ہم نے دعوی کیا تھا کہ حسنہ اور سیئہ ہونا امور محدثہ کا موقوف مخالفت اور عدم مخالفت کتاب و سنت پر ہے نہ زمانہ پر اور یہ مسئلہ اصول میں ٹھیر چکا ہے کہ جب کوئی حکم کسی امر مقید پر ہوتا ہے تو وہ حکم قید کی طرف راجع ہوتا ہے اس حدیث میں فہو رد حکم ہے یہ اصل

قرون ثلثہ میں کسی امر کا بلا نکیر ہونا دلیل ہے نہ مطلق وجود! | اور سن لو کہ پہلے واضح ہو چکا کہ قرون ثلثہ میں بلا نکیر ہونا مراد ہے اور یہ تفصص جو آپ نے ذکر فرمائے سب نکیر ان قرون میں ہوا ہے چنانچہ کتب صحاح ستہ سے بنفس وجود مراد نہیں بلکہ شیوع بلا نکیر مراد ہے اور یہ توجیہ کہ ان قرونا میں جو کچھ ہو خیر ہو یا شر وہ سنت ہے اور بعد ان کے جو کچھ ہو خیر ہو یا شر وہ بدعت ہے یہ محض آپ کی ہی فہم عالی ہے کسی ایک عالم کا بھی یہ مذہب نہیں بہرحال کسی متنفس نے نہیں کہا کہ تحقق خیر و شر کا زمانہ پر ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ تحدید قواعد شرعیہ کی قرون ثلثہ میں منحصر ہے جیسا گذرا، مگر یہ مؤلف کی عبث لغو ہے،،

حدیث من احدث میں مالیس منہ کے معنی | قولہ حدیث اوّل قال نبینا الخ اقول کمالیس منہ میں لفظ ما فرمایا ہے کہ عموم کا ہے بس محدث خواہ خود ذات شئے ہو خواہ وصف و قید شئے کا ہو خواہ احداث بلا واسطہ ہو خواہ بواسطہ سب مردود ہوگا اور یہ قاعدہ بھی محفوظ ہے کہ مرکب بجز ولا یجوز سے ناجائز ہی ہوتا ہے بس غیر منازع کتاب و سنت کا وہی ہوتا ہے کہ جس کی دلیل جواز کی کتاب و سنت میں موجود ہو علیٰ ہذا مخالف ومغیر دین سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی وصف پیدا ہو جائے کہ جس سے تغیر حکم شرعی کی لازم آجاوے وہ بھی مالیس منہ میں داخل ہے کوئی مباح کو سنت جانے یا سنت جیسا معاملہ کرے یا کسی مطلق کو مقید یا مقید کو مطلق کرے یا کسی غیر دین اسلام کے ساتھ تشبیہ لازم آوے کہ یہ سب مالیس منہ میں داخل ہے اس امر کا لحاظ ضرور ہے کہ مؤلف اس سے بالکل غافل و جاہل ہے،،

مقید میں حکم قید کیطرف راجع ہوتا ہے اس قاعدہ کا مطلب الخ | قولہ یہ مسئلہ اصول میں ٹھیر چکا ہے الخ اقول حکم قید پر لگتا بجا ہے مگر اس وقت مجموعہ

لے بیان کردہ،،

احداث پر راجع نہ ہوگا بلکہ اس کی قید جو مالیس منہ ہے اس کی طرف راجع ہوگا یعنی جو نئی بات مخالف اور تغیر و تبدیل والی دین کی ہو وہ رد ہے نہ یہ کہ جو کوئی بات عمدہ اور صالح اور نیک قرآن و حدیث سے ملتی ہوئی ہو وہ بھی رد ہے نعوذ باللہ من ہذا الفہم الردی۔ دیکھو اب قاعدۂ عربی کے طور پر معنی کرنے سے اسی حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بدعت حسنہ جیسی اچھی بات کا ایجاد کرنا برا نہیں ورنہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم احداث کو مقید لفظ مالیس منہ کی ساتھ نہ فرماتے بلکہ یوں فرماتے من احدث فی امرنا فہو رد، کیا حاجت تھی لفظ مالیس منہ بڑھانے کی اور شرح جوہرۃ

التوحید میں ہے ومن الجملۃ من یجعل کل امر لم یکن فی زمن الصحابۃ بدعۃ مذمومۃ وان لم یقم دلیل علی قبحہ تمسکا لقولہ صلے اللہ علیہ وسلم ایاکم ومحدثات الامور ولا یعلمون المراد بذلک ان یجعل فی الدین ما ہو لیس منہ انتہی، بس ایسی تقریر سے جواب حاصل ہوگیا ان لوگوں کا جو حدیثیں بغیر سمجھے بوجھے پڑھا کرتے ہیں کہ شر الامور محدثاتہا اور پڑھا کرتے ہیں وایاکم ومحدثات الامور وکل بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وجہ حصول جواب یہ ہے کہ حدیثیں سب ارشاد رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہیں وہ باہم مختلف نہیں ہو سکتیں جب مقام مذمت میں آپ احداث کو مالیس منہ کے ساتھ مقید فرما چکے یعنی وہ محدث بات مردود ہے جو کسی غیر طریقہ اسلام پر ہو اور مخالف ہو، پس جسقدر حدیثیں منع احداث اور بدعت میں ہوں گی وہ احداث اور بدعت مخالف اسلام کی طرف راجع ہوں گی، نہ احداث خیر اور بدعت حسنہ کی طرف اور اس تقریر سے اس حدیث کے معنی بھی بلا تکلف صحیح ہو گئے۔ ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلہا من السنۃ اس لئے کہ جو بدعت مخالف سنت کی ایجاد ہوگی ظاہر ہے کہ وہ سنت کو مٹا دے گی، چنانچہ مولوی قطب الدین خاں صاحب نے بھی مظاہر الحق میں اس حدیث کے ترجمہ میں لکھا ہے نہیں نکالی کسی قوم نے بدعت یعنی جو بدعت کہ مزاحم سنت کی ہو دیکھیے اس حدیث میں بھی ان لوگوں کے علماء مستندین سے خاص اسی بدعت کی برائی ثابت ہوئی سو مخالف سنت ہو فیا اخی خذ ما آتیتک وکن من الشاکرین۔ دوسری حدیث من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرہا واجر من عمل بہا بعدہ من غیر ان ینقص من اجورہم شیء۔ یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں لکھتا ہوں مجمع البحار اور شرح مسلم امام نووی یہ دونوں کتابیں ان لوگوں کے پیشواؤں کے نزدیک بھی نہایت معتبر اور مستند ہیں غرضکہ ان دونوں کتابوں میں اس حدیث شریف کے معنی یہ لکھے ہیں کہ جس نے جاری کیا اسلام میں طریقہ نیک پھر اس کے بعد اس طریقہ حسنہ پر عمل کیا گیا تو لکھا جاوے گا اس شخص کے واسطے اس قدر اجر اور ثواب کہ جسقدر سب عمل کرنے والوں کو اس کے بعد ہوگا اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کاٹ کر اس کو نہ دیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے خزانہ لا انتہاہی سے ثواب دے گا اور وہ طریقہ جو اس نے جاری کیا ہے خواہ وہ طریقہ ایسا ہو کہ اس سے پہلے

مقید کا بسبب قید کے غیر مشروع اور بدعت ہو جاتا ہے اصل کی وجہ سے مشروع نہیں ہوتا بلکہ قید کے سبب بدعت ہو جاتا ہے بہر حال اس حدیث کی شرح خوب ثابت ہو گیا کہ قول چوتھا بدعت کا نہایت مقبول اور موافق اس قول خامس کے ہے بلا تفاوت پھر اس کو اس کی مخالف جاننا اور شاذ کہنا نہایت کم فہمی ہے نعوذ باللہ من ہذا الفہم الردی،،

بدعت حسنہ اور سنت میں محض فرق اصطلاحی ہے نزاع حقیقی نہیں ہے،، پس دیکھو کہ عربیت کے قاعدہ سے شرح کرنے سے لازم آگیا کہ بدعت حسنہ وہ محقق بالسنۃ ہی ہے، اور اس کی دلیل چوں کہ کتاب و سنت میں موجود ہے تو وہ خلاف حکم شارع کے نہیں،، اس کو بدعت حسنہ کہنا فقط فرق بیانی و اصطلاحی ہے نہ نزاع حقیقی جیسا مؤلف سمجھ گیا ہے باقی تقریر مؤلف کی ہم کو مضر نہیں لہٰذا اس کا جواب ضرور نہیں بلکہ وہ عین مدعی ہمارے قولہ دوسری حدیث من سن فی الاسلام | حدیث من سن سنۃ حسنۃ میں سیئۃ اور حسنہ سے کیا مراد ہے اور یہ حدیث و دیگر عبارات مثبتہ بدعۃ حسنہ مانعین کو مضر نہیں

لے فرق

ایجاد کیا گیا تھا لیکن کسی سبب سے بند ہو گیا تھا اس نے پھر اس کو جاری کر دیا کہ پہلے اس سے وہ طریقہ ایجاد ہی نہیں ہوا تھا اس نے خود اپنی طرف سے اس کو ایجاد اور جاری کیا اور وہ طریقہ خواہ تعلیم کسی علم کی ہو، یا عبادت ہو یا طریقہ ادب کا ہو مجمع البحار کی جلد دوم صفحہ ۱۴۴ اور شرح مسلم کی جلد ثانی صفحہ ۳۴۱ میں یہ مضمون مرقوم ہے دیکھیے جس کا دل چاہے اس حدیث کے لانے سے ہمارے دو مطلب ثابت ہوئے ایک تو یہ کہ بدعت حسنہ کا بجا ہونا تو کیا بلکہ اور اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وعدہ ثواب کا دیا ہے اور ثواب بھی کیسا کہ جب وہ آدمی مر جائے گا اور اس کے بعد دوسری خلق اللہ اس پر عمل کریں گی تو بعد موت بھی ان سب کی برابر اس کو ثواب پہنچائے گا یہی وجہ ہے کہ علماء شریعت نے طرح طرح کے اصول اور قواعد واسطے تہذیب علم ظاہر دین کے ایجاد کئے اور اولیاء طریقت نے قسم قسم کے مجاہدات اور اشغال بعد قرون ثلثہ واسطے تزکیہ اور تصفیہ قلب کے پیدا کئے رحمۃ اللہ علیہم وعلینا اجمعین اسی واسطے لکھا شامی شارح درمختار نے اوائل جلد اول میں کہ یہ حدیث قواعد اسلام سے ہے اور معنی اس حدیث کے ان الفاظ سے لکھے ہیں کل من ابتدع شیئاً من الخیر کان له مثل اجر من یعمل به الی یوم القیمۃ ،، دوسرا مطلب اس حدیث سے یہ نکلا اس بدعت حسنہ کے ایجاد میں بھی وہی لفظ من جو عربی میں ایک عام لفظ ہے ارشاد فرمایا یہ نہ فرمایا کہ جو قرون ثلثہ میں کوئی آدمی بدعت حسنہ جاری کرے گا اس کو ثواب ہوگا اور جو بعد میں کرے گا اس کو عذاب ہوگا اور وہ بدعتی ہو گا فی النار ہو گا نعوذ باللہ منہا، بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی جب کبھی طریقہ نیک جاری کرے گا اس کو ثواب ہو گا چنانچہ علامہ شامی نے بھی من سن سنۃ حسنۃ کے معنی وہی کلی عام کئے ہیں یعنی اس نے لکھا ہے وکل من ابتدع شیئاً الی اٰخرہٖ، اور یہی مولوی محمد اسحاق صاحب نے بھی مائۃ مسائل میں لکھا ہے، سوال بدعت حسنہ محدود واست بوقتے من الاوقات یا غیر محدود واست الی یوم القیمۃ جواب غیر محدود ہست عند القائل بتقسیمہا لحدیث من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ الی اٰخرہٖ، دیکھو سائل نے سوال کیا تھا کہ بدعت حسنہ کی کوئی قید ہے وقت یا زمانہ کی کہ فلانے زمانہ تک تو ایجاد بدعت حسنہ کا جائز ہے اور فلانے زمانہ میں نہیں جائز یہ بات کہ کچھ قید نہیں بلکہ ایجاد اس کا جائز ہے، قیامت تک کہ کسی زمانہ میں ایجاد ہو اور کوئی ایجاد کرے اس کا مولوی اسحاق صاحب نے جواب دیا کہ غیر محدود ہے یعنی زمانہ کی کچھ قید نہیں قیامت تک بدعت حسنہ جائز ہے باقی رہی یہ بات کہ عند القائل بتقسیمہا کی قید کیوں لگائی ہے یہ بات کچھ موجب وحشت نہیں تین وجہ سے ایک یہ کہ بدعت کی تقسیم نہیں کرتے وہ بدعت حسنہ کو سنت میں داخل کرتے ہیں پس بدعت حسنہ کا لفظ وہی کہے گا جو قائل تقسیم بدعت ہوگا وہ بدعت حسنہ کو سنت کہے گا،، دوسری وجہ یہ کہ جب ان کی سند میں صحیح حدیث لکھ دی تو وہ قائلین پایۂ اعتبار نہیں ٹھہر گئے اور صحت انکی قول کی مسلم ہو گئی، تیسری یہ کہ جب مولوی صاحب نے فرمایا کہ جو قائل ہیں تقسیم بدعت کے ان کے نزدیک قیامت تک بدعت حسنہ جائز ہے اب ہم تم کو بتلادیں گے بدعت حسنہ کو کس کس نے جائز کیا ہے، پس جان لیجو کہ ان سب مفتیان حنفیہ کے نزدیک تا قیامت بدعت حسنہ

اقول فی الحقیقت اصل اگر کتاب و سنت میں موجود ہے تو اس کا ایجاد کرنے والا لغۃً موجد ہے ورنہ وہ فی الواقع موجد نہیں بلکہ مظہر ہے کہ جو امر شرع میں وجود شرعی رکھتا تھا اس کا اظہار اس سے ہوا ہے پس یہ موجد نہیں مظہر ہے اس کو کون برا کہہ سکتا ہے چوں کہ مؤلف وجود خارجی سمجھ رہا ہے اور وجود شرعی ہی سے واقف نہیں تو غصہ کے کلمات اپنے زعم باطل پر لکھ رہا ہے مگر یہ ضرور اور واجب ہے کہ تمہید قواعد جواز و عدم جواز کی محدود و بزمان ہے بعد قرون ثلثہ کے جو کوئی قاعدہ تجویز ہو وہ بہر حال مردود ہو گا اور ان قواعد قرون ثلثہ کے موافق جو ہو گا وہ خود اس زمانہ میں موجود ہو گا تو یہ بھی نزاع لفظی ہے کہ وہ وجود شرعی لیتے ہیں اور مؤلف وجود خارجی اور واقع میں خلاف کچھ بھی نہیں ----

جائز ہے کچھ قرون ثلثہ پر حصر نہیں ہے اقوال فقہاء و محدثین اس باب میں کہ سیئہ اور ضلالت وہی بدعت ہے جو مخالف قرآن
و حدیث و اجماع کے ہے اور جو بدعت ایسی نہیں وہ درست ہے "

سیرۃ حلبی وغیرہ کتب مشہورہ و معتبرہ میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ما احدث و خالف کتابا او سنۃ او اجماعا او اثرا فھو البدعۃ
الضلالۃ وما احدث من الخیر ولم یخالف من ذلک فھو البدعۃ المحمودۃ " اس روایت کو بیہقی نے بھی ساتھ اسناد اپنے کے امام شافعیؒ سے
روایت کی ہے کہ بدعت دو طرح ہے مذمومہ اور غیر مذمومہ مولوی اسماعیل صاحب نے تقویۃ الایمان کے دوسرے حصہ مسمیٰ بہ تذکیر الاخوان میں
فرمایا ہے جو مجتہدوں نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے انتہیٰ۔ پس یہ قول شافعی بالضرور مسلم ہونا چاہیئے کیونکہ یہ مجتہد ہیں
اور مجتہد کا حکم نکالا ہوا سنت میں داخل ہے، بقول مولوی اسماعیل صاحب دوسرے یہ کہ خیر القرون میں ہیں تیسرے یہ کہ وہ خاص عربی
میں عرب کے لغت اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے محاورات اور حدیث کی اصطلاحات کے جاننے والے ہیں بنا بریں علیہ جسقدر حدیثیں بدعت کی مذمت میں
آئیں اپنے موافق تفسیر امام شافعیؒ ان کو محمول انہیں بدعتوں پر کرنا چاہیئے جو خلاف کتاب و سنت ہیں اور محققین علماء محدثین و فقہائے دین
نے اسی پر عمل کیا ہے اور تصریح کر دیا ہے از انجملہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کی جلد ثانی میں فرمایا ہے انما المحذور بدعۃ تراغم سنۃ
ماموراً بہا یعنی وہی بدعت منع ہے جو منافی ہو کسی ایسی سنت کو جس کے قائم رکھنے کا ہم کو حکم ہے اور جلد اول احیاء العلوم میں فرماتے
ہیں ولا یمنع ذلک من کونہ محدثا فکم من محدث حسن یعنی یہ منع نہ کیا جائے گا بسبب نئی بات ہونے کے اسلئے کہ بہتری نئی باتیں
نکلی ہوئی نیک ہیں اور کہا علامہ امام صدر الدین شافعی نے یکرہ البدع اذا راغمت السنۃ اما اذا لم یراغمہا فلا یکرہ اور فتاویٰ عالم
گیریؒ کی جلد خامس میں ہے وکم من شیئ کان احدث وھو بدعۃ حسنۃ اور شیخ عزالدین بن عبد السلام نے آخر کتاب القواعد میں فرمایا
ہے البدعۃ اما واجبۃ اللہ وفی اصول الفقہ والکلام فی الجرح والتعدیل واما محرمۃ کمذھب الجبریۃ والقدریۃ واما مندوبۃ کاحداث
المدارس وکل احسان لم یکن فی عھد الاول واما مکروھۃ کزخرفۃ المساجد یعنی عند الشافعی واما عند الحنفیۃ فمباح واما مباحۃ کالتوسع
فی لذیذ الماکل والمشارب اور یہ تقسیم بدعت کی کہ بعضی بدعتیں واجب ہیں اور بعضی حرام اور بعضی مستحب یعنی ثواب کی مستحق اور بعضی بدعتیں
مکروہ ہیں اور بعضی مباح یعنی ان کے کرنے میں نہ ثواب نہ عذاب پس یہ بدعت پانچ قسم پر مسلم اور قائم رکھی ہے علامہ برکلی نے طریقہ محمدیہ میں
اور مناوی نے شرح جامع الصغیر میں اور ملا علی قاری حنفی نے مرقات میں اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اور سید
جمال الدین محدث نے حاشیہ مشکوٰۃ میں اور علامہ ابن حجرؒ نے فتح المبین میں اور علامہ ابن عابدین نے شرح درمختار کی بحث امامت میں،
جب یہ قاعدہ مسلم ہو چکا اب ایک دو مسئلے جو اس قاعدہ پر متفرع ہے لکھتا ہوں. علامہ شرنبلالی نے حاشیہ درر و غرر فقہ حنفی میں لکھا ہے

پھر مؤلف کا بعد نقل عبارت مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم کے اس شد و مد سے بدعت حسنہ کے اثبات میں دم بھرنا محض تطویل بے
سمجھ معترض کی اور یہ مانعین کو کچھ مضر نہیں محض مؤلف کی کوتاہ فہمی ہے قولہ اقوال فقہاء محدثین الخ اقول یہ سب اقوال موافق رائے مانعین
کے ہیں امام شافعی خود فرماتے ہیں خالف کتابا او سنۃ او اجماعا او اثرا یہ وہی تو ہوا کہ قرون ثلثہ میں جو مقرر ہو گیا اور ٹھہر گیا جس کی
شکایت ثالث سے کر رہا تک لکھے چلے آتے ہیں اور مولوی محمد اسماعیل صاحب مرحوم کا یہ بیان ہو گیا ہے الحاصل یہ سب اقوال اور
احادیث اور اس قدر تحریر طویل فقط مؤلف کی کوتاہی فہم پر مبنی کہ وجود شرعی کو وجود خارجی سمجھ گیا ورنہ کچھ ضرورت نہ ہوتی اور نیت کا

کہ نیت نماز کی اصل دل سے ہوتی ہے اور منہ سے ادا کرنا اس کا مستحب ہے عبارت اس کی یہ ہے والتلفظ بہا مستحب یعنی طریق حسن احیاء المشائخ لا انہ من السنۃ لانہ لم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من طریق صحیح ولا ضعیف ولا عن احد من الصحابۃ والتابعین ولا عن احد من الائمۃ الاربعۃ بل المنقول انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قام الی الصلوٰۃ کبر فھذہ بدعۃ حسنۃ اب غور سے علامہ شرنبالی کی تقریر دیکھنی چاہیے کہ یہ بات مان کر کہ نیت زبان سے کبھی حضرت سے اور صحابہؓ سے اور تابعینؒ سے اور مجتہدین سے ثابت نہیں باوجود اس کے حکم کیا کہ یہ بدعت حسنہ ہے مستحب ہے اور واضح ہو کہ ائمہ مجتہدین میں امام احمد بھی ہیں اور نہ وہ تابعی نہ تبع تابعی بلکہ تبع تابعین سے علم انھوں نے سیکھا ہے جب ان سے بھی یہ تلفظ بالنیت منقول نہیں تو ظاہر ہوا کہ قرون ثلٰثہ کے بعد اس کا ظہور ہوا اور دوسری دلیل اس کی ظہور بعد قرون پر یہ ہے کہ شرنبالی نے لکھا ہے تلفظ بالنیۃ کو احیۃ المشایخ اور مشایخ و متاخرین علماء ہیں جو امام اعظمؒ کے شاگردوں کا دورہ تمام ہونے کے بعد ہوئے اور در مختار میں لکھا ہے زبان سے نیت کرنے کو کہ یہ ہمارے علماء کی سنت ہے شامی نے لکھا کہ یہ طریقہ حسنہ ہمارے علماء کا ہے اس سے بھی ظہور تلفظ بعد قرون ظاہر ہوتا ہے اور فقیہ حلبی نے شرح کبیر منیہ میں اس طرح لکھا ہے کہ ائمہ مجتہدین سے بھی ثابت نہیں اس کے بعد یہ لکھا ہے وھذہ البدعۃ لحکم عدم النقل وکونہ بدعۃ لا ینافی کونہا حسنا یعنی اس کی بدعت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ نیک نہ ہو اب دیکھیے علماء دین اس کو بدعت مان کر پھر بھی حسن اور نیک فرماتے ہیں اور اس کا حکم دے رہے ہیں اور یہ علماء فریقین کے مسلم الثبوت ہیں اور منیۃ المصلی میں لکھا ہے والمستحب ان ینوی ویتکلم باللسان اور شرح وقایہ میں ہے والفضل مع لفظ افضل اور ہدایہ میں ہے ویحسن ذلک لاجتماع العزیمۃ اور یہی کافی میں ہے اور در شرح غرر میں ہے والتلفظ بہا مستحب یہ وہ کتابیں ہیں جو علماء حنفی کے نزدیک نہایت درجہ کی معتبر ہیں اب شافعی مذہب کو سننا چاہیے، علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں شافعی مذہب بیان کرتے ہیں والذی استقر علیہ اصحابنا استحباب النطق بہا اور غنیۃ الطالبین حضرت غوث اعظم کی تالیف ہے وہ حنبلی تھے بیان وضو میں لکھتے ہیں ینوی بطہارۃ رفع الحدث ومحلہا القلب فان ذکر ذلک بلسانہ مع اعتقادہ بقلبہ کان قد اتی بالافضل، الحاصل یہ عمل یعنی نیت زبان سے کرنی اس قسم کی بات ہے کہ تمام ہندوستان اور فارس اور عرب وغیرہ میں جاری ہے علامہ شامی نے لکھا ہے قد استفاض ظہور العمل بذلک فی کثیر من الاعصار فی عامۃ الامصار اور چھٹی صدی کے اخیر جو محفل مولد شریف منعقد ہوئی اس کو اجلہ علماء اور اکابر فضلاء نے مستحسن سمجھا اور شریک ہوئے اور امام نووی استاد ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس محفل کو پسند کیا اور اسکو بدعت حسنہ قرار دیا اور یہ فرمایا ومن احسن ما ابتدع فی زماننا ما یفعل کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصدقات واظہار الزینۃ والسرور الی اخرہ اور فرمایا ابن حجر محدث رحمۃ اللہ علیہ نے عمل المولد واجتماع الناس لہ کذلک ای بدعۃ حسنۃ کذا فی السیرۃ الحلبیۃ اور آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں جو تسلیم بعد اذان

لفظ جو بدعت نہ ہوا تو اس کی دلیل جواز کی موجود ہے کہ حج میں تلفظ لسانی حدیث میں وارد ہوا ہے اور نیت قلبی کو کہ فرض ہے اس سے قوت بلکہ بعض وقت بدون اس کے حاصل ہی نہیں ہوتی لہٰذا ملحق بالسنہ ہو گئی اب بعد ان سب اقوال کے اپنے اصل مطلب پر مؤلف صاحب آئے کہ چھٹی صدی کے آخر میں محفل میلاد منعقد ہوئی سو اول محقق ہو چکا ہے کہ جس محدث کی دلیل جواز قرون ثلٰثہ میں موجود ہو وہی جائز ہوتا ہے ورنہ بدعت ہوگا تو یہاں اس کو محل استدلال میں لانا حالانکہ یہ امر متنازع فیہ ہے دور کہلاتا ہے اور یہ قبیح امر ہے یہ وہ مدعی ہے کہ جس کا اثبات

لہ زبان سے لفظی ادائے کی تہ مختلف فیہ

احداث کی گئی اس کو درمختار میں لکھا ہے التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنہ سبعمائۃ واحدی ثمانین وھو بدعۃ حسنۃ یعنی۔ سلام پڑھنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر بعد اذان سات سو اکیاسی سنہ ہجری میں ایجاد کیا گیا اور یہ بدعت حسنہ ہوا تھا اور اسی طرح درمختار کے شارح شامی نے بھی اس کو مسلم رکھا اور نہر الفائق شرح کنز اور قول بدیع سے یہ نقل کیا والصواب انہا بدعۃ حسنۃ یعنی ٹھیک یہی بات ہے کہ سلام بعد اذان بدعت حسنہ ہے دیکھئے آٹھویں صدی تو قرون ثلثہ کے بہت بعد ہے اس وقت کی نکالی ہوئی چیز کو بھی فقہاء نے بدعت حسنہ کہا ہے اب دیکھنا چاہیئے اول فقہاء کو امام شافعیؒ کے قول سے یہاں تک یہ سب علماء تقسیم ہونا بدعت کا طرف حسنہ اور سیئہ کے مانتے ہیں اور بدعت حسنہ کو خواہ وہ قرون ثلثہ میں نکلی ہو، یا بعد قرون سب کو مستحب اور حسن فرماتے ہیں، پس مولوی اسحاق صاحب کے فرمانے کے موافق ان سب فقہاء کے نزدیک بدعت حسنہ کا ایجاد الی یوم القیامۃ ثابت ہوا اس لئے کہ وہ کہتے ہیں غیر محدود است عند القائل بتقسیمہا اور خود مولوی اسحاق صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب کے بزرگ بھی تقسیم بدعت مانتے ہیں شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سوالات عشرہ محرم کے جواب سوال اول میں لکھتے ہیں ساختن ضرائح وصورت قبور و علم وغیرہ اینہمہ بدعت است وظاہر ست کہ ایں بدعت حسنہ کہ در آں خوف نباشد نیست بلکہ بدعت سیئہ است وحال بدعت سیئہ ایں است کہ در حدیث شریف وارد است شر الامور محدثاتہا وکل بدعۃ ضلالۃ انتہی، اور شاہ صاحب موصوف کے بیان سے تحفہ میں بھی بدعت حسنہ کا وجود پایا جاتا ہے اب تیرہویں صدی میں وہ مولوی اسمٰعیل صاحب کہ جن کا کلام تذکیر الاخوان میں یہ تھا کہ جو کوئی دین کے عقیدے اور عبادت اور رسم میں وقت یا جگہ یا وضع یا ہیئت کی کچھ قید اپنی طرف سے مقرر کرے سو وہ بدعت اور باطل اور مردود ہے انتہی کلامہ بشکر خدا کا کہ یہ قاعدہ جنگی فوجداری کا جس سے ایک عالم میں جنگ باہمی پیدا ہو ایجاد کرکے آخر توبہ کی اس راہ سے خود مخالفت اختیار کی اور توبہ کی وجہ ثبوت یہ ہے کہ ان کی صراط مستقیم میں لکھا ہے اشغال مناسبہ ہر وقت و ریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشد لہذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طریق در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند بناءً علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت است تعیین کردہ شود، اس عبارت میں قرون ثلثہ کی کچھ قید نہیں لگائی بلکہ ہر قرن میں ایجاد اشغال اور تعینات مشائخ کو مسلم رکھا اور بذات خود اپنی تیرھویں صدی کے واسطے اشغال جدیدہ ایک باب

میں مؤلف نے اس قدر تطویل بے سود کی پھر قبل ثبوت اس کے اس کو بھی دلائل جواز میں ذکر کرتا ہے لہذا احقر اس طرف سے بھی اشارہ ہے کہ خود قرن [1] صحابہ میں بھی اگر کوئی امر ہوا اور اس پر انکار کیا گیا تو وہ جائز و حجت نہیں ہوتا چہ جائیکہ بعد چھ سو سال کے ہو جب اس پر وقت حدوث اس کے کے فاکہانی وغیرہ علماء عصر نے انکار کیا تو وہ جائز نہیں ہو سکتا معہذا ہم کہتے ہیں کہ اس وقت میں فقط ذکر خیر البشر کا بلا قید اور بلا تداعی و اہتمام تھا لہذا اس وقت علماء کو اس پر نکیر نہ ہوا اب جو قیود غیر مشروع اس پر اضافہ ہوئیں تو ناجائز ہو گیا اصل ذکر ولادت کو تو کوئی بھی منع نہیں کرتا جو کچھ تکرار و انکار ہے وہ قیود ہی سے ہے کیا مؤلف دیکھتا نہیں کہ سوال میں کس شے سے سوال ہے اور قیود خمسہ کیوں لگا کر سوال کیا گیا ہے غرض یہ نظیر محض خوش فہمی مؤلف کی ہے ابن حجر ہیثمی اور ابو شامہ کے قول کو اگر تسلیم بھی کیا جاوے تو کیا مفید مؤلف کو ہوگا کہ کلام ہیئت کذائیہ مندرجہ سوال میں ہے نہ نفس ذکر مولود میں ورنہ اصل اصول کے ہوتے قول علماء کا جو خلاف قاعدہ مسلم نہیں ہوتا اور بیان تشویش میں ایک طول پر ترک کیا گیا اور اصل مطلب جس کو مؤلف ثابت کرتا ہے ہمارے ہرگز مخالف نہیں

---

[1] صحابہؓ کا زمانہ ۔ ثواب"

ہیں لکھے اس باب میں دیکھو ذکر اللہ اور عبادت الٰہی میں کیا کچھ وقت اور وضع اور ہیئات اور عدد کی قیدیں ہیں اور صراطِ مستقیم کے آخر ورق میں ۔۔ لکھا ہے تجدید اشغالیکہ ایں کتاب محتوی برآں است فرمودند یعنی مرشد صاحب نے نئے اشغال نکالے اور ظاہر ہے کہ تجدید میں احداث ہے پس معلوم ہوا کہ انجام کاران کو بھی یہی حق معلوم ہوا کہ ایجاد بدعت حسنہ الیٰ یوم القیٰمہ جائز است، خیر صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر آجائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے اللہ تعالیٰ ان کے مقلدوں کو بھی ہدایت نصیب کرے اور اگر ان کی قسمت میں ہدایت نہیں تو ہم لوگوں سے جنگ اور بے ہودہ تقریریں تو نہ کریں کہ وہی نقشہ ہو جاتا ہے ع منہ باخورد و حلق خود بدرید ۔ اب اہل سنت والجماعت خوب غور اور فکر سے ملاحظہ فرمادیں کہ یہ جو فتویٰ انکاری میں مولد شریف اور فاتحہ اموات کو پنجشنبہ[1] و عیدین وغیرہ میں منع لکھا تھا ، اس کی بنیاد اسی ایک دلیل پر تھی کہ جو کام قرون ثلٰثہ کے بعد ہوتا ہے وہ بدعت سیئہ ہوتا ہے اور سنا چکے ہم تم کو حال اس دلیل کا کہ یہ دلیل نہایت ذلیل اور سخیف و رکیک ہے اور جب ٹوٹ گئی دلیل اٹھی ، قول ارباب تحقیق و اصحاب تدقیق سے تو شکست فاش کھا گیا ان کا فتویٰ اور قائم رہ گئے وہ سب امور صالحہ اپنی اباحت اور استحسان پر الاٰن کما کان پس یہ مذہب صحیح اور مشرب اہل تنقیح یہی ہے جو علامہ حلبیؒ نے جلد اول انسان العیون میں لکھا ہے وقد قال ابن الحجر الھیثمی ان البدعۃ الحسنۃ متفق علی ندبھا کہا حافظ ابن حجر فقیہ محدثؒ نے کہ بدعت حسنہ کی مندوب اور مستحسن ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے یعنی فقہاء و محدثین میں جو محققین ہیں وہ سب بالاتفاق بدعت حسنہ کو جائز اور درست فرماتے ہیں اور اس کی طرف رغبت دلاتے ہیں پس یہ سب امور مندرجہ فتویٰ بالاتفاق و اجماع اہل التحقیق طائفہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کے مستحسن ٹھہرے نہ سیئہ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراطٍ مستقیم ۔ لمعہ ثالثہ میں نقل ہے عبارت مولوی عبدالخالق صاحب واعظ دیوبندی کی جو منع مولد شریف و فاتحہ وغیرہ کیلئے فتویٰ انکاری مذکور پر لکھی ہے قولہ ، جوابات سب صحیح ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار کتبہ فقیر محمد عبدالخالق دیوبندی عفی عنہ اقول ہم ناصحانہ درد اسلامی سے کہتے ہیں کہ آدمی کو امور علمیہ میں ایسا نہ ہونا چاہیئے جیسے طوطا کم عمر رٹتا ہے میاں مٹھو میاں مٹھو لیکن اس کو یہ خبر نہیں کہ میاں کسکو اور مٹھو کس کو کہتے ہیں مولوی عبدالخالق صاحب نے تمام عمر وعظ فرمانے میں گذاری کسی سے یہ تحقیق نہ فرمایا کہ کل بدعۃ ضلالۃ سے مراد کیا ہے کاش مشکوٰۃ کا ترجمہ ہندی نواب قطب الدین خاں صاحب کا دیکھ لیتے کہ مطبوعہ میرٹھ ہے[2] میں اس حدیث کے معنی لکھتے ہیں عبارت ان کی یہ ہے کل بدعۃ ضلالۃ کے معنی یہ ہیں کہ جو بدعت

اور صاحب تذکیر الاخوان کا مذہب و مطلب بارہا واضح ہو لیا کہ یہی ہے اب یہ طوفان بے تمیزی کی تقریر گستاخ جو کچھ ہے سب کو معلوم ہے اس کے جواب سے زبان قلم ملوث کرنا کیا فائدہ ہے غرض تذکیر الاخوان کا یہ کہنا کہ قید اپنی طرف سے مقرر کرے ظاہر ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ایسی قید جس کی دلیل قرون ثلٰثہ میں نہ ہو اور صراطِ مستقیم میں وہ ہیئت تجدید کی مراد ہے کہ حسب قواعد شرع کے ہو سو ، جو وہاں تھا وہی یہاں ہے مگر دیدہ بصیرت چاہیئے ومن کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ اور اس قاعدہ پر جو مؤلف سمجھے بیٹھا ہے بنیاد میلاد اور رسوم کے بدعت ہونے کی نہ تھی بلکہ اس ہی مراد پر ہے جس کو مؤلف عرقریزی کر کے ثابت کر رہا ہے کہ بجائے خود کھل گا ، اور یہ اس قدر تطویل بلمعہ ثانیہ کی شرح کی ہم کو بھی اسی واسطے کرنی پڑی کہ مؤلف کے حسن فہم و مبلغ علم کا حال لوگوں کو معلوم ہو جاوے کہ کسقدر غلط بیانی اور کم فہمی کی تقریر ہے کہ گویا علوم سے مساس ہی نہیں ورنہ اصل مدعیٰ تو عین مدعیٰ ہمارا ہے اور سب علما

---

[1] آلودہ [2] محنت

سیئہ ہے وہ سب گمراہی کی ہے انتہٰی کلامہ، یا یہ کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے سوالات عشرہ کا جواب دو ترجمہ ہو کر مطبع ناصری
میں چھپا ہے وہی ترجمہ دیکھ لیتے اس میں لکھا ہے بدعت حسنہ تو اس کو کہتے ہیں کہ کرنے والا اس کا ماخوذ نہ ہو اور بدعت سیئہ کا
حال یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کل بدعۃ ضلالۃ انتہٰی کلامہ پس جب ان کے پیشوا سب اس حدیث کو بدعت سیئہ کیساتھ
خاص کرتے ہیں اور بدعت حسنہ کو اس میں شامل نہیں کرتے پھر ان کا منصب تھا کہ بلا تقسیم بدعت اور بلا اثبات دلائل سیئہ
ہونے اعمال مندرجہ سوال کے کلیہ طور پر پڑھ دیں کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار دوسری نصیحت یہ کہ ایک آفاقی
سے روپیہ مانگ کر جو جامع مسجد دیوبند میں بنوائی ہے اور کثرت سے برج مثل مندر قوم ہنود کے بنوا دیئے ہیں کیا قرون ثلثہ
میں بھی اتنے برجوں کی مسجد بنتی تھی ؟ اگر بنتی تھی تو ہم کو حوالہ دو کہ کس قرن میں اور کس نے بنائی، اور کس حدیث کی کتاب میں یہ فعل
قرون ثلثہ سے ثابت ہوا ہے اور اگر نہ ثابت ہو یہ ہیئت مجموعی مسجد کی تو منصفی یہی ہے کہ اپنے اوپر بھی یہ حدیث رواں کرو کل بدعۃ
ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار تیسری نصیحت یہ ہے کہ خدا کا خوف کیا ہوتا تم نے اہل اسلام نے جو روپیہ چندہ کا دیا تھا تو مقصد
تھا کہ تعمیر میں بقاعدہ شرعی صرف ہو پھر یہ فرمایئے کہ کثرت بروج میں جو مال صرف ہوا نہ وہ استحکام تعمیر میں داخل نہ کسی مصالح
ومقاصد صلوٰۃ کو شامل اس کا مظلمہ کس کی گردن پر ہوگا، کتب فقہ سے اس کا عدم جواز مستفاد ہوتا ہے قاضیخاں میں ہے رجل دفع
شیئ بعمارۃ المسجد فی ای شیئ یصرف ذلک المال قال ابو القاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ یصرف فیما کان من البناء دون التزئین اور بعد تین
سطر کے لکھا ہے، لیس للقیم ان یتخذ من الوقف علی عمارۃ المسجد شرفا ولیتقش المسجد من ذلک ولو فعل یکون ضامنا،

یہی مطلب و مراد ہے فقط قولہ ہم ناصحانہ الخ اقول مولوی عبدالخالق صاحبؒ نے بیشک سمجھ کر لکھا ہے بدعت حسنہ اور سیئہ کی تفرق کا حال
اور کل بدعۃ ضلالۃ کے معنی بھی واضح ہو چکے اب یہ حال خود مؤلف صاحب کا ہے کہ بزعم خود فاضل اجل ہیں اور ہنوز معنی بدعت حدود کے
بھی نہیں سمجھے اور نزاع لفظی و حقیقی کو بھی نہیں جانا جو کچھ مولوی عبدالخالق صاحب پر طعن ہے اس تحریر سے واضح ہو گیا کہ وہ آپ کا ہی
حال ہے اور باوجود ترجمہ مشکوٰۃ کے مطالعہ کے کچھ بھی نہیں سمجھے اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم فقط قولہ دوسری نصیحت
اقول آپ کے نزدیک جس وجہ سے برج و منارہ مسجد کے جائز ہیں جس کا نام آپ نے بدعت حسنہ رکھا ہے اسی وجہ سے مولوی،
عبدالخالق نے بھی یہ بنوائی ہیں، کیونکہ وہ مدعی آپ کا اور مولوی عبدالخالق کا ایک ہی ہے گو آپ کو خبر نہیں طوطی کے بول بولتے ہو
سو یہ تعریض بے معنی ہے فقط تیسری نصیحت الخ اقول المعروف کالمشروط قاعدہ فقہ کا ہے ہر گاہ کہ سب چندہ دہندہ برج منار وغیرہ
میں صرف کرنے سے دلالۃً راضی ہیں تو اس میں صرف کرنا درست ہے اور دوسری روایت قاضیخاں کی تو آپ نے دونوں آنکھیں بند
کر کے ہی لکھ دی ہے مال وقف کا مسئلہ مال مملوک کسی پر جاری فرمایا ہے خوب روایت فقہ کی سمجھے ماشاء اللہ اور پہلی روایت
وصیت کی بھی مطابق اس واقعہ کے نہیں کیوں کہ موصی نے ایک امر مبہم کہہ مرا ہے اس کا حمل ایسی شئے پر ہونا چاہیئے کہ نافع ہووے
اگر موصی زندہ ہوتا، اور اجازت تزئین میں صرف ۔۔ کی دے دیتا تو جائز تھا یہاں تو دینے والے زندہ ہیں اور ان کی دلالۃً رضا
صریح ہوتا ہے کاش اگر مؤلف فقہ کی کتاب کسی معلم سے پڑھ لیتا تو ایسی غلطی فاحش میں نہ پڑتا ۔ فقط ،

سہ ہر بدعت گمراہی ہے ؎ اپنے گمان میں تو نصیحت کرنے والا

اب فرمایئے یہ اسراف اور تبذیر کر کے آپ منتظر اپنی مدح اور اجر کے بیٹھے ہیں یہ کیسا ظلم ہے قرآن میں آیت تبذیر پڑھکر کچھ تو گریبان
میں منہ ڈالئے گا چوتھی نصیحت مولوی صاحب کو یہ ہے کہ آپ کی معاش وعظ پر ٹھیری اس کو بھی کبھی سوچا ہوتا کہ آیا یہ کمائی رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم یا خلفاء راشدین یا تابعین یا تبع تابعین قرون ثلثہ کی یہی تھی کہ وعظ فرما کر کھاتے پھرتے تھے یا یہ نہ تھی اور اپنے پیشواؤں کا خیال کر کے
کہ ہمارے عالموں نے اس کے حق میں کیا لکھا ہے خیر اگر تم کو تلاش نہیں ہم بلا تلاش تم کو بتاتے ہیں شاہ عبد العزیز صاحب تفسیر پارہ الم میں
تحت آیۃ ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا کے لکھتے ہیں، فرقہ پنجم معلمان دنیا طلب و اعظان طمع کہ بر تعلیم احکام الٰہی و تبلیغ مواعظ و پند ار
متاع دنیا درخواست نمایند و در بدل توقع منفعت متوجہ بحال سائل شوند درصورت بے توقعی خشونت و درشت خوی نمایند، اس کے
بعد شاہ صاحب نے حال امامت و موذنی وغیرہ کا بیان فرمایا اور کلام اس پر تمام کیا کہ رفتہ رفتہ ایں صیغہا صیغۂ معاش و اجورہ قرار
گرفت در ایں زمان حال ایں وجہ معاش مشکوک بلکہ قریب بحرمت است حق المقدور ازاں احتراز لازم است انتہی، اور مولوی اسحاق صاحب
نے مایۃ مسائل میں اجرت جمیع طاعات پر یعنی ناجائز لکھی ہے اور یہ لکھا ہے ،، از حدیث شریف صریح معلوم می شود کہ بقرارت قرآن
شریف چیزے نگیرد و نخورد عام است کہ مقرر کنند یا نہ کنند انتہی، اس سے وہ بات بھی رد ہوگئی جو شاید کوئی یہ حیلہ کرنے لگے، کہ ہم لوگوں
کو قرآن پڑھ کر سناتے ہیں اس کا ترجمہ بتاتے ہیں ہم اجرت نہیں ٹھیراتے اور نہیں مانگتے، مولوی اسحاق صاحب کے کلام سے وہ بھی
منع ثابت ہوا اور یہی فقہا کا قاعدہ مسلم الثبوت ہے المعروف کالمشروط جب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ مولوی صاحب کا قاعدہ یہی ہے
اس قاعدہ کے موافق دیتے ہیں، سائل کی صورت خود سوال ہے پھر منہ سے مانگیں یا نہ مانگیں، افسوس ہزار افسوس اے میرے دینی
بھائیو! تم کیوں اپنی روح کو آلائشوں خبیثہ سے پاک نہیں کرتے ہو دوسرے کو ناری اور جہنمی بنانے کو تیار ہوتے ہو اور اپنا خیال نہیں
کرتے کہ تم بھی کسی گوشہ میں دوزخ کے جاتے ہو اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتب افلا تعقلون لمعہ ساتویں
نقل ہے عبارت عبد الجبار عمر پوری کی جو در باب منع مولد شریف فتویٰ انکاری کے ذیل میں لکھی ہے قولہ حضرت کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ
جہاں مولود شریف پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں شرک ہے ہر جگہ موجود خدا تعالیٰ ہے اللہ سبحانہ نے اپنی صفت دوسرے کو
عنایت نہیں فرمائی واللہ اعلم عبد الجبار عمر پوری عفی عنہ اقول ایک تو کم نصیبی اس مفتی کی یہ کہ حضرت کا ذکر کیا اور صلے اللہ علیہ وسلم نہ کہا اتباع سنت

قولہ چوتھی نصیحت الخ اقول، آپ کا منہ اور یہ بات آپ تو مدت ہوئی کہ فتویٰ جواز اجرت تعلیم قرآن کا لکھ کر طبع کرا چکے ہو اگر اب غصہ میں آکر
اس سے رجوع فرمائی ہے تو وہ روایات متاخرین فقہا کی تو کہیں نہیں چلی گئیں کہ جن روایت سے بضرورت ضروریہ اس زمانہ جہل میں موجود
ہے جواز اجرت کا وعظ کا حال مفصل معلوم ہو سکتا ہے پھر آپ کس منہ سے طعن کریں گے یہ مفتی جواز وہی آپ کے معتمد پیشوا ہیں اور یہ
بدگمانی کرنا کہ مولوی عبد الخالق صاحب کی نیت طمع دنیا کی ہے، کسی مسلمان کو لائق نہیں پھر ہزار افسوس کہ تم تو اپنی زبان کو سلف خلف
مشایخ اولیاء اور علماء کے طعن سے بھی پاک کرو اور مولوی عبد الخالق کو حدیث کے صحیح مضمون لکھنے پر بزعم خود غلط سمجھکر نصیحت فرماؤ
بڑی شرم کی بات ہے دیکھو مصداق آیہ اتامرون الناس کا کون ہے اور آلائش خبیثہ کا ملوث کون فقط قولہ لمعہ رابعہ الخ اقول لاریب
کام کم نصیبی کا ہے مگر اس کم نصیبی کا حصہ تو فقط مؤلف صاحب کے نصیب میں بھی کامل ہے کہ اس کتاب میں اکثر جگہ درود نہیں لکھتے صفحہ
اول خطبہ کتاب کی آخر سطر میں اور دوسرے صفحہ میں تین جگہ آپ کا اسم گرامی بے درود لکھا ہوا ہے علی ہذا اور جو عذر ہے کہ مطبع کا

لے بری باتیں،،

کا دعویٰ اس قدر اور صاحب سنت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھی نہ دارد دوسری کم فہمی اس درجہ کی کہ سائل کا سوال جو ہم اول
نقل کر چکے ہیں اس میں یہ سوال ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں یہ سوال نہیں کہ مجلس میں حاضر ہونیکا اعتقاد
ہو اور ظاہر ہے کہ اشعار میں مخاطب حاضر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ شعر ایسے پڑھیں جسمیں ضمیریں مخاطب حاضر کی ہوں سو اس کا حال ہم نور
اول کے لمعہ ثانیہ میں لکھ چکے اور آئندہ بھی تحقیق آوے گی لیکن مفتی صاحب نے سوال دیگر جواب دیگر جو چاہا کہنا شروع کیا یہ جواب دیا، قولہ
حضرت کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ جہاں مولود پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں یہ شرک ہے ہر جگہ موجود خدا تعالیٰ ہے اقول سبحان
اللہ قربان جایئے اس قیاس اور استدلال کے اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یہی اعتقاد ہوتا کہ وہ مولود خوانی میں حاضر ہوتا ہے نہ اور
کسی جگہ اس وقت تو برابری اور مشارکت صفت الٰہی میں لازم آتی اور خدا تعالیٰ کو بہت مواضع اور مواقع میں حاضر مان رکھا ہے علاوہ
مجلس مولود خوانی کے تفصیل اسکی یہ ہے کہ تم عظمت اور وسعت عرش عظیم کی اور فراخی اور توسع کرسی کی خیال کرو کہ ان کے آگے سات
آسمانوں کی کیا حقیقت ہے پھر کرہ ناری اور ہوائی اور مائی کو خیال کرو کہ آسمانوں کے آگے انکی وسعت ہے پھر ان کرات کے آگے زمین کو دیکھو
کہ اس کی وسعت کو کرات سے کیا نسبت ہے پھر زمین کے چوتھائی حصہ کو دیکھو جو مینہ سے باہر نکلا ہوا ہے پھر اس باہر نکلے ہوئے میں جنگل اور
پہاڑ اور دریا اور ریگستان کسقدر ہیں اور آدمیوں سے آباد کسقدر ہیں اور اُس آبادی میں کفار کس قدر ہیں اور مسلمان کسقدر اور
مسلمانوں میں مولد شریف کرنیوالے ہیں اور نہ کرنے والے کس قدر ہیں ان سب مراتب کے خیال اور فکر کرنے سے فرق معلوم ہو جاوے
گا، مرد منصف کو کہ اللہ تعالیٰ کا حاضر و ناظر ہونا تو اسقدر جگہ میں ہو کہ عرش و کرسی آسمان لوح و قلم ساتوں زمین اور جمیع جبال و بحار و یران عمرانات
وغیرہ اور ہر زمان اور ہر آن میں وہ حاضر ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس نے یہ اعتقاد کیا کہ وہ مواقع مولود خوانی ...

تصور ہے تو مولوی عبدالجبار کا بھی یہی عذر قبول کرنا تھا، غرض یہ تو مؤلف صاحب کی عادت فاشیہ ہے کہ جو کچھ کسیکو کہتا ہے
اس میں خود ملوث ہوتا ہے نہ معلوم کہ اسقدر اپنے حال سے کیوں غفلت ہے قولہ کم فہمی اس درجہ الخ اقول رد شرح سوال میں مذکور
ہو چکا کہ صیغہ کتاب کا حاضر موجود کے واسطے ہی وضع ہوا ہے لہٰذا اگر کہیں صیغہ کتاب کا بولا جاوے گا تو بوجہ اصل و حقیقی ہونے
کے حضور مخاطب کا مفہوم کلام سے ہووے گا لہٰذا مولوی عبدالجبار نے اس سوال کا ہی تو جواب دیا ہے کہ یہ اشعار خطاب اگر اس
اعتقاد سے ہیں تو شرک ہیں اور دوسرے معنی مجازی کی شق کو بیان نہیں کیا مگر خدا تعالیٰ جانے کہ مؤلف کی کیا فہم ہے کہ اس کو سوال
کے مخالف اور غیر جانتا ہے، لازم و ملزوم وضعی کو غیر جاننا اور مقصود کلام وضعی کو کلام سے منفک[1] سمجھنا مؤلف ہی کا فہم ہے نور اول
میں بھی ایسا کچھ مؤلف نے کہا ہے اور اس کا جواب کچھ وہاں پر ہو لیا، قولہ سبحان اللہ الخ اقول تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب
فخر عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور بتلا دیا اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ کا علم ثابت کرنا شرک
ہے سب کتب شرعیہ سے یہی مستفاد ہے قال اللہ تعالیٰ وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمہا الا ھو الایہ
شرکت کا اعتقاد شرک ہی نہیں بلکہ نفس شرکت کا اعتقاد بھی شرک ہے،، اور یہ مسئلہ مشہور بحر الرائق اور عالمگیریہ درمختار وغیرہ میں ہے کہ اگر
کوئی نکاح کرے بشہادت حق تعالیٰ اور فخر عالم علیہ السلام کے کافر ہو جاتا ہے بسبب اعتقاد علم غیب کے فخر عالم کی نسبت پس فقط مجلس
نکاح کے اعتقاد علم میں کافر لکھا ہے یہ کسی نے نہیں لکھا کہ اگر اس کا اعتقاد کما و کیفاً مساوات علم الٰہی تعالیٰ شانہ کا ہے تو کافر ہو گیا ورنہ

[1] علیحدہ [2] ہر اعتبار سے۔

میں تشریف لاتے ہیں تو یہ واقع بہ نسبت ان تمام ازمنہ اور مقامات مذکورہ بالا کے کس شمار اور کس حصہ میں داخل ہیں کہ بس ان مواقع میں تشریف لانے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابری لازم آگئی اور شرک ہوگیا نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات اب آگے آپ ارشاد فرماتے ہیں قولہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی اقول عقیدہ اہل سنت والجماعت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اسی طرح اور حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہو دوسرے میں نہیں ہوتی اور خصوصیت کے معنی یہ ہیں کہ یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ اور صرف زمین پر کل جگہ موجود ہوجاتا تو کچھ خاص مخصوص خدا کے ساتھ نہیں تفسیر معالم التنزیل اور رسالہ برزخ جلال الدین سیوطی اور شرح مواہب علامہ زرقانی میں ہے کہ ملک الموت قابض ہے جمیع ارواح جن وانس و بہائم و جمیع مخلوقات کا اور اللہ تعالیٰ نے کردیا ہے دنیا کو اس کے آگے مثل چھوٹے خوان کے اور ایک روایت میں آیا ہے مثل طشت کے فیقبض من ھھنا وھھنا یعنی ادھر سے لیتا ہے جان کو اور ادھر سے اب خیال کرو کہ ایک آن میں مشرق سے مغرب تک کس قدر چیونٹی مچھر کیڑے مکوڑے اور چرند پرند درند

نہیں، مگر مؤلف کی تحریرات سے اس کا عقیدہ یہی مفہوم ہوتا ہے کیوں کہ وہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ تو عرش سے سر تحت الثریٰ تک جانتا ہے اور حاضر ہے اور فخر عالم فقط مجالس مولود میں حاضر ہوئے تو کہاں مساوات اور شرک ہوا پس اس سے صاف ظاہر ہو کہ اس قدر علم غیب کو وہ شرک نہیں جانتا حالاں کہ جملہ کتب میں فقط مجلس نکاح کے حضور کو ہی شرک لکھدیا ہے اور مؤلف کو اس قدر بھی خبر نہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ کا مساوی ہونا ضروری نہیں بعض وجہ شبہ کافی ہوتی ہو لہذا یہاں نفس علم غیب میں برابری شرک ہو اور اگر مؤلف کا یہی عقیدہ کہ حق تعالیٰ کی کوئی صفت دوسرے کو اگر کماً کیفاً مساوی ثابت کرے گا تو شرک ہوگا ورنہ نہیں تو لازم ہو کہ مؤلف کے نزدیک مشرکین عرب کہ جن کے مشرک ہونے میں نصوص قطعیہ موجود ہیں ہرگز بھی مشرک نہ ہوں کیوں کہ وہ تصرف اور علم اپنے معبودان باطلہ کا محدود جانتے تھے کہ ہر نواح و دیار کا جدا معبود تھا ایک کے ملک میں دوسرے کا تصرف ہونا عقیدہ نہیں رکھتے تھے چنانچہ کتب حدیث اس کی گواہ ہیں پس اب مؤلف کے عقائد تو خود خراب تھے ہی تمام دنیا کو مشرک بنادیگا کیوں کہ جب عوام جہال اولیاء کی نسبت ایسا ہی محدود تصرف و علم یقین کرتے ہیں پس مؤلف نے سب کی تائید و تصدیق و توثیق عقیدہ کی کرکے خلق کو ضال بنادیا خدا تعالیٰ اس کو ہدایت دیوے کہ کیا فتنہ برپا کرتا ہے باقی اس کی مثال واہی اور حروف بے معنی کا کیا جواب دیکر زبان قلم کو ملوث کروں یہ مؤلف نے اس قدر جہل کی بات لکھی ہے کہ تمام دنیا کے خلاف ہو فقط،،

بحث علم غیب

قولہ عقیدہ اہل سنت وجماعت کا یہ ہے کہ الخ اقول عقیدہ اہل سنت کا یہ ہے کوئی صفت صفات حق تعالیٰ کی بندہ میں نہیں ہوتی اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں اس سے زیادہ ہرگز کسی میں ہونا ممکن نہیں، سمع و بصر و علم و تصرف حق تعالیٰ کا حقیقی ہو اور مخلوق کا مجازی لیس کمثلہ شیئ الآیہ پھر جس کو جسقدر کوئی علم و قدرت وغیرہ عطا فرمادیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا شیطان کو جس قدر وسعت دی اور ملک الموت کو اور آفتاب ماہتاب کو جسقدر وسیع بنایا ہے اس سے زیادہ کی کچھ قدرت نہیں اور زیادہ کوئی ان سے کام نہیں نکلتا اور نہ اس کثرت و قلت پر فضل کی کمی زیادتی موقوف ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے بہت اعلیٰ و افضل ہیں مع اعلم کا مکاشفہ ان کا حضرت خضر سے بہت کم تھا اور پھر جسقدر

ازمین کے نیچے ۱۲ تعداد و کیفیت کے اعتبار سے ۱۳ آلودہ،،

اور آدمی مرتے ہیں ہر جگہ ملک الموت موجود ہے اور مشکوۃ میں ہے کہ ملک الموت وقت موت میت کے سرہانے ہوتا ہے مومن کے بھی اور کافر کے بھی یہ حدیث طویل ہے اور قاضی ثناء اللہ نے تذکرۃ الموتی میں نقل کیا ہے ایک حدیث کو طبرانی اور ابن مندہ سے اس میں یہ بھی ہے کہ ملک الموت نے رسول اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ ایسا کوئی گھر نہیں نیک یا بد آدمیوں کا جسکی طرف مجھ کو توجہ نہ ہو رات اور دن دیکھتا رہتا ہوں اور ہر چھوٹے بڑے کو ایسا پہچانتا ہوں کہ وہ خود بھی اپنے کو اس قدر نہیں پہچانتے، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ حاضر ہے بھلا ملک الموت علیہ السلام تو ایک فرشتہ مقرب ہے، دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے، درمختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولاد آدم ع کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر جس کو اللہ نے بچا لیا بعد اس کے لکھا ہے واقدرہ علی ذلک کما اقدر ملک الموت علی نظیر ذلک یعنی اللہ تعالی نے شیطان کو اس بات کی قدرت دیدی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا انتہی کلامہ، اب عالم اجسام محسوسہ میں اس کی مثال سنیئے، کوئی آدمی، مشرق سے مغرب تک آبادی دنیا کی سیر کرے جہاں جاوے گا چاند کو موجود پاوے گا اور سورج کو بھی پاوے گا پھر اگر وہ کہے کہ ایک چاند سب جگہ موجود ہے اور ایک سورج سب جگہ موجود رہتا ہے قاعدہ سے چاہیئے وہ کافر ہو جاوے کہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے نہ کافر خاصہ مسلمان ہے پس اسی

حضرت خضر کو ملا اس سے زیادہ پر قادر نہ تھے اور حضرت موسیٰ ع کو باوجود افضلیت کے نہ ملا تو وہ حضرت خضر مفضول کی برابر اس علم مکاشفہ کو پیدا کر سکے پس آفتاب و ماہتاب کو جو اس ہیئت و وسعت نور پر بنایا اور ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعت علم دی اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعیہ سے معلوم ہوا اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضول سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جاویں بلکہ قطعی ہیں قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں لہذا اس کا اثبات اس وقت قابل التفات ہو کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کب قابل التفات ہو گا دوسرے قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہو پس اس کا خلاف کس طرح مقبول ہو سکتا ہے بلکہ یہ سب قول مؤلف کا مردود ہو گا خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں واللہ لا ادری مایفعل بی ولا بکم الحدیث اور شیخ عبد الحق روایت کرتے ہیں کہ مجھکو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں اور مجلس نکاح کا مسئلہ بھی بحر الرائق وغیرہ کتب سے لکھا گیا تیسرے اگر افضلیت ہی موجب اس کی ہے تو تمام مسلمان اگرچہ فاسق ہوں اور خود مؤلف بھی شیطان سے افضل ہیں تو مؤلف سب عوام میں، بسبب افضلیت کے شیطان سے زیادہ نہیں تو اس کی برابر علم غیب بزعم خود ثابت کر دیوے اور مؤلف خود اپنے زعم سے بہت بڑا اکمل الایمان ہے تو شیطان سے ضرور افضل ہو کر اعلم من الشیطان ہو گا معاذ اللہ، مؤلف کے ایسے جہل پر تعجب بھی ہوتا ہے اور رنج بھی ہوتا ہے کہ ایسی نالائق بات منہ سے نکالنا کسقدر دور از علم و عقل ہے، الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھکر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے اور خاصہ کی تعریف تہذیب

سے کسی کو فضیلت حاصل ہو سکے صریح دلائل سے ایمان کے اعتبار سے بہت کامل ہے شیطان سے بڑا عالم

طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ موجود ہو کر وہ چوتھے آسمان پہ ہے روح نبی صلے اللہ علیہ وسلم جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے ۔ اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل بین پر یا زمین کے چند موضع و مقامات پر پڑجائے اور ترشح انوار فیضان احمدی سے کل مجالس مظہرہ کو ہر طرف مثل شعاع شمس محیط ہو جاوے کیا محال ہے اور کیا بعید ہے علامہ زرقانی نے ابوالطیب کا شعر شرح مواہب لدنیہ کی فصل زیارت قبر شریف میں نقل کیا ہے کالشمس فی وسط السماء ونورھا ۔ یغشی البلاد مشارقا ومغاربا ۔ کالبدر من حیث التفت رایتہ ۔ یھدی الی عینیک نورا ثاقبا ۔ یعنی جس طرح سورج آسمان کے بیچ میں ہے اور روشنی اس کی پھیلی ہوئی ہے مشرق سے مغرب تک اور جس طرح چاند جہاں سے تو اس کو دیکھے ، اسی جگہ سے نور تیری آنکھوں میں بخشے گا ، انتہی کلامہ ، بس فرق یہ ہے کہ سورج اور چاند کے دیکھنے کی آنکھ اللہ تعالیٰ نے ۔ ۔ کھول رکھی ہے اس کے ذریعہ سے بینا آدمی دیکھکر چاند کہدیتا ہے چاند ہر جگہ موجود ہے اندھا مادر زاد یوں کہیگا کہ چاند کہیں نہیں ، پس اسی طرح روح نبوی کا دیکھنا موقوف ہے اللہ تعالیٰ کی عنایت پر اگر وہ آنکھ باطنی کھولے اور پردہ اٹھائے ہر جگہ انسان جلوۂ احمدی دیکھ سکتا ہے ، امام شعرانی نے میزان میں لکھا ہے قد بلغنا عن ابی الحسن الشاذلی وتلمیذہ ابی العباس المرسی وغیرھما انھم کانوا یقولون لو حجبت رؤیۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم طرفۃ عین ما عددنا انفسنا من جملۃ المسلمین ، دیکھئے ابوالحسن شاذلی وغیرہ اولیاء فرماتے ہیں ، کہ اگر ایک پل جھپکنے کی برابر بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم سے چھپ جاویں تو ہم اپنے تئیں مسلمان نہ جانیں ، انتہی ، اب دیکھئے یہ اولیاء اللہ مطلق صاحبان صافی عقیدت کے نزدیک کس فتویٰ اور کس حکم میں داخل ہوں گے اور ہر چند روح انبیاء علیہم السلام کا علیین میں ساتویں آسمان پر جو ہم نے بیان کیا تفسیر عزیزی کے بیان علیین میں دیکھو ، لیکن باوجود ہونے علیین میں آپ کی روح کو قبر شریف سے بھی اتصال قوی ہے ہر زائر کو جانتے ہیں کون زیارت کو آیا سب کو سلام کا جواب دیتے ہیں قبر میں جسم مبارک زندہ ہے زرقانی نے لکھا ہے ان نبینا فی الرفیق الاعلیٰ وبدنہ فی قبرہ یرد السلام علیٰ من یسلم علیہ اس مقام کی تحقیق زیادہ اس سے مقام اثبات مولود شریف میں بیان کریں گے ، اب فکر کرنا چاہیے جب چاند سورج ہر جگہ موجود اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے تو یہ صفت خاص خدا کی کہاں ہوئی اور تماشہ یہ کہ اصحاب محفل میلاد

منطق پڑھ کر مؤلف نے یاد کر کے بے تہذیبی عقیدہ کی اختیار کی مگر فہم سے ماشاء اللہ ہنوز بہت دور ہیں خاصہ حق تعالیٰ کے علم کا یہ ہے کہ اس کا علم ذاتی حقیقی ہے کہ جس کا لازم احاطہ کل شئی مطلق کا ہے اور تمام مخلوق کا علم مجازی ظل کہ قدر عطا کی حق تعالیٰ کی طرف سے مستفاد ہے پس اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کی تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کی برابر ہو چہ جائیکہ زیادہ ، چنانچہ وجہ اس کی اوپر ذکر ہوئی اور قیاس سے اس کا اثبات جہل ہے کہ شائبہ علم کا بھی اس کا مجوز نہیں الغرض یہ تحقیق واہی مؤلف کی محض جہل ہے وہ آپ شاید شرک میں مبتلا نہ ہو مگر ایک عالم کا راہ مار دیا بعد اس کے جو حکایات اولیاء اللہ کی مؤلف نے لکھی ہیں تو اول تو یہ حکایات حجت شرعیہ مثبت حکم کی نہیں خصوصاً باب عقائد میں پس ان حکایات کو قبول کر کے نصوص کا رد کرنا کسی جاہل سے بھی متوقع نہیں چہ جائیکہ عالم سے اور بعد تسلیم کے جواب یہ ہے کہ ان اولیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ حضور علم حاصل ہو گیا ، اگر اپنے فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونہ اس سے زیادہ عطا فرماوے ممکن ہے مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا ہے کس نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جاوے اور مجلس مولود میں خطاب حاضر کیا جاوے اس امر کا محض امکان سے تو کام نہیں چلتا بالفعل ہونا چاہیے اور ثبوت

ہر شئے کو گھیر لینا ۲ فائدہ حاصل کیا ۳ ثابت کرنا ۴ کم زور

زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک مجالس مذہبی وغیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعویٰ کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے کہ تمہارے استدلال کے موافق تو چاہیئے یہ سب محدث اور فقہا باعث اعتقاد حضور ہر جائے ملک الموت اور ابلیس کے بانیان محفل مولد شریف کی بہ نسبت زیادہ تر مشرک بنتیر یں معاذ اللہ ع بریں عقل و دانش بباید گریست اہل حق پر واضح ہو کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں، کہ ہر محفل میں روح مبارک آتی ہے ہاں یہ دعویٰ ہے کہ اگر کسی کا یہ اعتقاد نہ ہو وہ مشرک نہیں لمعہ خامسہ نقل کلام مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ۔ قولہ،، ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں۔۔ شریک ہونا گناہ ہے اور خطاب جناب فخر عالم علیہ السلام کو کرنا اگر حاضر ناظر جان کر کرے کفر ہے ایسی محفل میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے اور فاتحہ بھی خلاف سنت ہے اور رسوم ہیں کہ یہ سب ہنود کی رسوم ہے البتہ ثواب پہنچانا اموات کو بلا قید روا ہے اس کا مضائقہ نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم،، رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

اقول،، اس عبارت کی رکاکت معانی و سخافت معانی دل میں شبہ ڈالتی ہے کہ یہ کلام مولوی رشید احمد صاحب کا نہ ہوگا، اول یہ کہ جواب مطابق سوال چاہیئے، سائل پوچھتا ہے کہ یہ امور بحدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے کہ نہیں آپ نے جواب میں ایک حدیث بھی نہیں لکھی نفیاً و اثباتاً دوسری یہ بات کہ وہ پوچھتا ہے اگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب حاضر ہوں جائز ہے یا نہیں یوں نہیں

ہو جانا نص سے واجب ہو مگر سوء فہم مؤلف کا قابل تماشہ ہے کچھ نہیں سمجھتا اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسا جہلا کا یہ عقیدہ ہے اگر یہ جانے حق تعالیٰ اطلاع دیکر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدون ثبوت شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں اور بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے اب ظاہر ہو گیا کہ کوئی محدث و فقیہ و صوفی و متقی مشرک نہیں مگر جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے موافق ہوگا البتہ وہ مشرک ہے اور ان عبارات اور روایات سے حجت اپنے دعویٰ بے سروپا کی لانا محض کوتاہ فہمی مؤلف کی ہے ورنہ سمجھ گئے دلیل دعویٰ مؤلف پر نہیں کما لا یخفیٰ قولہ اہل حق پر واضح ہوا الخ اقول، اگر دعویٰ مؤلف سوائے محل غلط اور ان دلائل سے کچھ ثبوت مدعی مؤلف کا نہیں ہوا مگر مؤلف اپنے زعم فاسد میں اس دعویٰ کو ثابت جانتا ہے پھر اس پر عقیدہ نہ کرنا بحث تو ان بلکہ بیدینی ہے کہ جس امر کو حق جانے اور دلائل سے ثابت سمجھلے اور خلق کو اس پر دعوت اور فرار دیوے پھر آپ کیوں اس کا دعویٰ نہ کرے اور عقیدہ نہ ٹھیرادے شاید مؤلف کو بھی ہنوز اس امر میں تردد ہے اور محض نفسانیت سے اپنا لا علم و لا فہم ہونا ظاہر کر دیا مد نظر تھا گو خلق گمراہ ہو تو کیا حرج ہے معاذ اللہ،،

حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی کے جواب کے رد کا رد | قولہ لمعہ خامسہ، نقل کلام مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ قولہ اس عبارت کی رکاکت

اقول خود مؤلف لمعہ ثانیہ شرح سوال میں لکھ چکا ہے کہ سائل نے حصر کر دیا دین کو حدیث میں یوں پوچھنا چاہیئے کہ شرع میں جائز ہے یا نہیں نہ ہر گاہ کہ فقط حدیث سے جواب طلب کرنا مؤلف کے نزدیک معیوب ہے تو اب یہاں حدیث سے طالب جواب کو حدیث سے جواب دینے میں طعن کیوں کیا جاتا ہے ؟ مؤلف صاحب کسقدر خواب خرگوش میں ہیں کہ سائل پر تو یہ طعن کہ تو نے یہ بیجا کلام کہا کہ یہ لکھا کہ جواب حدیث سے لکھو، حجت شرعیہ حدیث میں حصر نہیں اور مجیب نے جو اس کی اس قید کو لغو جان کر جواب حجت شرعیہ سے دیا اور حدیث کی قید کا التفات نہ کیا، تو مجیب پر طعن ہے مؤلف کو اپنا مقولہ بھی یاد نہیں رہتا تو کسی کا قول و روایت کیا یاد رہے گی معہذا سائل یہ کہتا ہے کہ حدیث سے جواب دو یہ نہیں کہتا

ا بے علم و بے فہم سے غفلت

پوچھا . کہ مجلس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جان کر اشعار پڑھیں، اب دیکھیے اصل سوال کا جواب مارد اور اپنی طرف سے ایک شاخ لگا کر یہ جواب دیا کہ خطاب فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اگر حاضر ناظر جان کر کرے دیکھیے سوال دیگر اور جواب دیگر مفتی صاحب کی تحریر سے یہ بات تو اشارۃً معلوم ہوئی، کہ اگر کوئی آدمی حاضر و ناظر نہ جانتا ہو فقط شوق و محبت میں مخاطبانہ اشعار پڑھتا ہو وہ کفر نہیں لیکن پھر یہ بات کہ یہ خطاب حرام یا مکروہ یا مباح یا مستحب ہے کس حکم میں وہ مخاطبانہ اشعار داخل ہیں اور جائز ہے یا نہیں یہ اس کا اصل سوال تھا اس کا جواب مفتی صاحب کے پیٹ میں رہ گیا یہ فتویٰ نویسی کیا ہوئی حکم افتاء چاہیے کہ تشریح و توضیح سے ہووے نہ یہ کہ اصل مدعا سائل بھی مفتی کی دلیل[1] نوک زبان تک آوے تفسیح بات. کہ سائل نے فاتحہ اموات کو بھی مع تعینات پوچھا تھا اور محفل مولود و مدح خوانی کو بھی مع تعینات مفتی صاحب نے فاتحہ کی تعینات کو خلاف سنت فرما کر اس کو تو لکھدیا البتہ ثواب بھیجنا اموات کو بلاقید روا ہے اور محفل مدح خوانی سے ایسا تعلق کہ اس کو کرنا گناہ اور اس میں شریک ہو جانا بھی گناہ بلکہ اپنی طرف سے ایک شاخ حاضر و ناظر کی لگا کر کفر تک نوبت پہنچائے اور یہ سب مذمت کرکے اس قدر منہ سے نہ نکلا کہ مدح خوانی رسول اللہ علیہ وسلم بغیر ان قیود کے درست ہے جس طرح اموات کے واسطے لکھا تھا کہ بلاقید روا ہے آدمی مسلمان ہو کر اگر اپنے شفیع محشر کی نعت اور مدح خوانی کو بلاقید بھی مباح نہ جانے پھر اس کے ایمان کا کیا ٹھکانہ اور: ملا مفتی ہو کر فتویٰ

کو جواب میں حدیث کی عبارت بھی نقل کریں پس اس کی خواہش کے موافق جواب سوال کا حدیث سے ہی دیا گیا کہ مجیب کا مستخرج احادیث سے ہی تو ہے جس سو سائل کی تسکین ہو گئی اگر مؤلف کو کچھ تامل تردد ہے تو اس سالہ براہین قاطعہ سے اب دریافت ہو جائے گا کہ مجیب کا جواب عمدہ وجہ مستخرج احادیث صحاح سے ہے اب نوبر چہارم میں واضح ہو جاتا ہے نقد قولہ دوسری یہ بات کہ وہ پوچھتا ہے الخ اقول پہلے گذر چکا ہے کہ خطاب گاہ بوجہ حاضر جاننے کے ہوتا ہے گاہ بغیر اس کے اور خطاب کا موضوع لہ[2] حاضر ہی ہے گو مجازاً دوسرے معنی بھی ہوں میزان پڑھنے والا بھی جانتا ہے اور یہ بھی گذر چکا کہ سائل عوام جہال[2] کے عقیدہ کو جانتا ہے کہ حضور کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اصل سوال اس کا یہ ہوا اور دوسری شق مقصد اصلی نہیں لہٰذا شق اول کی پہلی صراحت ضرور ہونی چاہیے تھی اور دوسری شق مجیب صاحب کے نزدیک مراد سائل کی نہ تھی، لہٰذا جواب میں صراحت نہ کی مگر مؤلف صاحب نے عجب ہے کہ ندا میں ان کے نزدیک بھی دو احتمال ہیں خود مؤلف نے شرح سوال میں خطاب و ندا حاضر جان کر کرنے کے جواب میں اپنا پیٹ بھرا اور جواب کو دل سے نوک زبان پر نہ لائے یہاں سے معلوم ہوا کہ مؤلف صاحب کی ایک شق حضور کا جواب مضمر کرنے کی یہ وجہ تھی کہ مقصود سائل کا دوسری شق سمجھ گئے تھے، پھر اب مولوی صاحب پر کیا وجہ اعتراض کی ہے مولوی صاحب نے تو لفظ اگر لگا کر مفہوم سے دوسری شق کا شریک ہونا ملا بھی دیا آپ نے تو مطلقاً جائز لکھدیا اور شرک کا حصہ شکم میں رکھ لیا مگر ہاں درست ہے آپ تو حضور کو واقعی اور جائز ہی جانتے ہیں قریب ہی ذکر ہو چکا لاحول ولاقوۃ الا باللہ کیا عجب اعتراض ہے کہ اپنے گھر کی خبر نہیں دوسروں پر اعتراض فقط، قولہ تیسرے یہ الخ اقول یہ اعتراض محض کم فہمی مؤلف سے پیدا ہوا سنو کہ سائل کا سوال مجلس مولود مع ہیئت کذائیہ مخصوصہ کا اور ایصال ثواب بہیئۃ کذائیہ ہی کا تھا جیسا کہ مؤلف بھی معترف ہے سو جواب دونوں سوالوں کا تمام ہو گیا مگر چونکہ مجیب کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر کوئی کم فہم مطلب سمجھ کر ایصال ثواب کو مطلقاً منع جان جاوے گا تو خیر کثیر مقصود شارع کا بند ہو جاوے گا لہٰذا اصل ایصال ثواب کے جواز کی تصریح کر دی اور مولود کی مجلس بند ہونے میں کوئی حرج نہیں، جیسے چھ سو برس تک نہ تھی تو کوئی حرج و نقصان فی الدین نہ تھا اگر اب بھی بند ہو جاوے تو کیا حرج ہے اور ایسی مزید بدعت منع کرنے سے کچھ موقوف نہیں ہے لہٰذا اس کو اگر ذکر نہ کیا جاوے تو مناسب ہے بخلاف صدقہ کے اموال کی

---

[1] دلیل ... [2] جاہل کی جمع [3] موجودہ حال

کی عبارتیں لکھیں اور اتنے حرف لکھے ہیں کہ مدح خوانی فی نفسہ مباح ہے، کوتاہ فہمی کریں یہ کیا دیانت اور انصاف ہی چوتھے، یہ کہ سائل نے پوچھا تھا کہ محفل میلاد اور فاتحہ اموات اور سوم میں قرآن اور کلمہ طیبہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں اس کا جواب یہ لکھا کہ یہ سب ہنود کی رسوم ہے بھلا کون بے وقوف کہدے گا کہ محفل مولد شریف اور قرآن اور فاتحہ اور کلمہ پڑھنا ہنود کی رسم ہے ہاں بعض کم فہم اس طرح تو کہدیا کرتے ہیں کہ رسوم رسوم میں مشابہت ہنود کی لازم آتی ہے حالاں کہ وہ بھی باطل ہے چنانچہ ہم لمعات اور انوار آئندہ میں تحقیق کریں گے پانچویں یہ بات کہ انہوں نے جو یہ جملہ لکھا ہے کہ یہ سب ہنود کی رسوم ہے اس کی ترکیب از روئے قاعدہ یہ ہوئی کہ لفظ یہ سب مبتدا اور ہنود کی رسوم خبر اور ہے حرف ربط، اب دیکھئے مبتدا میں معنی جمع کے موجود یعنی یہ سب اور لفظ رسوم خود جمع رسم کی پس مبتدا بھی جمع اور خبر بھی جمع حرف ربط یعنی لفظ ہے واحد کیوں لاہے، قاعدہ کی رو سے یہ چاہئے تھا، کہ یہ سب ہنود کی رسوم ہیں چھٹے بات یہ کہ جب ان کے مرشد برحق جناب حاجی امداد اللہ صاحب نے مسائل اختلافی میں مہر لگانے سے منع کردیا، جیسا کہ نور دوم کے لمعہ اولیٰ میں گذرا پھر کس طرح خیال میں آوے کہ وہ شیخ کی حکم عدولی کریں، اور اگر کوئی یہ لکھنے لگے کہ یہ مسائل اختلافی نہیں بلکہ یہ تو بالاتفاق ممنوع ہیں، تو ہم اس آدمی کو نہایت درجہ کا بے حیا زبان زور جانیں گے اس لئے کہ فاتحہ اموات اور محفل میلاد شریف مع قیود شیرینی و قیام و مدح و سلام وغیرہ جس طرح کہ اب رائج ہیں، اسی ہیئت کے جواز میں

محبت خود مانع ہوتی ہے وہاں تصریح کرنا مناسب تھا اگر کوئی حدیث و فقہ کو جانتا ہے وہ معلوم کرے گا کہ شارع علیہ السلام اور فقہاء اور کی اتباع جس امر میں شائبہ[1] لذت دیکھتے ہیں ان کو سرے سے بند کرتے ہیں ورنہ قید کے ساتھ منع کرتے ہیں، اگر مؤلف صاحب کو کچھ مضمون تفقہ[2] ہوتا تو شاید اس نکتہ کو سمجھتے، مگر جس کے دل میں فہم کی رغبت و حصہ ہی نہ ہو محض نقل الفاظ سے ہی کام ہو وہ معذور ہے قولہ چوتھے یہ الخ اقول یہ مؤلف کے کمال فہم کی دلیل ہے کیوں کہ جواب محفل مولود کا تمام ہو چکا پھر دوسرے سوال کا جواب شروع کیا بقولہ اور فاتحہ بھی خلاف سنت ہے اور سوم[3] بھی، سو اس فاتحہ اور سوم کی نسبت لکھا ہے، کہ رسم ہنود[4] ہے کیوں کہ تیسرے دن کا اجتماع اور کھانا برہمن کے سامنے رکھکر اشلوک گوانے ان کا ہی دستور ہے، پس کون بیوقوف کہدے گا کہ یہ جواب محفل میلاد کا ہے اور کون احمق سمجھے گا کہ مولوی صاحب نے قرآن و کلمہ کو رسم ہنود کہا ہے بلکہ اس اجتماع روز سوم اور کھانا آگے رکھ کر ہاتھ اٹھانے کی ہیئت[5] کو لکھا ہے باقی مشابہت کا جواب ہم بھی آپ کی تحریر کے وقت لکھیں گے، اور آپ کی کم فہمی ظاہر کردیں گے فقط قولہ پانچویں الخ اقول یہ مؤلف صاحب کا کمال علم رکاکت[6] لفظی کا اظہار ہے قطع نظر اس کے کہ یہ ترکیب درست ہے، ایسے فضول مواخذہ کا جواب بھی فضول ہے یہ محض عناد کینہ ہے کیونکہ اس طبع میں چند غلطی کاتب کی موجود ہیں اس سے زیادہ کہ ناظر پر کچھ مخفی نہیں پھر اس کو تحریر فرمانا کمال ہی کینہ کی وجہ ہے، جواب اس کا پہلے بھی حسن علی کے اعتراض میں گذر چکا پھر بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ اب مؤلف صاحب تمام مصنفین ہدایہ شرح وقایہ کنز اور مشکوۃ بخاری وغیرہ کتب حدیث اور خود قرآن شریف پر بھی اعتراض غلطی عبارت اور رکاکت لفظی کا فرماویں تو مناسب ہے کہیں غلغلہ بلاعنت مؤلف صاحب کا بہت ہو جاوے گا فقط قولہ چھٹے الخ اقول یہ محض افترا ہے ان کے حضرت مرشد سلمہ نے ہرگز ان کو اس امر سے منع نہیں کیا، اس کا جواب شکایت مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم میں گذرا مگر ہاں مؤلف بھی مریدان کے مرشد کا ہے، اور اس کو ان کی مخالفت سے ان کے مرشد نے منع فرمایا تھا چوں کہ وہ سراسر خلاف امر اپنے مرشد کے کرتا ہے دوسروں کو بھی اپنے اوپر قیاس کرتا ہے، ایک تو یہ کہ کمال کذب دوسرے مؤلف اپنے مرشد کو اس سالہ

[1] شبہ [2] فقدانی [3] رسم کی جمع [4] ہندو کی جمع [5] حالت [6] کمزوری

دہلی اور بدایوں اور الہ آباد اور کلکتہ اور حرمین شریفین وغیرہ عالموں کے فتاویٰ موجود ہیں بالاتفاق ممنوع ہونے کے کیا معنے،
ساتویں بات یہ کہ مولوی رشید احمد صاحبؒ کے استاد شاہ عبد الغنی صاحب دہلوی ربیع الاول میں مولد شریف کرنے کی بابت رسالہ
شفاء السائل میں لکھتے ہیں، "وحق آن ست کہ نفس ذکر ولادت صلے اللہ علیہ وسلم وسرور وفاتحہ نمودن یعنی ایصال ثواب بروح پرفتوح
سید الثقلین از کمال سعادت انسان است چنانچہ شیخ ابن حجر مکی وشیخ عبد الحق دہلوی وغیرہما تصریح نمودہ اند اگر چیزہا دیگر
منضم شوند کہ خلاف شرع ہستند پس البتہ ممنوع خواہد بود مثل مراثی وسرود خوانی الیٰ آخرہ"، اب دیکھنا چاہیئے کہ ان کے استاد
مرثیہ اور سرود خوانی کو تو منع فرماتے ہیں، لیکن شیخ عبد الحق اور ابن حجر کے تابع اور موافق ہو کر محفل مولد شریف اور تقسیم شیرینی وغیرہ
بقصد ایصال ثواب روح مبارک اور اظہار سرور کرنا موجب سعادت انسان لکھتے ہیں اب خیال فرمایئے کہ یہ کیا سعادت مندی
ہوئی، کہ استاد تو اس کو موجب سعادت اعتقاد فرماویں اور شاگرد رشید اس کو گناہ قرار دیں اور خواہی نخواہی اس کی شاخیں نکالکر
کشاں کشاں کفر تک بھی نوبت پہنچا دیں، "آٹھویں بات یہ کہ جب سائل نے استفتاء میں یہ سوال درج کیا کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم

لکھتا ہے کہ ہم بھی ان سے ملے ہیں، چنانچہ شکایت اولیٰ مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم میں لکھا ہے اور یہ لفظ ناسعادتمندی کا ہے
کتب فقہ میں ہے کہ جس نے اپنے باپ کو قریب کہا وہ عاق[1] ہے، پس استاد پیر کی نسبت ایسی کلام کس درجہ میں شمار ہوگی ہر عاقل جانتا
ہے، اور مؤلف نے جو کچھ اپنے استادوں کی شان میں اس رسالہ میں لکھا ہے وہ سب لوگ ملاحظہ فرماویں قولہ ساتویں الخ اقول استاد
کی تقلید[2] کا حکم مولوی رشید احمد صاحب مدظلہ کو تو اس زور وشور سے دیا جاتا ہے گویا فرض ہے اور مؤلف خود اپنے استادوں کا اسقدر
مخالف کہ اتباع کجا سب وشتم ان کے عقیدہ پر کرتا ہے مگر خیر مؤلف کا تو مثل روافض کے قدیم وطیرہ ہے کہ کرنا کچھ اور کہنا کچھ مؤلف کو مبارک رہے مگر
فرض کیا کہ شاہ عبد الغنی صاحب کی رائے مؤلف کے موافق تھی اور مجیب نے مخالفت اس مسئلہ میں اپنے استاد کی کی، مگر مخالفت علماء کی اپنے
استاد سے کسی جزئی مسئلہ میں کوئی امر جدید نہیں جو مؤلف کو محل نقصان ہو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ امام ابو حنیفہ کی بہت جزئیات میں خلاف
پر ہیں، اور آجتک یہ امر جاری ہے پھر یہاں اس قدر غیظ مؤلف کا محض سینہ کا کینہ ظاہر کرنا ہے ورنہ ان مقتدایان پر بھی اعتراض کرنا
لازم والا جو وہاں تاویل کرتے ہو یہاں بھی کرنا تھا بعد اس کے سنو کہ اس وقت کی مجالس مولود میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہوتا تھا، اور
نفس ذکر ولادت کو مجیب اور کوئی عالم منع نہیں کرتا، اس وقت کی محافل میں اگر کوئی امر مباح اتفاقی تھا اس پر تاکد کا گمان نہ تھا،
اب جو قلوب عوام میں تاکد وجوب[3] راسخ ہوا تو مکروہ ہو گیا گاہ کوئی امر ہوتا ہے اور علماء کو اس وقت اباحت موجودہ کا خیال ہوتا ہے، اور
مآل[4] کار ہی مفسدہ پر وہ بیان نہیں ہوتا تو اس وقت جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور پھر آخر میں اس میں کراہت پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت ممنوع
ہو جاتا ہے پس تعامل ان لوگوں کا موجب جواز نہیں ہوتا البتہ قرون ثلثہ کا تعامل[5] ہو جاتا ہو معہذا خود امر منصوص مباح بھی بعض اوقات بسبب
اس تاکد کے مکروہ ہو جاتا ہے جیسے صلوٰۃ ضحیٰ[6] کہ تداعی واہتمام سے مساجد میں ادا کرنے سے صلوٰۃ ضحیٰ مستحب کو حضرت ابن عمرؓ نے بدعت فرمایا
تو پس شیخ عبد الحق اور ابن حجر کی تحریر سے اس حالت موجودہ میں یہ محفل مروجہ ہرگز جائز نہیں ہو سکتی گو اس وقت میں مباح تھی اور شاہ صاحب
کا بھی یہی منشاء اور مراد ہے اگر مؤلف کو فہم ہوتا تو سمجھتا، پس مخالفت شاہ صاحب کی ہرگز نہیں ہوئی، اگرچہ مؤلف فہم سے عاری
مخالفت جانتا ہے قولہ آٹھویں الخ اقول پہلے بھی گذرا اب پھر لکھتا ہوں کہ یہ عقیدہ علم غیب تو خواہ کوئی ایسے اشعار پڑھے شرک ہے

[1] نافرمان حقوق ولدیت سے محروم [2] پیروی [3] مضبوط [4] انجام کار [5] عمل کرنا [6] چاشت کی نماز۔

اشعار میں مخاطب حاضر ہوں تو مولوی رشید احمد صاحب اس میں فکر کرتے، کہ ایسے اشعار جیسے یارسول اللہ یا نبی اللہ خطاب حاضرانہ موجود ہو، ہمارے بزرگوں نے تصنیف کئے ہیں یا نہیں پھر اپنے مرشد کا قصیدہ اور مولوی محمد قاسم صاحب کا قصیدہ یاد کر کے بیشک الحمد للہ کہ ایسے اشعار جائز ہیں اس وقت ہم کو لازم ہے کہ مولوی صاحب کے مرشد برحق جناب حاجی امداد اللہ صاحب کا قصیدہ پڑھ کر سنا دیں قصیدہ

ذرا چہرہ سے پردہ کو اٹھاؤ یارسول اللہ ؛ مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یارسول اللہ ؛ کرو روشن سے میری آنکھوں کو نورانی ؛ مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یارسول اللہ
اگرچہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں ؛ بس اب چاہو ہنساؤ یا رلاؤ یارسول اللہ ؛ پھنسا ہوں کی طرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر
مری کشتی کنارے پر لگاؤ یارسول اللہ ؛ اگرچہ ہوں نا قابل پاں پراُمید ہے تم سے ؛ کہ پھر مدینہ میں بلاؤ .... یارسول اللہ
جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں ؛ بس اب چاہو ڈوباؤ یا تراؤ یارسول اللہ ؛ پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو
بس اب قید دو عالم سے چھڑاؤ یارسول اللہ

یہ قصیدہ جس وقت حاجی صاحب حج کر کے ہندوستان میں تشریف لائے تھے تب اشتیاق میں فرمایا تھا چنانچہ یہ مضمون ایک مصرع کا صاف ہے کہ پھر مجھکو مدینہ میں بلاؤ یارسول اللہ ؛ غرضکہ یہ ندائے یارسول اللہ اور یہ مدد مانگنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو اس قصیدہ میں ہے یہ سب ملک ہندوستان سے خطاب و استمداد کیا گیا ہے اور مقبول بھی ہوا چنانچہ پھر حاجی صاحب بلوائے گئے اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوئے اور تعریف جناب حاجی امداد اللہ صاحب کی محتاج بیان نہیں مختصر بات یہ ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی جو ضلع سہارنپور میں مشہور و معروف ہیں، جناب حاجی امداد اللہ صاحب ممدوح کی اس طرح تعریف لکھتے ہیں، اشعار ؛ مجمع مقتدائے عشق بازاں ؛ رئیس و پیشوائے جانگدازاں ؛ امام راستبازاں شیخ عالم ؛ دل خاص صدیق معظم دستہ و الاگہر امداد اللہ ؛ کہ بہر عالم است امداد اللہ ؛ یہ اشعار مولوی محمد قاسم صاحب کے شجرہ منظومہ صابریہ میں لکھے ہیں جو قصائد قاسمی کے آخری اوراق مطبع عین الاخبار مراد آباد میں مطبوع ہوئے ہیں، بھلا یہ بات کیونکر ممکن ہو اور کس طرح خیال میں آوے کہ مولوی رشید احمد صاحب ایسے اشعار کا پڑھنا کفر قرار دیں اور خود ان کے مرشد شیخ عالم صدیق معظم عین حالت غیبوبت میں خطاب حاضر یارسول اللہ اور ندائے یارسول اللہ شوق میں پکار کر پڑھیں اور مدد چاہیں اور ان کے پیر بھائی مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رح خطاب حاضر یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کریں اور مدد مانگیں چنانچہ شعر ان کا قصائد قاسمی مطبوعہ مراد آباد کے صفحہ ۶ میں یہ ہے تیرے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرہ طاعت گناہ قاسم برگشتہ بخت بد اطوار، اور صفحہ ۸ میں ہے ؛ اگر جواب دیا ہے کسو کو تو نے بھی، تو کوئی اتنا نہیں جو کرے کچھ استفسار ؛ کروڑوں جرم کے آگے یہ نام اسلام کرے گا یا نبی اللہ کیا مرے یہ کار، بہت دنوں سے تمنا ہے کیجے عرض حال ؛ اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار ؛ مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار ؛ اب دیکھئے جناب حاجی صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب یہ سب یارسول اللہ یا نبی اللہ کہہ رہے ہیں ان صاحبوں کو تو خطاب حاضر کرنا جائز ہو اور دوسرے

اور شوق و محبت میں جائز اور سب مسلمان صلحاء و علماء پر گمان صالح ہے مگر خلوت میں یا مجمع خواص میں ایسے اشعار اگر ہوں تو اندیشہ نہیں اور جب مجمع فجار[۱] و جہلا عین بدعقیدہ میں پڑھے جاویں گے تو عوام کو لاریب سخت ضرر ہوگا، لہٰذا بایں وجہ منع اور مکروہ ہوا ہے اور یہی جواب کو معلوم ہوتا ہو سو اس کی نظیر لانا اور استدلال میں ذکر کرنا محض کم فہمی ہے اور مؤلف صاحب پر پہلے ہرگز گمان علم حضور کا کسی کو نہ تھا، فقط بوجہ خرابی کے منع کیا جاتا تھا، مگر اب تو مؤلف خود کھیل کھیلا اور اپنے عقیدہ کا اقرار کر دیا اب کیوں گردن پھیرتا ہے شیطان کے علم کی

[۱] فاجر کی جمع

اگر اس طرح کہیں تو وہ کافر ہو جاویں یہ کیسی بے انصافی ہے، یہ کمان دونوں صاحبوں کو یہ خیال کرنا کہ یہ تو حاضر نہیں جانتے اور دوسروں کو یہ گمان کرنا کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جانتے ہیں اور یہ دونوں صاحب تو غلبہ شوق میں خطاب کرتے ہیں۔ دوسرے آدمی یوں ہی بے ہودہ بکتے ہیں، یہ کیسی ہٹ دھرمی ہے **نویں**:۔ یہ بات کہ بہت مشائخ عظام ایسے گذرے کہ ان کو حضوری رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہوتی تھی بعضوں کو ہر دم ہر گھڑی جیسا کہ ہم لمعہ رابعہ میں حال ابو العباس مرسی وغیرہ کا لکھ چکے ہیں اور آئندہ نور چہارم میں بھی بیان کریں گے اور بعضوں کو ہر دم نہیں ہوتی گاہے گاہے حضوری ہوتی ہے، پس ایسے لوگ یعنی جن کو حضوری میسر ہے وہ تو بیشک حاضر ناظر جان کر خطاب کریں گے حاضر کے معنی موجود جب حضوری ہوئی تو موجود ہوئے اور جب موجود ہوئے تو ناظر بھی ہوئے ناظر کے معنے دیکھنے والا بھلا مفتی صاحب نے جو علی العموم بلا تخصیص استفتار لکھ دیا کہ خطاب فخر عالم علیہ السلام کو جو حاضر ناظر جان کر کرے کفر ہے، یہ کیسا ستم کیا ہے، الاماں الاماں۔ **دسویں** بات یہ کہ اس فتویٰ کے جواب میں مولوی رشید احمد صاحب محفل مولد شریف میں شامل ہونا گناہ فرماتے ہیں حالاں کہ وہ بذاتِ خود شریک محفلِ میلاد ہوئے، اور نیز ان کے مشائخ طریقت، تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب ڈپٹی عبد الحق رام پوری مولوی رشید احمد صاحب کو اپنے ساتھ مکہ معظمہ لے گئے، وہاں یہ مولوی صاحب مع اپنے برادر طریقت حکیم ضیاء الدین صاحب محفل مولد شریف میں شریک ہوئے اور پیر مرشد ان کے جناب حاجی امداد اللہ صاحب ایام غدر سے مکہ معظمہ میں مقیم ہیں تو وہ بارہا محافل میلاد شریف میں شریک ہوئے اور اب بھی ہوتے ہیں لیکن اب کم اس لئے کہ شدتِ ضعف پیری سے زیادہ بیٹھنا زیادہ کھڑا ہونا موجب تکلیف ہے اس سبب سے اگر خود حاضر نہیں ہوتے تو اور مرید طالب لوگوں کو اور اپنی عوض خاص اپنے برادر زادہ حافظ احمد حسین صاحب کو ارشاد فرما دیتے ہیں تم جاؤ اور پیر سید احمد صاحب پیر مولوی اسماعیل صاحب کے اور پیران پیر مولوی رشید احمد صاحب کے جب مکہ معظمہ جاتے تھے جہاں کا ناخدا سید عبد الرحمٰن حضرت مولی تھا، اور معلم ان کا داؤد تھا جب جہاز ان کا قلعہ العفاریت یعنی لنکا سے کہ ایک مقام سخت تھا نکلا محفل مولد شریف ہوئی[1] اور بعد اختتام شیرینی تقسیم ہوئی، کتاب مخزن احمدی جو مناقب سید احمد صاحب میں تصنیف ہو کر مطبع مفید عام آگرہ میں مطبوع ہوئی یہ کیفیت صفحہ ۹۲ میں مرقوم ہے اب سید احمد صاحب کے پیر مرشد

دلیل سے مؤلف نے یہ عقیدہ پیدا کیا ہے اور مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم اور حاجی امداد اللہ صاحب کے اشعار کے ذکر سے مؤلف کو کچھ امداد نہیں ملتی لاحاصل ان کا ذکر کرتا ہے اور وجہ اس کی پہلے لکھی گئی، مگر مؤلف کی کم فہمی پر ہزار افسوس قولہ نویں الخ اقول ہر عاقل جانتا ہے کہ کلام غائب کو حاضر جاننے میں ہو نہ حاضر کا خطاب حاضر کا کرنے میں سو یہ کلام مؤلف کا محض سفسطہ ہے قرینہ سیاق سباق کا اور د لانہ الحال کلام میں ضروری ہوتی ہے اگر مؤلف اصول شاشی ۔۔۔ بھی پڑھا ہوا ہوتا تو ایسی بات منہ سے نہ نکالتا قولہ دسویں الخ اقول یہ کہانی محض غلط ہے اور افتراء ایسے قصص قابل احتجاج نہیں ہوتے اور جناب حاجی صاحب کا جانا بھی غلط ہے اگر وہ تشریف لے گئے ہوں تو وہ ایسی محفل ہوگی کہ شرعاً مباح ہو خالی از منکرات علے ہذا سید صاحب مرحوم کا قصہ بھی ایسا ہی قصہ شاہ عبد العزیز صاحب کا قصہ صاحب تحفہ میں اوہام شیعہ در باب ہفتم فرماتے ہیں کہ یوم موت یا یوم ولادت کو حزن وسرور کا دن ٹھیرانا اوہام شیعہ سے ہے مؤلف صاحب ملاحظہ فرما دیں اور شاہ ولی اللہ صاحب قول جمیل میں لکھتے ہیں کربلا اور وفات وغیرہ کا قصہ موسم میں بیان کرنا بھی آفات واعظین سے ہے پھر شاہ عبد العزیز صاحب کی طرف یہ قصہ نسبت کرنا، کسقدر بہتان ہے، حکایت کا مآل ایسا ہی ہوتا ہے کہ بے اصل اخبار شہرت

[1] منوعات سے وہم کی جمع۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دھلوی کا حال سنیئے کہ کتاب ہادی المضلین اور نور العین وغیرہ سے لکھا جاتا ہو علے ہذا محمد خاں صاحب
رئیس مراد آباد نے ان سے محرم میں بیان شہادت کربلا کا حال پوچھا تھا تو اس کا جواب بطور خلاصہ لکھتا ہوں شاہ صاحب نے جواب
دیا کہ میں اس فقیر کے مکان پر سال بھر میں دو مجلسیں ہوتی ہیں، محرم کے دسویں دن یا ایک دو دن پہلے قریب ہزار آدمی کم و بیش آتے
ہیں، فضائل حسنین بیان کرتا ہوں بعد ختم کے پنج آیۃ پڑھ کے جو کچھ پاس موجود ہوتا ہو اس پر فاتحہ کرکے تقسیم کر دیا جاتا ہو اور بارھویں
تاریخ ربیع الاول کے اسیقدر آدمی ہوتے ہیں حال ولادت شریف و رضاع و حلیہ بیان کر کے جو کچھ کھانا یا شیرینی ہوتی ہے اس پر
فاتحہ دیکر تقسیم کردیجاتی ہے، انتہیٰ کلامہ، اب شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے استاد اور مرشد اور والد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا حال
سنیئے وہ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں موافق تاریخ روز ولادت یعنی بارھویں ربیع الاول کو مولد شریف تھا حضرت کے آثار اور عجائب معاملات
کا جو وقت ولادت شریف ظاہر ہوئی تھی بیان ہو رہا تھا میں اس میں شریک ہوا اسمیں جو دیکھا تو انوار رحمت تھی اور انوار ملائکہ تھی، یعنی وہ
ملائکہ جو ایسی مجالس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما رکھے ہیں، اب شاہ ولی اللہ کے پیران پیر جو چھٹے طبقہ میں شیخ المشائخ ان کے
ہیں، یعنی مولانا جلال الدین سیوطیؒ جو مجدد اپنی صدی کے تھے وہ خود فرماتے ہیں یستحب لنا اظہار الشکر لمولدہٖ علیہ السلام بالاجتماع
والاطعام وغیر ذالک یہ عبارت سیرت شامی اور روح البیان وغیرہ میں مرقوم ہو، اب جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پیر کے پیر
شیخ ابن جزری مؤلف حصن حصین کا حال سنیئے وہ بھی محافل مولود شریف میں شریک ہوتے تھے اور مواہب لدنیہ وغیرہ میں ان کا
کلام درباب ترغیب محفل مولد شریف منقول ہو ان کا خود یہ بیان کہ وہ بادشاہ مصر کی محفل مولد شریف میں شریک ہوئے اور خوش ہوئے
حالانکہ اسمیں روشنی اور خوش الحان پڑھنے والے اور زیب و زینت وغیرہ قیود جو مفتیان فتویٰ انکاری کے نزدیک ناجائز ہیں وہ سب موجود
تھیں، انوار اول کے لمعہ ثانیہ میں ہم حال ان کا ملا علی قاری سے نقل کر چکے ہیں بھلا یہ بات کس طرح جائز ہو کہ مولوی رشید احمد صاحب کے
مشائخ طریقت جن محفلوں میں شریک ہوں ان کو یہ خود گناہ اور کفر اور بدعت قرار دیں، استغفر اللہ، ہم تو ایسا گمان ان پر نہیں لیجاتے
ظنوا المؤمنون خیرا اور جو کوئی نہ خواہی اس عبارت کو ان کے ذمہ لگاوے اور نشانہ اعتراض کا . . . . اس کو بناوے اس کو اختیار ہے
وانی بری مما تعملون، بلمعہ سادسہ نقل عبارت مولوی امیر باز خاں واعظ جامع مسجد سہارنپور، بعد حمد و الصلوٰۃ کے

ہوجاتی ہیں اکثر وقائع شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور دیگر بزرگان کے ایسے ہی ہیں پس ایسی حکایات واہیہ قابل احتجاج اہل علم کی نہیں ہوتی
اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا روز وفات کے مولد النبی میں جانا جو کچھ لکھا ہے وہاں سے مولد سے مکان ولادت مراد ہو فیوض الحرمین کی عبارت
خود شاہد ہے نہ مجلس مولود مگر سلیقہ علمی مؤلف میں مفقود اور فہم مراد معدوم جو چاہا لکھ دیا اور علے ہذا جلال الدین نے جو اظہار شکر قرأۃ قرآن
و ذکر ولادت و اطعام طعام کو جائز فرمایا اس وقت میں کوئی محذور اس میں خلط نہ ہوا تھا نہ تشبہ کا خدشہ نہ تقیید اطلاق کا اندیشہ
نہ وجوب مباح کا تردد تھا لہٰذا جائز فرمایا اب سب اباحت بکراہت متبدل ہوئی اور نوبت بہ بدعت پہنچی مجلس مروجہ بدعت ہوگئی حکم
مباحات کا بتبدل زمان متبدل ہو جاتا ہے علے ہذا جو ابن جزری سے منقول ہے اس پر حسن ظن ہی کیا جاتا ہے کوئی امر غیر مشروع اس
میں نہ تھا اگر مؤلف نہ مانے اور اسراف کے درجہ کی روشنی وغیرہ کا اقرار کرتا ہو تو ابن جزری کے فعل سے ممنوع منصوص جائز نہیں ہو سکتا
اور نصوص کے مقابلہ میں کسی کا قول اعتبار و التفات کے نہیں ہوتا پس شمار اسمار علماء کا کرنا محض لاحاصل ہے قولہ لمعہ سادسہ نقل عبارت

ہے ممنوع ہے واقعہ کی جمع ہے بدلحاظ ہے بے کار،

ہویدا ہو کہ التزام مجلس میلاد بلا قیام و روشنی و تقاسیم شیرینی و قیودات لایعنی کی ضلالت سے خالی نہیں و علیٰ ہٰذا القیاس سوم و فاتحہ بر طعام کہ قرونِ ثلٰثہ میں نہیں پائی گئی چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں، قال الطیبی فیہ من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر وھذا محل تذکر الذین یصرون علی الاجتماع فی الیوم الثالث للمیت ویرونہ ارجح من الحضور للجماعۃ ونحوہ پس ایسے مقامات میں الغرض کیا عوام مومنین کو بھی شامل ہونا جائز نہیں ہے، ان امور کے بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں

محمد امیر باز خاں قولہ بعد حمد و الصلوٰۃ کے اقول سبحان اللہ دیکھنا آپ کی فصاحت کلام جب بعد الحمد و الصلوٰۃ میں دونوں الفاظ ترکیب عربی سے مع باللام کئے گئے اضافت عربی پیدا ہو چکی اب لفظ کے کا لانا جو ہندی میں اضافت کے لئے آتا ہے کیا ضرور تھا ایک کلمہ مرکب میں دونوں اضافتیں عربی و ہندی کا جمع کر دینا آپ ہی کا کمال ہے یہ تو آغاز و ابتدا ہے ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا لیکن آپ ایک اس کا جواب معقول رکھتے ہیں کیونکہ آپ جامع مسجد کے واعظ ہیں فرماویں گے کہ سجد کے ملا کو حسنِ ترکیبِ الفاظ سے کیا علاقہ قولہ التزام مجلس میلاد بلا قیام و روشنی و تقاسیم شیرینی و قیودات لایعنی کی ضلالت سے خالی نہیں اقول اربابِ تمکین کا اس عبارت سے مقصد حاصل ہوا اس لئے کہ جب بلا ان قیود کے ضلالت سے خالی نہ ہو تو مع ان سب قیود کے ضلالت سے خالی ہوگا پس چاہیئے کہ التزام اس مجلس کا مع القیود کیا کریں تاکہ ضلالت سے خالی ہووے لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپکا مطلب دل تو یہ نہیں کیا کیجئے، عبارت کا بنانا نہ آیا مشکل یہ ہے کہ اردو عبارت کے لئے بھی متانت اور مادۂ علمی چاہیئے اگر آپ کو اپنے مطلب کے موافق عبارت بنانے کی طاقت ہوتی تو لفظ بھی بعد لفظ قیود لایعنی کی اضافہ کرتے یعنی التزام اس مجلس کا بلا قیود بھی ضلالت سے خالی نہیں خطا لفظی اگرچہ گناہ شرعی نہیں ہے، لیکن اسلئے نصیحت کی گئی، کہ جب ہندوستانی ہو کر اپنی زبان میں بھی صحیح تکلم کی قدرت نہیں ہوئی، تو مبادا عام آدمیوں کو اعتقاد علمیت کا بھی اٹھ جاوے یا کوئی تمسخر کرے تو یہ شانِ علما کے خلاف ہوگا پس یہ خطا لفظی پر آگاہ کر دینا مبنی دین پر ہے جواب ہم خطا معنی پر مواخذہ کرتے ہیں، آپ کا جو یہ مدعا دل ہے کہ مجلس بلا قیود بھی ضلالت سے خالی نہیں، اپنی برادری کا اجماع بھی آپنے توڑ دیا، آپکے سب ہم مشرب تصریح کرتے ہیں، کہ حضرت کا تذکرہ بلا قیود - عبادت میں داخل ہے، آپ نے یہ قیاس کیا ہوگا، چونکہ میرا نام امیر باز ہے تو مجکو لازم بلند پرواز ہے وہ بات کہوں کسی نے نہ کہی ہو تو حضرت امور دنیا میں بلند پروازی اگر کرتے ہو کرو

مولوی امیر باز خاں الی قولہ اقول سبحان اللہ دیکھنا آپ کی فصاحت کلام الخ اقول مؤلف کا غایت علم مواخذات الفاظ ہے اور محققین کے نزدیک یہ امر فضول بھلا اگر متکلم اضافت کو اپنے کلام میں اعتبار نہ کرے تو کسی کو یہ جبر کرنا کہ یہاں اضافت ہو کس قدر لغو حرکت ہے مؤلف کو اپنے خطاہائے معنوی کی بھی خبر نہیں اور دوں پر حروف لفظی وار دیگرے قولہ اقول۔ اربابِ تمکین اس عبارت الخ اقول مؤلف دلالۃ النص اور مفہوم موافق باتعین کو تو ہرگز جانتا ہی نہیں کہ کیا چیز ہوتا ہے ورنہ یہ اعتراض نہ کرتا کاش شافی ہی پڑھ لینا چاہئے بھی اشارہ اس کا کیا ہے اب پھر لکھتا ہوں مجیب کہتا ہے کہ ہرگاہ کہ بدون قیام و روشنی و شیرینی یہ محفل جائز نہیں تو دلالۃً واضح ہو گیا کہ ان قیود کے ساتھ بطریق اولیٰ درست نہ ہوگی، پس لفظ بھی کی کچھ ضرورت نہیں مگر مؤلف علم سے بہرہ نہیں رکھتا تفضیح اور تخطیہ مدنظر ہے اپنا فخر ظاہر کرنا اور نصیحت کا کاذب بہانہ اگر نفع منظور ہوتی تو بذریعہ خط دوستانہ خفیہ مطلع کرتا غرض مؤلف کی سب باتیں خلاف ہی خلاف ہیں قولہ اپنی برادری کا اجماع بھی الخ اقول مجیب کے برادران ذکر مولود کو مندوب کہتے ہیں بشرطیکہ تداعی و اہتمام سے بھی خالی ہو ورنہ کراہت کے مقر ہیں مؤلف کے فہم پر افسوس ہے کہ سب

لے ذلیل کرنا، غلطی پکڑنا۔ ۲ے نصیحت کی جمع ۔ ۳ے اقرار کرنے والے۔

دین میں فتنہ پردازی نہ چاہیے، کہ اجماع کے خلاف چلنا گویا دوزخ میں جلنا ہے بمعنی مشتق مَن شذ شذ فی النار باقی رہی یہ بات اگر آپ التزام کو منع فرمادیں سو امر خیر کا التزام یعنی بطور دوام کرنا شرع میں مطلوب ہے تحقیق اس کی قریب آتی ہے قولہ چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں اقول آپ نے تینوں امر یعنی مجلس میلاد و فاتحات و سیوم کی برائی بیان کرکے فرمایا چنانچہ ملا علی قاری فرماتے ہیں یہ آپ نے عوام کو سخت دھوکا دیا کیونکہ عوام یوں جانینگے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے ان تینوں کی مذمت کی ہے حالاں کہ ملا علی قاری مورد الروی میں محفل مولود شریف کی تعریف کرتے ہیں مع تعیین بعینہ ربیع الاول اور التزام دائمی کی عبارت ان کی شروع دیباچہ میں یہ ہے ہے نفل الشہر فی الاسلام فضل ؛ ومنقبت تفوق علی الشہور ؛ ربیع فی ربیع فی ربیع ؛ ونور فوق نور فوق نور ؛ اس سے فضیلت ربیع الاول کی ثابت ہوئی جس کو آپ قیودات لا شئی سمجھے ہوئے ہیں اور وہی ملا علی قاری بعد دو تین ورق کے فرماتے ہیں، لا زال اہل الاسلام یحتفلون فی کل سنۃ جدیدۃ ویعتنون بقراءۃ مولدہ الکریم ویظہر علیہم من برکاتہ کل فضل عمیم انتہی کلامہ تلخیصاً، یعنی ہمیشہ سے اہل اسلام محفلیں کرتے ہیں ہر سال اور پڑھتے ہیں مولد شریف اور ظاہر ہوتے ہیں مولد شریف کی برکات سے ان محفل والوں پر فضل عام اللہ تعالیٰ کے انتہی، دیکھو التزام دائمی ہر سال کا اور باوجود مقید بقیود ہونے مولد شریف کے پھر بھی برکات اور فضل الٰہی کا ظاہر ہونا کلام ملا علی قاری سے ثابت ہے اور شیخ محمد طاہر محدث مجمع البحار کے ثلث اخیر ص۵ میں ماہ ربیع الاول

کے کلام کو ناتمام ہی سمجھتا ہے پس عجیب مثال اپنی برادری کا ہے اور حق یہ ہے کہ شذوذ کا مضمون تو مؤلف ہی پر ہے کہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین کے خلاف ہے۔ قولہ آپ نے تینوں امر الخ اقول علی قاری اور طیبی کے قول میں یہ ہر سہ امور اور جملہ امور جو اس کلیہ میں درج ہیں مفہوم ہیں اور عوام و خواص سب اس کو جانتے ہیں مگر جسکے دیدہ بصیرت نہیں البتہ وہ نہیں جانتا اب رہا مورد الروی میں علی قاری کا مدح کرنا مولود کا اگر امور مباحہ بطور اتفاق اس محفل ممدوح میں ہیں اور اگر ذہن میں یا واقعی اس وقت عوام کو کچھ ضرر اس میں نہ تھا اور اصرار کا درجہ نہیں تھا تو یہ مدح خلاف مجیب کے نہیں اور کلیہ سے خارج ہے کیونکہ مجیب نے التزام دائمی کو بدعت کہا ہے اور ان قیود کو بشرط اصرار یا ضرر عوام کے بدعت لکھا ہے لہٰذا یہ قول قاری کا سند مؤلف کی نہیں ہو سکتا اور اگر حسب زعم مؤلف کے ایسا ہی تھا تو قول و فعل علی قاری کا خلاف قواعد مسلمہ شرع کے قابل تاویل نہیں البتہ یہ قول کلیہ ان کا معتبر اور موافق قواعد شرع کے ہے اور اس کا خلاف مردود ہو جاوے گا معہذا افضل ربیع الاول سے مجلس مروجہ کا اس ماہ میں ہونا کہاں سے لازم آگیا یہ فہم عجیب مؤلف کا ہے بلکہ مجلس مروجہ ربیع الاول میں اشد کراہت ہونی چاہیے دیگر شہور کی مجالس سے کیونکہ زمانہ فضل میں معصیت شدید ہو جاتی ہے جیسا رمضان میں مثلاً جمعہ اور شب جمعہ افضل ہو مگر سوائے ان عبادات کے جو شارع نے اس میں مقرر کردی دوسری عبادت افضل نہیں بلکہ مکروہ ہے پھر افضل ربیع الاول سے مجلس مروجہ کا اس میں کرنا کس طرح جائز ہوگیا غرض مؤلف کے فہم پر آفریں ہے اور کیا کہوں دوسری عبارت قاری کی بقولہ لا زال اہل الاسلام الخ بھی دوام کی مورث ہے نہ التزام اصرار کو اور تاکد کو اور دوام عام ہے التزام سے اور وجود عام کا بدون وجود خاص کے ہو سکتا ہے مثلاً حیوان بدون انسان کے اس کو ہر عاقل جانتا ہے پس اس سے التزام اصرار سمجھنا ہرگز عقل کی بات نہیں پس مؤلف کے فہم پر عجب ہے اگر ایسا نحو بھی کبھی پڑھ لیتا تو یہ نہ لکھتا اور یحتفلون کے لفظ سے قیود مروجہ کا نکالنا بھی مؤلف کے ذہن کی خوبی ہے ایسے مجمع میں مولود کا پڑھنا نکلا اور سب باقی امور مؤلف کے ذہن ناقص کی تراش کرلاتا ہے اس عبارت میں ہرگز کچھ مذکور نہیں

لے بے معنی شرائط و قیود کے جلسوں سے مستغنی۔

کی تعریف لکھتے ہیں فانہ شہر امرنا باظہار الحبور فیہ حل عام یعنی ربیع الاول ایسا مہینہ ہے کہ ہم حکم کئے گئے ہیں اس بات کا کہ خوشی اور
سرور ظاہر کیا کریں اسمیں ہر برس یعنی مولد شریف سال بسال کیا کریں اس سے بھی التزام دائمی ثابت ہے **قولہ** قال الطیبی الی قولہ و
منکر **اقول** یہ قول طیبی کا بھی مولد شریف اور سیوم اور فاتحہ وغیرہ کی بابت ہرگز نہیں بلکہ مشکوٰۃ شریف میں عبد اللہ بن مسعود صحابی کا یہ
قول ہے انہوں نے فرمایا نہ کرے کوئی تم میں سے اپنی نماز میں حصہ شیطان کا کہ اعتقاد کرے نماز میں یہ بھی واجب ہے کہ بعد سلام پھیر دیوے کہ
نہ پھیرے مگر داہنے ہاتھ کی طرف سے اس واسطے کہ میں نے دیکھا ہے بہت دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کہ سلام پھیر کر پھر جاتے تھے اپنی
بائیں طرف سے پس اس قول صحابی کی شرح میں طیبی نے ایک حکم اپنی عقل سے نکالا کہ جسکو امیر باز خاں نقل فرماتے ہیں فیہ من اصر علی مندوب
الی آخرہ اس کلام طیبی کے معنی یہ ہیں کہ اس صحابیؓ کے قول میں دلیل ہے اس پر جو کوئی اڑ کر جم بیٹھ رہا ایک امر مستحب پر اور جان لیا اس کو واجب
لازم اور نہ عمل کیا رخصت پر پس تحقیق پہنچا اس کام میں شیطان پھر کیا حال ہے اس کا کہ اصرار کرے بدعت اور خلاف شرع کام پر انتہیٰ
کلام طیبی، اب اہل اسلام کو فکر کرنا چاہیئے، کہ کہاں کا ذکر کہاں کی بات کیا دعویٰ کیا دلیل، اب ہم سے تحقیق اس کی سنو نماز کے بعد داہنی طرف

سبحان اللہ کیا فہم صائب ہے **قولہ** مجمع البحار کے ص۵۵ میں الخ **اقول**، اظہار الحبور کا ترجمہ کر کے مؤلف کہتا ہے یعنی مولود سال بسال کیا
کریں، شرم نہیں کرتا اظہار سرور سے مولود کس طرح نکلا شاید حبور کا یہ ترجمہ کسی خانگی لغت کی کتاب میں مؤلف نے دیکھا ہوگا ورنہ ایسے معنی لا
یعنی کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا اظہار کے معنی سرور کا ظاہر کرنا ہے جس کا شارع نے امر فرمایا نہ امور غیر مشروع کا کرنا اس عبارت سے کل کو راگ ناچ بھی
مؤلف نکال سکتا ہے کیونکہ وہ بھی عرف فساق میں وقت سرور کے ہوا کرتا ہے معاذ اللہ اب اگر کوئی مؤلف سے پوچھے کہ صاحب مجمع البحار کا
یہ قول امرنا بالحبور کس نص سے ثابت ہے اور کون سی نص سے امر حبور کا ہوا ہے تو مؤلف کو اس کا اثبات بھی مشکل پڑ جاوے گا یہ دیکھو کم فہمی مؤلف
کی سنو کہ لفظ کل عام سے دوام ثابت ہوا نہ التزام اصرار تو خوش ہو کر مؤلف کا کہنا اس سے بھی التزام دائمی ثابت ہے محض کم فہمی ہے،

مولوی امیر باز خاں کے جواب کے رد کا رد | **قولہ** قال الطیبی الی قولہ ومنکرا **اقول** یہ قول طیبی کا بھی مولود شریف الخ **اقول** یہ کمال نادانی مؤلف کی

ہے اسی واسطے کہ قرآن وحدیث و قول صحابی سے اگرچہ جزئیہ ہی ہو فقہا کلیہ نکال لیتے ہیں اور پھر اس کلیہ سے صدہا مسائل جزئیہ جملہ ابواب
فقہ کے ثابت کرتے ہیں اسی کا ہی نام تفقہ ہے، سب ادنیٰ اعلیٰ اہل علم اس کو جانتے ہیں تمام بخاری وغیرہ کتب کے ابواب اس کے شاہد ہیں ایسا
ہی طیبی نے اس قول حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے کلیہ پیدا کیا اور پھر وہ کلیہ سب ابواب میں مفید حکم ہوا عبادات و معاملات میں اور خلاصہ
کلیہ کا یہ ہے کہ حکم شارع کا اپنا محل و مورد پر قصر کرے اس کے درجہ سے تعدی نہ کرے اگر کرے گا تو تغیر حکم شرع کا ہو جاوے گا اور تغیر حکم شرعی
کو ہی بدعت کہتے ہیں، پس مؤلف کا فہم عالی کہ یہ کلیہ صلوٰۃ کا ہے کہاں مولود اور کہاں صلوٰۃ سبحان اللہ ایسے فہم پر تحریر کتاب ہے یہ نہیں جانتا کہ
تعدی حد اللہ اور تغیر حکم شرع اس سے ثابت ہوا اور تعدی تبدیل حکم سب جگہ بدعت ہے اور طرفہ یہ ہے کہ خود ہی تعدی کو اور تغیر کو ثابت بھی کرتا ہے
کہ بدعت ہے مؤلف کی نہایت عجب العجاب عقل ہے **قولہ** اب ہم سے تحقیق اس کی سنو الخ **اقول** مؤلف اس تحریر میں صاف اقرار کرتا ہے کہ داہنی
طرف پھرنا سنت ہے اگر اس کو کوئی واجب اعتقاد کرے گا تو حکم شرعی بدلے گا یہ پہلی بات مؤلف کی ہے اور دوسری یہ کہ
بائیں طرف پھرنا بھی سنت ہے تو دائیں کو تعین کرنے میں کراہت جانب چپ کی لازم ہووے گی تو سنت کراہت سے مبدل ہوئی یہ تبدیل حکم شرع
کی ہوئی پھر حال تبدیل حکم شرع کی بدعت ہو گئی تو طیبی نے یہ قاعدہ نکال لیا کہ کسی حکم شرع کو تبدیل نہ کرنا چاہیئے، خواہ وہ حکم کسی باب فقہ

۱ گھریلو ۲ فاسقوں کی اصطلاح ۳ فقہ دانی ۴ تجاوز ۵ بہت زیادہ قابلِ تعجب ۶ بائیں جانب

پھر جانے سے جو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا اس میں وہ باتیں خلاف شرع تھیں، ایک تو یہ کہ داہنی طرف سے پھرنا سنت ہے اگر اس کو کوئی واجب اعتقاد کرے گا تو ظاہر ہے کہ بدل دے گا حکم شرع کو دیکھو تمہارے عالم مسلم الثبوت مولوی قطب الدین خاں صاحب اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں، سنت میں اعتقاد واجب ہونے کا نہ کرے انتہیٰ کلامہ، دوسرے یہ کہ جب عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے بہت دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف سے پھرتے دیکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف سے پھر جانا بھی سنت ہے حالاں کہ جو شخص داہنی طرف سے پھر جانا واجب اعتقاد کرے گا اس کے نزدیک بائیں طرف سے پھرنا موافق قانون شرع کے مکروہ تحریمی ٹھیرے گا کیوں کہ واجب کا ترک عمداً مکروہ تحریمہ ہوتا ہے پس اس کے اعتقاد کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل یعنی بائیں طرف سے پھرنا جو کہ سنت تھا وہ مکروہ تحریمہ ٹھیرتا تھا، ان دو قباحتوں پر صحابیؓ موصوف نے منع فرمایا تھا کہ تم ایسے اعتقاد کرکے شیطان کا حصہ یعنی گمراہی اپنے دین میں پیدا مت کرو ایسی تحقیق پر طیبی نے کلام صحابیؓ سے یہ بات عقل سے پیدا کی کہ جب مستحب کام کو واجب اعتقاد کرنے سے شیطان کا حصہ ہو جاتا ہے تو بدعت اور خلاف شرع کو واجب موکد جانے اور اس پر دوامی عمل کرنے سے کیوں شیطان کا دخل ہوگا پس طیبی نے بدعت اور خلاف شرع امر کے واجب جان کر عمل کرنے پر انکار کیا ہے یہ تو نہیں لکھا کہ مولود شریف اور فاتحہ بدعت ہے اور خلاف شرع ہے تم نے اس کو آپ ہی آپ خیالی پلاؤ پکا کر بدعت اور خلاف شرع تجویز کر لیا پھر اس کو طیبی کے کلام میں درج کر لیا، اللہ تعالیٰ ایسے مغالطات سے پناہ دے اب بگوش ہوش سننا چاہیے کہ جو التزام امر مستحب کو کلام طیبی سے ضلالت میں داخل کرتے ہو یہ امر بالکل لغو و خلاف حق ہے ہم خاص خیر القرون کے لوگوں میں اور نیز ما بعد ان کے محدثین فقہا و مشائخ اولیا میں بہت امور مستحب اور مستحسن پر التزام ثابت کریں گے لیکن ان کی تفصیل نگاری میں طول ہے اس لئے ہم فقط رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے ارشاد پر ختم کرتے ہیں بخاری اور مسلم میں حدیث متفق علیہ ہے

ہو عبادات عادات اخلاق و معاملات کوئی ہو اب نہایت تعجب ہے کہ مؤلف خود یہ کہہ رہا ہے اور پھر کہتا ہے کہ طیبی نے یہ تو نہیں کہا کہ مولود فاتحہ بدعت ہے اور خلاف شرع ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ ارے کور فہم جب اس نے تغیر حکم شرع کو بالکل بدعت کہدیا تو فاتحہ مروجہ جو ایک ہیئت کا ضرور جانتا ہے مباح سنت یا واجب ہی تو جانتا ہے اور علیٰ ہذا مولود کی ہیئت جو مکروہ ہے یا بدعت موجب ثواب اور مستحب جاننا خود تغیر حکم شرع کا اس میں بھی موجود ہے پھر خاص نام مولود اور فاتحہ کا اس میں لینا کیا حاجت ہوئی، اور کلیہ میں کسی جزئیہ کا نام کہیں ہوتا ہے جو یہاں نہ ہوا کس قدر بلادت ہے، العظمۃ للہ، انسان کلی پر حکم صلوٰۃ و صوم وغیرہما کا ہے، عبدالسمیع کا نام اس میں کہاں ہے کہ انکار فریضہ، عادات کر دیا کہ میرا نام اس میں کہاں ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ، یہ ہے ایسی مغالطات سے حق تعالیٰ پناہ دیوے اس میں تو تمام دین ہی برہم ہو جاوے گا، الحاصل کیا عجب معاملہ ہے کہ خود مؤلف تغیر حکم شرع کو ثابت کر رہا ہے اور آپ ہی اس قاعدہ کو بلا وجہ باب صلوٰۃ میں منحصر کرتا ہے اور تغیر حکم شرع کی نفی میں بحث کر رہا ہے سبحان اللہ دعویٰ اور دلیل اور تقریر مؤلف کی عجائب خانہ میں پیش کرنے کے قابل ہے

قولہ اب بگوش ہوش الخ اقول مؤلف کو تو کچھ خبر ہی نہیں کیا کہتا ہوں اس سب اس کی | کون التزام بدعت ہے اور کون جائز و مستحب ہے۔ |

تقریر سے استحباب کا دوام نکلتا ہے اور پہلے معلوم ہو چکا کہ دوام اور التزام اصرار میں فرق ہے جو بدعت ہے وہ التزام بمعنی اصرار ہے اور جو مستحب ہے وہ دوام بلا التزام ہے مگر مؤلف نے ایک مقدمہ اپنے ذہن سے تراش لیا کہ التزام بحوث عنہ اور دوام دونوں ایک شے ہیں پس دلیل سے مدعیٰ سمجھ لیا پھر گوش ہوش سے سنئے کہ التزام جس کو بدعت کہتے ہیں وہ ہے کہ مباح یا مستحب کو واجب یا سنت موکدہ اعتقاد کرکے

[illegible] کم فہمی سے موضوع بحث،

کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا احب الاعمال الی اللہ ادومہا یعنی اللہ کو وہی عمل سب سے پیارا ہے جو سدا کو ہو وے اور کبھی چھوٹے نہیں تمہارے نواب قطب الدین خاں صاحب اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بسبب اس حدیث کے برا جانتے ہیں اہل تصوف ترک اوراد کو جیسا کہ برا جانتے ہیں ترک فرائض کو اور ظاہر تر یہ ہے کہ یہ ترک اولیٰ ہو الی آخرہ۔ اب دلیل کا تفاوت دیکھو کہ تم کلام طیبی سے التزام امر مستحب کو ضلالت ثابت کرتے ہو اور ہم مداومت اور التزام کو محبوب عند اللہ و عند الرسول ہونا خود بحکم حدیث رسول سے ثابت کرتے ہیں ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔ اور کاش تم غور سے دیکھو تو معلوم کرو کہ طیبی کا کلام خلاف حدیث نہیں کیوں کہ طیبی کی مراد یہ ہے کہ اس امر مستحب کو واجب من عند اللہ اعتقاد کر کے التزام کرے تو وہ باطل ہے اور اس بات پر یہ دلیل نہایت قوی ہے کہ جس قول صحابیؓ سے طیبی نے استنباط کیا ہے اس قول میں خود شارحین وجوب اعتقاد مراد لیتے ہیں بنا بر علیہ واجب ہے کہ کلام طیبی میں بھی وجوب اعتقاد مراد لیں یعنی جو کوئی مستحب کو واجب اعتقاد کر کے مداومت مثل واجب کرے گا وہ ضلالت ہے اور جبکہ اس عمل کو واجب نہیں بلکہ ایک امر حسن اور مستحب سمجھ کر مداومت کرے تو وہ نہایت محمود اور مقبول ہے، کما فی الحدیث۔ اس بنا پر سمجھ لو جو لوگ محفل میلاد شریف یا ایصال اموات کی ثواب رسانی کو فرض واجب اعتقاد نہ کریں بلکہ ایک امر خیر سمجھکر تمام عمر کرتے رہیں اور کبھی نہ چھوڑیں شریعت میں وہ اور ان کا کام محمود اور محبوب عند اللہ ہو گا رسولؐ سچے نے فرمادیا احب الاعمال الی اللہ ادومہا بلکہ اگر چھوڑ دیں گے تو وہ محل عتاب ہوں گے کہ تارک الورد ملعون یعنی جس نے ایک امر خیر اپنا ورد کیا پھر وہ اس کو چھوڑ دے تو وہ ملعون یعنی اللہ کی رحمت سے بعید ہوتا ہے قولہ ھذا محل نقل کی الذین الی آخرہم اقول۔ اس کو آپ نے ظاہر نہ فرمایا کہ کس کا کلام ہے طیبی کا کلام تو علی بدعۃ اور منکر پر تمام ہو چکا جیسا کہ مولوی اسحاق صاحب نے اس

یا مثل موکدات کے عملدرآمد کرے اور دلیل اس معاملہ کی یہ ہو کہ تارک پر اس کے مثل تارک واجب کے ملامت و شناعت ہو چنانچہ اب ترک مولود فاتحہ پر مشہور ہے اور اہتمام اس کے فعل کا واجبات جیسا ہو چنانچہ ظاہر و موجود ہے بعد اس کے جو طیبی کے قول کو مؤلف حدیث سے موافق کرتا ہے وہ خود لغو کلام ہو گئی اپنے فہم پر گفتگو کرتا ہے اور بس مگر یہاں مؤلف نے اقرار کر لیا کہ مؤلف کو واجب اعتقاد کر کے مداومت کرے گا تو ضلالت ہے۔ اور یہی مدعا جیب کا تھا، مگر مؤلف مطلب نہیں سمجھا۔ دعوے میں بول اٹھا ہے واجب جیسا معاملہ کرنا بھی واجب جاننا ہی ہوتا ہے تارک الورد ملعون و صاحب الورد ملعون | قولہ اگر چھوڑ دیں گے تو محل عتاب ہوں گے، الخ اقول نہ معلوم کہ تارک الورد ملعون کونسی حدیث اور کس کتاب کی حدیث ہے معاذ اللہ مؤلف کے استدلالات کس قدر بے معنی ہیں یہ اہل تصوف کا مقولہ صاحب الورد ملعون و تارک الورد ملعون اور اسکا ایک معنے مصطلح ان کے ہیں کاش کے بیان میں طول و کلام خارج بحث ہے مؤلف اس کو استدلال میں ذکر کر کے اپنا جہل ثابت کرتا ہے بھلا کہیں شرع میں وارد ہوا ہے کہ تارک مستحب کا ملعون ہوا استغفر اللہ مؤلف کچھ آگے پیچھے کی خبر نہیں رہی اب تمام دنیا کو ملعون بنایا اور ترک مستحب کو حرام ٹھیرایا کیوں کہ لعنت حرام کام پر ہی ہوتی ہے تبدیل حکم شرعی کا کر کے خود مبدلین میں داخل ہوا اپنی تبدیل حکم کو حرام ثابت کیا ہے پھر جس کا انکار تھا، اس کا اول اثبات کیا اور پھر اس کو اپنا ہی عقیدہ بنا لیا، الہی توبہ یہ ہذیان کہیں کسی سے نہ سنا ہو گا مگر ہاں اس قول کا دوسرا فقرہ کہ صاحب الورد ملعون جو ہے اس سے سبب فعل مستحسن کرنے والوں کو اور فعل مولود کرنے والوں کو بھی مؤلف محل عتاب بنا دے تو شایاں اس کے علم و عقل کو ہے معاذ اللہ تعالیٰ کیسی کج فہمی ہے قولہ اقول اس کو ظاہر نہ فرمایا الخ اقول یہ عقدہ خواہ کسی کا ہو مطلب مجیب کا تو علی بدعۃ و منکر تک کی عبارت سے واضح ہو لیا تھا کیوں کہ انکار طیبی

لے امور تاکیدی سے ہمیشگی سے تبدیل کرنے والے

قدر عبارت طیبی کی لکھ کر کے لکھدیا ہو انتہی، اور ان کے شاگرد مولوی قطب الدین خاں صاحب نے بھی ترجمہ مشکوٰۃ میں اسی قدر بیان کیا ہے اب یہ قول جو چلا کہ ھذا محل تدن تک الذین یبصرون الی اخرہ خود معلوم نہ ہوا کس کا ہو بہر کیف یہ قول اگر آپکا ضمیمہ الحاقی ہے یا کلام قاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے یا طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا ہم کو کچھ مضر نہیں اس لئے کہ وہ انکار فرماتے ہیں ان لوگوں پر جو سیوم کے کرنیکو جمعہ اور عیدین اور فرائض پنجگانہ کی جماعت میں حاضر ہونے سے زیادہ تر ضروری اعتقاد کریں چنانچہ ان کی یہ عبارت آپ ہی نقل فرماتے ہیں یرونہ اوجب من الحضور[1] کہ افسوس عبارت نقل کریں اور معنی نہ سمجھیں ای حضرت آمیں کسکو کلام ہے کہ ایک امر خیر اور کار ثواب ہو کہ مستحب ہو جو کوئی اس کو واجب واجب سے بھی زیادہ اعتقاد کرے گا، لا بدا اس کے حق میں منع کیا جائے گا، کیونکہ اس نے قاعدہ دین بدل دیا کہ مستحب کو واجب اعتقاد کر لیا لیکن یہ بات تو اس عبارت منقولہ جناب سے سمجھی گئی کہ جو لوگ اس اجتماع سیوم کو جماعت کی نماز پڑھنے سے زیادہ تر موجب اجر نہیں سمجھتے وہ اس قاعدہ منع میں داخل نہیں ہیں پھر کیوں آپ حکم مناہی کا علی العموم دیتے ہیں قولہ پس ایسے مقامات میں اتقیا تو کیا عوام مومنین کو بھی شامل ہونا جائز نہیں الی اخرہ اقول فاسق آدمی اور مبتدع لوگوں پر کتب فقہ عقائد میں اطلاق لفظ مومن کا آیا ہے کافر ان کو کلی نہیں کہتے پس وہ سب اگرچہ متبع سنت اور متقی نہ ہوں لیکن عوام مومنین میں عند الشرع داخل ہیں، جب ان عوام مومنین کو بھی مجلس مدح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور محفل قرآن خوانی لا الہ الا اللہ پڑھنے میں شامل ہونا جائز نہ ہوا، تو شاید مولوی صاحب کے نزدیک یہ باتیں کفار کو جائز ہونگی، جس طرح مولوی رشید احمد صاحب کے فتوے میں لکھا ہوا ہو کہ یہ سب ہنود کی رسوم ہیں سبحان اللہ ع مفتی نئے نئے ہیں مسلمان نئے نئے، اور اسی طرح مسئلہ سماع میں بھی فتویٰ انکاری کے صـ۸۵ـ میں آپکے رفیق مولوی امیر باز خاں صاحب بلند پروازی باقتضائے آسمی فرمائی ہے آپ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ سے سند لاتے ہیں حکی عن ابی نصر الدبوسی عن القاضی ظہیر الدین الخوارزمی من سمع الغناء من المغنی وغیرہ او یری فعلاً من الحرام فیحسن ذلک باعتقاد او بغیر اعتقاد بصیر مرتداً فی الحال، الی اخرہ اب دیکھئے اس روایت میں چار تعمیم ہیں ایک تو جملہ من سمع الغناء میں لفظ من عام ہے یعنی جس کسی نے سنا غناء واضح ہو کہ فارسی میں سرود اور عربی میں غناء اور سماع ایک معنی میں مستعمل ہیں اس اعتبار سے کہ گانیوالے کی منہ سے نکلتی ہے اس کو غناء کہتے ہیں اور چونکہ سنتے ہیں اس کو سننے والا اس اعتبار سے اس کو سماع کہتے ہیں خلاصہ یہ کہ وہ غناء خواہ دنیا دار مبتلائے نفس و ہوا بطریق لہو لعب سنے، یا کوئی اہل غلبہ سکر و ہیجان عشق الٰہی میں سنے آپ کی اس روایت میں دونوں کا حکم ایک ہی ناجائز اور حرام کچھ فرق نہیں حالاں کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف میں اور فقیہہ شامی نے شرح درمختار میں اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ میں اور شرح سفر السعادۃ میں اور ملاجیون نے تفسیر احمدی میں فرق بیان کیا ہے بطریق لہو ممنوع اور اہل حال کے حق میں سکوت اور قاضی صدر بن رشید تبریزی نے دستور القضات فتاویٰ فقہ حنفی میں جس سے مولوی اسحاق صاحب بھی اپنی تصنیفات میں سند پکڑتے ہیں سماع کے حق میں یہ لکھا ہے، ولا تنکرونہ فان لہ اربابا والسماع لا یصح

عوار کا ان لوگوں پر ہے کہ ان رسوم کو مثل جمعہ اور جماعت و عیدین کے اہتمام و طاست میں بناتے ہیں اور وہ لوگ جملہ عوام اور مؤلف کے ہمدم خواص میں باقی غلط بہانے خلاف بیانی ہے اور لفظ لفظ کا جواب دینا کیا ضرور ہو مطلب واضح ہو چکا کم فہمی مؤلف کی روشن ہر گاہ کہ تارک و رد ملعون عقیدہ مؤلف کا ہے تو واجب ہوئے ہیں کیا کوتاہی رہی مگر مؤلف کو حواس نہیں فقط قولہ اقول فاسق آدمی اور مبتدع اقول مؤلف کی فہم پر صد آفریں مجیب نے جو ان مواقع میں حاضر ہونے کو منع کیا ہے تو بوجہ حضور فساق و بدعات[2] کے منع کیا،

[1] یعنی ان ممنوعات کو۔ [2] بدعت کی جمع،

الا من کان تلہ جیا ونفسہ و میتاً دوسری تعمیم لفظ غنا کی ہو قاموس میں لکھا ہے الغناء ککساء من الصوت ما طرب بہ اور منتخب میں غنا کے معنی سرود لکھے ہیں اور برہان قاطع میں سرود کے معنی لکھے ہیں خواندگی وگویندگی مرغان وآدمیان اور مجمع البحار میں ہر رفع صوت رفع نفنا وعند العرب غرضیکہ محاورہ عرب میں معنی لفظ غنا میں مزمیر کا ہونا داخل نہیں البتہ اشعار جائزہ ہوں یا فاحشہ سب کو غنا کہتے ہیں فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے الغناء کما یطلق علی المعروف یطلق علی غیرہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یتغن بالقرآن لیس منا پس حدیث شریف میں لفظ غنا کا قرآن شریف کی نسبت بھی واقع ہے اور اشعار مدح وحکمت ونعت وحمد خدا کو جو شخص خوش آوازی سے پڑھے اس کو بھی فقہا غنا کہتے ہیں اور اس غنا کو جائز رکھتے ہیں آپ کی روایت میں غنا عام ہے اور کل ناجائز اور اس کو اچھا سمجھنے والا مرتد نعوذ باللہ منہا تیسری تعمیم من المغنی وغیرہ یعنی خواہ معنی ہو کہ جو قواعد موسیقی کے موافق تطریب مطربانہ وتشویق سے گاتا ہو یا غیر مغنی ہو کہ جسکو کچھ بھی قاعدہ معلوم نہیں جس طرح دو لڑکیاں حضرت عائشہؓ کے پاس گا تا گاتی تھیں بخاری کی ایک روایت میں آیا ہو لیستا بمغنیتین یعنی وہ دونوں لڑکیاں قواعد گانیکے بطور موسیقی کے جاننے والیاں نہ تھیں۔ اب آپ کی روایت کی تعمیم نعوذ باللہ منہا دیکھیے کہاں کہاں تک جائے گی جو تھی تعمیم فیحسن ذلک باعتقاد وبغیر اعتقاد یعنی اس غنا کو اور حرام کام کو اچھا کہے اعتقاد سے یا بغیر اعتقاد مرتد ہو جاتا ہے نعوذ باللہ منہا انتہی۔ ان چاروں تعمیمات کی جمیع شقوق کو تشریح کرنے سے دنیا میں کوئی شخص مرتد ہونے سے نہیں بچے گا مگر وہ شخص جو قرآن کو بھی صوت حسن اور لہجہ پاکیزہ سے سنکر اپنی زبان کو دبائے رکھے یہ منہ سے نہ نکالے کہ اچھا پڑھا کیوں کہ قرآن کو خوش آوازی سے پڑھنے کو بھی حدیث اور فقہ میں غنا فرمایا ہے کما فی البخاری وخزانۃ الروایات وغیرہا اور آپ کی روایت منقولہ میں ہے جو کوئی غنا کو سن کر اچھا کہدے وہ مرتد ہو جاتا ہے افسوس صد افسوس کہ واعظ بن گئے مفتی بن گئے شروط افتار کی خبر بھی نہیں کہ فتوی کتب فتاویٰ سے لکھا کرتے ہیں یا مکتوبات سے اور پھر یہ بات کہ فتاویٰ میں بھی اقوال متعارضہ ہیں ان میں سے وہ قول جن کا ماخذ صحیح اور قواعد اصول کے مطابق ہو اس کو اختیار کرتے ہیں دوسرے کو نہیں اور جس قول کے اختیار کرنے میں ایک جہان کی تفسیق وتذلیل یا کسی مرد مسلمان کی تکفیر لازم آوے اس سے احتراز کیا کرتے ہیں اور اس پر بھی نظر کیا کرتے ہیں کہ حرام لعینہ ہو یا لغیرہ اور حرام لغیرہ کو حلال کہنے والا کافر نہیں ہوا کرتا یہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں مصرح ہے اور آپنے جو روایت نقل کی تو کیا نقل کی حکی عن ابی نصر الدبوسی لفظ حکی خود ماضی مجہول ہے اس کا حکایت کرنیوالا معلوم نہیں پھر ایسی مجہول روایتوں کو مقام افتار میں لینا کس قدر کم علمی سے جہالت ہے اب التماس یہ ہے کہ جس طرح آپ اس روایت کو فتوی انکاری میں اس عزیب پر رواں کر چلے اور یہ لکھا ہے کہ اس کے ایمان ہی میں خلل ہے پھر نماز اس کے پیچھے کیسے جائز ہوگی، اب اسی طرح صاحب مکتوبات مجددیہ پر بھی اس روایت مکتوبات مجددیہ کو متوجہ فرمایئے اور ان کا ایمان اپنے فہم ردی کے موافق خلل سے سنبھالیے جلد اول مکتوب دو صد وہشتاد وہفتم میں لکھتے ہیں، سماع ووجد جماعہ را نافع است کہ بتقلیب احوال متصف اند پھر سات سطر کے بعد لکھتے ہیں، قسمی از منتہیان اند کہ سماع باوجود استقرار وقت ایشاں را نیز نافع است پھر انیس سطر کے بعد لکھتے، باوجود ورود میل عروج دارند در ین صورت سماع ایشاں را سود مند است حرارت بخش ہر زماں بعد وسماع ایشاں را عروج بمنازل قریب میسر شود الی آخرہ

کہ کوئی مومن نہ جاوے کسی کو جانا درست نہیں نہ بوجہ ذکر فخر عالم اور کلمہ طیبہ اور قرآن کے سبحان اللہ حق تعالیٰ نے فرمایا فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین الایۃ، جہاں کوئی منکر ہو اگرچہ مخلوط بذکر مستحب ہو وہاں جانا منع ہے اور قاعدہ مقررہ فقہ کا ہے اذا اجتمع الحلال والحرام

ا۔ موسیقی کے اصول وقواعد ۲۔ فاسق اور گمراہ بنانا ۳۔ یعنی وہاں پر امر مستحب اور امر ممنوع دونوں کا اختلاط ہو رہا ہو

[illegible] سے زیادہ اچھا کہنا سماع و غنا کا کیا ہوگا کہ اس سے عروج منازل قرب الٰہی ثابت کرتے ہیں اور اگر یہ کہو کہ یہاں حضرت مجدد تعریف
[illegible] دوسری جگہ برائی سماع کی لکھتے ہیں تو اعتقاد ان کا برائی پر ہے نہ تحسین پر جواب اس کا یہ ہے کہ دوسری جگہ برا کہنا ہرگز نفع نہ
[illegible] تحریم ان سے نقل کر چکے کہ جو آدمی اچھا کہے سماع غنا کو اعتقاد سے یا بغیر اعتقاد فوراً مرتد ہو جاتا ہے افسوس ہے کہ اس وقت
[illegible] نے محفل سماع کو اچھا کہا اس معنی کر کہ وہ اہل تصوف سے ہے حرارت آواز نغمات سے اس کی روح ایمانی کو ترقیق ہو کر اس
[illegible] روح انسانی متاثر ہوتی ہے اس پر آپ حکم مرتد ہونے کا لگا دیں اور اس کے ایمان میں خلل بتا دیں اور مجدد صاحب بھی
[illegible] نافع ہونا سماع کا اور عروج منازل قرب الٰہی حاصل ہونا بیان کیا ان کو آپ لکھتے ہیں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اور ترجمہ ان
[illegible] ہیں۔ انتہی ترجمہ کلام امام ربانی یہ کیا بے انصافی ہے ایک تو تعریف سماع کر کے مرتد ہو گیا ایک امام ربانی علیہ الرحمۃ
[illegible] کو چھوڑ کر اب اپنے مجتہد مولوی اسماعیل صاحب کا ایمان سنبھالو صراط مستقیم میں جو موہمات عشق الٰہی کو بیان فرماتے
[illegible] ترجمہ موہدات آن استماع الحان خوش آواز دلکش و قصص شوق آمیز اشعار عشق انگیز است۔ اب دیکھئے معنی غنا کے
[illegible] لغت سے لکھ چکے پھر اشعار عشق انگیز کو جب اصوات دل کش اور الحان خوش میں پڑھیں گے یہ سننا ہو گیا مولوی اسمٰعیل
[illegible] ہدایت اپنے پیر سید احمد کے اس غنا کو موہدات عشق الٰہی میں شمار کرتے ہیں یہ غنا کی تعریف ہو گئی پھر ان آوازوں کو خوش
[illegible] کہنا یہ بھی تعریف ہے اب مولوی اسماعیل صاحب کہیں دوسری جگہ برائی سماع و غنا کی لکھ دیں تو مفید نہ ہوگی یہاں تو تعریف
[illegible] کی روایت فیحسن ذلک باعتقاد و بغیر اعتقاد بالضرورات پر چلی جاوے گی اب مولوی اسماعیل صاحب کے دادا پیر شاہ
[illegible] علیہ کے کلام کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ سماع اور غنا کو درست فرماتے ہیں وسیلۃ النجات یعنی دس سوالات مسئولہ شاہ بخارا کے
[illegible] ہیں جواب سوال ثامن آنکہ تان الترجیع والبدیع والسماع فی اوقات السرور تاکید للسرور مباح ان کان ذلک السرور مباحا
[illegible] عید وفی العرس وفی وقت مجی الغائب ووقت الولیمۃ والعقیقۃ وعند الولادۃ والختانۃ وحفظ القرآن انتہی کلام شاہ
[illegible] سے بھی جواز سماع و غنا صاف ظاہر ہے اب فقہاء رحمہم اللہ کی خبر لو در مختار کی کتاب الشہادۃ میں مسئلہ غنا اس طرح لکھا
[illegible] من اباح مطلقا ومنہم من کرہ۔ مطلقا یعنی علماء اہل سنت میں بعضوں نے غنا کو مباح رکھا مطلقاً اور بعضوں نے مکروہ
[illegible] کہتے ہیں کہ وہ علماء جن کا قول در مختار میں اباحت کے لئے منقول ہے کیا وہ مرتد تھے نعوذ باللہ منہا اور مجد الدین صاحب قاموس
[illegible] میں لکھا ہے در باب ذم سماع حدیث صحیح وارد نہ شدہ انتہی۔ اب ان فقہاء کرام کو کیا کہو گے دستور القضات میں ہے و من انکر
[illegible] کر مع سبعین صدیقاً اور صاحب قاموس بالکل سماع کی مذمت یعنی کراہت تک ثابت نہیں کرتا اور ابو محمد بن حزم متاخر
[illegible] ایک بڑا فاضل محدث گذرا ہے وہ صاحب قاموس سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے کہ مزامیر تک کو اس نے مباح اور جائز قرار دیا پھر بھی
[illegible] ان کو مرتد اور کافر نہیں کہتے امام نووی نے شرح مسلم کے مقدمہ میں اس قدر اس کو لکھا ہے در تہذیب ابو محمد ابن حزم
[illegible] دو سطر کے بعد لکھا وھذا اختطاء من ابن حزم یعنی ابو محمد ابن حزم جو مزامیر ملاہی کو علی الاعلان مباح کہتا ہے یہ اس کی رائے

[illegible] واسطے سنت دعوت مسنونہ کا حضور منکر کے سبب کتب میں لکھا ہے پہلے اس کا حال لکھا گیا بس اب مؤلف اعتراض حق تعالیٰ
[illegible] علیہ السلام پر اور سب فقہاء پر کرے کہ جب مسلمان ضیافت مسنونہ میں نہ جاویں تو کیا کافر جا کر سنت ادا کریں گے معاذ اللہ

صواب نہیں یہ خطا ہوئی ابن حزم سے پس اس کی خطا کو تو قائل ہوئے لیکن اس کو کافر مرتد فاسق فاجر لکھا پہلے صلی ارتو اس قدر زبان
کو سنبھالیں تم ایسے بیباختہ لوگوں کو ایمان کی گھاس کی طرح کاٹتے چلے جاتے ہو بیشک سچ فرمایا ہمارے نبی کریم مخبر صادق و مصدوق
نے علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ اللہ تعالیٰ آخر زمانہ میں علم سینہ علماء دین سے نہ کھینچے گا بلکہ علماء کاملین حق شناس مر جائینگے تب آدمی اپنا سردار
جاہلوں کو بنالیں گے ان سے مسئلہ پوچھیں گے فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا یعنی وہ جاہل مفتی فتوی دیں گے بغیر علم اور بغیر دریافت کنہ پس خود
گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کرینگے، روایت کی یہ مسلم اور بخاری نے اے بھائی اگر مفتی بننا چاہتے ہو تو شرطیں فتاویٰ کی پیدا کرو رسم المفتی سے
آگاہ ہو اور احکام کے ماخذ پہچانو اور خدا کا خوف دل میں رکھو یہ نہیں کہ خلقت کو مرتد بناؤ اور آپ بڑے مصلح بن بیٹھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا
تزکوا انفسکم ہو اعلم بمن اتقی اور اسی طرح آپ حقہ کے مسئلہ میں حقہ کی برائی کرنے کے لئے معنی قرآن کے ایجاد کرکے خود مستحق عذاب ہو گئے کیوں
کہ آپ سالہ انکار الثقلیان مطبوعہ ہاشمی کے صـ۳ میں لکھتے ہیں یوم تاتی السماء بدخان مبین یغشی الناس یعنی لاویگا آسمان دھواں ظاہر ہے
کہ آسمان سے مینہ برسے گا اور اس سے ایک درخت پیدا ہوگا کہ وہ لوگوں کو حاوی ہوگا یعنی بہت سے لوگ حقہ نوشی کے وقت میں اس کو اندر کھینچیں
گے فرمایا هذا عذاب الیم یہ عذاب درد دینے والا ہے کہ مزہ اس کا کڑوا ہے اور آخرت میں باعث ماخوذگی کا ہے الی آخرہ اب خیال کرنا چاہیئے
کہ اس وقت ہماری نظر میں تفسیر کبیر اور کشاف روح البیان وغیرہ چند تفسیریں پہلی اور پچھلی ہیں کسی نے یہ معنی نہیں لکھے بلکہ مفسر دو طرف
گئے ہیں، بعض کہتے ہیں قرب قیامت میں ایک دھواں آوے گا، وہ تمام دنیا میں بھر جاوے گا اور چالیس روز رہے گا یہ قول حضرت علی کرم
اللہ وجہہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت حسنؓ کا ہے اور ابن عباسؓ کا قول مشہور یہی ہے اور بعضے اس طرف گئے ہیں کہ جب قریش
تکذیب کرنے لگے تب ان پر آں حضرت صلعم نے دعا فرمائی تب یہ دخان نظر آیا یعنی قحط سالی شدید طاری ہوئی اور کافروں نے مردار اور کھے
اور ہڈیاں اور بال اور چمڑے اور بکریوں کے اور خون وغیرہ کھایا تب زمین و آسمان کے بیچ میں ان کی آنکھوں کے آگے دھواں نظر آتا تھا یہ قول ابن
مسعودؓ اور مقاتل اور مجاہد وغیرہ کا ہے جس کا جی چاہے تفسیریں زبان عربی و فارسی و ہندی اردو کی نکال کر دیکھے کسی نے حقہ مراد نہیں لیا پھر
اس شخص نے جو معنی قرآن کے بگاڑ دیئے تو مجھ کو کسی کا نقصان نہیں کیا اپنا ہی ٹھکانہ دوزخ میں کیا حدیث میں ہے من قال فی القرآن برایہ فلیتبوء
مقعدہ من النار جو کوئی قرآن میں اپنی رائے سے معنی نکالے اس کو چاہیئے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں کرے بھلا یہ صاحب خدا کا خوف تو کیا
کرتے خدا سے بڑے دینداری کا دعویٰ کرتے ہیں انھوں نے آدمیوں کی شرم بھی نہ کی کہ کوئی مجھکو کیا کہے گا کہ آیت میں هذا عذاب الیم کا یہ ترجمہ لکھتا ہوں
کہ مزہ اس کا کڑوا ہے، اے باشعور بہتیری چیزیں دوا اور غذا میں کڑوی ہیں، مثلاً کریلا، شاہترہ، چرائتہ، رسوت، ایلوہ، ان چیزوں کے
کھانے والے سب عذاب الیم میں گرفتار ہیں پھر اس کے بعد یہ شرم نہ آئی جب قرآن پڑھنے والا اس آیت کو پڑھ کر آگے پڑھے گا ربنا اکشف عنا
العذاب انا مومنون، یعنی اے پروردگار کھول دے ہم سے اس عذاب کو ہم اب ایمان لاتے ہیں دیکھو مفسرین نے جو بیان کیا ہے اس سے تو
اس دعا کو مناسبت ہے کیونکہ جب وہ قحط پڑا اتفاقاً ابو سفیان نے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دعا کرائی تھی کہ خدا اس دخان کو دفع
کردے اور جو لوگ قرب قیامت کا دھواں مراد لیتے ہیں اس قول پر بھی یہ دعا صحیح ہے کہ آدمی اس دن گھبرا کر دعا کرنے لگیں گے کہ اے
پروردگار کھول دے ہم سے یہ عذاب دخان کا لیکن یہ جو تم نے معنی لکھے ہیں کہ دخان سے مراد آیت میں حقہ کا دھواں ہے اول تو پینے

اور سابق گذر چکا کہ حضرت فخر عالم حضرت فاطمہؓ کے گھر سے ترک دعوت کرکے لوٹ گئے اور ابوالدرداءؓ نے دعوت رد کر دیا اور فقہا کی

والوں کو دخان حقہ سے ہرگز تکلیف نہیں پہنچتی جو اس سے گھبرا کر بولیں ھذا عذاب الیم یعنی یہ ہم کو عذاب درد دینے والا ہے ان کو تو تخفیف ریاح اور قبض کشائی کا فائدہ دیتا ہے جو درد شکم کو زائل کرے اس کو کس طرح کہنے لگیں کہ یہ درد پیدا کرتا ہے دوسرے یہ کہ حقہ پینے والا مسلمان ہندو مجوس یہود و نصاریٰ ہر قوم کے آدمی موجود ہیں کوئی بھی یہ دعا نہیں مانگتا ربنا اکشف عنا العذاب انا مومنون یعنی اے رب کھول دے ہم سے یہ عذاب دخان اب ہم ایمان لاتے ہیں پھر کیا سمجھ کر یہ آیت حقہ کی شان میں بیان کی پھر ۲ میں دوسری آیت کے معنے بدل دیئے جہاں یہ لکھا ہے کہ حقہ نوشی سے دل سیاہ ہو جاتا ہے کیونکہ جب دھواں تابہ اور کڑاہی پر لگجاتا ہے تو وہ سیاہ ہو جاتی ہے جب یہ دھواں حلق اور جگر اور دل اور انتڑیوں پر پہنچا تو وہ کیسے سیاہ نہ ہوجائینگی کی دلنعم ماقیل ہے کہ حقہ نوش را قلب سیاہ است ؎ اگر باور نہ داری نے گواہ است ؎ اسی کا اشارہ فرمایا حکیم علی الاطلاق نے کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون، ایسا نہیں جو یہ کہتے ہیں بلکہ زنگ لگا دیا یعنی سیاہی جمادی ان کے دلوں پر اس چیز نے کہ دور کرتے مثل حقہ نوشی اور دھواں کشی کے الی آخرہ میں کہتا ہوں کیا عمدہ شعر آپ سند میں لائے ہے کہ حقہ نوش را قلب سیاہ است، کوئی پوچھے یہ کاف کیسا اور حقہ نوش کیا لفظ ہے محاورہ ایران و توران میں تو قلیان کشیدن ہے حقہ نوشیدن ایک لفظ ہندیوں کا گھڑا ہوا ہے فارسی بولنے کو دل چاہے ان کی بولی سے خبر بھی نہیں قطع نظر اس سے لفظ حقہ نوش کے آگے جو لفظ را آیا ہے یہ علامت اضافت ہے کیوں کہ قلب مضاف موخر اور حقہ نوش مضاف الیہ مقدم ہے اور لفظ سیاہ خبر اور است حرف ربط یعنی حقہ نوش کا دل سیاہ ہے خیال کرنا چاہیئے جب را علامت اضافت آجکی تو پھر لفظ قلب پر کسرہ بقاعدہ کیوں ہے اور اگر کسرہ نہ پڑھو گے قاعدے کے پابند ہو کر تو وزن شعر صحیح نہ ہوگا سبحان اللہ کیا کیا خوبیاں بھری ہوئی ہیں پھر قیاس کیا عمدہ ہے اگر باور نداری نے گواہ است نتیجہ کی سیاہی سے دل کی سیاہی ثابت کرنا کمال قوت نظری کی دلیل ہے اسی طرح آپ نے بھی دل کو توے اور کڑاہی سے نظیر دی ہے، اے حضرت دل ایک ٹکڑا گوشت کا ہے تر و تازہ اس کو توے کڑاہی اور نیچہ سے کیا نسبت ہاں مناسب یہ ہے کہ حقہ نوشوں کے لب اور زبان تالو اور کوا اور گلا دیکھا جاوے کیوں کہ اعضاء گوشت کے ٹکڑے ہیں تر و تازہ مثل قلب کے اور اول دھواں لب زبان و دندان کو لگتا ہے پیچھے دل کو جب یہ اعضاء حقہ نوشوں کے سیاہ نہ ہوئے بلکہ اسی طرح شاداب اور پر رونق ہیں جس طرح اور سب آدمیوں کو تو معلوم ہوا کہ دل بھی ان کا ویسا ہوگا جیسا سب کا دل ہے یہ تو آپ کی دلیل عقلی کا حال ہے اب دلیل نقلی کا حال سنیئے حقہ کی مذمت میں آیت لائے کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون، جو کوئی کچھ بھی عربی پڑھا ہوگا وہ جانتا ہوگا کہ قلوبہم میں ہم کی ضمیر راجع ماسبق کی طرف ہے اور وہ ذکر ان لوگوں کا ہے الذین یکذبون بیوم الدین، یعنی جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن کی آیتوں کو کہہ دیتے ہیں اساطیر الاولین یہ تو اگلے لوگوں کی کہانیاں اور قصے بنائے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے کلا یعنی یوں نہیں جو یہ سمجھتے ہیں بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون بلکہ زنگ پکڑ لیا ان کے دلوں پر وہ جو کماتے ہیں یعنی اعمال و عقائد اب یہاں آپ نے دو خطائیں عظیم کی ہیں ایک تو یہ کہ کفار میں حقہ نوشوں کو داخل کیا، اور داخل بھی کیسا کہ حصر کر دیا، آپ نے یہ لفظ لکھے ہیں کہ اسی کا اشارہ

بات خود مشہور ہیں اور نوافل ہیں جو تنہا ادا کی جماعت ہوا سمیں شرکت کو فقہا نے مکروہ لکھا ہے یہ سب واضح ہے مگر مولف پر سوء فہم ختم ہو لیا تو بہ توبہ ہے بڑا مولوی رشید احمد صاحب نے جو رسم ہنود کہا ہے تو تعین اجتماع برادری روز سیوم کو اور طعام سامنے رکھکر ہاتھ اٹھانے کو کہ یہ رسم ہنود ہے نہ قرآن اور کلمہ پڑھنے کو چنانچہ اس کی کلام مابعد میں موجود ہے کہ لکھتے ہیں البتہ ثواب پہنچانا بلا قید روا ہے مگر مولف اپنے فہم سے سمجھا ہے، لہذا اگر ایسے کلام خبط سے مرفوع القلم کیا جاوے تو بجا ہے باقی کلام تشبہ کی نور سوم میں آتی ہے بعد اس کے جو کلام سماع اور حقہ

ے جا بحر ۳ے مجبور ۳ے غیر مکلف

فرمایا ہے حکیم علی الاطلاق نے کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون. واضح ہو کہ ہماری زبان میں لفظ اس اور اسی میں فرق ہے اس کا لفظ حصر کے واسطے نہیں، اور اسی کا واسطے حصر کے ہے تو مطلب حسب تحریر آپکے یہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا اشارہ اس آیت میں کسی کفر اور فسق کی طرف نہیں اللہ تعالیٰ نے آیت میں بس اسی کا اشارہ کیا ہے کہ حقہ نوشوں کے دل پر دھوئیں کی سیاہی جم گئی دوسری غلطی یہ کہ وہ جو کفار کے دل پر زنگ جم جاتا ہے جس کا ذکر اس آیت اور احادیث میں بھی آیا ہے وہ زنگ اور وہ سیاہی محسوس ظاہری نہیں ہوتی وہ ظلمت معنوی ہوتی ہے اور قلب کے دو معنی ہیں ایک تو یہ ٹکڑا گوشت کا صنوبری بشکل غنچہ اور دوسرے معنے یہ کہ قلب ایک لطیفہ ہے عالم امر سے قلب حقیقی وہی ہے افعال نیک و بد کی تاثیر اسی میں ہوتی ہے نہ قلب پارہ گوشت میں جب یہ معلوم ہو چکا تو شاہ عبد العزیز صاحب کی عبارت تفسیر عزیزی میں دیکھنی چاہیئے کہ اس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں ہر فعل بد ہیئتے ظلمانیہ در لطیفہ قلب احداث می کند نہ آنکہ بریں مضغہ صنوبری زنگے محسوس نمودار می شود زیرا کہ ایں مضغہ صنوبری قلب حقیقی نیست. انتہٰی. اب دیکھیے مفسرین تو اس آیت میں زنگ سے ظلمت معنوی مراد لیتے ہیں اور آپ ہی خان تمباکو کی چنانچہ آپ انکار القلبان کے حاشیہ میں لکھتے ہیں اس دھوئیں کا داغ دل پر سے نہیں جاتا سوائے توبہ کے اور نیز مفسرین دل سے مراد وہ دل لیتے ہیں جو ایک لطیفہ غیبی ہے اور آپ دل سے مراد یہی گوشت کا ٹکڑا لیتے ہیں عبارت آپ کی یہ ہے جب دھواں حلق اور جگر اور دل اور انتڑیوں تک پہنچا تو وہ کیسے شیاہ نہ ہو جائینگی. انتہٰی. اب حقہ کا مسئلہ سنیئے کہ حقہ کی حرمت تو شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ توڑ چکے فرمایا کہ حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں. اب دو قول باقی رہ گئے، شاہ صاحب مکروہ ہونے کے قائل ہوئے، اور بہت سے علماء مثل بحر العلوم و علامہ شامی وغیرہ اس کے مباح ہونے پر فتویٰ دیتے ہیں، بھلا حقہ نوشوں کے لئے تو اباحت تک کے بھی اقوال موجود ہیں تم نے جو قرآن میں معنی عقلی بے محل مراد الٰہی کے برخلاف اور عقل و نقل کیخلاف تجویز کئے یہ تو حضرت بغیر دوزخ کی آغوش کھلائے آپ کو نہ چھوڑیں گے اگر آپکے اس سے توبہ. نہ کی ہم حدیث نقل کر چکے من قال فی القرآن برائیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار اور تماشہ یہ کہ آپ واعظ نے مفتی نے مفسر نے شاعر بھی ہیں چنانچہ اسی رسالہ کے آخر میں لکھا قصیدہ حقہ کی مذمت میں لکھا جس کا مقطع یہ ہے اب تم بھی بولو سب کے سب بالاتفاق سے ہم بھی کہیں گر اب تو کہ حقہ حرام ہے؛ اس کا قافیہ صحیح نہ وزن صحیح نہ محاورہ نہ ترکیب ذرا ذرا سے بچے بھی اس قصیدہ کو پڑھکر قہقہہ مارتے ہیں اور یوں کہتے ہیں ہے تال کہ یہ بحر کی نہ سر کی نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی: لکھی جو کتاب اس لا [illegible] لرگی؛ لکھ لکھ واہی تباہی پر کی؛ خیر یہ دو تحریریں بابت سماع اور اباحت حقہ کے استاذ مولوی امیر باز خاں صاحب کے ذیل میں آگئیں اب ہم اس نہی عن المنکر سے عند اللہ بری الذمہ ہو کر اصل مسائل مبحوث عنہا کی طرف رجوع کرتے ہیں، تنبیہ، یہ سب صاحبوں کو اطلاع دیا جاتا ہے یہ جو خیرات مبرات اور باقیات صالحات یعنی محفل میلاد سرور کائنات اور فاتحات اموات سلف صالحین سے اس وقت تک جاری ہیں اگر حضرات مانعین ان امور کی تشنیع و تقبیح میں بیٹھے جرگہ مخصوص کی مہروں سے فتوے پے در پے چھاپ کر اس خیرات و حسنات کو لوگوں سے چھڑوانا چاہیں تو یہ خیال خام اور سودائے نا فرجام دل و دماغ سے دور رکھیں یہ نہ ہوگا کہ تمہارے رسائل لا طائل کا کوئی جواب نہ دے ورنہ یہ ہوگا کہ ان امور صالحہ متوارثہ کو تمہاری ژاژ خائی سے کوئی چھوڑ دے علی الخصوص محفل میلاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

میں مؤلف نے کی ہے یہ بحث خارج از مبحث ہے اس میں وقت ضائع کرنا مناسب نہیں، معہذا اپنے مشرب کے بھی یہ تحریر خلاف ہے فقط المنۃ للہ کہ برہان دوم نے نور ثاقب کے لمعات باطلات کو مطموس کر دیا اور ظلمات محقق اس کی مبرہن ہو گئی فللہ الحمد قولہ نور سوم الخ اقول

لے خفا. ته بے ہودہ گوئی سے. بجھا دینا، تک مدلل،،

مومنین نے کب چھوٹ سکتی ہے دیکھو کافروں نے چاہا تھا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ساحر و مجنون کہہ کر آپکا دین اور آپکا نام دنیا میں نہ چلنے دیں اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون یعنی چاہتے ہیں کافر کہ بجھادیں اللہ کے نور کو منہ سے کچھ بک بک کر حال یہ ہے کہ اللہ تو پورا کر نیوالا ہے اپنے نور کو گو برا مانا کریں کافر پس اسی بنا پر جانے دل میں تصدیق ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر اور نام اور دین کو سدا جاری رکھے گا، واضح ہو کہ یہانتک جو کچھ مفتیانِ فتویٰ انکاری کے غلط دلائل تھے بیان کئے گئے اب بیان کیا جاتا ہے کہ سلف صالحین نے ان امور صالحہ کو کیوں جاری کیا تھا اور رسوم میں چھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ

دربیان جواز فاتحہ بر طعام و شیرینی، جو عبادت زبان یا جوارح و ارکان انسان سے صادر ہو اس کو عبادت بدنی کہتے ہیں جیسے قرآن یا تسبیح و تہلیل وغیرہ پڑھنا، اور جس عبادت میں مالیت صرف ہو اس کو عبادت مالی کہتے ہیں جیسے روٹی گوشت روپیہ پیسہ کپڑا وغیرہ راہ خدا میں خرچ کرنا اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے کہ دونوں طرح کی عبادت کا ثواب اگر کسیکو بخشنا چاہیں تو پہنچتا ہے کتاب ہدایہ میں ہے: ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ او صوما او صدقۃ وغیرھا عند اھل السنۃ والجماعۃ یہ ہدایہ علم فقہ میں نہایت درجہ معتبر اور مشہور کتاب ہے اور شرح عقائد نسفی میں ہے وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتھم عنھم نفع لھم خلافا للمعتزلہ یہ کتاب عقائد کی کتابوں میں مشہور و بڑی معتبر کتاب ہے اور یہ مسئلہ بہت حدیثوں سے ثابت ہے تذکرۃ الموتیٰ میں قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان حدیثوں کو نقل کر کے فرماتے ہیں، ولہذا جمہور فقہا حکم کردہ اند کہ ثواب ہر عبادت بمیت می رسد، اور لکھا ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں واسطے عبادت بدنی کے، وذھب ابوحنیفۃ واحمد وجمھور السلف الی وصولھا الی آخرہ پس اس بنا پر یہ عادت اکثر اہل اسلام کی ہے کہ جب کسی میت کی بابت کچھ کھانا یا شیرینی دینا چاہتے ہیں تو الحمد اور درود شریف پڑھ کر دعا اس میت کیلئے کرتے ہیں اور خدا سے درخواست کرتے ہیں کہ جو کچھ پڑھا اور یہ جو کچھ خیرات دیجاتی ہے اس کا ثواب فلاں میت کو پہنچے، عوام میں اس کا نام فاتحہ ہے یوں کہا کرتے ہیں کہ آج فلاں میت یا فلاں بزرگ کی فاتحہ ہے اصل میں فاتحہ نام ہے الحمد شریف کا چونکہ الحمد اس وقت پڑھی جاتی ہے اس لئے کل عمل کا نام فاتحہ قرار پایا یا تسمیۃ الکل باسم الجزء، اور منکرین نے اس کا نام فاتحہ مرسومہ رکھا ہے اب اس فاتحہ میں دیکھنا چاہیئے کہ جو کچھ درود و دعا الحمد پڑھی گئی یہ عبادت بدنی ہے وہ ثابت ہوئی اور جو کچھ کھانا یا شیرینی اس وقت دی گئی یا دیجاوے گی وہ عبادت مالی ہے وہ بھی فقہ حدیث عقائد سے ثابت ہے ان دونوں عبادتوں کا ثواب میت کو پہنچایا جاتا ہے پھر منکرین کا یہ انکار کہ اس کی کچھ اصل نہیں اس کے کیا معنیٰ اگر یہ کہو کہ عبادت بدنی جدا کرو اور عبادت مالی جدا لیکن

دونوں قسم کی عبادت کا ثواب حنفیہ اور حنبلیہ کے نزدیک پہنچتا ہے، مگر شافعی و مالک بدنی کے وصول ثواب کے منکر ہیں لیکن ایسے منکر کو عموماً معتزلہ و سنی کہنا بدعتی ہے اس ہی واسطے شرح ہدایہ اس تعمیم ظاہری ہدایہ میں تاویل کرتے ہیں **قولہ** پس اس بنا پر الخ عرف میں بطور مجاز متعارف فاتحہ مطلق ایصال ثواب کا نام ہو گیا ہے اگرچہ فاتحہ نہ پڑھی جاوے اور خالص مال کا ہی ثواب ہو **قولہ** پھر منکرین کا یہ انکار کہ اس کی کچھ اصل نہیں الخ اقول مع مؤلف معنیٰ سے بیخبر ہے اس کو بتلانا چاہیئے کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ طعام کو روبرو رکھا جاوے اور اس کو رکھ کر قرآن پڑھا جاوے اور ملاں ... سے ثواب پہنچاوے اور بدون اس کے ایصال ثواب طعام کا نہ ہو یہ ہیئت کہیں قرون ثلثہ میں ثابت نہیں بدعت ہے یہ معنیٰ ہیں پھر ... اس کے خود اپنے ذہن میں معنیٰ تجویز کئے کہ مرکب کرنا مالی بدنی کا مراد ہے سو یہ غلط ہے بلکہ یہ ہیئت حاصلہ مراد ہے نہ نفس ترکیب

... لفظ کو معنے غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا

دونوں کا جمع ثابت نہیں تو یہ وہی مثال ٹھہرے گی کہ جب کوئی مفتی شریعت حکم دے کہ بریانی کھانا جائز ہے اس لئے کہ اس میں گوشت ہے
گوشت حلال چیز ہے اور برنج ہے وہ بھی حلال اور رنگت زعفران کی جو بعض برنج پر ہے وہ بھی حلال پس مجموعہ ان مباحات کا مباح ہے
تو اس کے جواب میں کوئی بے ہودہ سر پھوڑنے کو تیار ہو جاوے کہ صاحب یہ سب جدا جدا تو بیشک ثابت ہے لیکن ہم تو جب مانیں کہ اس
مجموعہ کا ذکر قرآن یا حدیث میں دکھاؤ یہ حرف کہاں لکھے ہیں کہ بریانی کھانا درست ہے پس جس طرح اس بے ہودہ کو سب عقلا سخیف العقل
اور قابل مضحکہ جانیں گے اسی درجہ میں ان صاحبوں کی یہ بات ہے علاوہ بریں جس طرح اثبات جمع کو موقوف رکھتے ہو وجود روایت پر اسی طرح
چاہئے منع کو بھی موقوف رکھو، وجود روایت پر یعنی اگر عبادت مالی و بدنی جمع کرنے میں کوئی حدیث یا آیت ممانعت میں آئی ہو تو منع کرو ورنہ
تم کو سکوت چاہئے حالاں کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کوئی حدیث یا آیت ممانعت میں جمع بین العبادتین میں نہیں آئی اگر آئی ہے پیش کرو ھاتوا
برھانکم ان کنتم صٰدقین ہم تو جمع بین العبادتین کیلئے قواعد عقلی اور نقلی شرع شریف سے پیدا کردیں گے ایک تو یہی کہ جب ممانعت ثابت
نہیں تو اصل اباحت ہے دوسرے یہ کہ سعادت عبد عبادت معبود میں ہے ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور عبادت بعضی زبان
سے ہے بعضی اور اعضاء بدن سے بعضی مال کی پس جو کوئی ہر قسم کی عبادت کرے گا اتنا افضل ہوگا ایک عبادت والے سے شب معراج میں
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو تحفہ جناب باری میں گذرانا یہ لفظ تھے، التحیات للہ والصلوٰۃ والطیبات مفسرین اور محدثین نے اس کے
معنی یہ لکھے ہیں، کہ اللہ کے واسطے ہیں سب تعریفیں جو زبان سے ادا ہوں اور جو عبادت بدنی ہیں اور جو عبادتیں مالی ہیں، پس جب کہ تینوں
قسم کی عبادتیں اللہ کے واسطے خاص ہوئیں تو زہے قسمت اس شخص کی کہ ان تینوں کو ادا کرے فاتحہ مرسومہ میں یہ بات حاصل ہے جب کہا
الحمد للہ رب العلمین، الرحمن الرحیم، ملک یوم الدین یہ تحیت اور ثنا اور شکر زبانی اللہ تعالیٰ کا اور جب کہا اھدنا الصراط المستقیم

کہ ہیئت حاصلہ میں تشبہ ہنود کا بھی ہے اور تقلید مطلق کی بھی ہے چنانچہ واضح ہو جاوے گا،
مرکب کی ہیئت ترکیبیہ حرام ہوگی تو مرکب کا حکم بدلجاوے گا اگرچہ تمام اجزار مباح ہوں، اور پھر مؤلف نے مثال بریانی کی لکھی کہ سب اجزار اگر مباح ہیں
تو مرکب بھی مباح ہوگا اور یہ مثال خود مخدوش ہے کیوں کہ اگر سب اجزار مباح سے ترکیب ہوا اور پھر ہیئت حاصلہ بھی مباح ہو اس وقت
اباحت ہوتی ہے، اور اگر ہیئت میں کراہت یا حرمت آجاویگی تو مرکب کا حکم بدلجاوے گا جیسا بریانی ہو کہ بعد ترکیب مباحات کی ہیئت بھی
مباح حاصل ہوئی ہے اگر اس ترکیب میں زعفران کا سکر[1] ظاہر ہو جاوے تو بسبب مسکر[2] ہونے کے حرام ہو جاوے گی حالاں کہ اجزاء سب مباح
تھے، تمر[3] اور پانی دونوں کا نبیذ بنایا جاوے بعد کف[4] دینے کے جو ہیئت حاصل ہوئی حرام ہوگیا، علی ہذا فاتحہ میں طعام وقرآن کی ہیئت
میں جو تشبہ حاصل ہوا اور تقلید مطلق گویا بدعت و مکروہ ہوگیا اگر مؤلف کو فہم نہ تھا تو کسی سے پوچھ لیتا مگر اس کو تو خود رائی خود پسندی نے
ذلیل کرایا خود سخیف العقل قابل مضحکہ بات کرتا ہے اور منع ہونے پر اس ہیئت ترکیب فاتحہ کی نص جو طلب ہے تو سنو ایاکم و محدثات الامور
الحدیث. من تشبہ بقوم فھو منھم الحدیث. اس سے چشم روشن کرو اور شرح آگے آتی ہے اور اطلاقاً اس دعویٰ کو کہ کوئی ممانعت جمع
بین العبادتین کی نص نہیں محض کم فہمی سمجھو کہ کلام اس ہیئت مخصوصہ میں ہے کہ اس کا کوئی امر غیر مشروع پیدا ہو جاوے نہ مطلق ترکیب میں
آدمی کلام کو سمجھے پھر بولے ورنہ خوار ہوتا ہے **قولہ** ہم تو جمع بین العبادتین الخ **اقول** اباحت اصلیہ اس وقت میں ہوتی ہے کہ نص
موجود نہ ہو یہاں ممانعت کی نص موجود ہے اور ابھی پڑھ سنائی ہے تو یہ دلیل اول مؤلف کی لغو ہوئی دوسری عقلی دلیل کہ التحیات کی

لہ یعنی الگ سے ہوا اور بیچ کی باتوں سے [illegible] جس نے مشابہت کی کسی قوم کے ساتھ وہ انہیں میں سے ہے ۱۲

[1] کم عقل [2] نشہ آور [3] کھجور [4] جاگ،

الیٰ آخرہٖ اور نیز سجدہ و رکوع کرنا اور عاجز و ذلیل بنکر اپنے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھانا اور ہوتی کیلئے دعائے مغفرت کرنا یہ بھی عبادت
بدنی اور لسانی ہوئی اور جو کچھ شیرینی یا کھانا للہ دے گا وہ عبادت مالی ہوگی، پس یہ جو پانچوں وقت نمازی نماز میں کہتا ہے التحیات للہ
والصلوات والطیبات اس کا مجموعہ فاتحہ میں موجود ہے نہ بے قسمت میت کی جو اس کو یہ عطر مجموعہ پہنچے، اور جب ان سب باتوں کو ترک کردیا
اور بدعت کہہ کر چھوڑ دیا، جس طرح اب فرقۂ منکرین چھوڑے بیٹھے ہیں تو وہی مثل عوام کے کہنے میں آوے گی، مر گئے مردود فاتحہ نہ درود
دوسری بات یہ ہے کہ غور سے دیکھنا چاہیئے کہ شرع شریف میں زکوٰۃ ایک عمل جداگانہ ہے اور نماز کا پڑھنا ایک عمل جداگانہ ہر ایک عبادت
مالی ہے ایک بدنی ایک کے اوقات اور ہیں ایک کے اور، لیکن جس کسی نے ان کو جمع کردیا اپنی خوشی سے بغیر حکم رسول کے وہ مستحق تعریف ہوا
ہے مستحق ملامت نہیں ہوا، مثال اس کی یہ ہے کہ تفسیر کبیر میں امام رازی لکھتے ہیں کہ ظہر کے وقت ایک آدمی نے سوال کیا مسجد میں کسی نے
کچھ نہ دیا سائل نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا اللہ تو گواہ رہیو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں سوال کیا کسی نے مجھکو کچھ نہ
دیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس وقت رکوع میں تھے آپ نے انگلی سے جس میں انگشتری تھی اشارہ کیا سائل بڑھا اس نے وہ انگوٹھی رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے لی، الیٰ آخرہٖ، یہ قصہ تفسیر معالم اور مدارک وغیرہ میں مختصراً مذکور ہے، خلاصہ یہ جب حالت رکوع
میں یہ خیرات حضرت علیؓ نے کی حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ فرمایا تھا بلکہ اپنی خوشی انہوں نے دونوں عبادتیں خیرات
و صلوات ایک زمانہ میں جمع کردیں تو اب اس باب میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف میں آیت نازل فرمائی جو سورہ مائدہ میں ہے الذین

اور عبادت کا کرنا بندہ کی سعادت ہے یہ سب مؤلف کے جہل کا ثمرہ ہے عبادت اس وقت موجب سعادت اور معتبر ہوتی ہے کہ حسب
حدود شرعیہ کے ہو اگر خلاف اس کے ہووے گی خواہ فرادیٰ فرادیٰ ہو خواہ بترکیب ہو وہ موجب شقاوت اور مردود ہوتی ہے اور معلوم ہوا
کہ اس مجموعہ مرکبہ فاتحہ مروجہ میں مخالفت شارع علیہ السلام کی موجود ہے مگر یہ خبر اس کو ہو کہ علم رکھتا ہو مؤلف کہ اپنی عقل کی سخافت کو
ترکیب دے رہا ہے کیا مطلع ہووے اس کی دلیل تو بس مثل عوام کے ہی ہے جو خود نقل کرتا ہے اس کو علم شرع سے کیا مناسبت ہو
سو اس کی تقریر بے ہودہ کو رد کرنا ضروری نہیں کہ خود ہی رد ہوگئی، **قولہ** دوسری بات یہ ہے کہ غور سے الخ **اقول** مؤلف نے اس روایت
ضعیف کو نقل کرکے کیوں اپنے دماغ ماؤف کو تکلیف دی اولاً جمع بین العبادتین کا کوئی منکر نہیں خود مؤلف کی یہ وجہ تراشیدہ ہو
کہ اس جمع میں انکار ہو کہ اس سے ہیئت منکرہ پیدا ہو جاوے سو اس قصہ میں کوئی ہیئت منکرہ پیدا نہیں ہوئی خلاف فاتحہ مروجہ کے
کہ یخفیٰ ثانیاً اس قدر حرکت بھی نماز میں مکروہ تنزیہی ہے جیسا فقہ میں مبیّن ہے مؤلف منیہ کو مطالعہ کرلیوے مگر یہ حرکت حضرت
علی رضی اللہ عنہ کی اس وجہ سے ہوئی کہ اگر اس حالت میں نہ دیتے تو اس سائل کے مایوس ہو کر چلے جانے کا خدشہ تھا اس کی تحصیل کو
واسطے کراہت تنزیہیہ کو اختیار کیا ورنہ یہ فعل بھی مکروہ تھا، فاتحہ مروجہ میں کوئی امر مہتم بالشان فوت ہوتا ہے جو اس تشبہ بدعت
کو اختیار کیا گیا مگر مؤلف کو فہم نہیں، بناچاری ایسے کلام کرتا ہے، تیسرے وہ امر اتفاقاً ہو گیا اب اگر کوئی التزام کرے کہ حالت
رکوع میں بالضرور ہر روز ایسا ہی کیا کرے تو مؤلف ہی فتویٰ لکھے کہ اس کا کیا حکم ہے، احقر تو کہتا ہے کہ بیشک مکروہ اور بدعت ہوگا
مگر افسوس مؤلف کے فہم پر کہ حق تو اس کے ذہن میں عبور کرتا ہی نہیں، رابعاً اس قصہ کی تقریر تو نقل سے معلوم ہوگئی مگر فاتحہ کی تقریر کیں

لہ تنہا تنہا، لہ بے ہودگی لہ بجز اس لہ ممنوع ۱۲

یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون پس جبکہ حضرت علیؓ بلا تفریح ارشاد شارعؑ کے جمع بین العبادتین کرکے مستحق ثنا ہوئے اسی طرح فاتحہ میں بھی جمع بین العبادتین کرنے والے عنداللہ ماجور ہوں گے اور یہ دعویٰ ان صاحبوں کا جو بعض رسائل میں ہے کہ کبھی حضرت سے یہ نہیں پایا گیا کہ کھانا سامنے رکھا ہوا ہو اور کچھ بھی آپ نے اس پر پڑھا ہو یہ نہایت غلط ہو، چند حدیثیں مشکوٰۃ کی باب المعجزات میں موجود ہیں ازانجملہ حدیث ام سلیمؓ کی بروایت مسلم و بخاری موجود ہے کہ حضرت کی گرسنگی کا حال معلوم کرکے اس نے چند روٹیاں جو کی پکا کر دوپٹہ کے پلہ میں باندھیں یہ قصہ طویل ہے آخر یہ کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان روٹیوں کو تڑوا یا ملیدہ کی طرح جو کچھ اس کے برتن میں گھی لگا ہوا تھا وہ اس میں ٹپکا دیا پھر حضرت نے الفاظ قسم دعا سے اس پر پڑھے پھر دس دس آدمیوں کو بلا کر.. کھلانا شروع کیا، اسی آدمیوں کو پیٹ بھر بھر کھلایا پھر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اور ام سلیمؓ کے گھر بھر کے آدمیوں نے کھایا، اور پھر بھی بچ رہا، یہ دیکھئے اس میں کھانا سامنے ہے اور اس پر دعا اور جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چاہا اس کا پڑھنا ہے ازانجملہ انسؓ کی حدیث بروایت مسلم و بخاری کہ انسؓ فرماتے ہیں میری والدہ نے ایک بادیہ میں کھانا چھوہارے اور گھی اور دہی کا مرکب بنایا ہوا بھیجا، آپ نے اس پر کچھ پڑھا جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، پھر حضرت دس دس آدمیوں کو بلاتے گئے اور کھلاتے گئے، قریب تین سو آدمیوں کو کھلا دیا پھر مجھکو فرمایا اٹھا لے اے انسؓ اپنا بادیہ میں نے جب اٹھایا حیرت میں رہ گیا،

کس نص سے مؤلف نے ثابت کی ہے اگر قیاس مؤلف کا ہے تو وہ تو آپ ہی باطل کیا گیا اور نص ممانعت کی سنا دی گئی اب کوئی نص مؤلف اپنے شکم سے نکالے، خاصتاً حضرت علیؓ کو پہلے سے بدلالۃ النص معلوم تھا کہ اس قدر حرکت اور ایصال نفع صلوٰۃ میں درست ہے خود فخر عالمؐ نے امامہ بنت ابی العاص کو حالت صلوٰۃ میں کندھے پر چڑھا لیا تھا اس کی راحت کے واسطے اور رونے کے خدشہ سے اور حضرت عائشہؓ کیواسطے حالت صلوٰۃ زنجیر کھول دی تھی، علیٰ ہذا دیگر مثل اس امور کے بہت وقائع تھے جس سے معلوم ہوگیا کہ اس قدر حرکت نفع رسانی کو درست ہے مگر مؤلف کو کونسی ولادت اشارۃً ملی ہے جس سے یہ بدعت کو حسنہ بتاتا ہے یہاں تو نص بھی موجود ہے **قولہ** اور یہ دعویٰ ان صاحبوں کا کبھی حضرت سے الخ **اقول** یہ دعویٰ کوئی عالم نہیں کرتا جو مؤلف سمجھا بلکہ یہ دعویٰ ہے کہ اس طرح ایصال ثواب کبھی نہیں کیا ورنہ آپ علیہ السلام تو ہردم ذاکر تھے جب طعام آپ کے روبرو رکھا جاتا تھا، قبل شروع کچھ پڑھتے ہوتے تھے اور بسم اللہ کرکے کھاتے تھے سو یہ فہم ناتمام مؤلف کے کمالات میں ہے کہ مراد مانعین کی نہیں سمجھا، بس اب یہ چند دلیل جیت منقولہ اسکی اسکو کچھ بھی نافع نہیں ذرا ہوش کرکے دیکھئے،

قولہ ازانجملہ حدیث ام سلیمؓ الخ **اقول** مؤلف نے یہ تین حدیث فاتحہ مروجہ کو طعام سامنے رکھکر دعا زیادہ فرمانے پر قیاس نہیں کرسکتے کہ فارق موجود ہے
نقل کی کہ جس سے یہ ثابت ہوا کہ فخر عالم علیہ السلام نے طعام پر دعا زیادہ ہو جاتی اس طعام کی فرمائی اور حدیث میں ہے قال فیہ ماشاء اللہ ان یقول سو ہو سکتا ہے کہ کچھ پڑھا ہو کہ جس سے اضافہ قدر طعام کا ہوگیا مگر تیسری حدیث میں دعا بالبرکۃ وارد ہوا ہے لہٰذا ان دو حدیث کو بھی اس پر ہی حمل کیا جاوے بہر حال طعام قلیل پر زیادہ ہو جاتی طعام کی دعا فرمائی، اب غور فرمایئے اس طعام کی زیادتی آپ کی دعا پر موقوف تھی اگر آپ دعا نہ فرماتے تو زیادہ حاصل ہوتی اور جس شے پر دعا زیادہ کریں اس کا روبرو ہونا مناسب ہے، پس یہ آپ کا دعا کرنا ضرورت کے واسطے تھا، بدون اس کے حاصل نہیں ہو سکتی تھی، پس یہ فعل نظیر فاتحہ مروجہ کی ہرگز نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہاں اگر دعا ایصال ثواب کی ہے تو بالکل لغو حرکت ہے وہ طعام جب بنیت ایصال ثواب پکایا یا بانیت اکل کے سامنے رکھا تو وہ نیت صاحب طعام سے قابل وصول ہو چکا

---

۱ یعنی کھانے پر آپ نے جو کچھ خدا تعالیٰ نے چاہا پڑھا ۲ یعنی دعا مانگی کہ کھانے میں برکت ہو ۳ کھانے والا۔

کہ جب میں لایا تھا اس وقت اس میں کھانا زیادہ تھا یا اب زیادہ پہلے سے موجود ہے ازاں جملہ حدیث غزوہ تبوک کی مشکوٰۃ میں بروایت مسلم مذکور
ہے جب لوگ گرسنہ ہو گئے حضرت عمرؓ نے دعا کرانی چاہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تب آپؐ نے دسترخوان بچھوایا اور فرمایا لے آؤ جو کچھ کسی کے
پاس کھانا بچا ہوا ہو تب کسی نے مٹھی جوار کسی نے مٹھی کھجور، کسی نے ٹکڑا روٹی کا جس کے پاس جو کچھ بچا ہوا تھا لا کر ڈالا بہت ہی تھوڑا سا ذخیرہ جمع ہوا
پھر آپؐ نے اس پر دعا فرمائی اور فرمایا بھر لو اپنے برتن پھر جس قدر لشکر تھا سب نے لیے تمام برتن جو ان کے پاس تھے بھر لیے اور خوب کھایا اور پھر
بھی کھانا بچ رہا، شارحین لکھتے ہیں، کہ اس وقت لشکر میں لاکھ آدمی موجود تھے پس معلوم ہوا کہ لاکھ آدمی اس بات کے گواہ ہوئے کہ کھانا سامنے
رکھے ہوئے پر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی، باقی رہی یہ بات کہ حضرتؐ نے وہ دعا مانگی جو آپؐ کو ضرورت تھی صاحب فاتحہ وہ دعا کرتا ہے
جس کی اس کو ضرورت اس وقت ہو، پس دعا ہونے میں دونوں برابر ہیں، یعنی دعا کے معنی شرع میں ہیں السئوال من اللہ الکریم یہ دونوں جگہ
ایک ہیں اب اہل انصاف کو چاہیے کہ سخن پروری کو چھوڑ کر ان دلائل میں خوب تامل فرماویں اتباع حق کریں ورنہ ایسا تو کریں کہ فاتحہ پڑھنے والوں کو

اب آکل بیہودہ کیا دعا کرتا ہے، فضول حرکت ہے اور جو دعا مغفرت میت کی کرتا ہے تو اس کا وقت دوسرا ہے بعد حضور طعام کے یہ اس کا
محل نہیں، جیسا اب آتا ہے بہرحال فخر عالمؐ کا فعل تو ضرور ہے، اور یہ قول آکلین صدقہ کا نحو سو قیاس خود لغو ٹھیرا کہ مع الفارق ہو دعا
یہ کر دعا فخر عالم کی زیادہ ہو جانے کی اور ازالہ نقصان قدر طعام کی تھی اور یہ دعا مثل اصلاح ظاہر کے ہے کہ ہم لوگ ہاتھ سے اصلاح ظاہر اور
ازالہ فساد و نقصان کرتے ہیں اور فخر عالمؐ نے اصلاح دنقصان ذاتی طعام کی اپنے کلام سے فرمائی یعنی یہ فعل مزیل نقصان تھا اور فاتحہ میں افساد و
طعام ہے کہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور آکلین اور قاری دونوں کی شہوۃ متعلق طعام سے ہے تو گویا افساد خلوص اور نیت آکلین کا بھی ہے لہذا فعل مصلح
کو مقیس علیہ فعل مفسد کا بنانا فہم مؤلف کا ہی ہے اور کوئی اہل علم ایسی لغویات نہ کہے گا، تیسرے فخر عالم علیہ السلام نے دعا برکت فرمائی یہاں
قرآن پڑھتے ہیں قرآن عبادت ہے کہ طعام کے آنے کے بعد مکروہ ہے عبادت کا خشوع جاتا رہتا ہے اور طعام کا نقصان، اور تعظیم طعام
کے یہ امر خلاف ہے مسلم نے روایت کیا لا صلوٰۃ بحضرۃ الطعام۔ الحدیث، اور ادب طعام میں ہے کہ بعد روٹی آنے کے انتظار سالن
کا بھی نہ کرے، چنانچہ احیاء العلوم وغیرہ میں مذکور ہے، چوتھے یہ کہ وہ طعام کھانے کے واسطے نہیں تھا بلکہ بڑھانے کے واسطے تھا تو اب تک
اس کے کھانے کا وقت نہ آیا تھا جب آپؐ دعا کر کے فارغ ہوئے، تو وقت کھانے کا ہوا اور بعض معجزات میں محض زیادہ ہونے کے بعد اٹھا
رکھنا منظور تھا خلاف فاتحہ کے کہ اس وقت کھانا کا ہے اب دوسرے کام میں لگنا مناسب نہیں پس فاتحہ کو قیاس مع الفارق ان احادیث پر
کرنا محض فہم و علم سے عاری ہے ایصال ثواب کا اثبات تھا، زیادہ طعام کا مسئلہ پیش کیا پھر سب کے بعد یہ فعل مباح ہوا مگر فعل مندوب
میں بھی جب مشابہت عارض ہو جاتی ہے یا تعین و تاکد کی بدعت حادثہ ہو جاتی ہے تو وہ مندوب نہیں رہتا غیر مشروع ہو جاتا ہے
ثواب کہ یہاں یہ امور غیر مشروع موجود ہیں تو باوصف تسلیم مذہب کے بھی مؤلف کو ہم قائل ہو جاوے گا، غرض فہم کلام سے مؤلف کو
مناسبت کم ہے ہاں اگر قبل طعام کے آنے کے یا کھانے کے بعد کوئی بخوشی ثواب میت کو پڑھ کر پہنچا دیوے بشرطیکہ اس میں تاکد نہ ہو تو کوئی منع
نہیں کرتا یہ کیوں کیا جاوے کہ طعام سامنے رکھ کر قراۃ و دعا شروع اور عجیب اور حیلہ ناقص بدعت لکھتے ہیں کہ ثواب ایصال ذکر و طعام
مستحسن ہے اور مؤلف کا غزوہ تبوک کے واقعہ میں کہ اس پر لاکھ آدمی گواہ ہیں یہ ہذیان غیر مفید ہے کیونکہ اگر کروڑ آدمی کے روبرو یہ قصہ ہوا
مگر راوی واحد نے بیان کیا جب بھی خبر واحد ہی رہے گی متواتر نہ ہووے گی سو یہ گواہی مؤلف کی کیا مفید ہوئی اور جو لاکھ کی گواہی ہے

ل یعنی جب کھانا سامنے آوے نماز نہ پڑھنی چاہیے ۱۲ منہ

ل بھوکے سے صدقہ کھانے والے ۲ نقصان کو ختم کرنیوالا ۱۲ بحواس ۳ جس کا بیان کرنیوالے اتنی تعداد میں ہوں کہ ان کے جھوٹ پر متفق ہونیکا خیال بعید ہو سکے ۱۲

صلوات نہ سنائیں ع مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں تنبیہ۔ ہاں اگر کوئی کم فہم عوام میں ایسا ہو کہ ثواب عبادت مالی کو یوں سمجھے کہ بغیر
فاتحہ پڑھے نہیں پہنچے گا اس عقیدہ کو بد کہنا چاہیئے، اور اس کو زجر و توبیخ کرنا چاہیئے، کیوں کہ اس نے حکم اطلاق نصوص میں فرمان مصطفیٰ
علیہ افضل التحیہ والسلام مقید کر دیا، لیکن برتاؤ آمد لوگوں کا دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ ان کا نہیں اس لئے کہ جب میت کی طرف
سے کچھ کپڑا یا روپیہ مسجد یا مدرسہ میں دیتے ہیں تو فاتحہ پڑھ کر نہیں دیتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ انکا یہی ہے کہ ثواب عبادت مالی کا بدون فاتحہ
کے پہنچ جاتا ہے اسی طرح جب ختم قرآن شریف یا قل ہو اللہ وغیرہ پڑھ کر میت کو بخشتے ہیں، یا قبرستان میں جا کر اس پر فاتحہ پڑھتے ہیں
اس صورت میں یہ لازم نہیں پکڑتے، کہ اس وقت میں کچھ صدقہ بھی ضرور چاہیئے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک ثواب عبادت بدنی
کا بدون عبادت مالی کے پہنچ جاتا ہے جب عقیدہ یہ ٹھیرا تو ان کے حق میں کچھ مضر نہیں فاتحہ پڑھنا، بعض سور مثلاً طعام و تقسیم شیرینی

تک تواتر اً ثابت ہو جاوے تو بھی اسی قدر مضمون مذہب کا رہیگا جو قطعی الثبوت ہو گیا ---- سو اس سے بھی جواز فاتحہ کا
ثابت نہ ہو گا ہاں فعل فخر عالم علیہ السلام کا قطعی الثبوت ہو جاوے گا جس کا حاصل ندب ہے مگر مؤلف کی قسمت میں وہی کم فہمی سے محرومی[1]
ثبوت اس کے مدعا کا حاصل رہیگا اب یہ بھی یاد رہے کہ مؤلف اقط ترجمہ وہی کرتا ہے اگرچہ خطائیں اس کی بہت ہیں مگر ترجمہ حدیث
کی خطا بتانی ضروری ہے، اقط بیر کو کہتے ہیں نہ دہی کو اوپر سے معلوم ہوا کہ دعا فخر عالم علیہ السلام کی ضروری تھی اور فاتحہ کی دعا لغو اور
لغو کا ترک مناسب ہے والذین ہم عن اللغو معرضون، حق تعالیٰ مدح میں فرماتا ہے پس قول مؤلف کا کہ ہمارے واسطے جو دعا ضروری
ہے، طعام پر وہ کرتے ہیں بالکل لغو ہو گیا محض بے معنے ہیں قولہ تنبیہ الخ اقول الحمد للہ کہ مؤلف کو بہت کچھ اپنا وقت ضائع کر کے
اور کشف اپنی حقیقت علمی کا کر کے تنبہ ہوا کہ اطلاق نصوص کا مقید کرنا ضلالت ہے اور اس عقیدہ پر عوام کو زجر و توبیخ لازم ہے اس سے
معلوم ہوا کہ یہ امر بدعت ضلالہ ہے مگر اپنی عادت سے مجبور پھر انحراف کیا کہ عوام کا یہ عقیدہ معلوم نہیں ہوتا، بہر حال اصل مسئلہ میں
تو مؤلف موافق مانعین کا ہو گیا اب خلاف عقیدہ عوام میں رہا کیہ ہے یا نہیں اس فقرہ نے ساری تحریر مؤلف کی بیہودہ بنا دی کیوں
کہ مؤلف کا جب یہ عقیدہ ہے کہ تقلید مطلق کی بدعت ضلالہ ہے اور یہی مانعین کا عقیدہ ہے تو بس اس کا اثبات کرنا تھا کہ لوگوں کا یہ عقیدہ
نہیں، اس قدر درد سری بیہودہ سے کیا حاصل کیا، بس خیر گذشتہ را صلواۃ: اب مؤلف پر اس کا قول صادق آگیا کہ مخبر کا بھولا شام
کو آیا الخ اب کلام عوام کے عقیدہ میں ہی مانعین کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ ہے اور یہ امر بدیہی ہے مؤلف تحریر کر چکے طلبہ خواص کالانعام کا
گو عقیدہ یہ نہیں، مگر علم در آمد ان کا بھی مثل عوام کے ہے قولہ اس لئے کہ جب کپڑا الخ اقول یہ دلیل بالکل ناتمام سوء فہم سے ناشی ہے اس
واسطے کہ قرآن کو موقوف علیہ طعام کا کوئی نہیں جانتا قرآن کا ثواب عوام کے نزدیک مطلق ہے تو اس میں کلام بھی نہیں اور طعام کا ثواب
موقوف کلام پر جانتے ہیں علیٰ ہٰذا القیاس پارچہ کو بھی مطلق جانتے ہیں، بس جسقدر کو عوام نے مقید کیا اس کو ہی بدعت کہا گیا اور جس کو اپنے
اطلاق پر رکھا اس کو بدعت نہیں کہتے مگر یہ دلیل تو اس وقت مفید ہوتی کہ کسی نے تلازم مالی و بدنی کا جمیع صور میں دعویٰ کیا ہوتا یہ
تلازم خود ہی مؤلف کے شکم سے نکلا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہنود کے یہاں فقط کھانے پر بید پڑھتے ہیں اور کپڑے و نقد وغیرہ
پر نہیں پڑھتے اس سبب سے عوام جہال نے بھی طعام پر کچھ پڑھنا مقرر کیا نہ ہر شے پر، غرض مؤلف کی یہ دلیل کہ جو ثواب قراءت کا موقوف
طعام پر عوام کے نزدیک نہیں، تو اس کا قلب بھی نہیں ہو سکتا کیا عمدہ دلیل ہے حاجت بیان نہیں مؤلف کی منطق خوانی کا نتیجہ ہی ایسا

[1] محرومی سے دانش و بینش سے بیدائشی لازم ہونا۔

وغیرہ میں اسی واسطے بزرگان دین کا اس طریقہ پر عمل رہا ہے عنقریب ہم نقل کریں گے. باقی رہی یہ بات کہ بعضے آدمی جو زیادہ احتیاط کرتے ہیں
کہ رو بقبلہ بیٹھتے ہیں اور مکان پاکیزہ وصاف میں پڑھتے ہیں، سو یہ بات کچھ فرض نہیں بلکہ قسم آداب سے ہے آپ کے مسلم الثبوت علماء کے کلام
میں موجود ہے شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ تعزیہ کے پاس درود فاتحہ پڑھنے کیلئے سوالات عشرہ محرم میں نقل فرماتے ہیں، فاتحہ درود فی نفسہ
درست است لیکن دریں قسم جائے نوحہ بے ادبی می شود زیراکہ نجاست معنوی دارد فاتحہ و درود جائے باید خواند کہ محل پاک باشد از نجاست ظاہری
وباطنی انتہی، اس کلام سے صاف ثابت ہوا کہ فاتحہ پاکیزہ جگہ میں پڑھنی چاہیئے، اور مولوی اسمٰعیل صاحب صراط مستقیم میں موافق تعلیم اپنے
مرشد سید احمد صاحب کے لکھتے ہیں، اول طالب را باید کہ باوضو دو زانو بطور نماز نشیند و فاتحہ بنام اکابر ایں طریقہ یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری
وحضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما خواندہ التجا بجناب حضرت ایزد پاک بتوسط ایں بزرگان نماید الی آخرہ۔ مکان پاک میں روبقبلہ
ہو کر فاتحہ پڑھنا، آداب کے موافق ان بزرگوں کے کلام سے جن کو تم مستند جانتے ہو ثابت ہو گیا اب کوئی یہ کہے کہ فاتحہ یعنی الحمد کو مقامات ایصال
ثواب میں کیوں اختیار کیا ہے جواب اس کا یہ ہے کہ الحمد کو فضیلت بڑی ہے کل سورتوں پر، سیرت حلبی اور تفسیر عزیزی میں ہے، کہ اگر
فاتحہ کو ایک پلہ ترازو میں رکھیں اور تمام قرآن دوسرے پلہ میں تو فاتحہ یعنی الحمد غالب آوے گی سات حصہ، اور تفسیر روح البیان میں ہے جس
نے پڑھی الحمد دیگا اسکو اللہ تعالیٰ ثواب گویا اس نے قرآن پڑھا، اور گویا اس نے صدقہ کیا کل مومنین اور مومنات پر انتہیٰ، اسی لئے اہل اسلام میں
یہ رسم پڑگئی کہ جب کوئی اپنی میت کیلئے کچھ کھانا یا شیرینی دیتا ہے تو الحمد پڑھ دیتا ہے اس کے پڑھنے سے یہ اجر ہوتا ہے گویا جمیع مومنین و
مومنات پر صدقہ دیا خدا کی قدرت ہے اصحاب فاتحہ تو کس کس درجات کو پہنچ رہے ہیں، اور منکرین اس فعل پر غیظ کھا کر کیا کیا خاک اڑاتے ہیں

ہو گئی میں پڑھا تھا کہ مقدمہ کا عکس لازم ہوتا ہے مؤلف نے اس قاعدہ کو ثواب عبادت و مالی و بدنی کا مقدمہ بنا کر اس پر جاری کر دیا لاحول
ولا قوۃ الا باللہ اس تقریر پر کے بھی ہنستے ہیں، اور بزرگان دین کا یہ طریقہ نہیں، ہاں مؤلف کے بزرگان مبتدعین کا ہو گا **قولہ** باقی رہی
یہ بات کہ بعض جو زیادہ الخ **اقول**، ہر گاہ یہ فاتحہ خوانی سرے سے بدعت ہو گئی تو بحث توجہ قبلہ اور نظافت مکان کی خود لغو ہو گئی اور مسلمان
کو ہر حال توجہ قبلہ و نظافت مستحسن ہے اس کے جواب کی حاجت نہیں، اور مؤلف کے مدعا کو ہرگز مفید نہیں کہ کلام اس میں ہے کہ طعام کا
شراب رو برو رکھ کر مروجہ قراءۃ جس ہیئت کا سوال سائل کرتا ہے، کیسا ہے سو ثابت ہو گیا کہ مکروہ بدعت ہے اور شاہ عبد العزیز کے
سوالات عشرہ کو اگر تسلیم کیا جاوے کہ ان کے ہی ہیں تو وہ فاتحہ درود کو فی نفسہ درست لکھتے ہیں نہ طعام آگے رکھ کر کہ جس کی بحث ہے اور
نجاست معنوی بدعت کی جگہ پڑھنے کو بے ادبی فرماتے ہیں، اور بے ادبی قرآن کی حرام ہے اس سے ثابت ہوا کہ بدعت کے محل پر قرآن پڑھنا
حرام ہے، یہاں فاتحہ مروجہ میں بھی باعتراف مؤلف بدعت موجود ہے کہ تقیید مطلق نص کا یہاں موجود ہے اور تشبہ ہنود کا بھی ظاہر
ہے پس قیاس اس کلام کا حرمۃ اس فعل کو تقاضہ کرتا ہے مگر مؤلف بے خبر ہے علیٰ ہذا صراط مستقیم میں ذکر تقرب الی اللہ کا ہے اسمیں
نظافت ضروری ہے اور فاتحہ سے مراد ایصال ثواب بروح صاحب طریقت ہے اور یہ دونوں امر نظافت طلب ہیں مگر طعام سامنے
رکھ کر فاتحہ پڑھنا کہ بدعت ہے اور نجاست معنوی ہے اس کو اس سے کچھ مناسبت نہیں یہ محض کم فہمی مؤلف کی ہے، علیٰ ہذا تعیین قراءۃ
فاتحہ لایصال الثواب مکروہ ہے ہر چند کسی نے ہمیشہ غرض مذکور مؤلف کی فاتحہ کو اختیار کیا ہو مگر اب اسی وجہ سے زجر و توبیخ لازم ہے

سے پاکیزگی نہ ایصال ثواب کیلئے قراءۃ فاتحہ کی تعیین نہ اللہ تعالیٰ کا قرب نہ اسی غرض سے۔۔

بیاع ہر کس سد بد انچہ نصیبش نوشتہ اند، اب رہا مسئلہ ہاتھ اٹھانے کا سو جواب اس کا یہ ہے کہ فاتحہ میں دعا بھی کیجاتی ہے اور خود الحمد شریف بھی من وجہ دعا ہے، اس کی تعریف میں لکھتے ہیں ھی دعاء وقرآن وصلوٰۃ جب یہ الحمد من وجہ دعا ہوئی اور اس کے سوا اور بھی دعا اس وقت کیجاتی ہے اور وقت دعا جو کہ خارج نماز سے کیجاتی ہے اسمیں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے حصن حصین میں ہے ادب الدعاء بسط الیدین ت مس ورفعہما یعنی دعا کے آداب میں یہ ہے پھیلانا دونوں ہاتھوں کا روایت کیا اسکو ترمذی اور حاکم نے اور اٹھانا دونوں ہاتھوں کا روایت کی یہ چھیوں محدثوں مصنف صحاح ستہ کے نے اور مشکوٰۃ میں حکم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا مرقوم ہے اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم اور نیز مشکوٰۃ میں حدیث رسول ہے صلے اللہ علیہ وسلم ان ربکم حی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردہ صفرا، پس چونکہ فاتحہ میت کی امداد ہے اس لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالی بموجب مضمون حدیث شریف کے ان ہاتھوں کو خالی نہ پھیرے بلکہ مراد سے بھر دے اور مسائل اربعین میں مولوی اسحاق صاحب نے مسئلہ سی و دوم کے جواب میں کہ تعزیت میت میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا

جس کو مؤلف اپنے منہ سے بول اٹھا ہے دعفی المومنین انتقال اور یہ ایک دلیل بدعت ہونے فاتحہ مرسومہ در سیوم وچہلم وغیرہ کی ہے کہ مؤلف اسکا[۱] مقر ہے یاد رکھنا اس کا ضرور ہے **قولہ** اب رہا مسئلہ ہاتھ اٹھانے کا الخ **اقول** پہلے بھی لکھا گیا کہ مؤلف کو کہیں فہم مطلب نصیب نہیں اپنی تقریر بانکنے سے کام ہے فرادی فرادی امور میں کلام کرتا ہے اس غرض سے کہ اگر اجزاء جائز ہو ویں گے تو مجموعہ بھی درست ہو جاوے گا اور یہ امر باطل ہو چکا ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ یہ محل دعا کا نہیں طعام سامنے رکھ کر دعاء ایصال تو لغو ہے: ور دعا مغفرت کا موقع نہیں کہ خلاف ادب طعام کے ہے اور خشوع کھانیوالوں کا رفع ہوتا ہے اور پھر سائل فاتحہ خوانی میں ہاتھ اٹھانے کو پوچھتا ہے، پس اگر فاتحہ بہ نیت قرآن ایصال ثواب کیواسطے پڑھتے ہیں تو قرآن کو ہاتھ اٹھا کر پڑھنا کہیں شرع میں وارد نہیں رکوع وسجود میں قرآن کو پڑھنا مکروہ لکھا ہے کہ نہانی ان اقرء راکعا او ساجدا الحدیث، پس چونکہ رکوع وسجود حالت ذلت وعجز بندہ کی ہے، اس وقت میں قرآن مکروہ ہوا، نظر بر آں اگر حالت دست برداشتن میں بھی مکروہ ہو تو لایق ہے کہ حالت ذلت ہے، قطع نظر اس کے ورود شرع کا اس طرح نہیں، لہذا بدعت ہے اور اگر فاتحہ بہ نیت دعا پڑھی جاتی ہے تو قرآن نہیں اسی واسطے جنب کو بہ نیت دعا فاتحہ پڑھنا فقہ میں درست لکھا ہے اور فاتحہ میں جو دعا ہے وہ پڑھنے والے کے حق میں ہے نہ میت کے حق میں سبحان اللہ دعا تو میت کے واسطے کرتا تھا اپنے واسطے کرنے لگا، یہ خبط عقل کا نہ معلوم کسکی ہوئی، مانگنے والے کی یا مؤلف کی دعوی تو یہ کہ مردہ کے واسطے دعا کرتے ہیں اور اثبات یہ کہ کھانیوالا اپنے واسطے ہدایت راہ مستقیم کی مانگتا ہے سبحان اللہ، اور اول میں یہ لکھ آیا کہ فاتحہ درود پڑھ کر دعاء ایصال ثواب مانگتے ہیں غرض اس خبط کلام کو دیکھنا لازم ہے سب کے بعد یہ کہ سب جگہ ہاتھ اٹھانے دعا میں بھی مستحب نہیں، جیسا مؤلف لکھتا ہے بلکہ جہاں ہاتھ اٹھانے ثابت ہوئے وہاں مستحب ہے اور جہاں کچھ ثابت نہ ہوا وہاں بھی مستحب اور جس جگہ عدم رفع ثابت ہوا وہاں مکروہ، علی قاری شرح حصن حصین میں لکھتے ہیں کہ یہ رفع وہاں مستحب ہے کہ فخر عالم علیہ السلام سے وہاں رفع ثابت ہوا ہو ورنہ مکروہ ہوگا اور شرح مناسک میں لکھتے ہیں کہ ولا یرفع یدیہ عند رؤیۃ البیت ای وحال دعائہ لعدم ذکرہ فی المشاہیر وکلام الطحاوی صریح فی انہ یکرہ الرفع عند علمائنا الثلثۃ ونقل عن جابر انہ فعل الیہود انتہی پھر بعد نقل قول اس کے کہ جس نے یہاں رفع یدین کو مستحب کہا ہے لکھتے ہیں کانہما اعتمدا علی مطلق آداب الدعاء لکن السنۃ متبعۃ فی الاحوال المختلفۃ اما تری انہ علیہ السلام دعی فی الطواف ولم یرفع یدیہ انتہی، پس یہ کلیہ مؤلف کا تو باطل ہو گیا پس استحباب رفع یدین وہیں ہے جہاں فخر

[۱] اقرار کرنے والا ۔۔

جائز ہے با نہیں رقم فرمایا ہے، اما دست برداشتن برائے دعا وقت تعزیت ظاہر اجواز است زیراکہ در حدیث شریف رفع یدین در دعا مطلقاً ثابت شدہ، پس در یں وقت ہم مضائقہ ندارد ولیکن تخصیص آں برائے دعا وقت تعزیت ماثور نیست انتہی، دیکھئے یہ بات تسلیم کرکے کہ اس ہیئت خاص ہو منقول نہیں ہی حکم دیا تھا کہ ہاتھ اٹھانا کچھ مضائقہ نہیں، کیوں کہ مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ خاص وقت فاتحہ ہیئت کی اگرچہ کوئی روایت ماثور نہ ہو لیکن جب حدیثوں میں مطلق دعا کیلئے ہاتھ اٹھانا آیا ہے تو اس فاتحہ میں بھی ثابت ہو گیا کیوں کہ یہ بھی دعا ہے اب دیکھئے مفتیان فتوی انکاری کوئی اس فاتحہ مذکورہ کو کہتا ہے کہ مخترعات ناپسند شرعیہ سے ہے اور کوئی رسم ہنود لکھتا ہے افسوس افسوس جس چیز کے اصول احادیث شرعیہ سے نکلتے ہوں اس کو حرام یا رسم ہنود یا ضلالت کہنا ان ہی با انصاف آدمیوں کا کام ہے پہلے صلحاء و علماء تو اس کو مسلم کہتے آئے ہیں مولانا عبداللہ گجراتی جو بڑے عالم صالح متقی ہم عصر شیخ عبدالحق دہلوی کے تھے، وصیت نامہ میں لکھتے ہیں

عالم علیہ السلام سے ثابت ہو گیا، پس وہ تمین حدیث مؤلف کی منقولہ طعام پر دعا کرنے کے باب میں دیکھو اس میں رفع یدین - - - - - -

- - - - - - پس مؤلف کو لازم ہے کہ یہاں بھی رفع یدین کو مکروہ خلاف سنت جانے کہ یہ محل دعا کا ہی نہیں چہ جائیکہ رفع ہے بعد دعا دخول خانہ میں اور لباس پہننے میں اور خروج خلاء اور نوم کی حالت میں، اور دیگر بہت مواقع ہیں کہ رفع یدین وہاں ثابت نہیں اور دعوات کا پڑھنا ثابت ہے تو سب جگہ یہاں رفع یدین مکروہ ہوگا، مگر مؤلف کو ابھی خبر نہیں ہوئی پڑھ کر خبردار ہو دیں گے پس آپ کو کسی روایات حصن حصین و مشکوۃ کچھ مفید نہیں یہ اب محل رفع میں ہو نہ غیر اس محل میں، اور نہ روایات کلیہ قطعیہ تھی، مگر مؤلف کو فہم پر پردہ ہے، علی ہذا روایت حصین کی، کیوں کہ اسمیں بھی وقت دعا کے رفع مطلقاً ذکر کیا ہے نہ ہر جگہ اور پھر تخصیص کو دعا تعزیت میں غیر ماثور لکھدیا ہے، پس مؤلف کا کیا مدعا اس سے نکلتا ہے کہ یہاں تخصیص بھی ہو اور عدم رفع بھی یہاں ثابت ہے اور خود خبط العشواء بھی مؤلف کا موجود ہے کہ کہیں فاتحہ میں ہاتھ اٹھانا کہتا ہے، کہیں بعد فاتحہ کے کہیں کچھ عقل قائم نہیں رد محتار میں ہے دعاء الحنفیۃ مایفعلہ فی نفسہ قال شارح المنیۃ لیس فیہا رفع الایدی فی الدعاء رفع اعلانا انتہی، اور یہاں دعا ایصال ثواب میں دعا حفیہ ہے کہ دل میں غرض ایصال ثواب کی ہو، یعنی اگر فقیر بدعوم گے یا کھانے کے فاتحہ یا کچھ قرآن پڑھ کر ثواب میت کو پہنچاوے تو دل سے نیت ایصال ثواب کی کرے اور طعام کو ایصال کی نیت بھی لغو ہے کیوں کہ اس نیت صاحب طعام کر چکا ہے یہ کون ہے، پس دعوی کلیہ رفع یدین کا مؤلف کا باطل ہوا اور اس محل میں رفع یدین کا نہ ہونا ثابت ہو گیا، اور ایصال کو اس سے مقید کرنا محقق، پس حسب اعتراض مؤلف کی بدعت ضالہ ہوا اور تشبہ ہنود کا بھی اس میں مقرر ہے کیوں کہ تمام ہنود میں رسم ہے اور ان کا یہ شعار ہے کہ طعام پر وید پڑھواتے ہیں، جس کا دل چاہے ہنود کی تحقیق کیلئے مولوی عبداللہ اپنے تحفۃ الہنود میں لکھتے ہیں کہ ہر سال جس تاریخ میں کوئی مرا اس ہی تاریخ ثواب پہنچاتے ہیں اور اس کو ضرور جانتے ہیں اور پنڈت اس کھانے پر وید پڑھتا ہے انتہی،،

عبارات مؤلف موسومہ جواز فاتحہ مروجہ کسی سے فاتحہ مروجہ ثابت نہیں ہوتی | پس اب بدعت ہونا اور مکروہ ہونا اس فاتحہ مروجہ کا ثابت منصوص ہے پس مفتیان دیندار اگر اس کو مخترع ناپسندیدہ شرعیہ کہیں، یا رسم ہنود کہیں بہت بجا اور حق ہے کہ اصول نصوص سے اس کی مذمت ثابت ہے قولہ مولوی عبداللہ گجراتی الخ اقول، بعد ثبوت منع کے کلیات نصوص سے اگر مولوی عبداللہ گجراتی اور جامع الاوراد اس کو جائز لکھیں تو قابل اعتبار نہیں اور ہم کو ان کے قول کی توثیق کی حاجت نہیں معہذا یہ تاویل کر سکتے ہیں کہ یہ تخصیصات و تعینات رسوم صالحہ اس وقت تک ہیں کہ التزام اس کا نہ ہو اور عوام کے قلوب میں رسوخ کا اندیشہ نہ ہو، کبھی کبھی ترک بھی کر دیا کریں کیوں کہ جب مستحب - - -

یقینی کے غیر منقول کے ہلکی آواز سے رونے کی اٹھانے کے ایجاد کردہ کے اعتماد کرنا

تخصیصات دراوضاع تراکیب ماکولات وتعنیات درمفردات بفاتحہ ونیاز ہائے بزرگان ازرسوم صالحہ ہست تھی، اور جامع الاوراد میں ہے، اگر بر طعام فاتحہ کردہ بفقرا دہد البتہ ثواب می رسد، اور اسی جامع الاوراد میں ہے، چوں قرآن ختم کند اول پنج آیت خوانده دست برائے فاتحہ بردارد وثواب ختم بارواح ہر کہ خواہد بطفیل آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بخشد، یہ وصیت نامہ اور جامع الاوراد کی عبارتیں صمصام قادری میں ہیں اور زبدۃ النصائح مطبوعہ مطبع محمدی جو ۱۲۶۷ھ کی مطبوعہ ہے اس میں مولانا برہان الدین مرحوم کی یہ عبارت صفحہ ۵۶ پر موجود ہے، ہمیں ست مضمون فاتحہ مرسومہ پس ثواب درود والحمد وقل ہم ثواب بذل طعام منظور بروح آں جناب خواہد رسید، اب اس فرقہ کے بزرگواروں کا احوال سنیئے! مجموعہ زبدۃ النصائح میں صفحہ ۱۳۲ پر استفتار شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مرقوم ہے، سائل نے سوال کیا تھا کہ کسی کے نام کا مرغا یا بکرا ذبح کیا ہوا درست ہے یا نہیں اور ملیدہ یا شیر برنج وغیرہ نیاز اولیا رکا درست ہے یا نہیں، شاہ ولی صاحبؒ نے اس کے جواب میں ذبیحہ کو حرام فرمایا، اور ملیدہ شیر برنج کی نسبت یہ الفاظ لکھے، اگر ملیدہ وشیر برنج بنابر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند وبخورانند مضائقہ نیست وطعام نذر اللہ اغنیا را خوردن حلال نیست واگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیا را ہم خوردن جائز است انتہیٰ کلامہ، دیکھئے کھانے پر فاتحہ دینا خاص فتویٰ شاہ ولی اللہ سے ثابت ہے اور نیز شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیا راللہ میں فرماتے ہیں، "پس دہ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند وبر قدرے شیرینی وفاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند وحاجت از خدائے تعالیٰ سوال نمایند الیٰ آخرہ، جائز اور مباح ہونا کیا اور بات ہے یہاں تو امر فرماتے ہیں کہ اس طرح پڑھیں اور اس سے زیادہ کیا سند ہوگی، اور شاہ عبدالعزیز صاحب سوالات عشرہ محرم کے جواب سوال نہم میں کہ کھانا ان چیزوں کا

بھی ان وجوہ سے مکروہ ہوجاتا ہے تو رسوم صالحہ مردم کی بطریق اولیٰ مکروہ ہوجاویں گی، پس مؤلف کو اس سے کوئی مدد نہیں ملتی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی عبارت سے بدعت ہونا فاتحہ کا ثابت ہوتا ہے الخ، جامع الاوراد کا کہنا اگر بر طعام فاتحہ کردہ الخ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگرچہ یہ طریقہ ایصال کا بدعت ہو مگر بشرط نیت صالحہ کے ثواب پہنچ جاتا ہے اگرچہ اس فعل کی معصیت بھی ہوتی ہو دوسری روایت جامع الاوراد کی میں یہ وضع بوجہ اباحت کے لکھی ہوگی اور ہر گاہ کہ عوام اس کو مستحب جاننے لگیں، ہم جانیکہ مؤکد اس وقت بدعت ہو جاوے بہر حال مؤلف کسی وجہ سے معین نہیں، اولاً ثبوت میں ان روایت کے کلام ہے کہ غلط ہے یا صحیح، دوسرے نصوص کے مقابلہ میں قابل التفات نہیں، تیسرے تاویل کی گنجائش ہے کہ مدعی مؤلف میں ظاہر ونص نہیں، پس ایسی روایات سے کیا فائدہ ہوتا ہے صحاح ظواہر کو چھوڑ کر متشابہ غیر معتبرات پر ہاتھ ڈالنا نہایت عجز اور بیدوپائی کی بات ہے، مؤلف مولوی امیر باز خاں کو رسم سفتی تلقین کرتا تھا آپ اس پر عمل نہیں کرتے کہ ایسے تار عنکبوت سے پناہ پکڑتا ہے بہر حال مؤلف کا فقط کاغذ سیاہ کرنے کے کچھ نفع نہیں ہوا اور مانعین کو ان عبارات سے کچھ حرج نہیں ہے وہ اس عمل کے بدعت ہونے کے قائل ہیں نہ کہ ایسی صورت میں منکر وصول ثواب کے مگر مؤلف کو کچھ خبر نہیں کہ کیا ہے مؤلف قائل ہو چکا ہے کہ حکم مقید کا قید پر راجع ہوتا ہے پس اصل ایصال درست اور قیود وبدعت علیٰ ہذا مولوی برہان الدین کا قول اگر بمقابلہ نصوص مؤلف کے نزدیک معتبر ہے تو اس میں وصول ثواب کا اثبات ہے نہ رفع بدعت کا اور شاہ ولی اللہ صاحب کے کلام میں یہ فقرہ اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد، خود معلوم ہو لیا کہ فاتحہ دادن کے معنی ایصال ثواب کے ہوتے ہیں مجاز متعارف کے طور پر یا عرف عام کی وضع پر علیٰ ہذا عبارت انتباہ میں مگر مؤلف پر آفریں ہے کہ ان عبارات میں کہیں بھی طعام روبرو رکھ کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ کا پڑھنا نہیں نکلتا ہے، فقط مؤلف

لہ تاکید شدہ، سلہ کمزوری ملہ لفظ کو معنی غیر موضوع میں استعمال کرنا سلہ تمام اصطلاح ۱۲

جو نذر و نیاز تعزیہ کے سامنے رکھکر فاتحہ پڑھتے ہیں کیسا ہے، لکھتے ہیں، طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و براں فاتحہ و قل و درود خوانند تبرک میشود خوردن آں بسیار خوب است۔ لیکن بہ سبب بردن طعام پیش تعزیہ با دنہادن آں طعام پیش تعزیہ با تمام شب تشبہ بکفار و بت پرستاں می شود پس از زب جہت کراہت پیدای کند واللہ اعلم، دیکھئے کھانے کے اوپر فاتحہ کا پڑھنا شاہ صاحب کے کلام میں صاف لکھا ہے۔ واضح ہو کہ سب سے زیادہ فاتحہ وغیرہ منع کرنے میں مولوی اسماعیل صاحب شہید ہیں حال ان کا یہ ہے کہ وہ تاریخ اور دن کی پابندی کو منع کرتے ہیں، اور اس پر بھی کبھی آیت یا حدیث سے ممانعت نہیں کرتے فقط بعض مصلحتیں بیان کرتے ہیں چنانچہ مقالات تعین تاریخ بستم چہلم وغیرہ میں ہم ان کی عبارت لکھیں گے لیکن کھانے کے ساتھ فاتحہ پڑھنے کو وہ بھی منع نہیں کرتے، صراط مستقیم میں لکھتے ہیں، و پندارند کہ نفع رسانیدن باموات با طعام و فاتحہ خوانی خوب نیست، چہ ایں معنی بہتر و افضل است الی آخرہ، ان عبارات منقولہ بزرگان سے اثبات فاتحہ مرسومہ کا اہل عقل و انصاف کے نزدیک صاف ثابت ہو گیا، اب اگر بعضے صاحب منکرین ہیں سو زبردستی الزام دیں فاتحہ کرنیوالوں کو کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہی ہے کہ ثواب کھانے کا بے فاتحہ نہیں پہنچتا، اور فاتحہ اور پنج آیت وغیرہ پڑھنے کو یہ لوگ یوں نہیں جانتے کہ یہ امر خیر ہے اور ثواب کی بات ہے، بلکہ اس کو

میں ایک نقشہ جم رہا ہے اپنے خیال کی لوح سے نقل کرتا ہے اور فرط حب بدعت سے نہ چشم عبرت ہے نہ حیا و تنبہ، اگر فاتحہ کا پڑھنا بھی مسلم ہوتا ... رفع یدین و طعام کا سامنے رکھکر پڑھنا جس کو کلام میں سرگردانی ہو رہی ہو ہرگز بھی نہیں نکلتا، جس کو سائل پوچھتا ہے اور مطلق بدعت کہتا ہے ... کے اثبات سنت میں مؤلف کمر باندھے ہوئے ہے ڈھیلے بھتیر جمع کر باہر، دعویٰ کچھ، دلیل کچھ، شرم ندارد، اور سوالات عشرہ کے جواب شاہ عبدالعزیز کی طرف سے ہوتے ہیں کلام ہے، اگر ان کے ہی ہیں تو یہ تصرف ہوا ہے کہ طعام نیاز کل فاتحہ پڑھنے سے تصرف ہو جاتا ہے، یہ قول ہرگز صحیح نہیں، زکوٰۃ کہ اعلیٰ درجہ کا صدقہ فرض ہو وہ بھی تبرک نہیں ہوتا، اور کوئی صدقہ تبرک نہیں بنتا، سب نیاز ما بین کہ وہ بھی صدقہ ہو کس طرح تبرک بن گیا، بلکہ سب صدقات کو اوساخ الناس حدیث میں فرمایا ہے کہ بنی ہاشم کو منع ہوئی، اور جو قرآن پڑھے جانے سے تبرک ہوا ہے تو چاہیئے ... گھر میں کوئی قرآن پڑھے، سارے گھر کا طعام تبرک ہو جایا کرے، بہر حال یہ بہتان شاہ عبدالعزیز صاحب پر ہے، اور خلاف حدیث و ... ہرگز صحیح نہیں، مؤلف کو تنگی ہو رہی ہے کہ ایسی روایات سے اثبات مدعا ہے، سبحان اللہ، مگر درست ہو، اس کا مبلغ علم اتنا ہی ہے ... مشہور ہے کہ الغریق یتعلق بکل حشیش، علیٰ ہذا صراط مستقیم میں نفع رسانی اموات باطعام و فاتحہ خوانی ہے، اس سے جمع کرنا دونوں کا ایک ... میں یا طعام روبرو یا قرأت کی حالت میں کہاں سے مفہوم ہے وہ مطلق کے واسطے ہوتا ہے اور رفع یدین کس لفظ سے پیدا ہو صراط مستقیم میں اول اس ہیئت کو بدعت فرما کر منع کیا تھا، آخر میں فرمایا، کہ ہمارے اس منع سے ایصال ثواب کا منع کوئی نہ سمجھ لیوے تو اس کو تصریح ... کہ اصل ایصال مالی بدنی سب جائز ہے، بدعات سے منع کرنا ہے، اب قول مؤلف کا کہ اثبات فاتحہ مرسومہ کا اہل عقل و انصاف کے ... ہو گیا، کمال شوخی ہے یا بلادت ہے کیا کہا جاوے، قولہ اگر بعض صاحب زبردستی الخ اقول زبردستی کوئی نہیں کرتا، عوام کا اعتقاد تجربہ ... دیکھ لو اور خواص کا معاملہ مثل واجب کے التزام ہے اور ملامت تارک سے مشاہد ہے آنکھ کھول کر مؤلف ہی دیکھ لیوے اور اقرار اس کا ہر روز ... ہے، مؤلف بھی مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی رشید احمد صاحب پر افترا کر چکا ہے اور اگر فرض کیا جاوے کہ عقیدہ وجوب کا ... پر بدعت و قبیح ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر ابن عباس میں لکھتے ہیں، و درست است کہ نزد عوام طریق ذبح جانور ہرگز ...

... تنکے کا سہارا لیتا ہے نہ علم کی انتہا کے چھوٹا الزام "

فرض و واجب جانتے ہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ منکر لوگ ایسے ایسے زبردستی افترا باندھا کرتے ہیں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جو ہر سال اپنے باپ کا عرس کرتے تھے ان پر مولوی عبدالحکیم پنجابی نے یہ اعتراض لکھا ہے، کہ تم نے عرس کو فرض سمجھ رکھا ہے، سال بسال کرتے ہو اس کا جواب شاہ صاحب موصوف نے لکھا ہے، زبدۃ النصائح مطبوعہ ۱۲۶۳ھ صفحہ ۱۲۷ میں ہے، ایں طعن مبنی است بر جہل احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر فرائض شرعیہ مقررہ را ہیچکس فرض نمی داند آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں بامداد ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آن است کہ آں روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب بعد اس عبارت کے شاہ صاحب نے عرس کی اصلیت احادیث سے ثابت فرمائی ہے درمنثور اور تفسیر کبیر وغیرہ سے عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یاتی قبور الشہداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعۃ ھکذا یفعلون

کہ مقرر است متعین است برائے رسانیدن جان جانور برائے ہر کسے کہ منظور باشد چنانچہ فاتحہ و قل و درود خواندن طریق متعین است برائے رسانیدن ماکولات و مشروبات بارواح الخ، اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ عوام کے نزدیک یہ طریق ایصال کا متعین ہے، سو تقید مطلق سے بدعۃ ضلالۃ ہوا بقول مؤلف بھی اور جب کوئی طریق نہیں سوائے اس کے تو یہ طریق واجب ہوا، مگر یہ بھی اس کو واضح ہوا کہ شاہ عبدالعزیز کے نزدیک یہ طریق ایصال کا بدعت و ناجائز بھی ہے، بس سوالات عشرہ کی تکذیب ظاہر ہوگئی کہ اس میں جواز و تبرک لکھا۔ تھا حالاں کہ یہاں نجاست معنوی بدعت کی باعتراف موجود ہے مؤلف غور سے مطالعہ فرماوے تاکہ اس کی آنکھ کھلجاوے الحاصل عوام کے نزدیک تعین طریق ایصال ہوا بفاتحہ مروجہ شاہ صاحب کی تحقیق سے معلوم ہوا اور حسب اقرار مؤلف یہ قابل زجر و توبیخ کے اور بدعت ضلالہ ہوا اب خواص کو بھی اس کا کام کرنا جس سے عوام کو خرابی ہو دے ممنوع ہوا کہ جب موضوع اضلال عوام کا ہوا وہی مدعا مانعین کا تھا، اور مولوی عبدالحکیم صاحب نے شاہ صاحب پر اعتقاد فرضیۃ عرس کا اعتراض کیا تھا، شاہ صاحب نے اس کا انکار کیا اور ایصال ثواب زیارت قبور کو مستحسن فرمایا، اس میں کسی کو انکار نہیں مگر عوام کو تو بری نہیں کیا بلکہ عوام کا یہ عقیدہ تفسیر عزیزی میں خود فرما دیا، اور بطور التزام کی تعین یوم زیارۃ کو عمداً لکھ کر ایک حدیث لکھدی ہے، گو وہ ضعیف ہو نہ بطور احتجاج و تصحیح اس حدیث پر عمل کی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عجالہ نافعہ میں خود شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ طبقہ رابعہ کی حدیث پر اعتقادیات اور عملیات میں دونوں عمل کرنا درست نہیں ہیں اس روایت در منثور وغیرہ پر کہ طبقہ رابعہ سے ہے کس طرح عمل درست ہو سکتا ہے، حالاں کہ صحیح حدیث لا تتخذوا قبری عیداً اس کی معاند موجود ہے اور مانع عرس کی ہے قال صاحب المجمع لا تجعلوا قبری عیداً ای زیارۃ قبری عیداً او قبری مظہر عید ای لا تجمعوا للزیارۃ اجتماعکم للعید فانہ یوم لھو و سرور و حال الزیارۃ بخلافہ وکان دأب اھل الکتاب فاورثھم القسوۃ ومن عبدۃ الاوثان حتی عبدوا الاموات انتہی، اب دیکھو کہ عرس کو صحیحین نے بالکل حرام کر دیا اور مؤلف بھول گیا کہ صحیحین کے مقابلہ میں نسائی کی روایت کو بحث بدعت میں قابل عمل نہیں کہتا تھا حالاں کہ ...... وہ حدیث صحیح تھی اور معارض بھی نہیں تھی اب اس حدیث شیخین کے مقابلہ میں ضعیف روایت کہ قابل احتجاج بھی ہرگز نہیں کس طرح درست ہو گئی، مؤلف کو واجب ہے کہ اس کو حسب اپنے قاعدے کے رد کر دیوے معہذا قد حدیث مجمل ہے کہ راس حول سے نہ معلوم کیا مراد ہے آیا محرم ہے کہ قدیم عرب میں راس حول تھا، یا ربیع الاول کہ راس سال ہجرت ہے یا شہادت کہ شوال تھا پس مجمل پر عمل درست نہیں، بہر حال شاہ صاحب نے التزاماً یہ روایت نقل کر دی ہے ورنہ ہرگز قابل احتجاج کے نہیں پس اصلیت عرس کی ہرگز

مت بناؤ اپنی قبر کو عید کی طرح جمع ہونا اہل کتاب کی عادت تھی سو اس نے ان کے دل کو سخت کر دیا اور بت پرستوں کی عادت تھی یہاں تک کہ مردوں کو پوجنے لگے ۱۲

(فنتہی) ۔ اس تقریر سے چند باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے عرس کی اصلیت حدیث سے پہچانی یعنی ابن منذر ابن مردویہ ابن جریر کی روایتیں جو در منثور اور تفسیر کبیر سے نقل فرمائی ہیں ان میں یہ بات ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سال بسال شہدائے احد کی قبور پر ہر برس کے سرے پر تشریف لاتے تھے اور اسی طرح بعد آپ کے خلفاء اربعہ کرتے رہے غرضکہ اصلیت عرس کی ثابت ہو گئی اب جو کوئی شاہ صاحبؒ موصوف کے خاندان میں ہو کر اپنے بزرگان کا کلام رد کرے اس کو اختیار ہے ، دوسری بات یہ کہ قبور صالحین کی زیارت موجب برکت ہے تیسری یہ کہ قدیم سے حاسد لوگ بزرگوں پر طعنے دیا کرتے ہیں " اور افترا باندھا کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اس کام کو فرض واجب جان رکھا ہے چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ شاکی ہیں اور فرماتے ہیں ، ایں طعن مبنی است بر جہالت الخ ، بس اسی طرح جو لوگ فاتحہ کرنے والوں پر اور محفل مولد شریف کرنیوالوں اور قیام کرنیوالوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ان چیزوں کو فرض واجب جانتے ہیں اس کا وہی جواب ہے جو شاہ صاحبؒ فرمایا چوتھی ، یہ کہ تفتیش نگاری میں مولوی امیر باز خاں التزام امر مستحب کو حصہ شیطان کا ثابت کرتے ہیں تو کلام شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور ان کے معمول دائمی سے معلوم ہو گیا کہ مستحب کا نباہ دائمی کرنا مستحب ہے ، پانچویں یہ کہ ایک وقت میں جمع بین العبادتین یعنی قرآن اور دعا اور تقسیم شیرینی وطعام کرنا برا نہیں بلکہ مستحسن اور خوب ہے اور خوب بھی کیسا کہ باجماع علماء اب کہیے اجماع علماء اور اتفاق صلحاء کے آگے تم بے پیروں کے اختلاف اور بھوٹ کو کون سنے ، تتمہ ، مولوی یعقوب علی مدرس مدرسہ نظامیہ نے اپنے تمام پیشوایان متقدمین اور متاخرین کے رسائل سے دلائل انتخاب کرکے فاتحہ وغیرہ کی مذمت میں ایک رسالہ لکھا جس کا باعث اول ایک شخص خیر اللہ ہوا تھا اور وہ رسالہ علی مطبع فاروقی میں چھپا اس رسالہ کی تعریف صفحہ اول میں یہ لکھی ہے ، ایسا یہ مسئلہ مدلل اور محقق ہوا کہ آج تک کہیں نہیں چھپا تھا اور نہ دیکھنے میں آیا اور نام اس کا سیف السنۃ رکھا انتہیٰ کلامہ چونکہ تعریف اس رسالہ کی بقول شخصے اپنے منہ میاں مٹھو بہت کچھ لکھی ہے اس میں اندیشہ ابتلائے عوام کا ہے اس لئے میں محرر انوار ساطعہ کا چاہتا ہوں کہ اس سیف السنۃ کے دلائل کا کند ہونا اور بد دیانتی کا زنگ لگا ہونا جو ہر

ثابت نہیں جیسا مؤلف اپنے حکم میں بنائے بیٹھا ہے ، بس قول اس تقریر سے چند باتیں ثابت ہوئیں الخ اقول سب لغو ہو گیا کیونکہ اصلیت عرس کی اس حدیث سے جب ثابت ہوتی کہ یہ حدیث مفسر صحیح ہوتی اور اس کی معارض حدیث نص صحیح نہ ہوتی اور قبور صالحین کی زیارت اس وقت موجب برکت وجائز ہے کہ کوئی محذور شرعی لازم نہ آوے اور التزام مستحب کا بھی بدعت ہے بسبب تقید اطلاق کے بقول مؤلف پس یوم عرس اگر متعین ہوگا وہی محذور اور بدعت لازم آوے گا اور جمع بین العبادتین درست ہے بشرطیکہ اس کی ترکیب سے کوئی ہیئت غیر مشروع نہ پیدا ہو جاوے ، باقی ہزلیات مؤلف کا جواب محقق پہلے ہو چکا ہے ضرورت اعادہ کی نہیں ، اب جو بے پیر اور بے راہ ہے خود معلوم ہو گیا کہ احادیث صحاح کا مخالف اور اپنے قول کا عامل خلاف مجتہدین کے ہو کر جو ہوگا وہ بے پیر بلکہ بے دین ہے فقط قولہ تتمہ الخ اقول ، مولوی یعقوب علی کے پیشوایان کا جواب آج تک کسی اہل بدعت نے نہیں دیا ، مگر مؤلف کی طرح سب وشتم کہ جہلا کا طریق ہے کرتے رہے ہیں اب مؤلف نے تمام اپنے پیشوایان کی ساری عمر کی تحقیقات وتحریرات کا انتخاب کرکے یہ انوار ساطعہ لکھا ہے اور تیس سال کی عمرانی سعی کا خلاصہ اس میں درج کیا ہے ، سو واضح ہو گیا کہ جہل مرکب ہے ، بس فقط ردی رد ہے ، نہ سوال کو سمجھے نہ جواب کو بوجھے دعویٰ کچھ ، دلیل کچھ ، نتیجہ کچھ اور دلائل ایسے بیخ وبن سو ایسے علم پر ناز اور مولوی یعقوب علی پر اعتراض مؤلف کی ہی بے شرمی کا کام ہے اور بس قولہ مولوی مذکور نے بیچ سیف السنۃ کے لکھتے ہیں الخ اقول مؤلف ذرا تو شرم کرے اور سوچے اور معنی شرح منیہ کے سمجھے کہ یہ معنی ہیں کہ قرآن پڑھنے کو میت کیوں سے

ممنوع ہے گالی گلوچ ہے دو عبادتوں کو جمع کرنا ہے بیکار ہے

شناسوں کو دکھلاؤں مولوی مذکور صفہ سیف السنۃ میں لکھتے ہیں، یہ جو کھانا سامنے رکھکر ہاتھ اٹھا کر یا بلا اٹھائے کچھ کلام اللہ بطور فاتحہ پڑھتے ہیں فقہا نے مکروہ لکھا ہے شرح کبیری میں ہے ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن یکرہ یعنی رکھنا کھانے کا وقت قرارۃ کے مکروہ ہے انتہی کلامہ۔ اب اس مقام پر چند باتیں قابل خیال کے ہیں، ایک تو یہ کہ جاہلوں کے بہکانے کے واسطے اتخاذ الطعام کے معنے لکھے رکھنا کھانے کا یہ خلاف لغت عرب کے ہے، رکھنے کو عربی میں وضع کہتے ہیں اور سبحان اللہ تطبیق دلیل مع مدعا دیکھئے کیا خوب ہے دعوی کرتے ہیں کہ سامنے کھانا رکھکر کلام اللہ پڑھنا منع ہے اور دلیل یہ لائے کہ جس وقت قرآن پڑھتے ہوں اس وقت کھانا رکھنا منع ہے دیکھئے دلیل فی نفسہ مسلم ہے یعنی جس وقت آدمی قرآن پڑھتے ہوں، عین حالت قرارت میں ان کے سامنے کھانا لانا اور ان کا دل ہں

لوگ جمع ہوں اور ان کے واسطے طعام تیار کرایا جاوے تو یہ مکروہ ہے پس سنو کہ ہرگاہ عوام کے نزدیک مقرر ہو لیا کہ ضیافت میت میں لوگ اگر قل پنج آیت پڑھتے ہیں اور یہاں بھی اگر پڑھیں گے اور ہونا اس کا ضروری جانتے ہیں تو بداہۃً اہل میت کی نیت طعام کے ساتھ قرآن پڑھنے کی ہوئی اور طعام خوار بھی جانتے ہیں کہ ہم کو وہاں جا کر قرآن پڑھنا ضرور ہے۔ تو اجابت دعوت کے ساتھ قرآن پڑھنے کی نیت مقرر ہوتی ہے پس طرفین میں ضیافت کا ہونا اور قرارۃ قرآن کا ہونا محقق ہو چکا اب میت کے واسطے قرآن خوانی کو بلانا اور جانا اس ضیافت پر صادق آگیا بداہۃً پس اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن یہاں موجود ہے بداہۃً اگرچہ قلیل ہی ہوں سا قرآن نہ ہو کیوں کہ کثرت قلت کا فرق تو مؤلف نے ساقط کر دیا ہے ایک لڈو کو ضیافت کا حکم دے چکا ہے اور فقط فاتحہ کو قرآن کا حکم دیدیا اور درست ہے پس قرآن خوانی کے واسطے اتخاذ طعام ہو گیا

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر تھوڑی سی عقل بھی ہو تو واضح ہے البتہ یہاں دوسری شق بھی شرح منیہ کی موجود ہے اعنی وان اتخذ وللفقراء کان حسنًا۔ بہر حال یہ ضیافت مروجہ مرکب ہوئی دونوں شق سے کہ للفقراء بھی ہے اور لقراءۃ القرآن بھی ہے پس مرکب مباح مکروہ سے مکروہ ہی ہوتا ہے یہ قاعدہ مشہور ہے پس موافق قواعد فقہ کے اور روایت شرح منیہ کے یہ اتخاذ طعام مکروہ ہو گیا مؤلف خوب سمجھ کر غور کر لیوے۔ اب مولوی یعقوب علی کا استدلال سنو کہ ان کی مراد رکھنے سے تیار کرنا اور ٹھہرانا ہے یعنی پکوانا اور یہ محاورہ ہند کا ہے جیسا اتخذا لجہ جو باب ترمذی وغیرہ میں آتا ہے اس کا ترجمہ بال رکھنے کرتے ہیں بہر حال مراد ان کی سامنے آ کل کے رکھنا نہ تھی کہ کوئی لفظ ایسا ترجمہ میں نہیں ہے مؤلف نے زبردستی رکھنے کو سامنے رکھنا سمجھ کر اعتراض کیا ہے خوامخواہ پس یہ کم فہمی مؤلف کی ہے اور اعتراض ہرگز نہیں مؤلف غلط کرنیکا دعوی کرتا ہے اور خود اپنی خبر نہیں کہ کسقدر غلط تراجم اور خیانت نقل عبارات میں کرتا ہے ہم نے خطا ہائے لفظی اس کی نہیں لکھی، بطور الزام کے ایک غلط ترجمہ مؤلف کا بتاتا ہوں کہ صفحہ تیسرے کی پہلی سطر میں الست کاحد منکم کا ترجمہ مؤلف نے لکھا ہے بقولہ یعنی ایک تم میں میری طرح نہیں۔ اور حالاں کہ یہ ترجمہ ہدایت النحو پڑھنے والا بھی نہیں کر سکتا اس کا ترجمہ یہ ہے، کہ میں نہیں ہوں مثل کسی ایک تمہارے کے پس اپنی خبر نہیں دوسروں کو خواہ مخواہ طعن کرتا ہے اور جو تسلیم کیا جاوے کہ سامنے ہی رکھنا ان کی مراد ہے تو بھی استدلال درست ہے اس واسطے کہ درصورتیکہ قرآن خوانوں کو کھانا کھلانا بعد قرارت یا قبل قرارت کے اور ان کے واسطے کھانا پکانا مکروہ ہوا تو عین قرارۃ میں سامنے رکھا ہونا اور اس کو ہی واسطے کھانا پکانا بطریق اولی مکروہ ہوگا۔ بدلالۃ نص پس یہ روایت کھانا رکھکر قرآن پڑھنے پر صاف دلالت کرتی ہے مگر مؤلف کو فہم مطلب سے غرض نہیں، دوسرے یہ کہ جب قرآن پڑھتے ہوئے کھانا لا کر رکھنا مکروہ ہے جس کو مؤلف خود تسلیم کرتا ہے اور اس کی دلیل کو بھی مسلم رکھتا ہے تو بعینہ اسی دلیل سے قبل قرارۃ بھی رکھنا مکروہ ہو گا اس واسطے کہ خشوع کا جانا جیسا وقت قرارت کے طعام رکھنے میں ہے قبل قرارۃ رکھنے میں بھی موجود ہے

لہ جا نداری کے مطابقت۔

مشغول کرنا مکروہ ہے لیکن ان کا دعویٰ اس سے ثابت نہیں ہوتا اور تماشہ یہ کہ دروغ گورا حافظہ نباشد، اتخاذ الطعام کے معنی یہاں سامنے رکھنے کے کرکے پھر تیسری سطر میں جو سوم تیجے ودسویں وغیرہ کو رد کرتے ہیں اتخاذ الطعام کے معنی مقرر کرلینا کھانیکا اور اس سے زیادہ بددیانتی یہ کہ شرح کبیری سے یہ تو فقرہ نقل کردیا۔ لیکن صاحب کبیری نے جو اس پر اعتراض کیا ہے دوسری سطر میں وہ نقل نہ کیا وہ یہ ہے ولایخلو عن نظر لانہ دلیل علی الکراھۃ الی آخرہ یعنی وہی صاحب کبیری شارح منیہ لکھتے ہیں کہ یہ مکروہ کہنا اس کھانیکو بحث سے خالی نہیں اس واسطے کہ کوئی دلیل کراہت پر نہیں الی الی آخرہ۔ اس سے . . . زیادہ خیانت اور دغابازی یہ کہ اسی سطر میں شرح کبیری میں لکھا ہے وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا یعنی اگر تیار کریں کھانا غریبوں کے واسطے اچھی بات ہے صاحب سیف السنۃ نے ایسی سیف اپنی گردن دیانت پر پھیری کہ اس فقرہ کا نام بھی نہیں لیا اور ایسے ہی صلا میں مولوی عبدالحکیم صاحب مرحوم پر افترا کیا ہے کہ انہوں نے تفسیر کے صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے کہ غزوہ تبوک میں حضرت نے کھانا اور فاتحہ پڑھی ہے حالاں کہ یہ سخت بہتان ہے ان کی تفسیر فاتحۃ العلیم کا صفحہ ۱۵ دیکھئے جس کا جی چاہے کہ غزوہ تبوک میں انہوں نے فاتحہ کا نام بھی نہیں لیا فقط یہ لکھا ہے کہ دعا پڑھی، افسوس ہزار افسوس کہ اس سیف السنۃ میں دو مقام پر مولوی عبدالحکیم صاحب کی نسبت القاب بد لکھے حاشیہ صفحہ ۳ میں لکھا ہے کہ اس کی کل تصنیفات دغابازی اور بے ایمانی سے خالی نہیں اور حاشیہ صفحہ ۱۱ میں بھی خراب لفظ لکھے اب سب ارباب انصاف نظر فرمادیں کہ ان کی دغابازی تو ایک بھی ثابت نہیں صرف دعویٰ بے دلیل ہے اور حضرت سیف السنۃ کی ایک

ذاکری کا دل مشغول ہونا دونوں صورت میں موجود ہے بلکہ پہلے سے رکھنے میں زیادہ دیر تک مشغولی ہے سو وہ بالطریق الاولیٰ مکروہ ہوگا پس مدعا اور دلیل تو مطابق ہے، مگر مؤلف کے فہم میں کوتاہی اور مخالفت ہے اور یہ دوسری دلیل کراہت فاتحہ مروجہ کی مؤلف کے اقرار سے ثابت ہوگئی کہ دل ذاکری کا اور جملہ آکلین کا کھانے میں مشغول ہے اور قرآن کا پڑھنا اور سننا کہ دونوں عبادت ہیں ہوجاتا ہے قال المؤلف دلیل توفی نفسہ مسلم ہے کہ جو لوگ قرآن پڑھتے ہوں عین حالت قرات میں ان کے سامنے کھانا لانا اور ان کا دل اس میں مشغول کرنا مکروہ ہے، اب دو دلیل کراہت فاتحہ مروجہ کی مؤلف نے اپنے منہ سے بولدی مگر یہاں پڑھنے میں طعام رکھنے سے دل مشغول ہے اور پہلے سے رکھکر پڑھنا شروع کرنے میں نہ مشغولی ہے یہ کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا، الغرض یہ ترجمہ آپکا مسلم کرکے بھی استدلال میں کوئی عیب ونقصان نہیں مگر ہاں مؤلف کی فہم میں بیشک نقصان ہے بس طعن وتشنیع اور خندہ مؤلف کا اس پر ہی منقلب ہوا اور لغت دانی اور علم وفہم مؤلف کا سب پر واضح ہوگیا، مگر خدشہ لایخلو عن نظر باقی ہے وہ بھی سنو کہ بظاہر یہ خیانت مؤلف کی ہے کیوں کہ مؤلف کو اس مقام ردمختار پر نظر ہے چنانچہ اسی ذیل کی روایت مؤلف اسی جزو رسالہ میں نقل کرتا ہے رد المحتار بعد نقل روایت شرح منیہ کی اور اس کے قول لایخلو عن نظر کے لکھتا ہے فیہ نظر لانہ واقعۃ حال لاعموم لہا مع احتمال سبب خاص بخلاف ما فی حدیث جریر علی انہ بحث فی المنقول فی مذھبنا ومذھب غیرنا کالشافعیۃ والحنابلۃ استدلالا بحدیث جریر المذکور علی الکراھۃ الخ پس ہرگاہ مؤلف کو اس نظر شرح منیہ کا منظور ہونا معلوم تھا پھر بھی دیدہ ودانستہ نقل نہ کیا یہ عین خیانت اور حق پوشی اور خلاف دیانت کی ہے اور جوں کہ نظر شارح منیہ کی لایعبأ بہ ہوئی تو روایت بزازیہ کی سالم ومعتبر رہی مولوی یعقوب علی نے اصل روایت کو نقل کیا اور نظر پر کچھ نظر نہ کی کہ خود منظور فیہ ہے عین دیانت وعلم ہے کہ معتبر روایت کو نقل کرے اور منظور فیہ پر التفات نظر نہ کیا کرے مگر مؤلف اپنے خیالات کو عین دیانت جانتا ہے اور دیانت کو بھی خیانت سے تعبیر کرتا ہے معاذ اللہ قولہ پھر ایسے ہی صلا میں الخ اقول مؤلف اس کو افترا کیوں کہتا ہے فاتحہ کو من وجہ دعا مؤلف بھی کہتا ہے سو بطور عطف تفسیر کے انھوں نے لکھدیا ہے کوئی تو حش کی بات نہیں اور شکوہ بدزبانی کا بھی مناسب نہیں مؤلف نے اپنے استادان

کو لکھنے سے ۲ ترشنا ۳ زباندانی ۴ نظر ستقالی نہیں ۵ اعتراض ۶ غیر معتبر ۷ گھبرانا۔

ہی فقرہ میں کتنی بد دیانتی اور خیانت بھری ہوئی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی دانشمند اس کو دیکھے گا بہت خرابیاں اس میں پاویگا میں نے اس کا انداز اور
چال چلن ایک فقرہ لکھ کر ظاہر کردیا ہے مشتے نمونہ خروارے۔ مجکو بزرگانِ سلف کی دانشمندی اور سچی کلام فرمانے کا کمال اذعان ہو صحیح اعتقاد اور
صحیح تجربہ سے کہتا ہوں کہ یہ بات بزرگوں کی نہایت صحیح ہے المرء یقیس علی نفسہ یعنی آدمی سب کو اپنا سا خیال کرتا ہے پس اسی طرح مولوی
یعقوب علی مذکور نے مولوی عبد الحکیم صاحب کو خطاب اپنے القاب کے موافق دیا ہے اس کا کچھ گلہ نہیں، اب آپ کے تبحر علمی کا حال سنئے، کہ غزوہ
تبوک کی حدیث جسمیں کثرت سے صحابہؓ تھے آپ صفحہ ۱ سیف السنۃ میں اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں، اگر کثرت صحابہؓ تھا تو کیوں یہ حدیث
متروک ہوئی بابا اس عاجز نے کتب صحاح ستہ وغیرہ کا درس دیا ہے اس کا پتہ بھی نہ پایا انتہیٰ کلامہ۔ آپ عالم اور محدث ہونیکا دعویٰ فرماتے
ہیں کہ صحاح ستہ اور اس کے ساتھ وغیرہ بھی پھر وہ بھی بار بار درس دینے کا اظہار اور میاں کو غزوہ تبوک کی بھی خبر نہیں، اگر کوئی مشکوٰۃ کا ترجمہ
بھی دیکھا ہوا ہوتا تو مان لیتا بیشک باب المعجزات یہ حدیث بروایت مسلم موجود ہے، اب حال خوش فہمی اور ترتیب دلائل اور تحصیل نتائج کا
دیکھئے، رد فاتحہ مرسومہ کی بڑی عمدہ دلیل صفحہ ۹ کی آخر سطروں میں لکھتے ہیں، جب آپ کے سامنے طعام تناول کے لئے آتا، آپ سالن کی انتظاری نہ
فرماتے اگر کسی نے کہا یا رسول اللہ سالن آنے دیجئے، آپ فرماتے کہ سالن کو روٹی پر فوق دیتے ہو انتہیٰ کلامہ، سبحان اللہ کیا محکم دلیل آپنے رد فاتحہ
کیلئے تجویز فرمائی ہے قیاس مع الفارق اول تو یہ کہ وہ کھانا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خود نوش جان فرمانے کا ہوتا تھا محتاجوں کو بقصد ثواب
رسانی کھلانے کا نہ ہوتا تھا جب وہ کھانا اور طرح کا ہوا اور یہ اور طرح کا، تو ایکدوسرے پر قیاس کرنا نہ چاہیئے دبی مثال ہوئی جیسا آپ نے

دین کو اور بڑے بڑے جلیل القدر علماء اتقیاء متاخرین و متقدمین کو نہیں چھوڑا اگر مولوی یعقوب علی نے مولوی عبد الحکیم کو کچھ لکھدیا تو کیا
شکوہ ہے مؤلف کا تو یہ عین مذہب ہی ہو اگر یہ کوئی بڑی بات ہو تو اول خود عمل کرے پھر دوسرے کو نصیحت، زیادہ اس سے ہم بیہودہ کا جواب نہیں دیتے
کہ علم کی بات نہیں قولہ اب حال خوش فہمی الخ اقول خوش فہمی مؤلف کی تو اول رسالہ سے یہاں تک دیکھتے چلے آتے ہیں، پچھلے قول میں مولوی
یعقوب علی کی تخطیہ میں بھی مؤلف کی خوش فہمی ظاہر ہو چکی بندہ نے سیف السنۃ کبھی نہیں دیکھی سنی، اس رسالہ ہی سے یہ عبارات اسکی معلوم ہوئی ہیں
مگر خوش فہمی مؤلف کی یہاں بھی واضح ہے یہ روایت عدم انتظار سالن کی تو مؤلف قبول ہی کرتا ہے خواہ کیسی ہی ہو، لہذا اسکے کلام فضول ہو
البتہ مؤلف نے مایہ الافتراق پیدا کرکے اعتراض کیا ہے کہ طعام اپنے کھانے اور صدقہ کے طعام میں فرق ہے اپنے کھانے کے طعام کا
تو ادب ہو کہ انتظار سالن کا بھی نہ ہو اور صدقہ کا طعام ہو گیا تو ادب رہا کہ پڑا رکھا ہے حالانکہ طعام دونوں ظاہراً ادب میں برابر ہیں گو وساخ
معنوی سے صدقہ ملوث ہو کر ذی فضل کو مکروہ ہوا مگر ادب طعام میں کچھ فرق نہ آیا بس مولوی یعقوب علی کی غرض یہ تھی کہ طعام کا ہر حال ادب چاہیے
اگرچہ صدقہ کا ہو پس بعد طعام رکھنے کے دوسرے کام میں نہ لگے بلکہ مشغول بالکل ہو جاوے جیسا فخر عالم علیہ السلام نے کیا مگر مؤلف نہ سمجھا
تو بولا یہ طعام صدقہ کا ہے پس اگر یہ فارق ہے تو مؤلف اپنے دعوی کو کسی ایسی دلیل سے درست کرے کہ طعام صدقہ میں ادب نہیں ہے ورنہ کلام
مؤلف کا لغو بیہودہ رہیگا، الحاصل طعام نعمت الٰہی ہو اگرچہ طعام صدقہ کا ہو، حدیث میں ہو کہ اکرموا الخبز اور یہی اکرام ہے کہ بعد طعام آنے
کے دوسرے کام میں مشغول نہ ہو متوجہ بالکل طعام ہو جاوے اگرچہ عبادت نفل ہی کیوں نہ ہو چنانچہ حدیث مسلم گذری لا صلوٰۃ بحضرۃ الطعام
اور احیاء العلوم میں بھی حضرت علیہ السلام کا فعل نقل کیا ہے کہ انتظار سالن کا بھی نہ کرتے تھے، پس طعام سب برابر ہیں پس قرآن خوانی طعام
رکھکر خود ممنوع ہو گئی اور صدقہ کا فرق محض دعوی مردود ہے نقص سو یہ ادب طعام صدقہ میں رفع ہونا مؤلف اگر ثابت کردیوے تو قابل

لے وجہ فرق سے گندگی سے روٹی کی تعظیم کرو سے کھانے کی موجودگی میں نماز نہ پڑھو۔

صفحہ ۳ میں لکھا ہے پس آپ اپنی اس مثال کو دیکھے گا اور گریبان میں منہ ڈالے گا دوسرا نقصان دلیل یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
سالن کی انتظاری میں جو یہ فرمایا کہ سالن کو فوقیت دیتے ہو روٹی پر یہ بات اور ہے اور جو شخص فاتحہ یا قل پڑھتا ہے اور اس سبب سے روٹی
کھانے میں کچھ دیر ہوتی ہے اس کو تو نہیں کہہ سکتے کہ کیا اللہ کے کلام کو فوقیت دیتے ہو روٹی پر پس یہ سمجھ لو کہ یہ سب دلیلیں تمہاری خود ذلیل
اور تم کو ذلیل کرنے والی ہیں یہ کتاب سیف السنۃ اس معنی کر صحیح ہے کہ سیف قطع کیا کرتی ہے سیف السنۃ بمعنی قاطع سنت یعنی یہ
کتاب سنت کو کاٹنے والی ہے اس لئے کہ تم نے اسکی دلائل میں خیانتیں کی ہیں اور خیانت خلافِ سنت ہے اور مولوی عبدالحکیم صاحب
دہلوی کی نسبت جو لفظ بے ایمان اور دغا بازی وغیرہ لکھے ہیں وہ بھی از روئے سنت ممنوع ہیں پس لا بد تمہاری سیف سنت کی کاٹنے
والی تلوار ہے چاہیے کہ ہماری اس تحریر کا نتیجہ ظاہر ہو کر پھر تم کسی کو کلمات شنیعہ نہ کہو اور نیز دین میں مغالطہ اندازی اور فتنہ پردازی کبھی نہ
کرو لمعہ ثانیہ جمعرات کی فاتحہ، شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے، و در بعض روایات آمدہ کہ روح میت می
آید خانۂ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق می کند از وی یا نہ اور خزانۃ الروایات میں ہے عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تتخلص
لیلۃ الجمعۃ وتنتشر وفیجاؤا الی مقابرھم ثم جاؤا فی بیوتھم اور صدر بن رشید تبریزی نے دستور القضات میں لکھا ہے من الفتاوی النسفیۃ ان
ارواح المؤمنین یاتون فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین یا اھلی و اولادی واقاربی
اعطفوا علینا بالصدقۃ واذکرونا ولا تنسونا وارحمونا فی غربتنا قد کان ھذا المال الذی فی ایدیکم فی ایدینا فیرجعون منھم باکیا
حزینا ثم ینادی علی واحد منھم بصورت حزین اللھم قنطھم من الرحمۃ کما قنطونا من الدعاء والصدقۃ انتہی اس فرقہ کا قاعدہ ہے
جس کتاب میں ان کے خلاف عقائد بیان ہوتے ہیں اس کو کہہ دیا کرتے ہیں یہ معتبر نہیں اس کی ضعیف روایتیں ہیں اس لئے خبردار کرتا ہوں کہ

التفات ہے ورنہ خود مردود ہے سبحان اللہ مؤلف کی خوش فہمی ظاہر ہو چکی باقی ان کی کلام مضحکہ صبیان ہے قابلِ جواب علمی کے نہیں اب
ہی مؤلف مقر ہو چکا ہے کہ طعام کا رکھنا حالتِ قرآن پڑھنے میں بسبب مشغولی قلب کے مکروہ ہے علیٰ ہذا قرآن پڑھنا طعام رکھی حالت میں مکروہ
ہے بسبب مشغولی قلب کے بلا تفاوت مگر مؤلف کے ہوش درست نہیں
جمعرات کی فاتحہ کو یوں منع کرتے ہیں قولہ لمعہ ثانیہ جمعرات کی فاتحہ الخ اقول سائل نے جمعرات وغیرہ کی فاتحہ مر سومہ وغیرہ کو پوچھا تھا
مجیبوں نے اس ہیئت و تقیید کی بدعت ہونے کا فتویٰ دیا تو حسب قاعدہ مسلمہ مؤلف کے یہ بدعت ہونا قید کی طرف راجع ہوا یعنی ہیئت
اور تقیید زمان کی طرف سو وہ ثابت ہو گیا اور کوئی مفتی ایصال ثواب کا منکر نہیں جب کبھی اور جس وقت ہو بلا قید کے جائز ہے البتہ تخصیص
بلا نص کے منکر ہیں، خصوصیت کسی دن کی اگر ... نص سے ثابت ہو جائے تو اعتبار کرتے ہیں ورنہ سب ایام برابر جانتے ہیں اور اس یہ
تخصیص کرنے کو بدعت کہتے ہیں اب مؤلف جمعرات کی تخصیص کے اثبات میں تین روایات لایا ہے بلا سند مگر اس کو خدشہ ہوا کہ اہل سنت
نقص ضعف یا وضع کا کر کے اڑا دیں گے لہٰذا اس کی تدبیر کرتا ہے بقولہ اس فرقہ کا قاعدہ ہے کہ اپنے عقیدہ کے خلاف کو غیر معتبر کہتے ہیں الخ
وبے فقہاء اہلِ سنت محدثین و فقہاء کا یہی معمول ہے کہ حدیث کی تصحیح کرتے ہیں اگر صحیح ہوئی تو قابلِ احتجاج جانتے ہیں ورنہ رد کرتے ہیں
بقولہ علیہ السلام یکون فی اخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الحدیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباءکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم
ولا یفتنونکم، الحدیث، پس اس کو محل طعن بنانا کسی عالم کا کام نہیں کہ یہ امر فخر عالم کا ارشاد ہے البتہ فرقہ مبتدعہ اپنی ہوا کی اخبار

سلہ بچول

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ ہو مولوی اسحاق صاحب نے مائۃ مسائل پر چند مقام پر سند پکڑی ہی اور کتاب خزانۃ الروایات سے بھی انھوں نے
سند پکڑی ہے مائۃ مسائل کے مسئلہ ہشتاد و سوم میں اور مسائل اربعین کے مسئلہ سی و پنجم میں و مسئلہ بست و سوم میں اور دستور القضات
کی بھی سند پکڑی ہو مسئلہ سیزدہم مائۃ مسائل میں پس یہ کتابیں ان کے بزرگوں کی مسلم الثبوت ہیں غرضکہ ان کتابوں کی روایت کیموافق
معلوم ہوا کہ جو لوگ کچھ خیر خیرات اور دعا و درود وغیرہ نہیں کرتے ان کے گھر روحیں موتی کی غمگین نا امید ہو کر ان کو کوستی بددعا دیتی نکلتی
ہیں بناء علیہ سلف میں دستور تھا کہ جمعرات کو صدقہ دیتے تھے لیکن آخری صدی کو علماء نے چھوڑ دیا مولوی اسماعیل صاحب کے تابعین نے

ہیں روایت موضوعہ و کیسے استدلال لاتے ہیں اور جملہ محدثین ضعیف حدیث پر جرح کرتے ہیں، دیکھو صحاح ستہ اس سے پر ہیں مگر مولف نے
یہ قاعدہ نیا ایجاد کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کتاب سے کوئی روایت نقل کی تو وہ تمام کتب ناقل کے نزدیک معتبر ہو جاوے یہ آج تک کسی نے نہیں لکھا مثلاً
ہدایہ شرح وقایہ وغیرہ کتب سے استدلال لاتے ہیں معہذا اس کی ضعیف روایت پر جرح کر کے ترک کر دیتے ہیں ترمذی ابوداؤد وغیرہما کتب سے
سند لاتے ہیں معہذا جس روایت میں ان کے ضعف ہو اس کو ترک کرتے ہیں سو ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے مگر مولف کہتا ہو کہ مولوی اسحاق
صاحب نے شیخ عبدالحق اور خزانہ اور دستور القضاۃ سے روایت نقل کی ہیں تو بس سب مرویات منقولات ان کی ان کے نزدیک معتبر اور واجب
القول ہو گئی یہ عجب العجائب استدلال ہو اور خود مولف اس کیخلاف عمل کرتا ہے کہ نسائی جو معتبر کتاب ہو اس کی زیادۃ ثم یفشو الکذب کو
بزعم خود خلاف شیخین کی روایت سمجھ کر ضعیف متروک بنا چکا ہو حالانکہ نسائی کو وہ معتبر جانتا ہو پس دوسروں کو کیوں ایسا جان لیا کہ وہ جا روایت
نقل کرنے سے سب کے سب معتبر جان لیتے ہیں اگر مولف کو مخالفت حدیث صحیح کا عذر ہے تو دیگر علماء بھی یہی عذر رکھتے ہیں غرض مولف کی کوئی
ہوش کی بات نہیں، اب سنو کہ اول تو ان روایات کی توثیق خود کتاب والوں نے نہیں کی کہ ان کے نزدیک یہ روایات صحاح ہیں یا نہیں اور
بدون توثیق کے نفس نقل سے تصحیح نہیں ہوتی، پھر دوسرے ان کی سند بیان نہیں کی جس پر اعتماد ہو تیسرے شیخ نے تو فقط یہ لفظ لکھا کہ در
بعض روایات آمدہ، نہ معلوم کہ وہ مرفوع ہو یا کسی عالم کا قول ہو اور خزانہ بعض علماء محققین سے بے سند نقل کرتا ہو نہ معلوم کہ کون ہیں اور کیسے ہیں
ایسی بھی روایت محدثین کے نزدیک معتبر نہیں ہوتی اور بظاہر قول کسی عالم کا ہو اور دستور القضاۃ میں فتاوی نسفیہ سے نقل کیا ہو کہ نہ
رفع کا حال معلوم ہو نہ کچھ غرض توثیق ہو نہ سند ہو نہ یہ معلوم کہ کس کا قول ہو اور نفس نقل سے توثیق نہیں ہو سکتی نہ از طرف ناقل نہ از غیر پس
ایسی روایت کا اعتبار کس عاقل کا کام ہو بعد اس کے یہ خلاف قواعد شرعیہ کے اور معارض احادیث صحاح کے ہے اس واسطے کہ ایصال ثواب
کا ورثا پر حق واجب نہیں باتفاق امت بلکہ مستحب اور احسان محض ہو کسی ایک عالم نے بھی نہیں کہا کہ زندہ پر مردہ کا حق واجب ہے یا حق تعالیٰ نے
ایصال کو واجب کیا ہے، پس اگر کسی نے احسان کیا مستوجب ثواب اور مدح کا ہوا اور نہ کیا تو قابل اور سرزنش کے نہیں ــــ
ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ لہٰذا اگر جمعرات کو زندہ نے مردہ کو ثواب نہ پہنچایا تو کوئی ظلم اس نے میت
پر شرعاً نہیں کیا، ہاں احسان بھی نہیں کیا، تو احسان نہ کرنے پر بددعا کا کرنا شرعاً حرام ہے اور قابل سزا اور سرزنش کے ہے
کیونکہ یہ بھی ظلم ہے، پس میت مسلم باوجودیکہ ظلمت نفس و شیطان سے چھوٹا حقیقۃ الامر خیر و شر اس کو واضح ہو گئی وہ اب بھی بزعم
مولف گرفتار معصیت و مرتکب منکرات ہے کہ دیدہ و دانستہ ناحق بددعا کرتا ہے بعد ابتان یقین و کشف آخرت کے بھی
وہ شر نفس میں مبتلی ہے اور کسب معاصی میں گرفتار ہے معاذ اللہ یہ روایت قطعاً مہتم متروک ہو اور خلاف نصوص صحاح کے ہے

لے نقدرتے تعجب خیز ہے پھر کذب ظاہر ہو جائے گا کہ اعتماد کرنا ہے مخالف کے تنبیہ

اگر وہ میت بہشتی ہے تو روح اس کی بہشت کو چھوڑ کر کیوں آتی ہوگی اور اگر کافر دوزخی ہے تو دوزخ سے نہیں چھوٹتی، ہم کہتے ہیں دوزخ کہنے کا ہم کو حکم نہیں مردہ مسلمان کو ہم مسلمان کہیں گے اور مسلمان جانیں گے اسی واسطے شرع ظاہر مسلمان کی نماز پڑھنی اور مقابر مسلمین میں دفن کرنے کا حکم دیا جاتا ہے یہ نہیں کہ شبہ نکالیں کہ عندالموت ایمان سلب ہو گیا ہوگا پس جبکہ ان کو مسلمان جانا اور مسلمانوں کی طرح نماز ان کی پڑھی مسلمانوں میں دفن کیا اب کیا واہیات ہے کہ موقع فاتحہ میں شک کریں کہ کیا جانیں وہ دوزخ میں ہیں یا بہشت میں اس موقعہ پر بھی مسلمان جاننا چاہیئے اور ارواح مومنین کا حال ، ہے کہ اگرچہ ان کی قبر میں جنت کی کھڑکی کھلجاوے جس طرح حدیث

ارواح کو عالم برزخ میں سئیات کے ظلمات وقبح اور حسنات کے انوار حسن مشاہدہ ہو جاتا ہے پس ان سے بعد مشاہدہ کے نافرمانی حق تعالیٰ کی ممکن نہیں مؤلف نے اپنے اوپر ارواح برزخ کو قیاس کیا ہے کہ قرآن کا ترجمہ پڑھتا اور دیکھتا ہے اور پھر عقاب آخرت کا خیال سوائے نفسانی کچھ نہیں کرتا پھر یہ کہ جب یہ ایسا امر تھا کہ واجب ضرور ہے اور نہ عمل کرنے سے بد دعاء اموات کا محل ہوتا تھا تو ایسے شائع امر کا کسی صحیح روایت مرفوع یا موقوف سے ثبوت نہ ہو اور نہ اہل صحاح اس کو روایت کریں حالاں کہ کثرت عمل کرنے سے چاہیئے کہ بشہرت منقول ہوتا، مگر ایک بھی روایت نہ ہو اس کو کون عاقل قبول کر سکتا ہے ایسی روایت حسب قاعدہ اصول معتبر نہیں ہوتی سو حال تو دستور القضات کی روایت کا ہے رہی وہ حدیث باقی سو ان میں بد دعاء کا ذکر نہیں البتہ آنیکا ذکر ہے پس ہر سہ روایت آنے ارواح میں مخالف صحاح کی ہیں کیوں کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور احمد سے منقول ہے کہ جب میت کی روح برزخ میں جاتی ہے تو ارواح جمع ہو کر اپنے اقارب کا حال پوچھتے ہیں تو وہ جو پہلے مر گیا تھا اس کو کہتا ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے مر گیا تھا، اگر ہر ہفتہ ارواح اپنے گھر جاتی ہیں تو ان کو کیا حاجت استفسار کی ہے اپنی آنکھ سے تو سب حال دیکھ آتے ہیں اور سوائے اس کے اور احادیث میں بھی اس قسم کی دلالات موجود ہیں کہ ان روایات کو رد کرتی ہیں، پس یہ ہر گز قابل اعتبار نہیں اور نہ اس پر عمل سلف کا ہوا یوم جمعہ میں استحباب صدقہ کا وارد ہوا ہے، مگر لیلۃ الجمعہ یا یوم الجمعہ میں استحباب ایصال ثواب کا کسی روایت معتبرہ میں وارد نہیں اور بعد ان سب امور کے یہ تو کہ یہ اعتقادیات میں داخل ہے کہ ارواح کا شب جمعہ کو گھر آنا اعتقاد کرے اور اعتقادیات میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے نہ ظنیات صحاح کا چہ جائیکہ ضعاف اور موضوعات کا پس سب طے ہو گیا اور فیصلہ ہو گیا اگر علم بھی اور دین بھی ہے اور مؤلف دوزخی ارواح کفار تو مقر ہے کہ نہیں آ سکتی علیٰ ہذا ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ فساق کہ عذاب قبر میں مبتلا ہیں ان کا بھی آنا مؤلف کے نزدیک درست نہیں، کیوں کہ ملائکہ عذاب کے اور عذاب مسلط قبر سے کس طرح نکلسکتا ہے مگر ارواح صلحاء میں مؤلف کو البتہ ادعاء ہے کہ بیشک آتی ہیں کیوں کہ حدیث متواتر قطعی قابل عقیدہ مؤلف کی دستور القضاۃ وغیرہ کتب میں موجود ہے لہٰذا جب اتباع مولوی اسماعیل صاحب نے یہ کہا کہ ارواح جنتی جنت کو چھوڑ کر دنیا میں کیوں آتی ہوں گی تو مؤلف نے بڑی تحقیق و تدقیق سے جواب دیا کہ جنتی ارواح اگرچہ دنیا میں آویں جنتی ہی کہلاتی ہیں، اور جنتی ہونے سے نہیں نکلجاتی اور ساکن دہلی کی نظیر لکھی، سبحان اللہ کیا فہم عالی مؤلف کا ہے اتباع سنت تو یہ کہتے ہیں کہ ارواح جنتی کے کہ جن کے واسطے دریچہ جنت کھلا ہوا ہے اور روح وریحان برابر چلا آتا ہے اور حیور و سرور اور نعم کنومۃ العروس اور سیر جنت ان کو حاصل ہے پھر وہ دنیا دار الکدر میں کہ تمام دنیا کی ایک ذرہ بھر بھی اس کو نہیں کیوں آتے ہوں گے ایسی راحت چھوڑ کر اس ظلمت کدہ میں آویں باوجود ان نعمائے کے جو حدیث سے معلوم ہوتی ہیں تو مؤلف خوش فہم سمجھ گئے کہ ان کے نزدیک ارواح جنتی نہیں رہتی جنت سے خارج ہو کر دنیا ہی ہو گئی اور اس کی تحقیق میں خوب نظیر مثال سے جواب یا لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ماتحہ کا دن سے جمعہ کی رات سے جن کے بارے میں بعض گمان ہوتے اقرار کر نے والے خوشی سے سجا دلہن کی طرح سے نعمت کی جگہ

صحاح ستہ میں وارد ہوا ہے، اور اگرچہ اس کو بہشت کی ناز و نعمت استراحت ہو لیکن با منہ دنیا کی بھی سیر کرے تو وہ اہل بہشت ہونے سے خارج نہیں ہو تی
تخت گاہ دہلی کا رہنے والا اگر شاہدرہ اور روتی وغیرہ مواضع کی سیر کرے پھر دہلی کو پھر جاوے کیا یہ بات اس کو ساکن دہلی کہنے سے روک دیگی حاشا
وکلا وہ کہیں پھر پھرا کر آجاوے وہ اہل دہلی کہلاوے گا، اسی طرح بہشتی روح دنیا میں کسی مواضع اور مواقع کی سیر کرے تب بھی وہ ساکن بہشتی
کہلاوے گی الحاصل ارواح کی جنبش اور چلنا پھرنا ثابت ہے حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب
عوارف کے باب تیعین میں یہ حدیث نقل کی ہے روی سعید بن المسیب عن سلمان قال ارواح المومنین تذھب فی برزخ من الارض حیث
شاءت بین السماء والارض حتی یردھا الی جسدھا، اور قاضی ثناء اللہ نے تذکرۃ الموتیٰ میں لکھا ہے ابن ابی الدنیا ابی مالک روایت کردہ
ارواح مومنین ہرجاکہ خواہند می روند الی آخرہ، ان حدیثوں سے ارواح کی سیر دنیا میں کرنی ثابت ہوئی، اور ظاہر ہے کہ دنیا اپنا گھر سب کو مالوف

حدیث بخاری کی ہے، کہ جسکو جنت ملگئی ہے اگر دنیا و ما فیہا اس کو دیویں تو دنیا میں آنا قبول نہ کرے، مگر شہید دوبارہ فی سبیل اللہ جان دینے کو آنا
چاہتا ہے الحدیث، اس حدیث اور دیگر احادیث کی وجہ سے اہل سنت کو تامل ارواح مومنین کے آنے میں تھا ہرچند مراد حدیث میں زندہ
ہوکر آنا ہے مگر تھا آخرت کو اور اکدار دنیا کو مقابلہ کرکے بے حقیقت ہونا دنیا کا بھی اس سے روشن ہے اسی واسطے یہ تامل تھا تو مولف خوب
سمجھے، اور خوب جواب پاکر مولف ہی کے موافق ہے اگر مولف یہ جواب دیتا کہ اموات کا عمل منقطع ہوگیا ہے اور ثواب کی حرص بسبب کشف
حقیقت ثواب کے بڑھ گئی ہے تو ثواب حاصل کرنے کو ارواح مومنین آتی ہیں تو یہ بات کچھ معقول بھی تھی مگر انبیاء پر یوں جواب کہ خلاف سوال کے ہے
جوان کا حوصلہ ہے، وہی جواب دیا اب جواب اس تقریر کا یہ ہے کہ طمع ثواب کے واسطے دنیا میں آنا اور ان راحتوں کو ترک کرکے چلا آنا کیا ضرور
ہے، ارواح اپنے مقر میں متوقع ثواب رہتی ہیں، جیسا احادیث سے معلوم ہوتا ہے تو اگر تاویل ان ضعاف روایات کی بھی یہی کیجاوے تو
لائق ہے نہ کہ ان کی وجہ سے صحاح کو ترک کریں اب سوکر جیسا ارواح کفار و فساق گرفتار عذاب کا یہاں آنا ممنوع ہے اور ملائکہ کے ہاتھ سے
چھوٹ آنا مکروہ ہے لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون ایسا ارواح انبیاء و صدیقین و شہداء و اولیاء کا بھی آنا خلاف ہے کہ ایسی حالت
ذلت کا اختیار فرماویں اب عامہ مومنین باقی رہ گئی سو اگر تخصیص ہو ہوا کرے اگر تصحیح بھی ہو اور کوئی حدیث صحیح معارض بھی نہ ہو فرضاً تا ہم
قیاس اس کا مخصص ہو سکتا ہے یہاں تک کہ ایک دو فرد اس میں رہ جاوے جیسا قاعدہ عموم اصول میں مبرہن ہے پھر یوں بھی یہ روایات خارج
از اعتبار ہوگئیں، اگر علم و فہم ہو تو سب کچھ ہے ورنہ ایمان کا خدا تعالیٰ ہی حافظ ہے جو لکھا دیکھا اس پر ایمان لائے سچ ہے نیم ملا خطرہ ایمان
قولہ الحاصل ارواح کی جنبش الخ اقول کلام تو دنیا میں، اپنے گھروں پر آنے میں ہے اگر دنیا میں آنا مطلقاً ثابت ہو جب بھی مولف کا کام نہیں
نکلتا چہ جائیکہ مطلق حرکت و جنبش ثابت ہو پس روایت عوارف سے برزخ میں چلنا پھرنا ثابت ہوا برزخ لغت میں وہ شئے کے حاجز کو کہتے
ہیں اور شرع میں دنیا و آخرت کی درمیان کی حالت کو کہتے ہیں، پس عالم برزخ کی حرکت ارواح کی تو صحاح حدیث میں بھی موجود ہے
مگر اس سے بحث نہیں عوارف سے بھی وہی نکلا اگر مدعا مولف کا دنیا کے گھر میں آنے کا تھا اور دلیل برزخ میں حرکت کرنے کی اس فہم پر آفرین ہے
مولف زمین آسمان کے لفظ سے شبہ میں پڑا ہوا ہے سو یہاں زمین آسمان برزخ کا مراد ہے علی ہذا تذکرۃ الموتیٰ کی روایت میں ہرجاکہ خواہند
روند برزخ مراد ہے اور جو کوئی بخاطر مولف عموم کو قبول کرے تو اس روایت سے اختیار سیر کا ثابت ہے نہ آنا کہ آیا کرتے ہیں آگے قیاس سے
اثبات ہوگا اور امور آخرت اعتقادیات میں عقل و قیاس کو دخل نہیں مگر مولف محض لا یعلم ہے اب مولف کا کہنا کہ ان حدیثوں سے سیر دنیا کی

لہ دنیا کی کدورتیں لہ روح کی جمع لہ آڑ لہ جس جگہ چاہتے ہیں جاتے ہیں ۱۲

ہوتا ہے پھر اپنے گھر کی طرف روح کیوں نہ آتی ہوگی اور اس فرقہ کی بڑی بے منصفی ہو کہ اپنے پیر مرشد قبلہ کے منہ سے جو بات نکلے وہ تو پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے اور جو دوسرا کوئی احادیث سے بھی ثابت کرے تو اس پر ایمان نہیں لاتے اب دیکھئے اسی مسئلہ میں مولوی اسمٰعیل صاحب نے جو صراط مستقیم کے آخر ورق میں اپنے پیر و مرشد کی تعریف میں لکھا ہو کہ حضرت غوث الثقلین اور خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روحیں ان کی طرف متوجہ ہوگئیں اور ایک مہینہ تک ان میں چھینا جھپٹی رہی یعنی ایک کہتی تھی کہ ہم سید احمد کو اپنی طرف لیں، دوسری کہتی تھی کہ ہم لیں آخر دونوں پاک روحوں نے آپسمیں صلح کر کے یہ بات ٹھہرائی کہ اچھا سید احمد صاحب میں ہمارا تمہارا دونوں کا ساجھا ہا تب ایک دن دونوں روحیں ان پر ظاہر ہوئیں اور توجہ قوی ایک پہر تک کی اتنی دیر میں دونوں طریقوں کی نسبت حضرت کو نصیب ہوگئی انتہیٰ کلامہ، اب دیکھئے کہاں غوث اعظم کا مزار بغداد شریف میں اور کہاں خواجہ عالی شان نقشبند کا مزار بخارا میں پھر ان کی روحیں خبر نہیں علیین کو کس طبقہ اور جنت کے کس درجہ میں ہوں گی اور یہ بھی ہے کہ ان دونوں حضرات مقدسہ کے مریدوں میں سیکڑوں اولیاء کامل کیا کہوں بلکہ ہزاروں لاکھوں مقبولین ہوں گے تسپر بھی ان کی ہوس نہ بجھی اور سید احمد صاحبؒ کی ان کو خواہش پیدا ہوئی، کہ سید احمد صاحبؒ کو اپنی نسبت مریدی میں لیجے اور اسی آرزو میں علیین یا بہشت کو چھوڑ کر دونوں روحیں ہندوستان میں اتر آئیں ہم اس کو رد نہیں کرتے لیکن ان دانشمند منصفوں کی دینداری پر افسوس کرتے ہیں کہ یہ مولوی اسماعیل صاحب کی تحریر باوجودیکہ از روئے عقل اس میں چند باتیں خلاف عادی معلوم ہوتی ہیں لیکن تم اس کو مسلم رکھتے ہو اور اس عقیدہ کو سب ان کو بدعتی نہیں کہتے اور ہم روحوں کا آنا اپنے گھروں پر باوجود مقتضائے عقل ہونے کے کہ البتہ اپنا گھر ہر کسی کو مالوف ہوتا ہے اور روح کو بعد مکانی

ثابت ہوئی کسقدر خبط ہے کیوں کہ ثابت ہوئی سیر برزخ کی اور بیان کرتے ہیں کہ سیر دنیا ثابت ... ہوئی پس اب مؤلف کا قیاس دلیل کے اتمام کو شروع ہوا کیوں کہ ان روایات سے نفس جنبش ثابت ہوئی تو ایک مقدمہ قیاسی لگا کر مطلب تمام ہوتا ہے اور یہ محض جہل ہے کہ قیاس کو ان امور میں دخیل جاننا اور مطلب ثابت کرنا الحاصل یہ دعویٰ و دلیل مؤلف کا سب بے سود ہے اور اصل ایصال ثواب ہر روز اور ہر شب جائز ہے، اور موجب برکت و ثواب کا ہے مگر قید زمان بدون اذن شارع لگانا بدعت محدثہ ہے قولہ اس فرقہ کی بڑی بے منصفی ہو اقول یہ بے نصیبی وخسران مؤلف اور اس کے ہم مشربوں کا ہے کہ اولیاء کی شان میں استہزاء و شوخ کلامی کریں، طریقہ اولیاء سے اور علم شریعت سے بے بہرہ ہونا اس کا ہی ثمرہ اور خبط عقل ہونا اور کلام بے ربط ہونا اس کا ہی نتیجہ ہے، اس کے کلمات ناشائستہ کا جواب نہیں لکھتا ہوں، حق تعالیٰ خود کافی ہے مگر اس کے جہل حقیقۃ الحال کو ظاہر کرتا ہوں کہ اولیاء کے مثل انبیاء علیہم السلام کے کثرت اتباع کی ہر روز خواہش رہی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کروڑوں اتباع ہوئے اور پھر کثرت امت فخر عالم علیہ السلام پر غبطہ کر کے روئے بخاری میں یہ قصہ موجود ہے، فخر عالم علیہ السلام کثرت امت پر مباہات فرماویں گے، اور ہر روز طالب کثرت امت کے رہے اس کی تمنا میں امت کو ولود عورتوں کے نکاح کی تاکید فرمائی، پس اسی طرح حضرت غوث اعظم اور خواجہ بہاء الدین کو چونکہ معلوم ہوا تھا کہ سید احمد صاحبؒ کی شان بزرگ ہے اور کثرت سے ان کے مرید و اتباع ہوویں گے، جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ لاکھوں سے تجاوز کر گئے ہیں اس واسطے ان کی اپنے خاندان میں ہونے کی رغبت بحتی حالت حیات میں اولیاء ایسے مرید کے طالب ہی ہیں پس یہ امر خلاف عقل سلیم کے ہرگز نہیں کہ مؤلف کو عقل نہیں کہ سمجھے اور عالم ارواح جو عالم غیب ہے، نہ ہندوستان میں ہے اور نہ بغداد و بخارا میں سو اجتماع ان ارواح کا عالم غیب میں تھا نہ سید صاحب بغداد و بخارا میں تشریف لے گئے، اور نہ یہ حضرت ہندوستان میں تشریف لائے، بلکہ اجتماع روحانی ہوا جیسا رویا میں عوام کی ارواح کو بھی ہوتا ہے

۱ بشارت ۲ رشک ۳ فخر ۴ خواب،

مانع نہیں، کیوں کہ وہ معجزات سے ہے اگر ثابت کرتے ہیں اور اس پر حدیث بھی پیش کرتے ہیں اور روایت فقہا رحمہم اللہ کی سند گذارتے ہیں، اس پر انکار کرتے ہو اور اس اعتقاد کے باعث ہم لوگوں کو بدعتی کہنے لگتے ہو یہ وہی مثل ہے جس طرح فرقہ معتزلہ اپنے کو اصحاب العدل والتوحید نام کرتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کو وہ بدعتی اور ارباب الہوا کہتے ہیں، اب قلوب قاسیہ کے نرم کرنے کو ایک قصہ نہایت معتبر کتاب سے جس کے مصنف کو نو سو برس سے زیادہ ہوئے چار واسطہ سے امام ابو یوسفؒ کے شاگرد ہیں لاکھ حدیث ان کو حفظ تھی ان کا خطاب امام الہدیٰ ہے اور نام ان کا نصر بن محمد اور لقب ان کا فقیہ ابو اللیث سمرقندی مشہور ہے وہ اپنی کتاب سمرقندی میں باب فضل جمعہ میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا اور وہ فرماتے تھے کہ پہنچا مجھکو قصہ صالح مزی کا کہ وہ جمعہ کی رات کو جامع مسجد میں آئے کہ نماز فجر میں آئے راستہ میں ایک مقبرہ ملا دل میں آیا کہ صبح صادق ہو جاوے گی اس وقت مسجد کو چلیں گے مقبرہ میں ٹھیر گئے، دو رکعت نماز پڑھی اور ایک قبر سے کچھ سہارا لگا لیا نیند آنکھوں میں بھر آئی دیکھتے کیا ہیں سب اصحاب قبور قبروں سے نکلکر حلقہ حلقہ بیٹھ گئے باتیں کرنے لگے ایک جوان کو دیکھا اس کے کپڑے میلے اداس مغموم بیٹھا ہے اتنے میں بہت خوان ڈھکے ہوئے آئے ان میں سے ہر آدمی اپنا اپنا خوان لیتا گیا اور چلتا گیا آخر وہی بیچارہ جوان رہ گیا اس کے پاس کچھ نہ آیا، اور اس غم کا مارا اٹھ کھڑا ہوا جب قبر میں داخل ہونے لگا صالح مزی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے تو کیوں اداس ہے اس نے کہا تم نے دیکھا کس قدر خوان آئے تھے، میں نے کہا ہاں، وہ بولا یہ تحفہ تحائف تھے جو ان کے واسطے خیر خواہوں نے بھیجے تھے، جو وہ صدقہ دعا وغیرہ کرتے ہیں، ان کو پہنچا ہے جمعہ کی رات کو اور میں رہنے والا ملک سندھ کا ہوں اپنی ماں کو لیکر واسطے حج کرنے کے آیا تھا جب بصرہ میں پہنچا میں مر گیا میری ماں نے میرے بعد نکاح کر لیا اور دنیا میں مشغول ہو گئی مجکو بھول گئی نہ منہ سے کبھی نام لیتی ہے نہ زبان سے دعا، اب میں غمگین نہ ہوں تو کیا کروں میرا کوئی نہیں جو یاد کرے تب صالح مزی کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا تیری ماں کہاں ہے اس نے پتہ دیا جب صبح ہو گئی نماز پڑھی اور اس کا گھر ڈھونڈتا ہوا گیا اس نے اندر سے آواز دی تو کون ہے میں نے کہا صالح مزی اس نے بلایا میں گیا، میں نے کہا بہتر ہے تیری اور میری بات کوئی نہ سنے تب میں اس سے نزدیک ہو گیا، فقط ایک پردہ بیچ میں رہ گیا، میں نے کہا اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے کوئی تیرا بیٹا ہے؟ بولی کہ نہیں، میں نے کہا کبھی ہوا تھا تب وہ سانس بھرنے لگی اور بولی ایک بیٹا نوجوان تھا مر گیا، تب میں نے اس کا قصہ مقبرہ کا بیان کیا اس کے آنسو بہنے لگے اور کہنے لگی اے صالح مزی وہ میرا بیٹا میرا کلیجا تھا پھر اس عورت نے مجھ کو ہزار درہم دیئے اور کہا میرے نور چشم کی طرف سے خیرات

عالم مثال میں مؤلف اور اس کے مقتدیان کو عقل نہیں بے سمجھے طعن و استہزا[1] کر کے اپنی آبرو کھوتے ہیں اور اس قصہ سے مطلب مؤلف کا بھی کچھ ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ مقصود مؤلف کا دنیا میں ارواح کا آنا ثابت کرنا تھا وہ خود مفقود ہے اس کم فہمی سے یہ قصہ لکھا تھا کہ اہل بیان پر یہ قول حجت ہو جاوے گا اور ہمارا استہزا حاصل ہوئے گا ان حضرات کی روح کا آنا سید صاحب کے گھر پر قبول کر لیویں گے مگر آفریں ہے ایسی ہی سمجھ چاہیے باقی کلام کا جواب خود ہو لیا اور دیگر فضول گستاخ کلام کا جواب مطروح ہے کہ علم کی بات نہیں، قولہ

صالح مزی کا قصہ مانعین کو مضر نہیں مجوزین کو مفید نہیں اور اس کی حجت میں بھی کلام ہے۔ قولہ اب قلوب قاسیہ کو نرم کرنے کو الخ اقول مؤلف نے اس قصہ کو اپنے دعوی باطل کی تائید کے خیال سے لکھا تھا، مگر غافل کو خبر نہیں یہ اس کے دعوی کو برہم کرتا ہے اول تو دیکھو کہ اس میں یہ نہیں لکھا کہ ارواح اہل مقبرہ اپنے اپنے گھر گئے بلکہ قبروں کے پاس جمع ہوئے اور ان کے گھروں سے خوان آئے اور مؤلف کہتا ہے

[1] ہنسی اڑانا۔۔

کر بھیجو اور اب سے دعا و خیرات نہ بھولوں گی جب تک دم میں دم ہے۔ صالح مزی فرماتے ہیں پھر میں نے وہ ہزار درہم خیرات کر دیئے، اگلی جمعہ کی رات اس مقبرہ میں گیا۔ دو رکعت پڑھی ایک قبر کے سہارے سے بیٹھ گیا سر جھکا کر پھر میں نے ان لوگوں کو قبروں سے نکلتے دیکھا اور اس جوان کو دیکھا سفید کپڑے پہنے نہایت خوش وہ میرے پاس آ کر کہنے لگا اے صالح مزی اللہ تیرا بھلا کرے مجھ کو ہدیۂ تحفہ پہنچ گیا میں نے کہا تم جمعہ کو پہچانتے ہو کہا جانور تک پہچانتے ہیں۔ یہ کہا کرتے ہیں سلام بیوم صالح یعنی یوم الجمعہ انتہی۔ اے بھائیو اگر ایسے امام الہدی کا نقل کیا ہوا قصہ دردآمیز تمہارے دل کو خوفِ الٰہی سے نہ ہلاوے تو کمالِ حسرت کی بات ہے پتھر بھی اللہ کے ڈر سے نرم ہو جاتے ہیں ان من الحجارة لما یتفجر منه الانہار اگلے آدمی جمعرات کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ دو آنہ کا مزدور کہ جس کے پاس کچھ بھی دینے کو نہ ہوتا تھا وہ بھی جو سیر بھر آٹا بال بچوں کے واسطے لاتا اور شام کو پکواتا اس میں نیت کرتا تھا کہ یارب العالمین یہ جو بال بچوں کا نفقہ میرے ذمہ تیرے حکم سے واجب ہے اور ادائے واجبات الٰہی میں آدمی مستحق ثواب ہوتا ہے آج جو یہ سیر بھر کی روٹیاں اپنے بال بچوں کو دیتا ہوں اس نفقہ واجبہ میں میری یہ نیت ہے کہ اس میں جو مجھکو ثواب ہوتا وہ میری طرف سے میرے فلانے عزیز میت کو پہنچے غرضکہ نادار تنگدست آدمی اسے روزمرہ کے نفقہ واجبہ عیال میں نیت ایصالِ ثواب کرتے تھے اور فاتحہ درود پڑھ کر بعد ازاں وہ بال بچوں کو وہ کھانا دیتے تھے۔ اموات کو محروم نہ رکھتے تھے اور تو انگر آدمی تو بہت کچھ دیا کرتے تھے اب جیسی ہمتیں لوگوں کی پست ہو گئیں اور اس بخیلی کے ساتھ یہ بھی بہانہ ہاتھ آگیا کہ اس کو تو مولوی لوگ بدعت کہتے ہیں پس بالکل آدمی چھوڑ بیٹھے اور نگنتے کو ٹھیلتے کا بہانہ مثل مشہور ہے، اب ہم نے تم کو روایات کتب معتبرہ کی سنادی چاہیئے کہ اب اس سے سستی نہ کرو اور صدقات و خیرات اور درود فاتحہ سے اپنے عزیزوں کو یاد رکھو ایک مسئلہ سناتا ہوں کہ جس قدر تم اموات کے نام دوگے یا پڑھ کر بخشو گے اموات کو سب پہنچے گا، اور اسی قدر تم کو بھی ملے گا، کچھ تمہارا ثواب کٹ نہ جاوے گا تم اور موتی دونوں کامیاب ثواب کے ہوگے، خزانۂ الٰہی میں کچھ کمی نہیں، وہ دونوں کو دیتا ہے ان ربک واسع المغفرة فقط تمہاری نیت کا گھاٹا ہے لمعہ ثالثہ عیدین اور شب برات اور عشرہ محرم میں فاتحہ فی خزانۃ الروایات عن ابن عباس

کہ ارواح اپنے گھر جاتی ہیں دوسرے یہ کہ ایصالِ ثواب اول شب میں ہوتا ہے اور یہ وصول قریب صبح کے ہوا حالانکہ ملائکہ فوراً پہنچاتے ہیں ان کو بُعد مسافت مانع نہیں کہ سفر کریں اور نہ دیر سے پہنچاویں اور نہ تاخیر کریں پس یہ دونوں امر خلاف مذہب مؤلف کے ہوئے۔ مگر شاید مؤلف عذر کرے کہ ان اہلِ قبور کو گھر جانے کا حکم نہیں تھا، اور بسبب بُعد مسافت کے دیر میں ثواب پہنچا نا استغفر اللہ، استغفر اللہ تیسرے یہ کہ جوان جس کو ہدیہ نہ آیا اس نے اپنی والدہ کو بددعا نہیں کی ہاں مغموم ہوا تو یہ بھی مؤلف کی روایات کے خلاف ہوا چوتھے ہزار درہم کا صدقہ کر کے پھر دوسرے جمعہ کو حضرت صالح نے مقبرہ والوں کو دیکھا تو اثر ہزار درہم کا جوان پر پایا، مگر اس جمعہ میں قبروں سے نکلتے دیکھا مگر ہدیہ کسی کو نہیں ملا صرف اس جوان نے کہا کہ آج مجھکو ہدیہ ملا بلکہ پہلے ہدیہ کا اثر اور شکر بیان کیا۔ تو اس جمعہ کو ہدیہ نہ ہونے سے نہ کسی نے بددعا کی اور نہ کوئی ہدیہ لینے کو گھر گیا، جس سے معلوم ہوا کہ نہ کوئی گھر جاوے اور نہ عدم وصول پر بددعا کرے، ہاں وصول سے ترقی میت کو ہوتی ہے بہر حال یہ قصہ مؤلف کے دعوی کا ہادم ہے اور اہل سنت کو کچھ مضر نہیں اول تو خواب رویا سے حکم شرع کا ثابت نہیں ہوتا اور پھر اس رویا کی تاویل ہو سکتی ہے اور اگر بلا تاویل ہو جب بھی کوئی حرج نہیں مگر مؤلف کو بجز افسوس و حسرت کے کیا حاصل ہوا یہاں مؤلف متن اور حاشیہ میں لکھتا ہے کہ اپنے بال بچوں کو کھلا دیتے تھے حاشیہ میں شبہ کیا اور اپنا علم ظاہر کیا اور غلط فہمی کا اظہار فرمایا مگر ایسی شکل میں ثوابِ طعام صدقہ کا نہیں ہوتا بلکہ اس فعل کا

لے کھلا دینے والا مسئلہ خواب،

رضی اللہ عنہ یقول اذا کان یوم عید او یوم جمعۃ او یوم عاشورا او لیلۃ نصف من شعبان تاتی ارواح الاموات ویقومون
علیٰ ابواب بیوتہم فیقولون ھل من احدٍ یترحم علینا ھل من احدٍ یذکر غربتنا یا من سکنتم بیوتنا ویا من سعد تم بما شقینا
ویا من اقمتم فی وسع قصورنا ونحن فی ضیق قبورنا ویا من استذللتم ایتامنا ویا من نکحتم نساءنا ھل من احدٍ یتفکر
فی غربتنا وفقرنا کتبنا مطویۃ وکتبکم منشورۃ واضح ہو کہ یہ کتاب خزانۃ الروایات پرانی کتاب ہے جس نسخہ سے یہ عاجز نقل کر رہا ہے وہ
چار سو برس سے کسی قدر کم کا لکھا ہوا ہے اب دیکھئے تصنیف کب ہوئی ہوگی صاحب کشف الظنون نے اس کے مصنف کا حال یہ لکھا ہے
کہ یہ قاضی جگن ہندوستان کے حنفی المذہب اور ساکن گجرات تھے تمام عمر فتویٰ دینے اور لکھنے میں گذاری انتہیٰ کلامہ پس معتبر ہونا اس کا ظاہر ہوگیا
اور نیز ہم بیان کر چکے ہیں بیان فاتحہ جمعرات میں کہ مولوی اسحاق صاحب نے مائۃ مسائل میں اور مسائل اربعین میں اس خزانۃ الروایات کی
سند پکڑی ہے معتمد علیہ ہونا اس کتاب کا اور پورا ہونا معلوم ہو چکا اب ترجمہ اس کی روایت کا معلوم کر دکھتا ہوں صاحب خزانۃ الروایات
کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہو کہ جب ہوتا ہے دن عید کا یا جمعہ یا عاشورا محرم کا یا شب برات، تب آتی ہیں روحیں مردوں کی اور کھڑی ہوتی
ہیں اپنے دروازہ پر اور کہتی ہیں کہ ہو کوئی ہمارا جو ہم کو یاد کرے اور ہم پر رحم کرے ہماری غربت کو یاد کرے تم ہمارے گھروں میں رہتے ہو
ہمارے مال سے چین کرتے ہو تم کشادہ مکانوں میں بیٹھے ہو ہم تنگ قبروں میں پڑے ہیں ہمارے یتیم بچوں کو تم نے ذلیل کر رکھا ہے اور
ہماری بی بیوں کو تم نے نکاح میں کر لیا اب تم میں کوئی ہے جو فکر کرے دھیان کرے ہماری غربت اور محتاجی کا ہمارے نامہ اعمال لپٹ چکے تمہارے
نامۂ اعمال کھلے ہوئے ہیں انتہیٰ، اور واضح ہو کہ جس طرح یہ روایت خزانۃ الروایات میں ہے اسی طرح دقائق الاخبار میں بھی ہے اور دقائق الاخبار
منسوب ہے امام غزالی کی طرف اور تفسیر کریمہ تنزل الملٰئکۃ والروح میں مفسرین کے چند اقوال ہیں بعضوں نے کہا روح ایک فرشتہ ہے اور بعضوں
نے کہا کہ جبرئیل ہیں اور بعضوں نے کہا کہ روح حضرت عیسیٰ ہیں جو فرشتوں کے ساتھ اترتے ہیں اور بعضوں نے کہا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم
مراد ہیں اور دقائق الاخبار میں ہے کہ بعضوں نے کہا ارواح بنی آدم مراد ہیں عبارت اس کی یہ ہے ویقال الروح الارواح من الاموات

ثواب پہنچا ہی نہیں تم اب زار زار رو کر مؤلف کو اپنے اشک پونچھنے چاہئیں، کہ عیدین و شب برات کا لمعہ آیا و للہ الحمد . . . .

قولہ لمعہ ثالثہ الخ اقول یاں سو چھ سو برس کی کتاب
عیدین اور شب برات اور عشرہ کی فاتحہ میں کوئی روایت قابل احتجاج نہیں ہے۔

ہونا کوئی وجہ اعتبار نہیں ہے یہ تو مؤلف کی کم علمی کی بات ہے، غیر معتبر کتب قرون سابقہ میں بھی تھیں اور مولوی محمد اسحاق صاحب کی نقل کرنا
سے ہر ہر روایت اس کی معتبر ہو جانا بھی کوئی حجت نہیں پہلے ذکر اس کا ہو چکا اور مومن کی قبر میں فسحت[1] مد بصر تک ہوتی ہے[2] اور روح و ریحان جنت
کی آتی ہے اور نور ہوتا ہے یہ سب احادیث میں موجود ہے اور دنیا کے گھروں کا حال سب کو معلوم ہے پس باوجود اس کے ارواح کا یہ کہنا کہ تم کھلے
کشادہ گھروں میں اور ہم تنگ قبروں میں خلافِ عقل کے ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ مومن کو حکم ہوتا ہے نم کنومۃ العروس اور اس روایت
میں کربت کا رونا ذکر ہے اور اعمال صالحہ اور روح جلیہ سے انس مومن کا صحاح میں مذکور ہے اور اس میں غربت و وحشت کا اظہار ہے
پس مؤلف ناواقف صحاح کی خلاف اس حدیث کی ترویج میں کسقدر سرگرم ہے کہ کچھ پس و پیش کی ہوش نہیں اور پہلی روایات میں جو کچھ
بحث ہو چکی ہے وہ سب یہاں بھی ہے اور پھر عقیدہ کے باب میں یہ حدیث ہے سبحان اللہ کیا عمدہ طرز ترویج ہے کہ بے شرمی محض ہے

قولہ اور تفسیر کریمہ تنزل الملٰئکۃ والروح الخ اقول
تنزل الملٰئکۃ والروح سے شب برات وغیرہ میں ارواح کا گھر آنا ثابت نہیں ہوتا

مؤلف اقوال باردہ کی نقل سے اپنا دل سرد کرتا ہے دیکھئے کیا عجب استدلال ہے کہ دعویٰ تو نزول ارواح کا عیدین و شب براۃ و عشرہ محرم کو

[1] وسعت [2] حد نظر

مومنین یقرءون ربنا اکن لنا بالقبول لی منازلنا تحفۃ نری اولادنا دعیا لما ینزلون فی لیلۃ القدر انتھی اب گوش ہوش سے سننا چاہیے کہ باپ کو اولاد صالح کی دعا سے نفع پہنچتا ہے صحیح مسلم کی حدیث ہو ولد صالح یدعو لہ اس حدیث میں تم لوگونکو اشارہ ہوا کہ جن کی اولاد ہیں ہوا نکے حق میں دعا کرو فاتحہ درود پڑھو دوسری حدیث بیہقی کی ہو ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب المیت من الدنیا وما فیھا اس حدیث میں اشارہ ہو گیا ماں باپ کو کہ وہ اپنی اولاد کو دعائے خیر سے یاد رکھیں اور بھائی بھائی کو اور دوست دوست کو اس واسطے کہ اس حدیث میں ارشاد ہو گیا کہ مردہ ان سب کیطرف امید اس لگائے رہتا ہے غرض دونوں حدیثوں کے مضمون سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ سب دوستوں اور اقربا کو چاہیے کہ اپنے دوست اور عزیز کو یاد رکھیں اور آدمیوں کا حال یہ ہو کہ دنیا کے جنجال میں پھنسکر اپنے عزیزوں کو جو کہ مر گئے بالکل بھول جاتے ہیں روزمرہ کی یاد تو کہاں بھلا تیوہاروں کو یعنی عید بقر عید شب برات محرم میں بھی یاد کریں تو غنیمت ہے کیونکہ تیوہاروں میں کھانے کی کثرت ہوتی ہر طرح طرح کی چیزیں پکتی ہیں اور دوست آشناؤں میں تحفہ ہدیہ بھیجا جاتا ہو ہائے افسوس زندہ آدمیوں کو تحفہ ہدیہ بھیجیں، حالاں کہ زندہ آدمی خود بھی پکوا کر کھا سکتا ہے اور میت کو جو کہ بالکل عاجز بے بس بیکس ایک غار تنگ و تاریک میں پڑے ہیں اور اعمال ان کے منقطع ہو چکے اب کچھ نہیں کر سکتے انکو نذرانہ نہ دیں کسقدر غفلت کی بات ہو اور جو کوئی عالم ملا ہو کر لوگونکو اس کام سے روکے کسقدر مظلمہ موتی کا اپنی گردن پر لیتا ہے، یا اللہ ایک وقتوں کے عالم فاضل تھے کہ خیرات وحسنات کی رغبت دلاتے تھے مصنف خزانۃ الروایات کا لکھتا ہے کہ میں شروع بلوغ سے فتاوی اور کتب فقہ اور مسائل میں کوشش کرتا رہا اور جب استفتا پیش ہوتے تھے جب تک جواب انکی کتابوں سے نہیں نکالتا تھا چین نہیں آتا تھا اور کسی وقت خالی مباحثہ اور مطالعہ کتب سے نہیں رہتا تھا اور مشکلیں حل کیا کرتا تھا تمام عمر فتوی دینے میں گذاری اور جسقدر فتوی دینا سب مسائل اس کتاب میں لکھدیا انتہی کلامہ دیکھو شخص ہندوستان کا قاضی سیکڑوں برس کا عالم فقیہ گذرا ہوا ہندوستان میں فتوی جاری کرنے والا اپنا فتوی اس کتاب میں لکھتا ہو اور روایت کرتا ہے کہ تیوہاروں میں روحیں آتی ہیں چنانچہ روایت ان کی بیان کی معلوم ہوا کہ یہ جو قدیم الایام عیدین وغیرہ تیوہاروں میں دستور فاتحہ کا چلا آتا ہو ایسے ہی بزرگوں کا حکم دیا ہوا اور جائز رکھا ہوا اور احادیث سے استنباط کیا ہوا، جاہلوں کا ایجاد کیا ہوا نہیں جاہل کسی قاعدہ دینی اور شرعی کا موجد نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی جاہل کا اتباع کرے یہ سب اہل اسلام میں علمائے صلحا کی تلقین فرمائی ہوئی ہیں از انجملہ یہ بات کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ عیدین وغیرہ میں جو فاتحہ دیتے ہیں تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا جدا نکالتے ہیں یہ مسئلہ بھی امام ربانی مجدد الف ثانی کے کلام میں موجود ہو مانعین اس امام کے معتقد ہیں وہ اپنے

میں شب قدر کی اور پھر غرض تو اثبات امکان طلبگار صدقات وخیرات کے آتے ہیں اور دلیل میں یہ کہ زیارت اولاد کے واسطے نزول ہوتا ہے عمدہ استدلال ہو پھر جب مؤلف کو تنبہ ہوا کہ اس کو مدعا سے لگاؤ نہیں تو حاشیہ میں عذر کیا اور جمع کیا کہ شاید اس رات میں زیارت کے واسطے ہی آتے ہوں گے سبحان اللہ تو پھر اس کا یہاں لانا محض تطویل ہوا اس سے کیا نفع تھا معہذا ایسے ضعاف اقوال پر مدار اعمال عقیدہ مؤلف کا کہ جسکو محدث وفقیہ قبول نہیں کرتے محض سخن پروری ہو ورنہ پہلی عجالہ نافعہ سے نقل ہو چکا کہ طبقہ رابعہ کی کوئی حدیث قابل عمل نہیں چہ جائیکہ عقائد میں معتبر ہوں غرض مؤلف کی کوئی کل درست نہیں قولہ اب گوش ہوش سے سننا چاہیئے الخ اقول ولد صالح کی صدقہ نفع مسلم ہو اور ایصال ثواب اموات کو مستحسن مگر مدعا مؤلف کا کہ ایام مقررہ میں ارواح کا آنا ہو اس کو اس سے کچھ مدد نہیں ملتی ثواب پہنچانا اور عیدین کو اور شب برات کو بھی درست ہو، مگر مقید کرنا اور زیادہ موکد وموجب ثواب کا ہونا غیر مسلم ہو بہر حال اصل

تنزل الملائکۃ والروح سے شب برات وغیرہ میں ارواح کا آنا ثابت نہیں ہوتا

اپنے مکتوبات کی جلد ثالث میں لکھتے ہیں، باید کہ ہرگاہ صدقہ بمیت نیت کند اول باید کہ بہ نیت آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ہدیہ جدا سازد بعد ازاں تصدق کند کہ حقوق آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام فوق حقوق دیگران است و نیز بریں تقدیر احتمال قبول صدقہ است بطفیل آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والتحیات، انتہی سبحان اللہ ایک ایسے ایسے علماء دیندار تھے کہ کیا کیا ہدایت کے طریقے تعلیم فرماتے تھے اور ایک اب پیدا ہوئے ہیں کہ بالکل اعمال معمولہ قدیمی اور خیرات مستحسنہ سلف کو بند کرتے جاتے ہیں، نعوذ باللہ منہا اور یہ جو مولوی اسحاق صاحب نے مائۃ مسائل میں تحریر فرمائی ہے کہ آمدن ارواح دریں شبہا از احادیث صحیحہ مرفوعہ متصل الاسناد ثابت نگشتہ، اور

مسائل اربعین میں ان حدیثوں کو لکھا، بعض علماء محدثین ایں روایات را تضعیف ہم فرمودہ اند و بیان غربت آں کردہ اند انتہی کلامہ میں کہتا ہوں کہ اس فاضل کے کلام سے بس اسی قدر ثابت ہوا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد نہیں بعض محدثین نے انکو ضعیف بھی کہا ہے سو اصول حدیث میں یہ مقرر ہو چکا ہو کہ حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث جھوٹ بنائی ہوئی موضوع ہو چنانچہ ملا علی قاری اور صاحب مجمع البحار اپنے رسائل موضوعات حدیث میں لکھتے ہیں قال الزرکشی بین قولنا لم یصح و قولنا موضوع بون واضح فان الوضع اثبات الکذب و قولنا لم یصح لا یلزم منہ اثبات العدم الخ بال البتہ صحیح نہ ہونے سے یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہو کہ ضعیف ہے، پس حدیث ضعیف کا ہم کو حکم سنو تفسیر روح البیان کی دوسری جلد مطبوعہ مصر کے صفحہ ۲۲۲ میں ہو وان کانت ضعیفۃ الاسانید فقد اتفق المحدثون علی ان الحدیث الضعیف یجوز العمل بہ فی الترغیب والترھیب یعنی اگر حدیثیں ضعیف ہیں تو اتفاق کیا ہو کل اہل حدیث نے کہ حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے جس مقام میں رغبت دلاتے ہیں نیک کام پر یا ڈراتی ہوں برے کام سے اور نقل کیا اس کلام کو صاحب روح البیان نے امام نووی اور حلبی اور ابن فخر الدین رومی وغیرہم سے اور اسی طرح منقول ہے فتح المبین مؤلفہ علامہ ابن حجر کی اتفق العلماء علی جواز العمل

مدعا مؤلف کا کوئی ثبوت نہیں لہٰذا مؤلف زار زار رو کر افسوس اپنی کم علمی پر کرتا ہو ہر گاہ کہ کوئی روایت مثبت مدعی کی نہیں اور خزانہ کی روایت خود مخدوش بناچاری اس کی مؤلف نے توثیق شروع کر دی کہ عوام کو اس سے ہی کچھ طمانیت ہو جاوے اور خواص تو جان چکے کہ یہ روایت ہرگز قابل اعتماد نہیں اور فہیم اس کا واضح ہو گیا اب مؤلف افسوس کیے جاوے قولہ الحاصل یہ بات الخ اقول مؤلف کیوں اپنے کلام کو طول لا حاصل دیتا ہو امام ربانی نے یہ فرمایا کہ مطلقاً جب صدقہ کرو تو فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ضرور یاد رکھو آپ کا حق اقدم ہے اور یہ حکم عمدہ اور نیک بات ہو اس میں کوئی علامہ نہیں مگر اس میں نہ عید نہ شب برات نہ محرم بس مؤلف کو اس سے کیا نفع ہے مؤلف کا مدعا اس سے ثابت نہیں پھر کیوں تطویل کرتا ہو قولہ اور یہ جو مولوی محمد اسحاق الخ اقول مولوی اسحاق صاحب نے ان روایات کو ضعاف ہی فرمایا ہو موضوع نہیں فرمایا گو بعض روایات جن کا ذکر ہوا متروک معلوم ہوتی ہیں مگر یہ بحث مؤلف کی بالکل لغو ہے کیونکہ وضع کی تحقیق بدون اقرار واضع کے دشوار ہو اور بعد اقرار کے بھی قطع نہیں ہوتا مگر طریق علم اس کا خلاف قواعد مسلمہ شرعیہ کے ہوتا ہو سو ثابت کیا گیا کہ صحاح کے خلاف ان روایت کا مضمون ہو اور بہ دلیل متروک و متہم ہونگی ہو اور پھر بعد اس کے یہ مسئلہ عقائد کا ہو اس میں مشہور و متواتر صحاح کی حاجت ہو چنانچہ لکھا گیا اور مؤلف خود مقر ہو کہ اعتقادیات میں روایات ضعاف معتبر نہیں بندہ کہتا ہو کہ احاد صحاح بھی معتبر نہیں چنانچہ فن اصول میں مبرہن ہے پس یہ روایات ہرگز معتبر نہیں،

مسئلہ کا جو اعتقادیہ ہے اس میں ضعاف تو کیا احاد صحاح بھی قابل اعتماد نہیں قولہ حدیث ضعیف کا الخ اقول مؤلف سے حدیث ضعیف کا حکم سنیں وہ خود ناواقف ہو روح البیان اور فتح المبین اور اصول سید شریف وغیرہ کی عبارات جمع کر دیں مگر مطلب نہیں سمجھا اور اچھا علم ایسا ہی خراب کرتا ہو ان سب کا مدعا یہ ہو کہ فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل درست ہو دیکھو ترغیب و ترہیب یا فضائل اعمال کے الفاظ سب عبارات

ے کمزور بے پختہ کرنا ضعیف کی جمع ۔۔۔ دوڑی ہوئی ۔۔۔ شرق ۔۔۔ ڈرانا۔

بالحدیث الضعیف فی فضائل ... الاعمال اور میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ اصول حدیث میں لکھتے ہیں و یجوز عند العلماء التساهل فی اسانید الضعیف فی فضائل الاعمال اور اعضاء وضو کے دھونے میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں وہ سب ضعیف ہیں باایں ہمہ لکھا صاحب درمختار نے فیعمل بہا فی فضائل الاعمال اور نسائی کا یہ طریق تھا کہ جس راوی کو بالاتفاق علماء حدیث نے چھوڑ دیا ہو اس کی حدیث نہ لیتا تھا باقی سب حدیث ضعیف ہر قسم کی لے لیتا تھا اور ابوداؤد کا مذہب یہ تھا کہ حدیث ضعیف کو امام مجتہد کی رائے سے افضل جانتا تھا اور یہ نسائی اور ابوداؤد مصنفین صحاح ستہ کے دو امام ہیں اور شرح سفر السعادۃ میں ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سب اصحاب متفق ہیں اس بات پر کہ حدیث ضعیف مقدم ہے قیاس اور اجتہاد پر انتہی پس حدیث ضعیف کی یہ شان نہیں کہ ہر طرح اس کو رد کیا کریں اور کسی موقع میں قبول نہ کریں اور رسالہ انتباہ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ورد فی فضائل رجب الاحادیث باسانید ضعیفۃ لاباس بالعمل بہا فان وجد فی نفسہ قوۃ فلیعمل بہا اور مولوی قطب الدین خاں صاحب نے مظاہر الحق میں چھ رکعت صلوٰۃ الاوابین کو لکھا ہے اگرچہ ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے لیکن فضائل اعمال میں عمل کرنا حدیث ضعیف پر جائز ہے انتہی مؤلف کہتا ہے کہ صلوٰۃ الاوابین کی حدیث ایسی ضعیف ہے جس کی بابت مشکوٰۃ میں ہے لانعرفہ الامن حدیث عمر بن ابی خثعم وسمعت محمد ابن اسمٰعیل یقول ہو منکر الحدیث وضعفہ جداً پس مولوی قطب الدین خاں صاحب نے اس درجہ کی حدیث پر بھی عمل کرنا ثابت کیا ہے شرح ملا علی قاری کا اور مثالیں اس کی یعنی مقبول رکھنا حدیث ضعیف کا اعمال میں بہت مسائل فقہیہ میں ثابت ہے بباعث طول فقط انہی عبارات منقولہ بالا پر اکتفا کر کے اب قاعدہ کلیہ جو اصول حدیث اور اصول فقہ میں درباب حدیث ضعیف لکھتے ہیں نقل کرتا ہوں کہ حدیث ضعیف کو صفات باری تعالیٰ اور تحریم و تحلیل در اعتقادیات میں نہیں لیتے البتہ معجزات اور احوال قیامت اور موعظت اور فضائل اعمال میں مقبول کہتے ہیں اور فضائل اعمال کے معنی علامہ شامی شارح درمختار نے یہ لکھے ہیں کہ کسی عمل کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے حدیث ضعیف کو لے لینا جائز ہے انتہی کلامہ اور ضعیف پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل ایسا ہو کہ ایک قاعدہ عام شرعی میں اصل ہو اور اس شرط لگانے میں حکمت یہ ہے کہ حدیث ضعیف کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ وہ جھوٹی بے اصل ہے بلکہ ممکن ہے صادق ہونا اس کا پس اگر وہ حدیث ضعیف نفس الامر میں عند اللہ صحیح تھی تو اس پر عمل ہونا بہت اچھا ہوا اور اگر وہ نفس الامر میں ثابت نہ تھی تو اس پر عمل کرنے سے کچھ نقصان نہ لازم آیا کیوں کہ وہ قاعدہ کلیہ عام شرعی میں اصل ہے

میں منقول ہیں بھلا اب کوئی مؤلف سے پوچھے کہ لیلۃ الجمعہ اور شب برات و عیدین کے صدقہ میں کونسی فضیلت و ثواب عظیم مذکور ہے جس پر عمل کرنا جائز ہو ذرا آنکھ کھولو، ہوش کرو، ان روایات منقولہ اشعۃ اللمعات و خزانۃ الروایات و دستور القضاۃ میں کسی میں کوئی فضیلت و ثواب مذکور نہیں ہے فقط ارواح کا آنا اور حسرت ناک بات کرنا اور طلب صدقات کرنا ہے پس یہ فضائل اعمال کس طرح ہوئے ہاں علماء ان کے آنے کا ہے، پھر اس کو کون عاقل فضائل اعمال کہے گا ہاں حدیث صوم رجب اور صلوٰۃ اوابین میں مثلاً فضل عمل ہے سو اس کو اس پر قیاس کرنا علم ہے یا جہل وہ ثواب اور یہ بحث، سبحان اللہ کیا کہنا اور پھر جو بددعا دینا مردوں کا بعض روایت میں ہے اس کو کوئی ترہیب جانتے سو یہ بھی غلط کیونکہ محقق ہے کہ یہ مردوں کا ظلم ہوگا اور خلاف امر حق تعالیٰ کے ہوگا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا پس غلط بات کو ترہیب کا امر نہیں بنا سکتے کہ مؤلف ترغیب ترہیب فضائل اعمال کو بھی نہیں سمجھتا کہ کیا ہوتا ہے فقط لفظ یاد کر لئے ہیں اور بدون مطلب اہل اصول کا سمجھے اپنے مدعا پر دلیل غیر مطابق لکھ مارا ہے اور کچھ ہوش نہیں صاحب انوار کا ایک قاعدہ متعلقہ اصول کی تخلیط قولہ مؤلف کہتا ہے الخ اقول منکر اصطلاح محدثین میں اس کو کہتے ہیں کہ راوی اس کا ایسی بات کہے کہ اپنے اوثق و قوی کے خلاف ہو سو یہ بھی ایک قسم ضعیف کی ہے اس میں کوئی بہت زیادہ درجہ ضعف کا نہیں ہوتا پس مؤلف کا یہ کہنا

حدیث بہت زیادہ قابل اعتماد نہ کمزور سلہ ڈرانا،

مثلاً یہی دعائیں جو وضو کے اعضا دھونے میں جو ضعیف حدیثوں سے ثابت ہوئی ہیں اگر یہ نفس الامر میں عند اللہ صحیح ہیں تو حق ان احادیث کا ادا
ہوگیا، اور ثواب موعود مل گیا اور اگر یہ حدیثیں عند اللہ صحیح نہیں تو ہر عضو پر جدا جدا دعا پڑھنے سے گنہ گار بھی نہیں ہوتا کیوں کہ اس نے دعا پڑھی ہے
کچھ اور گناہ تو نہیں کیا، اور مطلق دعا کا مانگنا شرع میں ثابت ہے اور ایک حدیث ضعیف میں بھی حضرت سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا جس
شخص کو میری طرف سے کوئی حدیث پہنچی اس نے اس پر عمل کیا تو اس کو ثواب ملے گا اگرچہ فی الواقع وہ حدیث میری نہ ہو چنانچہ یہ مضمون شامی شارح
درمختار نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے۔ یعمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال لانہ ان کان صحیحا فی نفس الامر فقد اعطی حقہ
من العمل والا لم یترتب علی العمل بہ مفسدۃ تحلیل ولا تحریم ولا ضیاع حق الغیر وفی حدیث ضعیف من بلغہ عنی ثواب
عمل حصل لہ اجرہ وان لم اکن قلتہ اور اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے جو ماہ رجب میں ہزاری روزہ اور اس کی رات کو جاگنے کا حکم دیا ہے
وہ بھی اسی قاعدہ پر ہے یعنی اگرچہ یہ تخصیص دن اور رات کی ضعیف حدیث سے ثابت ہوئی لیکن مطلق روزہ رکھنا اور شب کو عبادت کرنا تو
دین میں ثابت ہے اور اسی طرح تحریر کیا ہے اوابین کو قطب الدین خاں صاحب نے جو لکھا ہے اس میں بھی یہی قاعدہ ہے یعنی اگرچہ یہ حدیث بہت
ضعیف اور منکر ہے لیکن اگر کوئی اس تعیین زمان اور تخصیص رکعات پر موافق اس حدیث ضعیف کے عمل کرے گا، تو کچھ برائی نہ ہوگی، کیوں کہ
مطلق نفل کا پڑھنا تو ہر وقت جائز ہے اور یہاں ایک اور مسئلہ سمجھنا چاہیے، کہ فقہاء رحمہم اللہ اس عمل کو جو حدیث ضعیف سے ثابت ہوتا ہے مستحسن
لکھا کرتے ہیں، چنانچہ اسی صلوۃ الاوابین کو باوجود حدیث منکر ہونے کے مستحب اور مندوبات میں فقہا لکھتے ہیں اور اسی طرح گردن کا مسح وضو
میں ضعیف حدیث سے ثابت ہوا ہے اس کو بھی مستحب لکھتے ہیں اور ماہ رجب کے روزہ کو فتاوی عالم گیری میں مرغوبات و مندوبات کے ذیل میں لکھا
ہے، جب یہ قواعد اور فوائد ذہن نشین ہو چکے تو اب ہم اس قاعدہ مقررہ فقہاء و محدثین کو مسئلہ متنازع فیہ یعنی روحوں کے آنے میں جاری کر کے دکھاتے

کہ صلوۃ اوابین کی ایسی ضعیف حدیث ہے کہ جس کو منکر کہا اور مؤلف نے اپنا اصول دانی جتلانے یہ بالکل ناواقفیت ہے عبث مؤلف نے اپنی لاعلمی ظاہر
کی اور ان روایات میں عمل ہی نہیں بلکہ علم ہے اور پھر اگر کوئی بپاس خاطر مؤلف کے عمل کو تسلیم بھی کر لیوے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل مؤلف کی جس چیز
بنیا ہو تو دیکھیے بعد اس کے جو مؤلف نے لکھا ہے وہ جواب طلب نہیں خواہ مخواہ تطویل کی ہے اس کے مدعی سے کچھ مساس نہیں **قولہ** اور یہاں ایک اور مسئلہ
سمجھنا الخ **اقول** یہ مؤلف کی نہایت غلط فہمی و جہل اور بالکل سرتاپا قاعدہ غلط ہے کسی نے یہ نہیں کہا محض اجتہاد و ایجاد نا صواب مؤلف کا ہے کیونکہ مستحب وہ
فعل ہے کہ فخر عالم علیہ السلام نے کبھی کیا اور کبھی ترک کیا یا رغبت اس کی دلائی ہو چنانچہ حد اس کی یہ لکھتے ہیں فعلہ مرۃ وترکہ اخری اور غیرہ
اور مستحب بھی حکم من الاحکام ہے تو اس کا ثبوت بھی حدیث صحیح یا حسن لعینہ یا لغیرہ سے ہوتا ہے ہرگز کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ضعف سے
متغیر نہ ہو جاوے، پس استحباب ان امور کا جو ثابت ہوا ہے تو آپ کے فعل و ترک سے یا رغبت دلانے سے ہوا ہے اور روایات ضعاف کہ ان ابواب میں
ہیں وہ تعدد طرق سے حسن لغیرہ ہو گئی ہیں مؤلف ناواقف یہ سمجھ گیا کہ یہ استحباب ضعیف حدیث کے سبب سے ہوا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ، کیا
علم و اصول دانی ہے، قال الدر المختار رواہ ابن حبان وغیرہ من طرق قال فی رد المحتار ای یقوی بعضہا بعضا فارتقی الی مرتبۃ الحسن
اقول لکن ہذا اذا کان ضعفہ لسوء ضبط الراوی لصدق الامین او للارسال او تدلیس او جہالۃ الحال مالیس لو کان لفسق
الراوی او کذب فلا تؤثر فیہ موافقۃ مثلہ ولا یرتقی بذلک الی الحسن۔ انتہی پس یہ جسقدر نظائر مؤلف نے لکھی ہیں اور جسقدر
کتب فقہ میں وارد ہیں سب احادیث حسن لغیرہ سے ثابت ہوئی ہیں اور استحباب ان کا یا ترغیب کے سبب سے ہے یا فعل و ترک کی وجہ سے نہ ضعیف
حدیث کے سبب جیسا مؤلف الٹا سمجھا، تعجب کرتا ہوں کہ آدمی ایسا آنکھ بند کر کے تمام دنیا کے خلاف دین میں قول لکھے اور شرم نہ کرے

لہ بہت زیادہ قابل اعتماد ٢ مختلف طریقوں سے

ہے اول گفتگو ہماری اس بات میں ہو کہ وہ جو فاضل مذکور نے لکھا ہو کہ بعض محدثین نے احادیث آنے ارواح کو ضعیف کہا ہو، ہم کہتے ہیں کہ بعض
محدثین کے ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ کل کے نزدیک ضعیف ہو ملا علی قاری وغیرہ لکھتے ہیں لاحتمال ان یکون الحدیث موضوعًا من طریق
صحیحًا من اٰخر پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں چونکہ صاحب خزانۃ الروایات نے جس کی سند اسی فاضل ذاتی تصنیفات میں پکڑی ہو اور فضائل اس
کے ہم اور وجوہ سے بھی بیان کر چکے ہیں، یہ حدیثیں آنے ارواح کے اپنے فتاوی میں درج فرمائیں لابد یہ بات دلیل ان کی صحت اور قوت اور معتمد بہ
ہونے پر ہو مقتدیان دین کا ایک حدیث کو لے لینا مقلدین کے نزدیک دلیل قوت ہو اور بالفرض والتقدیر اگر ہم موافق قول اس فاضل کے ضعیف
ہونا ان احادیث کا تسلیم کریں تو حدیث ضعیف پر عمل کرنا فروع مسائل اور فضائل اعمال میں اقوال فقہا و محدثین سے بالاتفاق والاجماع ثابت ہو
پس جو آدمی ان حدیثوں پر اس بات میں عمل کرے گا، کہ کچھ صدقہ فاتحہ درود تیوہاروں میں کریگا تو بلا شک امر جائز بلکہ مستحب ہوگا اس لئے اگر واقعی
وہ روحیں آتی تھیں تو سبحان اللہ اصل مدعا ثابت ہوا کہ وہ خوش خرم گئیں یہ آدمی ان کی بددعا سے بچ گیا اور ان کو ثواب پہنچ گیا، اور بالفرض والتقدیر اگر
روحیں نہیں آتی تھیں تو بھی یہ صدقہ اور فاتحہ درود تو ان کو پہنچ ہی جاوے گا ان کا پہنچ جانا تو اصل قاعدہ شرعی سے ثابت ہو عند اہل السنۃ والجماعۃ
بنا بر علیہ تیوہاروں میں صدقہ اور فاتحہ درود کرنے کو نہ فقط جائز بلکہ امر مستحب کہنا چاہئے، چنانچہ ہم اس کی چند نظیریں کلام فقہا سے صلوٰۃ الاوابین
اور سبحہ رغبیہ اور صوم رجب کی بابت لکھ چکے ہیں اور علاوہ اس کے بہت نظیریں اس کی کتب فقہ میں موجود ہیں، جس کی نظر متون و شروح فتاوی
پر ہو یہ بات اس سے مخفی نہیں، اللہ تعالیٰ دلوں میں انصاف دے آمین یا رب العالمین آمین **لمعہ رابعہ بیان طریقہ سوئم کا**، اس عمل میں
پانچ چیزیں ہیں، کلمہ طیبہ پڑھنا شمار کے لئے دانہ ہائے نخود کا معین کرنا، ختم قرآن کرنا، برادری اور دوست آشناؤں کا واسطے قرآن اور کلمہ پڑھنے
کے لئے جمع ہونا، اس کام کے لئے تیسرا دن ٹھیرانا، **بیان امر اول** اختیار کرنا کلمہ طیبہ کا اس لئے ہو کہ حدیث میں وارد ہوا ہو لا الٰہ الا اللہ
مفتاح الجنۃ اور امام ابو اللیث سمرقندی نے روایت کی ہو انس سے عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قیل لہ یا رسول اللہ ھل للجنۃ
ثمن قال نعم لا الٰہ الا اللہ، جب معلوم ہوا کلمہ طیبہ کنجی ہے جنت کی اور قیمت ہے جنت کی تو ثواب سانی ایسی چیز کی نہایت درجہ اولیٰ و انسب ہے

قولہ اب ہم قاعدہ مقررہ فقہا الخ **اقول** ہرگز جاری نہیں ہو سکتا ہرگاہ کہ محدثین نے اس کی تضعیف کر دی بلکہ بعض روایت کے اوپر متروک ہونے
کا خیال ہے تو جب تک اس کو سند صحیح سے ثابت نہ کیا جاوے مجروح ہی رہے گی والجرح مقدم علی التعدیل اور یہ روایات تو بلا سند
ہیں اور مسند میں ان کے خلاف صحاح حادیث کے ہیں یہ بھی دلیل جرح کی ہو اور یہ باب علم کا ہو نہ فضل عمل کا، پس اس میں ہرگز یہ روایت کار آمد
نہیں اور صاحب خزانہ کے نقل کر دینے سے تعدیل نہیں ہوتی اور یہ احتمال کہ کسی نے توثیق کی ہوگی یہ فن حدیث میں معتبر نہیں اگر نسائی
ابن ماجہ مثلاً بلا توثیق ذکر کریں باوجود بیان سند کے وہ بھی توثیق نہیں، چہ جائیکہ نقل خزانہ بلا اسناد و توثیق معتبر ہو جاوے خود بخاری کی تعلیقات
باوجود التزام صحت کے اور اتفاق اس کی صحت کے مسند کے برابر نہیں، پھر خزانہ کا کیا ذکر ہے اور یہ سب اصول فقہ و حدیث میں بدیہی ہے
گو جاہل ان علوم سے نہیں جانتا پس یہ روایات ہرگز کسی کے نزدیک معتبر نہیں اور نہ ان پر عمل درست ہو کیونکہ یہ باب علم سے ہے، نہ
فضل عمل سے، پس استحباب تو کیا اباحت بھی ثابت نہ ہوئی، بلکہ یہ فعل بدعت ہی رہا اور مؤلف کا جہل بأصرح الوجوہ ثابت ہو گیا،
سوئم کی بحث **قولہ لمعہ رابعہ الخ اقول**، پہلے لکھا گیا کہ ایصال ثواب کلمہ اور قرآن کو کوئی منع نہیں کرتا مؤلف بے سود تطویل کرتا ہے
مفتیوں نے جواب میں ایصال ثواب کو مستحسن لکھا ہو، مگر مؤلف آنکھ نہیں رکھتا اور مؤلف نے یہ قاعدہ ذہن نشین کر لیا ہو کہ جو حکم
اجزاء کا ہوتا ہے وہی مجموعہ مرکبہ[2] و ہیئت ترکیبیہ کا ہوتا ہو اور اس کا پہلے بطلان ہو چکا ہے، پس اب جو فضائل کلمہ کے درایجا[1]

[1] پختہ کرنا، [2] چند اجزاء سے ترتیب دیا ہوا مجموعہ [3] تعدیل پر جرح مقدم ہے

اور علاوہ اس کے یہ بھی ایک حدیث میں آیا ہو کہ جو کوئی میت کی نیت سے ایک لاکھ بار لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور ثواب اس کا میت کو بخشنے، اگر وہ قابلِ عذاب ہوگا اس کو عذاب نہ رہیگا اور اگر وہ قابلِ عذاب نہیں تو اس کے درجات بلند کردیے جاوینگے اور ایک روایت میں ستر ہزار بار پڑھنا لا الٰہ الا اللہ کا آیا ہو چنانچہ بزرگانِ دین سو اس پر عمل پایا گیا ہو حضرت امام ربانی مجدد الفؒ ثانی مکتوبات میں حکم فرماتے ہیں، بیاں راں و دوستاں فرمایند کہ ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ بروحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق و بروحانیت مرحومہ ہمشیرہ ام کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار را بروحانیت یکے بخشند و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے از دوستاں دعا و فاتحہ سوال است انتہٰی، اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی اس باب میں ایک قصہ منقول ہو جس کو مولوی محمد قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب تحذیر الناس مطبوعہ بریلی کے صفحہ میں لکھا ہو کہ حضرت جنیدؒ کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہوگیا آپنے سبب پوچھا تو بروے کاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنیدؒ ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب وعدہ مغفرت ہو اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخشدیا، اور اس کو اطلاع نہ کی، مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہو آپنے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں، آپنے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھکو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوئی انتہٰی کلامہ دیکھو ان روایات احادیث اور دستور العمل ہونے سلف صالحین سے وجہ تخصیص کلمہ طیبہ کی عمدہ طرح پر ظاہر ہوگئی، پس بدعت اور ضلالت کہنا اس کا رد ہوگیا دوسرا امر تخصیص دانہ نخود کی وجہ یہ ہو کہ دانہ نخود اگر متوسط ہو نہ بہت چھوٹا نہ بہت بڑا، پہلے وزن سے کہ وہ اسی روپیہ زیادہ تھا ساڑھے بارہ سیر نخود از روے شمار ایک لاکھ دانہ ہوجاتا ہو اس عاجز نے بھی اس کو آزمایا ہو، اور دو شمار جو حدیث میں آئے ہیں ایک میں ستر ہزار دوسرے میں سو ہزار احتیاطاً سو ہزار یعنی ایک لاکھ پر عمل کیا گیا ہو اور ہر کسیکو قدرت نہ ثواب اس کا لکھا تھا کسی کو مضر نہیں لہٰذا اس میں کلام کرنا بھی حاجت نہیں مگر یہ قول مؤلف کا کسقدر غفلت اور خیانت ہو، پس بدعت اور ضلالت کہنا اس کا رد ہوگیا کیوں کہ کلمہ کو کس نے بدعت کہا ہو البتہ اس ہیئت کو بدعت کہا ہو؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؛ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ؛؛

قولہ دوسرا امر تخصیص دانہ نخود الخ اقول فی الواقع اول میں دانہ نخود کے اختیار کی یہی سوم کی ہیئت ترکیبیہ بدعت ہو نہ کہ کلمہ و دیگر اجزاء

وجہ تھی، اور پھر صدقہ کردیا کرتے تھے اساں بعد بریاں کرنا نخود کا تجربہ ہوا کہ فقرا کہاں بھناتے پھرینگے پھر یہ عادت ہوئی کہ جس نے جسقدر پڑھے دکی پر ٹھیکیا پھر یہ تجویز ہوگئی کہ بعد فراغت کے سب کو جمع کرکے تقسیم کیا جاوے تاکہ قرآن خواں بھی محروم نہ رہیں اب یہی دستور ہوگیا ہو اب سنو کہ مؤلف سابقاً خوب وثوق کے ساتھ لکھ چکا ہے کہ جب طعام کا جواز ثابت ہوگیا تو شیرینی بھی طعام ہو اور قلت و کثرت کا اعتبار نہیں پس جب ایک دو لڈو کی ڈلی ضیافت ہو تو دو مٹھی نخود بدرجہ اولیٰ طعام ضیافت ہو کہ آدمی کو ایک وقت کفایت کرجاتے ہیں، اور اب عرف میں یہ نخود حاضرین سیوم کو یہی واسطے تیار ہوتی ہو کہ بعد ختم ان کو دیے جائینگے للمعروف کالمشروط اہل میت بھی اسی واسطے کرتے ہیں اور حاضرین بھی اس کو تناول کی نیت رکھتے ہیں، پس ضیافت ہونے میں کیا تامل رہا، اور اجتماع برائے حاجت کا میت کے واسطے اہلِ میت کے پاس ہوتا ہو لہٰذا حدیث جریر عبد اللہ کنا نری الاجتماع الی اہل المیت وصنعھم لطعام من النیاحۃ الحدیث اس پر برابر صادق آگئی کیونکہ اس حدیث میں اجتماع کو مطلق فرمایا ہو کوئی قید نہیں کہ کس واسطے جمع ہونا تھا خواہ محض

تھی، کہ اس قدر تسبیحیں جمع کرتا یا جنگل اور بازار وغیرہ سے گٹھلیاں کھجور یا جامن وغیرہ کی چنتا ہو اور جابجا سے سمیٹتا ہوا پھرتا،
نخود میں یہ فائدہ ہوا کہ سہل الحصول ہیں جہاں سے چاہا جس نے بے تکلف مول لے لئے شمار کی شمار اس میں قائم رہی اور بعد فراغ وحصول کام
ان کو تقسیم کر دیا یہ دوسری منفعت حاصل ہو گئی اس کا بھی ثواب میت کو پہنچے گا اور اس قسم کی تعینات سے منع اور کراہت ثابت نہیں ہو سکتی
دلیل اس کی یہ ہے کہ روایت ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن حبان و حاکم سے یہ حدیث بطولہ ثابت ہے خلاصہ اس کا یہ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ
وسلم نے ایک عورت کو دیکھا تھا کہ گٹھلیاں یا کنکریاں لئے ہوئے ذکر اللہ بے شمار کر رہی تھی، آپ نے اس کو منع نہ فرمایا اس قدر ثبوت سے
فقہاء رحمہم اللہ نے مسئلہ نکال لیا لاباس باتخاذ السبحۃ، یعنی کچھ مضائقہ نہیں تسبیح ہاتھ میں لینے کا حالاں کہ کنکریوں یا گٹھلیوں کی گنتی اور
تسبیح میں بڑا فرق ہے یعنی دانوں کا گول کرنا اور پھر دانے بھی عقیق یمن کے عقیق البحر کے صندل زیتون سنگ مقصود واستخواں شتر شیشہ وخاک
شفا وغیرہ کے ہوتے ہیں اور ان میں سوراخ کرنا پھر ان کی شمار سو دانہ پر رکھنا پھر ان میں تاگا پرونا ان میں ایک دانہ کو امام سب دانوں کا
مقرر کرنا یہ سب امور مسلم الثبوت اور اہل اسلام کے عمل میں ہیں حالاں کہ ثبوت فقط کنکریوں پر شمار کرنا ہوا ہے اور ان فروعات زائدہ
کے جواز پر صاحب بحر الرائق اور حلبی اور علامہ شامی شارح در مختار اس طرح اشارہ کرتے ہیں لاتتمیز السبحۃ علی مضمون ھذا الحدیث
الا بضم النوی فی خیط ومثل ذلک لا یظہر تاثیرہ فی المنع، اب دیکھئے ضم النوی فی خیط کا لفظ لکھ کر جمع تخصیصات اور تعینات
تسبیح کی طرف جو اوپر مذکور ہوئیں فقہاء اشارہ کر گئے بقولہم مثل ذلک الی آخرہ، یعنی ایسی باتوں کی جمع میں کچھ دخل نہیں تسبیح سے مقصود
شمار ذکر ہے سو شمار ذکر کا جواز حدیث سے پایا گیا بجائے علیہ دانہ ہائے نخود پر شمار کرنا بھی بمقتضائے قاعدہ شرعیہ مستنبط فقہاء رحمہم اللہ جائز

تعزیت مکررہ کے واسطے خواہ قرآن پڑھنے کو اور مطلق کو مقید کرنا بالرائے حرام ہے اور طعام بھی مطلق ہے کہ نخود شیرینی کو سب کو شامل ہے اور
اس زمانہ میں قطعاً تقسیم نخود میں صدقہ کی نیت نہیں رہی کہ بفقیر وغنی جملہ حاضرین کو دیا جاتا ہے گویا صلہ کلمہ اور قرآن پڑھنے اور حاضر ہونے
کا ہے اور یہ سب واضح ہے کہ اس کا انکار بداہت کا انکار ہے، پس مورد اس حدیث کے ہونے میں کوئی تامل نہیں رہا اور روایت شرح
منیہ وغیرہ کی یکرہ اتخاذ الطعام بھی اس پر صادق ہے اور یہ عذر کہ فقراء کے واسطے یہ نخود ہیں لہٰذا یہ صورت داخل اس دوسری روایت
شرح منیہ میں ہے کہ کہتا ہے وان اتخذ للفقراء کان حسنا، بالکل لغو ہے اس میں اب فقراء ہرگز مقصود نہیں بلکہ حاضرین سیوم مقصود ہیں قرآن
خواں وکلمہ خواں کو اور حاضرین کو خواہ غنی ہوں خواہ فقیر تقسیم ہوتے ہیں اگر صدقہ ہوتا تو اغنیاء کو کیوں دیا جاتا اور اعتراض ونظیر شارح
منیہ کی باطل ہو چکی کہ نص مطلق کو مقید کرتا ہے چنانچہ در مختار سے منقول ہو لیا، پس بحث سبحہ کی مؤلف نے جو لکھی ہے محض لغو ہو گئی اسی واسطے
سفر السعادۃ میں کہا کہ عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند الخ جس کو مؤلف آگے رد کرتا ہے اور بے فہمی اور بد دیانتی اپنی ظاہر کرتا ہے کیوں کہ
اس کا رد حدیث کا رد ہے بہرحال اس اجتماع اور تقسیم طعام کا حدیث اور فقہ سے کراہت ومعصیت ہونا ثابت ہو گیا، پس بایں وجہ نفس
نخود اب بدعت وقباحت ہو گئی اور خود اجتماع تو نیاحت ہی ہے اور پھر اب عوام کے نزدیک نخود کا ہونا ضروریات میں ہو گیا ہے کہ بدون
اس کے سیوم ہوتا ہی نہیں کچھ بھی شیرینی ہو تو دو سیر نخود ضرور ہوویں کہ تقسیم کئے جاویں تو یہ دوسری وجہ بدعت ہونے کی ہے جس کو خود مؤلف قبول کر چکا
ہے کہ نص مطلق کو مقید کرنا قابل جرح وتوبیخ کے ہے ہاں البتہ اگر بچہ خرد سال مرتا ہے تو ارازل قوم میں اس کا سیوم فقط بخانہ اہل میت
جمع ہوتا ہے اور جو جوان بوڑھا مرتا ہے تو جمع ہو کر کلمہ قرآن بھی پڑھتے ہیں اور پھر دروازہ میت پر جاتے ہیں اور شرفاء میں بچہ کا سیوم موقوف
ہو گیا اور جوان کے سیوم میں دروازہ کا جانا اب موقوف ہو گیا ہے، الغرض مقصود اجتماع سے وہی تکرار تعزیت ہے اور قرآن کلمہ ضمناً

سب کے جمع ہونے کی عادت ہے نہ تھی کہ کم عمر کا ترک جاتا۔

ہوا بلکہ دانہ ہائے نخود کے شمار کو واقعہ فقہ حدیث سے زیادہ ترشمار کرتے ہیں بہ نسبت تسبیح کے کیوں کہ تسبیح میں تو نہ زائد بہت ہیں
کم یا ذکر نا تیسرا امر پڑھنا قرآن کا ہے جو لوگ قرآن خوانی کو منع کرتے ہیں وہ بھی ایک علماء کی عبارتیں پیش کرتے ہیں ہمیں اس کو بنہایت مستحکم جان
کر اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں سند اول یہ ہے کہ سفر السعادۃ کی عبارت سیف السنہ کے صلا میں نقل کی ہے اس طرح کہ عادت

نبوی نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور و نہ غیر آں و ایں مجموع بدعت است انتہی میں کہتا ہوں
حضرت صلے اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے جنازہ کی نماز بذات خود پڑھتے تھے یہ نماز نجات کے واسطے کافی ہوتی تھی، فتح القدیر میں ابن حبان
اور حاکم سے روایت کی گئی ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کوئی تم میں مر جایا کرے مجھکو ضرور خبر کیا کرو فان صلوٰتی
علیہ رحمۃ بیشک میرا نماز پڑھنا اس پر رحمت ہے اور قرآن شریف سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وصل علیہم
ان صلوتک سکن لہم تفسیر اس کی ابن عباس نے یہ کی ہے کہ دعا کر ان لوگوں پر بیشک تیری دعا ان کے لئے رحمت ہے اور امام
رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ روح محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت قوی نورانی روشن تھی جب آپ دعائے خیر ان کے لئے کرتے
تھے آپ کی قوتِ روحانی سے ان کی روحوں پر فیضان ہوتا تھا اور چمک جاتی تھی ان پر تو نورانی سے ان کی روحیں اور ظلمت سے

ہے چنانچہ بعض لوگ ایسے بھی مجمع سیوم میں برادری کے آتے ہیں کہ کلام قرآن سے کچھ کام ان کو نہیں محض رفع شکایت برادری کو آتے ہیں
تو غرض اصل حاضری ہی ہے اور تعزیت اور اجتماع الی اہل المیت مراد ہے اور اس میں تشابہ ہنود کا بھی حاصل ہوتا ہے کہ ان کے
یہاں بھی یہی دستور جمع ہونے پر برادری کا روزِ سیوم ہے تو یہ تین وجہ بدعت و کراہت سیوم کی اور تخصیص و تقسیم نخود کی واضح ہیں
کہ کوئی عاقل اس کا انکار نہیں کرسکتا

| سیوم کے قرآن خوانی کی بحث متضمن بر فوائد | قولہ تیسرا امر الخ اقول کیا صدق و دیانت مؤلف کا ہے کہ کہتا ہے کہ قرآن کو منع کرتے ہیں جیسا

اور پر کہا کہ تخصیص کلمہ کو بدعت ضلالہ کہتے ہیں حالاں کہ جواب میں مصرح ہے کہ ایصال ثواب مستحسن ہے، منع کرنا علماء کا بہیئت مروجہ ہے نہ
ایصالِ ثواب کو مگر بحمد اللہ یہ منع ان کا حدیث و فقہ سے ثابت ہوگیا قولہ سند اول الخ اقول یہ روایت سفر السعادۃ بعینہا حدیث جریر
کی ہے، بس فرق الفاظ کا ہی ہے اور اس حدیث کو تمام فقہاء نے قبول فرمایا دیکھو کہ حدیث جریر میں دو امر کا ذکر ہے اجتماع الی اہل میت اور
صنعۃ الطعام جس سے معلوم ہوا کہ دونوں امر کو صحابہؓ شنیع جانتے تھے اور ہر ہر امر کو بدعت و معصیت فرماتے تھے نہ کہ مجموع من حیث المجموع کو
مگر مجموعہ کی کراہت اس سے لازم ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ شرح منیہ اور فتح القدیر میں اتخاذ ضیافت کو اس حدیث سے قبیح لکھا ہے پس ضیافت
کیواسطے حاضر ہونا اجتماع للضیافت ہو نہ کہ اجتماع للمیت اور اجتماع الی اہل المیت خود تعزیت باجتماع قوم ہوتا ہے جیسا کہ وقت موت
اور دفن کے ہوتا ہے پس اس روایت فتح سے کہ کہتا ہے ویکرہ اتخاذ الضیافت من اہل المیت وھی بدعت مستقبحۃ لما روی
الامام احمد و ابن ماجہ باسناد صحیح الخ صاف ظاہر ہے کہ مجموعہ مراد نہیں بلکہ ہر ہر واحد مکروہ ہے اور تکرار تعزیت باجتماع یا انفراد بھی بدعت
ہے چنانچہ در مختار وغیرہ میں مصرح ہے، پس اس کو جو سفر السعادۃ کہتا ہے کہ اجتماع عادت صحابہ کی نہ تھی تو مؤلف کا اس کو رد کرنا حدیث کا رد
کرنا ہے اور افعال صحابہؓ پر طعن کرنا ہے معاذ اللہ اور نہیں سمجھتا کہ ایصالِ ثواب کے واسطے جمع ہونا یہ رسم مروجہ بھی اجتماع الی اہل المیت ہے
جو کہ حدیث میں موجود ہے جبکہ وہ قرونِ خیر و ثواب کے حریص اور نفع رسانی مسلم کی حیاً و میتاً مشغوف اس کام کو برا جان کر ترک کریں
تو کسی دوسرے کو کرنا اگر بدعت نہ ہوگا تو کیا ہووے گا اور مؤلف کا یہ کہنا کہ آپ کی صلوٰۃ نجات کو کافی تھی پھر ختم قرآن کلمہ کی حاجت

لے کھانا تیار کرنا اہل میت کے پاس جمع ہونا زندہ یا مردہ پسند بدہ

نورانیت آجاتی تھی انتہیٰ کلامہ اور ظاہر ہو کہ نماز جنازہ میں دعا ہوتی ہے واسطے میت کے، پس حال حضرت کی دعا کا قرآن اور قول صحابی اور تفسیر امام کے اور نیز حدیث سے معلوم کر چکے کہ کیا کچھ اس میں مقبولیت اور فیضان الٰہی ہے ہم لوگ سو آدمی پر جسقدر چاہیں ختم قرآن کریں اور کلمہ فاتحہ درود پڑھیں لیکن اس ایک دعا کی برابری جو لبہائے سراپا رحمت حضرت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مقبولیت اور محبوبیت کے ساتھ نکلتے تھے نہیں ہوتی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم علاوہ نماز کے اور طرح پر بھی مشکل کشائی فرماتے تھے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب سعد ابن معاذؓ وفات پا گئے. حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا ہم بھی آپکے ساتھ دیر تک یہی پڑھتے رہے پھر آپنے اللہ اکبر پڑھا ہم بھی یہی پڑھتے رہے پھر حضرت سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا سبب ہو آپنے فرمایا کہ اس کو قبر نے دبا لیا تھا اس تسبیح و تکبیر کی برکت سے اس پر قبر ہر طرف سے فراخ ہوگئی، روایت کیا اس کو امام احمدؒ نے کذا فی المشکوٰۃ بھلا جہاں اس طرح پر مشکل کشائی اور دستگیری ہوتی ہو اگر ختم قرآن نہ کیا تو کیا حرج

نہ تھی محض خیال خام ہو یہ لاریب کہ آپ کی نماز نور و رحمت تھی مگر اس پر نجات جان کر کفایت کرنا اور صدقہ و خیرات کا ترک کرنا ہرگز نہیں تھا خود فخر عالم علیہ السلام بعد نماز کے ہر روز دعا و استغفار کرتے رہتے تھے اور بعد دفن کے بھی دعا کرتے تھے اور صحابہؓ بھی اپنی اموات کو باوجود نماز فخر عالم کے ثواب رسانی میں یاد رکھتے تھے سو یہ تقریر مؤلف کی محض ڈھکوسلہ عقل نا تمام کا ہو اور جہل ہے حقیقت تعامل صحابہؓ سے اور سفر السعادۃ یہ کہتا ہے کہ ختم از کار و قرآن اور اجتماع نہ تھا، نہ یہ کہ ایصال ثواب نہ تھا مؤلف کو فہم سے تو کام ہی نہیں وہ گور پر یا غیر گور پر قرآن و کلمہ پڑھنے کو جمع سب قوم کا ہونا بدعت کہتا ہو نہ انکار ایصال ثواب کا مگر فہم نہ ہو تو کیا علاج پھر مؤلف خود کہتا ہے کہ حضرت علیہ السلام سوائے صلوٰۃ کے اور طرح بھی مشکل کشائی کرتے تھے اور وہ کلمہ سبحان اللہ اور اللہ اکبر کا پڑھنا ہو کہ خود مؤلف نے نقل کیا. بندہ کہتا ہو کہ ایسا ہی ہر روز دعا و استغفار سے یاد رکھنا بھی مشکل کشائی ہو پس غور طلب ہے کہ آپ ہی تو مؤلف صلوٰۃ فخر عالم کو کافی کہہ آیا ہو اور اب دوسری مشکل کشائی کا اقرار کر دیا اور نہیں سمجھتا کہ جیسا آپنے کلمہ اور دعا سے مشکل کشائی فرمائی اب قرآن و ختم سے مشکل کشائی ہے اور صحابہؓ کے وقت میں یہی کرتے تھے اور جب خود آپ نے نماز اپنی کو کافی نجات کے واسطے نہ جانا پھر بھی مشکل کشائی فرماتے رہے صحابہؓ سے لے کر آج تک یہی امر مستحب ہے تو اب اس وقت اور قرن صحابہ میں اور زمان فخر عالمؐ میں کوئی فرق باقی نہ رہا نماز بھی پڑھتے ہیں اور ایصال ثواب بھی کرتے ہیں مگر میت کے واسطے الی اہل میت جمع ہونا جب تھا نہ اب ہونا چاہیے اور اس امر کو سفر السعادۃ بدعت کہتا ہے مؤلف کے فہم پر خلاف ہے اور اس کو ہی حضرت جریرؓ نے نیاحت میں شمار فرمایا علی ہذا قولہ قرآن نہ پڑھا تو مل کر ذکر اللہ تو حضرتؐ نے بھی واسطے میت کے قبر پر کیا الخ اقول محض کم فہمی ہے کیوں کہ سفر السعادۃ قصداً ختم میت کے واسطے جمع ہونے کو کہتا ہے اور وہ اجتماع لدفن میت تھا اس میں ضرورت اس ذکر کی ہوگئی تو اس کو فرمایا غرض اجتماع للمیت جو مراد سفر السعادۃ کی ہو اس میں اور اجتماع میں جو دفن میت کے واسطے تھا کہ فرض کفایہ ہو اور اس میں ذکر کیا فرق زمین آسمان کا ہے اس کو اس سے کوئی مناسبت نہیں، پس یہ بھی نہ خلاف سفر السعادۃ کے ہے اور نہ حجت جواز اجتماع کی ہو سکے کیوں کہ سفر السعادۃ اس اجتماع کو بدعت کہتا ہو کہ بعد دفن میت کے دوبارہ ختم قرآن کے واسطے یا بغیر اس کے اہل میت کے پاس جمع ہوں، کہیں ہوں گور پر یا غیر گور پر اور اس کو ہی حدیث جریرؓ میں نیاحت میں داخل کیا ہے اور حالت اجتماع تجہیز و تکفین میں اگر کچھ پڑھتے رہیں اور ثواب پہنچا دیں تو وہ جائز ہے نہ اس کو سفر السعادۃ

عجب تھک کے ثواب پہنچانا کہ قبر کی مشکل آسان کرنا کہ میت کو دفن کرنے کے لئے جمع ہونا،

ہے، بلکہ قرآن نہ پڑھا تو مل کر ذکر اللہ تو حضرت نے بھی واسطے میت کے قبر پر کیا، پس جواز کے واسطے ایک اشارہ عند الفقہاء کافی ہے، اور بالفرض اگر عہد نبوی میں نہ پائے جانے کے سبب ختم قرآن کو بدعت کہیں مثل قول سفر السعادۃ کے اس کا مضائقہ نہیں لیکن وہ حسنہ ہے ناجائز اور مکروہ تو کہنا اس کا ہرگز صحیح نہیں، اس لئے کہ بہتیرے نیک کام حضرت کے بعد کئے گئے اور بالاتفاق جائز رکھے گئے اس کا نام علماء دین نے بدعت حسنہ رکھا ہے چنانچہ ہم اول تحقیق کر چکے ہیں اور اس مسئلہ میں بھی جزئی خاص پیش کرتے ہیں فتاوی قنیہ میں ہے وضع الید علی القبر بدعۃ والقراءۃ علیہ بدعۃ حسنۃ اور امام حجۃ الاسلام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے لاباس بقراءۃ القرآن علی القبور، اور اس جگہ امام نے ایک قصہ عجیب لکھا ہے، علی بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں احمد بن حنبلؒ کے ساتھ تھا ایک جنازہ پر بعد دفن کے ایک اندھا قرآن پڑھنے لگا، امام احمدؒ نے فرمایا ارے آدمی یہ کام بدعت ہے، جب ہم مقبرہ سے نکلے محمد بن قدامہ نے امام احمد سے پوچھا تم مبشر بن اسماعیل حلبی کو کیسا جانتے ہو فرمایا وہ ثقہ یعنی معتبر ہے، اس ذ پوچھا تم نے ان سے کچھ علم سیکھا ہے امام نے فرمایا ہاں جب معلوم ہوا کہ اقرار ان کے سے کہ وہ استاد ہیں امام احمد کے تب وہ محمد بن قدامہ بولا کہ خبر دی مجھ کو مبشر بن اسماعیل نے ان کو خبر پہنچی عبد الرحمان سے کہ جب ان کے باپ علاء بن الحجاج کا انتقال ہوا وصیت فرمائی کہ جب دفن کیا جاؤں میرے سرہانے قبر کے پیچ آیت اور آمن الرسول پڑھو اور یہ کہا کہ میں نے ابن عمرؓ کو سنا ہے وہ وصیت کرتے تھے اب بات کی اس وقت امام احمدؒ نے فرمایا کہ مقبرہ میں جاؤ اور اس اندھے کو کہدو کہ قرآن پڑھتا رہے اور فتاوی عالمگیری

منع کرتا ہے اور نہ حدیث جریر سے اس کا منع مفہوم ہے اور خود فعل فخر عالم کا قبر سعد بن معاذؓ پر اس کے جواز کی دلیل ہو مگر فہم کی حاجت ہے پس اس فعل مرسوم کو بدعت حسنہ نہیں کہہ سکتے بلکہ ضلالہ کہنا واجب ہو سعد کا یہ جاننا ضرور ہے کہ فخر عالمؐ نے ذکر بجہر یہاں کیا ہے وہ ایصال ثواب اس کا اور جہر سے دو کلمے۔۔ فرمائے تھے ورنہ خفی ذکر تو آپ کا ہر حال لازم تھا اسکا کبھی خیال ہے اور مؤلف کے استدلال کی خوبی معلوم رہی کہ ایصال ثواب اس روایت سے ہرگز نہیں نکلتا کاش کہ یہ عوام کالانعام جب دفن مردہ کے واسطے جمع ہوتے ہیں ذکر و کلمہ پڑھتے رہا کریں اور اس کا ثواب میت کو پہنچا دیویں اور خرافات بکواس جو اس وقت کرتے ہیں نہ کیا کریں تو آپ معصیت اور لغو کلام سے محفوظ رہیں اور مردہ کو دو کلمے سے زیادہ کلمہ پہنچ جاوے مگر شیطان کب ہونے دیتا ہے کہ سنت کے موافق کام ہو وہ تو بدعت پر رغبت دلا کر لاتا ہے **قولہ** اور بالفرض اگر عہد نبوی میں الخ **اقول** اجتماع مخصوص میں ختم کرنا ہو بدعت ضلالہ ہو نہ بدعت حسنہ اور ہم صلالت بوجہ اجتماع کے ہے نہ بوجہ ختم و قرآن کے اور قنیہ کی روایت مؤلف کو مفید ہرگز نہیں کیونکہ وہ قراءت علی القبر کو بدعت حسنہ کہتا ہے نہ اجتماع مخصوص ممنوع من الحدیث کو جس کو سفر السعادۃ نے نقل کیا ہو علیٰ ہذا قول احیاء العلوم کا اور اگر اس روایت کے اطلاق سے حجت لاؤ کہ مطلقاً قبر پر قرآن پڑھنا جائز ہے خواہ اس واسطے جمع ہوں یا نہ ہوں تو بھی غلط ہے کیونکہ اطلاق وہاں معتبر ہے۔۔۔ کہ نفس حکم قید کی موجود نہ ہو کیونکہ یہاں قید کا منع ہونا نص سے ثابت ہو گیا تو اب یہ روایت مطلق نہ رہے گی اور مقید ممنوع رہے گا اور یہ جو قصہ عجیب مؤلف نے لکھا ہے اس کا بھی مدعا یہی ہے کہ قرآن قبر پر پڑھنا درست ہے نہ کہ باجتماع مخصوص پڑھنا اگر عقل فہم ہو تو کچھ خفا نہیں، علیٰ ہذا روایت عالمگیریہ اور فتح القدیر اور ماتہ مسائل کا جواب ہے مگر مؤلف کو کچھ تمیز نہیں کہ اثبات کس چیز کا کرتا ہوں اور دلائل کیا لکھ رہا ہوں سبحان اللہ اور فتح القدیر میں جو اجلاس قارئین کا لفظ شبہ ڈالے تو اس کا بھی حال سنو کہ مراد حدیث جریر اور سفر السعادۃ سے اجتماع تو مع کراہت ہو کہ الی اہل میت ہو اور یہ چند قراء نے قرآن قبر پر جو پڑھا ہو تو اس اجتماع سے یہ جدا ہے

ـہ قبر پر لوگوں کا پڑھنا بلا مخصوص اجتماع جس کی ممانعت حدیث سے ثابت ہو سکے پوشیدہ گی،

بما ہے قراءۃ القرآن عند القبور عند محمد رحمہ اللہ لا تکرہ و مشائخنا رحمہم اللہ اخذ و بقولہ وھل ینتفع والمختار انہ ینتفع
ھذا فی المضمرات اور فتح القدیر میں ہو واختلف فی اجلاس القارئین لیقرؤا عند القبر والمختار عدم الکراھۃ اور مولوی اسحاق
صاحب نے مائۃ مسائل کے جواب سوال ہشتاد و سوم میں لکھا ہے ، حافظاں را برائے قراءۃ قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علماء را اختلاف است
مختار ہمیں است کہ جائز است الخ پس اگرچہ صاحب سفر السعادت نے قرآن خوانی کو بدعت لکھا لیکن کلام امام محمد و امام احمد بن حنبل اور
کتب فتاوی اور مولوی اسحاق صاحب سے خوب ثابت ہو گیا کہ قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں نہ جمع ہو کر نہ الگ الگ اور میت کو اس سے
نفع ہوتا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم قرآن نہ کرنے سے منع اور کراہت لازم نہیں آتی اس لئے کہ آپؐ بہت افکار جہاد وغیرہ
اور اصلاحِ امت اور تعلیم نو آمیز مسلمانوں میں مصروف رہتے تھے اس قدر فرصت کہاں پاتے تھے اور یہ بھی ہو کہ آپؐ کی ایک دعا اور صرف
نماز جنازہ پڑھ دینا ہمارے ختمات قرآن اور اجتماعات اذکار سے نہایت افضل اور اکمل ہوتا تھا اور بعد آپؐ کے انصارؓ نے اموات
پر قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور ان کے پیچھے تمام امت میں رائج ہو گیا چنانچہ عنقریب بیان آتا ہے ، پس یہ روایتیں تو ہم نے قبر پر قرآن

پڑھنے کی لکھیں مگر وہ اجتماع قوم کا اہلِ میت کے سبب سے ہے اور یہ اہلِ میت کے واسطے نہیں تا کہ تکرار تعزیت یا خلاف حدیث اس میں لازم آوے
جیسا سیوم مخصوص میں ہو لہذا اس کو اس سے کچھ مناسبت نہیں اگرچہ بعض علماء اس کو بھی مکروہ کہتے ہیں مگر صاحب فتح جواز کو راجح کہتا ہے
ہم نے تسلیم کیا کہ صاحب سفر السعادۃ کے نزدیک مطلق جمع للقراءۃ القرآن بدعت ہے تو وہ تو یہ کہتا ہے کہ صحابہؓ کا تعامل نہ تھا اور اس نے اجتماع
کو عموماً بدعت کہا تو غایت الامر یہ ہوا کہ جو صراحۃً منصوص حدیث جریر سے ہے تو وہ اتفاقاً بدعت و نیاحت ہوا اور جو سفر السعادۃ نے دوسری
فرد لکھی وہ مختلف فیہ ہوئی یعنی اس کے نزدیک وہ بھی بدعت ہے اور فتح القدیر نے قبر پر جمع ہو کر قرآن پڑھنا لوجہ اللہ تعالیٰ جائز کہا اور بعض دیگر
علماء نے جمع ہو کر قرآن پڑھنا لوجہ اللہ کسی وقت غیر معین میں جائز کہا مگر بہر حال اجتماع مخصوص الی اہل میت تو سب کے نزدیک بدعت
رہا تو بہر حال سیوم کا پڑھنا قرآن اور ختم کا تو سب کے نزدیک بدعت ہو گیا جس سے بحث ہے اور جس کو علماء سنت منع کرتے ہیں اور مؤلف جائز
کہتا ہو تو دوسری شق مختلف فیہ ہوئی سفر السعادت نے اس کو منع کیا اور بعض علماء نے درست رکھا مگر بہر حال اجتماع مخصوص سیوم کہ جس کی
بحث ہے وہ کسی روایت سے جائز نہیں ہوتا کیوں کہ اس میں اجتماع اہلِ میت ہو اگرچہ قرآن و کلمہ بھی پڑھتے ہوں پس روایات منقولہ مؤلف کی
سفر السعادۃ کے اصل مطلب کی کوئی خلاف نہیں مگر ایک شق خاص میں فتح اور سفر السعادۃ کے خلاف ہو اور وہ خلاف بھی مؤلف کو کچھ مفید
نہیں مگر فہم مؤلف کا قاصر ہے افسوس ہو کہ مؤلف کہیں مطلب نہیں سمجھتا اور اپنے کوتاہ فہم پر علماء پر طعن کرنا سہل جانتا ہو سب اہلِ علم غور کریں
پس واضح ہو گیا کہ قرآن و کلمہ کا ثواب پہنچانا بلا قید درست اور اجتماع مخصوص سیوم کا بدعت اور قول سفر السعادت کا قول صحیح
اور موافق حدیث جریر کے اور روایات منقولہ مؤلف کے ہے الا فی شق واحد کہ وہ خلاف مؤلف کو ہرگز مفید نہیں اور توجیہات رکیکہ مؤلف
کی سب واہی غلط خلاف واقعہ کے ہیں فقط قولہ اور آں حضرتؐ کے ختم قرآن کرنے سے الخ اقول مؤلف نے اول تو فہم مراد سفر السعادت
میں خطا کی ہو وہ کہتا ہو قرآن خوانند و ختمات خوانند ختمات سے مراد اذکار ہیں مؤلف ختم قرآن کا سمجھا تو کہتا ہے آں حضرت علیہ السلام کے
ختم قرآن نہ کرنے سے منع لازم نہیں آتا اور یہ محض غلط ہو بلا حجت لوگوں کے نزدیک قرآن و ذکر کا ثواب پہنچتا ہے ، انھوں نے قرآن کا وصول ثواب
احادیث سے ثابت کر دیا ہے پس سارا قرآن اور کم زیادہ خود ثابت ہو گیا ، ختم ہی کرنا ثابت ہو گیا ضرور ہے اور جو لوگ انکار کرتے ہیں جیسے شافعی
وغیرہ ان کے نزدیک اب بھی ثابت نہیں ، یہ عذر جہاد کا بالکل لغو ہو مگر مؤلف کو اس عذر کے لکھتے ہوئے شرم نہ آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ل عمل ۲ انجام کار ۳ مدلل ۴ جس میں اختلاف کیا گیا ہو ۵ صورت ۶ اعتراض ۱۲

پڑھنے کی بیان کہیں، اب سوائے قبر کے اور جگہ اگر جمع ہوکر پڑھیں اس کا کیا حکم ہو اس کو ہم مانعین کی دوسری سند میں بیان کریں گے
سند دوسری مانعین اپنے رسائل میں نصاب الاحتساب کی عبارت نقل کرتے ہیں ان ختم القرآن جہرًا بالجماعۃ ویسمی بالفارسیۃ سیپارہ خواند
مکروہ انتہی جواب اس کا یہ ہے کہ نماز کے اندر .... قرارت امام کا سننا اور اس وقت چپ ہو جانا تو بالاتفاق فرض ہے لیکن
اگر خارج نماز کے کسی مقام پر قرآن پڑھا جاتا ہو اس کے استماع میں اور سامعین کے خاموش ہو جانے میں اختلاف ہے بعضے اس میں بھی فرض
کہتے ہیں اور بعضے مستحب جو علماء مستحب کہتے ہیں ان کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں جو لوگ جمع ہو کر قرآن پڑھیں۔ بلند آواز سے اور جو فرض
کہتے ہیں ان کے نزدیک نہیں جائز فتاوی قنیہ میں ہے لیکن للقوم ان یقرء القرآن جملۃ لتضمنہا ترک الاستماع والانصات المامور بہما
لکن فی فتاوی ابی الفضل الکرمانی وقیل لا باس بہ لکن اروی عن عین الائمۃ الکرابیسی وعن نجم الائمۃ الحکیمی یہ دونوں
روایتیں جواز اور عدم جواز کی حلبی نے شرح منیہ میں اور دوسرے فقہانے بھی روایت کی ہیں ان روایتوں سے دو فائدے پیدا ہوئے ایک تو
یہ کہ جو لوگ علماء سلف میں منع کرتے ہیں انہوں نے یہ دلیل قائم نہیں فرمائی جو اس زمانہ کے مانعین قائم کرتے ہیں کہ حضرت کے وقت میں

رات دن جہاد میں مصروف نہ تھے اور نہ اعداد آلات جہاد اس درجہ کرتے تھے کہ ختم قرآن کی جو دو تین گھنٹہ میں پندرہ بیس آدمی کر سکتے ہیں گاہ ہو
مہلت نہ ملی یہ بداہۃً سفسطہ اور غزوہ موتہ کی جب خبر آئی اور زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہؓ اور جعفر طیارؓ کی شہادت معلوم ہوئی آپ مسجد
میں حزین بیٹھے رہے اور جماعت صحابہؓ حاضر تھی دو ساعت میں ختم قرآن ہو سکتا تھا علی ہذا خبر شہداء بیر معونہ وغیرہ میں پس یہ عذر کس قدر
چربوز وغلط ہے کہ جسکو کوئی عاقل بھی قبول نہ کرے گا الغرض ثواب قرآن شریف کا آپ کے زمانہ میں تھا مگر اجتماع مخصوص نہ تھا
مؤلف کا ذہن قاصر ہے اور پھر انصار بھی پڑھتے تھے اور اب تک جاری ہے اور جس کا انکار سفر السعادت کو ہے یعنی اجتماع الی اہل میت وہ کا
ہرگز ثابت نہیں ہوا مگر تامل فہم درکار ہے **قولہ** سند دوسری الخ **اقول** نصاب الاحتساب میں ہے قرآن جماعت کو جہرًا پڑھنا مکروہ لکھا ہے اور
یہ امر سوم کی قرآن میں مشاہد ہے مؤلف بھی اس کراہت کو قبول کرتا ہے اور کراہت تحریمی مراد ہے اور یہی راجح ہے اس واسطے کہ اس کو مدلل بیان کیا ہے
اور دلیل مسئلہ کی بیان کرنا وجہ ترجیح کی ہوتی ہے دوسری یہ کہ اس کے مقابل کو قیل کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ایسے موقع میں کہ ایک مسئلہ کو جزمًا بیان
کریں اور اس کے مقابل کو صیغہ مجہول سے بیان کریں تو اس میں ضعف ہوتا ہے اور یہ قواعد سب اہل علم جانتے ہیں بسبب شہرہ وبداہت کے نقل سند
کی حاجت نہیں اور دوسری روایت ضعیف پر بھی کراہت تنزیہ ثابت ہے کیونکہ لا باس کا اصل اطلاق کراہت تنزیہ پر بھی آتا ہے قال فی رد
المحتار وکلمۃ لا باس غالب استعمالہ فیما ترکہ اولی انتہی بہرحال علی الراجح جہرًا پڑھنا مکروہ تحریمی ہوا اور علی المرجوح کراہت تنزیہی ہوئی کہ وہ بھی
امر بدعت ہے ملکر موجب قوت منع کی ہرحال ہو جاویگی **قولہ** ایک تو یہ کہ لوگ الخ **اقول** سبحان اللہ کیا فہم عالی مؤلف کا ہے کہ اگر سلف کوئی
دلیل بیان نہ کریں اور خلف دلیل بیان کریں تو وہ دلیل معتبر نہ ہو سب اہل علم جانتے ہیں کہ ایک شی کی تین تین اور چار چار اور زیادہ دلیلیں
ہوتی ہیں، اگر کسی نے ایک حجت بیان کی تو دیگر حجج کا مرتفع ہونا کہاں سے لازم آگیا بلکہ اگر اولین کو ایک حجت جواز یا حرمت کی معلوم ہو اور
متاخرین کو زیادہ دلائل پر اطلاع ہو جاوے تو کون محذور ہے خود مؤلف نے نور چہارم میں ابن جوزی کے طعن کے رفع میں وہ دلائل لکھی ہیں
کہ پہلے کسی نے نہیں لکھی تھیں اپنے گھر کی مؤلف کو کچھ خبر نہیں سب تھوڑی عقل والے بھی جانتے ہیں کہ یہ دعوی عدم جواز اجتماع کا صحیح اور حدیث
جریر سے لعومہ ثابت ہے۔ پس اگر نصاب الاحتساب میں ذکر نہ ہو یہ تو دلیل مستاہد ابن ماجہ وغیرہ میں آنکھوں کو نظر آتی ہے اس کا رفع

ے غمگین کے اہل میت کے پاس جمع ہونا کے نصاحت کہ جس کے کرنے میں کوئی گناہ نہ ہو۔ ۳ حجت کی جمع سے ممنوع سے رد کرنا۔

جو جمع ہو کر قرآن نہیں پڑھا گیا اس واسطے منع ہو بلکہ یہ دلیل بیان کی ہو کہ جب سب پکار کر پڑھیں گے تو قرآن شریف کا سننا جو فرض ہے وہ ترک ہو گا دوسرا فائدہ یہ کہ جن عالموں نے منع کیا انھوں نے جہر سے پڑھنے کو منع کیا ہے، چنانچہ نصاب الاحتساب کی عبارت میں جس کو مانعین سند لاتے ہیں لفظ جہر صریح موجود ہے پھر یہ صاحب علی العموم ختم قرآن کو کیوں منع کرتے ہیں یہی فرما دیں کہ پکار پکار کر نہ پڑھیں تاکہ بالاتفاق جائز ہو اور اگر آہستہ پڑھیں گے بعضوں کے نزدیک جائز ہو گا اور بعضوں کے نزدیک نہیں چنانچہ صاحب خزانۃ الروایات نے کتاب مفید المستفید سے یہ فیصلہ نقل کیا ہے، بدیں عبارت در سپارہ خواندن اختلاف است اگر خوانند چناں خوانند کہ یک دیگرے نشنوند اور مولوی اسحاق صاحب نے سوال ہشتاد و سوم کے جواب میں خاص مائۃ مسائل میں لکھتے ہیں حافظاں را برائے قرارت قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علماء را اختلاف است مختار ہمیں است کہ جائز است بشرطیکہ باآواز بلند جمع شدہ قرارت نکنند انتہی. خلاصہ یہ کہ جمع ہو کر آہستہ اگر قرآن پڑھیں، خواہ قبر پر یا غیر قبر پر کسی کے نزدیک منع نہیں دیکھو جمع ہو کر قرآن پڑھنا قرآن کا حدیث صحیح میں وارد ہے، مسلم نے روایت کیا ہو کہ جس گھر میں آدمی جمع ہوتے ہیں اس لئے کہ تلاوت کریں کلام اللہ کی اور پڑھیں آپس میں اترتا ہے ان کے دلوں میں آرام و قار و طمانیت اور سب طرف سے لیتی ہے ان کو رحمت اور گرداگرد ان کے پھرتے ہیں فرشتے، دیکھو یہ کس قدر فضیلت عظمیٰ ہوئی، علاوہ بریں قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں لکھتے ہیں

کس طرح ممکن ہو اور حدیث صحیح میں ہو اگر صاحب نصاب الاحتساب کو اور دیگر علماء کو یہ معلوم نہ ہوا یا انھوں نے نقل نہ کیا، تو اس مشاہد امر کا انکار تو محض جنون ہو گا کہ معنی موجود و دلالت موجود دلیل کیوں نہ ہووے گی لاحول ولا قوۃ الا باللہ، کیا عمدہ فائدہ مؤلف کو ملا نہیں بلکہ یہ فائدہ ملا کہ دو علت کراہت کی حاصل ہو گئی اور ہم کو ظہور خوبی فہم مؤلف کا فائدہ حاصل ہوا دوسرا فائدہ بھی لغو ہو کیوں کہ در صورت خفیہ پڑھنے کے یہ کراہت رفع ہو جاوے گی مگر اجتماع مخصوص کا نیاحت ہونا اور تشبہ ہنود پر مثلاً کہاں چلا جاوے گا سو یہ فائدہ بھی نتیجہ ذہن مؤلف کا ہے کہ ایک علت کی رفع سے تمام علل کا رفع ہو جایا کرے، اور خزانۃ الروایات کا فیصلہ اس قرارۃ جماعت میں ہے کہ وہ اجتماع بدعت نہ ہو جیسا جمعہ کو جامع مسجد میں لوگ پڑھتے ہیں اس کو فیصلہ کرتا ہو اور ایسا ہی مولانا اسحاقؒ نے اجتماع جائز میں یہ فرمایا سوم کو بھی کچھ عذر نہیں کہ اگر مجمع مباح ہے اس میں آہستہ پڑھنا چاہئے، اور مجمع بدعت میں اگر آہستہ پڑھیں گے تو یہ کراہت رفع ہو جاوے گی اگرچہ دیگر وجوہ منع کے سبب سے وہ منع ہی رہے گا، مؤلف کو یہ گمان ہوا ہے کہ صاحب نصاب الاحتساب نے ایک ہی وجہ کراہت سیوم کی لکھی ہو، نہیں اس نے بہت سی وجوہ لکھی ہیں ایک یہ بھی لکھی ہو مؤلف ذرا ہوش کر کے اس تحریر کو بھی اتنا تو واضح ہو گیا کہ حدیث جریر سے دو کراہت سیوم کی مستفاد ہوئی اجتماع الی اہل میت اور صنعۃ الطعام چنانچہ محقق ہوا بیشتر عوام کے نزدیک تخود کا ضروری ہونا جس میں تغیر حکم شرعی کا باحت سے تاکد کی طرف ہے چوتھے تشبہ کفار ہنود، پانچویں یہ جہر خوانی اور سوائے ان کے بھی ہیں صاحب فہم کو تو واضح ہیں مگر سقیم العقل پر مخفی ہیں قولہ خلاصہ یہ کہ الخ اقول ہاں جب جمع ہو کر قرآن آہستہ پڑھنا درست مگر وہ جمع بھی مباح ہونا چاہیے سو حدیث مسلم میں مذاکرہ قرآن کے واسطے اجتماع کا کہ مستحب ہے، بلکہ بعض واجب کہ تذکیر و تذکر و وعظ ہی ذکر ہوا ہے اس پر اجتماع مکروہ کو قیاس نہیں کر سکتے یہ کوتاہی فہم کی ہو اور قاضی ثناء اللہؒ کی روایت تذکرۃ الموتیٰ کی جو مؤلف کو مفید نہیں سابقاً گذرا کہ یہ اجتماع وجہ اللہ تعالیٰ ہو نہ اجتماع الی اہل میت اور سیوم مروجہ دوسری قسم ممنوع میں داخل ہے نہ اول میں بار بار اعادہ تفصیل کا ضرور نہیں اور شعبان کی روایت میں انصار کا اختلاف قبور کی طرف مفید اجتماع کو ہرگز نہیں، انصارؓ کا قبر پر قرآن پڑھنا معلوم ہوتا ہے اور آنا جانا مجتمع ہو کر جانا اور قرآن پڑھنا جو اس میں بھی مؤلف کی کچھ دلیل نہیں، نفس قرارت علی القبر میں اوپر خلاف بیان ہو چکا اور اجتماع غیر مرسوم میں بھی قرأت

جس کی جمع سے کھانا تیار کرنا عقل کے مریض سے قبر پر پڑھنا جس کی رسم نہ ہو ۱۲

حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد گفتہ از قدیم در شہر مسلمانان جمع می شوند برائے اموات قرآن می خوانند پس اجماع شدہ انتہیٰ، اور کتب عربیہ
میں اس کی عبارت یوں ہے یجتمعون ویقرءون القرآن لموتاھم من غیر نکیر فکان ذلک اجماعاً، عربی عبارتوں میں من غیر نکیر کا لفظ صاف
بول رہا ہے کہ پہلے اس میں کوئی اختلاف نہ تھا اور علی قاری اور سیوطی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی سب لکھتے ہیں عن سفیان قال کان الانصار
اذا مات لھم المیت اختلفوا الی قبرہ ویقرءون القرآن اور علامہ عینی شرح ہدایہ کے باب الحج عن الغیر میں لکھتے ہیں ان المسلمین یجتمعون
فی کل عصر وزمان ویقرءون القرآن ویھدون ثوابہ لموتاھم وعلی ھذا اھل الصلاح والدیانۃ من کل مذھب
من المالکیۃ والشافعیۃ وغیرھم ولا ینکر ذلک منکر فکان اجماعاً. انتہیٰ مجموع۔ ان روایات سے یہ معلوم ہوگیا کہ مذاہب اربعہ اہل
سنت والجماعت کے تمام علماء دین دار محقق اور صلحاء ہر شہر میں قدیم سے جمع ہو کر قرآن اموات کے واسطے پڑھتے رہتے ہیں اور کوئی ان پر انکار نہیں کرتا
تھا، اور مراد یہ ہے کہ کوئی بڑا عالم محقق جس کی سند پکڑی جاوے اور اس کا انکار انکار شمار کیا جاوے، ایسا شخص کوئی نہیں منع .... کرتا تھا
اور کم درجہ کے علماء میں اگر کسی نے انکار کیا وہ رد کیا گیا اس کے قول پر عمل نہیں ہوتا عمل امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی پر رہا ہے۔ بالاتفاق
والاجماع کہ پڑھنا قرآن کا مجتمع ہو کر قبر پر اور مکانات پر بھی جائز ہے **چوتھا امر** مجتمع ہونا عزیزوں اور دوست آشناؤں کا واسطے پڑھنے
کلمہ اور قرآن کے سو وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک لاکھ کلمہ وارث میت تو .... پڑھ نہیں سکتا اور اگر کوئی ہمت بھی کرے گا، تو مدتوں میں تمام
ہوگا، یہاں میت کا ابھی کام تمام ہوا جاتا ہے اس کے حق میں جلدی چاہیے، پس لابد ہوا کہ دوست آشنا ایسی حالت میں ورثاء میت کی
مدد کریں کہ ان کے ساتھ مل کر جلد انجام کار فرماویں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تعاونوا علی البر والتقوی یعنی آپس میں مدد کرو نیک کام اور تقویٰ پر
اور یہ بھی ہے کہ جب وارثان میت نے یہ جلسہ ذکر کا منعقد کیا تو جس قدر مومنین طالبات حسنات ہیں سب کو اس میں شریک ہونا موافق حدیث
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موجب خیر و سعادت ہوگا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا یعنی جب
گذرو جنت کے باغ اور سبزہ زار میں تو وہاں چرو چگنے سے مراد یہ کہ خوب وہاں کا ثواب پیٹ بھر کے حاصل کرو، لوگوں نے پوچھا کہ
بہشت کے باغات اور سبزہ زار کیا ہیں آپ نے فرمایا حلق الذکر یعنی جہاں جماعتیں ذکر کرنے والوں کی حلقہ مارے بیٹھی ہیں روایت کیا
اس کو ترمذی نے کذا فی المشکوٰۃ اب ہم پوچھتے ہیں کہ اس جلسہ میں جو قرآن اور کلمہ پڑھا جاتا ہے یہ ذکر اللہ ہے یا نہیں؟ اگر کہتے ہو کہ نہیں تو

کا حال لکھا گیا، مگر بہر حال مؤلف کے اجتماع مخصوص کو غیر مفید محض ہے علی ہذا روایت عینی شرح ہدایہ سے حال اجتماع مختلف فیہ کا دریافت
ہوا، نہ مبحوث عنہ متعلق الکراہت پس مؤلف کی ترکی تمام ہوئی، اور حسن فہم مؤلف کا آشکارا ہوگیا کہ ایک نوع سے جائز سے دوسری نوع
بدعت پر استدلال لاتا ہے اور یہ خبر نہیں کہ ہر نوع دوسری نوع کی مباین ہوتی ہے کیا خوب ہوتا کہ تہذیب منطق ہی مؤلف پڑھ لیتا تو
ایسی خطائی الدین کرکے خلق کو گمراہ نہ کرتا۔

سیوم میں اجتماع برادری کی بحث

قولہ چوتھا امر جمع ہونا عزیزوں کا الخ **اقول** اس اجتماع کا حال تو ابھی روشن ہوگیا کہ صحابہؓ کے وقت سے
ممنوع[1] چلا آتا ہے اور مطلق اجتماع جس میں کوئی محظور شرعی تشابہ اور تخود اور تعیین وغیرہ نہ ہو خود جائز ہے سو وہ سیوم مروجہ کے
خلاف ہے، مگر یہ مؤلف کا کہنا کہ یہاں میت کا کام ابھی تمام ہوا جاتا ہے بڑی بے شرمی کی بات ہے کیوں کہ اگر ایسا میت کا خیال ہے تو
قبل دفن اس قدر کلمہ ہو سکتا ہے، اس وقت میت کا خیال نہیں ہوتا اب تیسرے روز جب تمام کام تمام ہو لیا تو ہوش آئی دفن کے

۱ جس کی رسم نہ ہو ۲ مخالف ۳ ممنوع۔

محفل بجاوئی اور فسانۂ عجائب ذرا اثر ہوگا اور اگر کہو کہ ہاں یہ مجلس مجلس ذکر ہے تو ہم کہیں گے کہ موافق ارشاد مخبر صادق کے یہ مجلس باغ اور سبزہ زار جنت ہے پھر اس میں چرنے سے کیوں منع کرتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں ارتعوا اور تم کہو لاترتعوا اور اللہ تعالیٰ فرماوے تعاونوا علی البر اور تم کہو لا تعاونوا کسقدر مقابلہ اللہ اور رسول کا ہے، دیکھو ایک وہ لوگ تھے کہ کسی امر مکروہ کو دیکھتے تھے اور اس میں کچھ خیر اور بہتری ہوتی تھی تو اس خیر کے باعث مکروہ سے چشم پوشی کرتے تھے، عیدگاہ میں بعد نماز عید نفل پڑھنا ممنوع ہے، حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو یہی نفل پڑھتے دیکھا اس کو آپ نے منع نہ فرمایا لوگوں نے عرض کی یا امیر المومنین آپ اس آدمی کو منع نہیں فرماتے آپ نے جواب دیا کہ مجھکو خوف آتا ہے، مبادا ان لوگوں میں شریک ہو جاؤں جن کو اللہ تعالیٰ نے جھڑکا ہے ارأیت الذی ینھی عبداً اذا صلی یعنی تونے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے یہ قصہ حضرت علیؓ کا درمختار اور دوسری کتب فقہ میں موجود ہے، اب دیکھئے ایک وہ دور صحابہؓ کا تھا کہ حضرت علیؓ نے یہ خیال فرمایا کہ یہ ہیئت کراہت کی اس نماز میں عارض ہے کہ بعد نماز عید عین عیدگاہ میں خلاف طریقہ سنت نماز پڑھتا ہے لیکن پھر بھی یہ فعل خیر تو ہے اللہ تعالیٰ کی یاد کر رہا ہے اللہ کی حضوری میں ہے، منع نہ فرمایا اور منع کرنے میں خوف الٰہی کیا اور کیوں نہ کرتے وہی لوگ ڈرا کرتے ہیں، اللہ سے جن کے دلوں میں خوف الٰہی ہوتا ہے ایک یہ دور آخری ہے کہ تعیین یوم کو اپنے خیال میں مکروہ جان کر کلمہ اور قرآن سے

سو وقت تو حقہ کشی اور غلط کام میں مصروف رہے مگر دروغ گو را حافظہ نباشد[۱] یہ مؤلف کی عجب بات ہے باقی رہی معاودت مومن کی اور حلق الذکر کی سو مطلب سے خارج ہے ذکر اللہ تعالیٰ اسی وقت مقبول ہو کہ حسب قاعدہ شرع کے ہو نہ بطور بدعت و معصیت کے پس جو ذکر مرکب بدعت و معصیت سے ہوگا اس کی شرکت بھی ممنوع ہووے گی چنانچہ پہلے بھی جواب اس مغلطہ[۲] کا ہو چکا ہے کہ منع کرنا بوجہ بدعت کے ہے نہ بوجہ ذکر کے **قولہ** ایک وہ لوگ تھے کہ کسی مکروہ کو الخ **اقول** حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مجمع البحرین میں اس کے خلاف منقول ہے یہ عبارت اس کی ہے ان رجلا یوم العید اراد ان یصلی قبل صلوٰۃ العید فنہاہ علیؓ فقال الرجل یا امیر المومنین انی اعلم ان اللّٰہ لا یعذب علی الصلوٰۃ فقال علیؓ وانی اعلم ان اللّٰہ لا یثیب علی فعل حتی یفعلہ رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم او یحث علیہ فیکون صلوتک عبث والعبث حرام الخ اس سے معلوم ہوا کہ امر خیر جو خلاف مشروع طرز کی ہو اس سے منع کرنا چاہیئے اور یہ جو درمختار میں منقول ہوا وہ دوسرا امر ہے اس واقعہ میں نماز پڑھتے کو حالت نماز میں اس واسطے منع نہ کیا تھا کہ -- اس آیت کے ہونے کی مشابہت تھی ارأیت الذی ینھی الآیہ نہ بوجہ خیر ہونے کے یہ مؤلف کی عقل کم فہمی ہے، اور مجمع البحرین کی روایت میں ارادہ نماز کا کرتا تھا اس واسطے اس کو منع کر دیا سو ہرگز معارضہ نہیں فہم درکار ہے برے کام سے منع کرنا ضرور ہے اگرچہ مختلط بخیر ہوں ہاں بعض صورت میں جو مسئلہ مجتہد فیہا ہو تو اس میں بھی عوام کو منع نہیں کیا کرتے کہ عوام کا مذہب معین نہیں ہوتا اس کا شبہ بھی ذکر نا چاہیئے، مؤلف نے نہیں سنا اور کہاں سے سنتے نہ خود پڑھا نہ علماء کی صحبت و محبت نصیب ہوئی، بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ بعد عصر کے نوافل پڑھنے والوں کو مارا کرتے تھے کہ اس وقت نوافل مکروہ ہیں حضرت علیؓ کا عدم منع بدون حقیقت سمجھے ترجمہ درمختار سے یاد کر لیا ہے بس مولوی ہو گئے اگر علماء عوام کو بدعات سے منع نہ کریں تو مداہن[۳] فی الدین ہوویں گے اور بحکم حدیث شیطان اخرس[۴] ہو دیں گے اور دین میں فساد ہوگا، سو یہ مؤلف کو ہی مبارک رہے اہل سنت کا کام تو نہی عن المنکر ہے

تیسرے دن کی تعیین کی بحث **قولہ** پانچواں امر معین کرنا الخ **اقول** وعظ و درس فرض ہے اس کے واسطے اہتمام کرنا ضروریات دین سے ہے اور

---

۱ جھوٹ بولنے والے کو حافظہ نہیں ہوتا ۲ مغالطہ کہ جس میں اجتہاد لیا گیا ۳ دین کے معاملے میں فریب کرنے والے ۴ گونگے

منع کرکے بھی خدا سے نہیں ڈرتے پانچواں امر معین کرنا روز تیسرا کا منع ہو کہ معین کرلینا کسی روز کا واسطے کسی مصلحت کے شرع شریف میں وارد ہے شقیق رحمۃ اللہ علیہ جو کبار تابعین مقبولین سے ہیں اور شاگرد ابن عبداللہ مسعودؓ صحابی کے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ وعظ فرماتے تھے ہر جمعرات کے دن جب لوگوں نے کہا روز وعظ فرمایا کیجئے جواب دیا کہ مجھکو پسند نہیں آتا کہ تم کو تنگ کروں روز کہہ کہہ کر جس طرح پر میں کہتا ہوں اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہم کو وعظ فرماتے تھے یہ روایت مسلم اور بخاری کی مشکوٰۃ میں موجود ہے اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دن جمعرات کا مقرر کیا تھا وعظ کے واسطے اور یہ ان کے بیان سے سمجھا جاتا ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دن مقرر کر رکھا تھا، حالاں کہ کلام سے وعظ کے لئے کوئی قید کسی دن کی معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ قرآن شریف میں وارد ہے وذکر فان الذکریٰ تنفع المومنین اس میں قید دن کی نہیں پس ظاہر ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ نے جو دن معین کیا تھا تو کچھ مصلحت اس وقت کی سمجھ کر دن جمعرات کا مقرر کیا تھا ہمارے اس وقت میں اکثر علماء نے جمعہ کا دن مقرر کر رکھا ہے کیوں کہ اس زمانہ میں بھی مصلحت ہے کہ جمعہ کی نماز کو ہر طرف سے آدمی اطراف وقریات ومواضع سے خواندہ ناخواندہ جمع ہوتے ہیں ایسے مجمع میں وعظ کہنے سے فائدہ عام ہوتا ہو جمعرات میں یہ نفع متصور نہیں جب یہ بات معلوم ہوگئی تو جاننا چاہیئے کہ ایصال ثواب موتیٰ کے لئے علی الدوام جائز اور شرع سے ثابت لا اصل جس طرح وعظ کرنا علی الدوام جائز لیکن تیسرا دن مخصوص کیا گیا واسطے مصلحت کے جس طرح جمعرات کو واسطے وعظ کے خاص کیا ابن مسعود صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور یہاں مصلحت تعیین میں یہ ہے کہ تعیین مفید ہے وارثان میت کو اور نیز جمع قرآن وکلمہ پڑھنے والوں کو وارثوں کے لئے اس طرح مفید ہے کہ تعیین اور تقرر کی قید میں خوب خیال چڑھا رہتا ہو دل پر کہ یہ کام کرنا ضرور ہے پس نہیں فوت ہوتا ان سے یہ کام اور جو لوگ معین نہیں کرتے ان کا کام کبھی کا کبھی ہوتا ہے، بلکہ بہتیرے آدمیوں سے فوت ہو جاتا ہے، جو لوگ جمعرات کے تعیین میں وہی فاتحہ اموات کی نیت سے کھلا دیتے ہیں وہ تو کھلا دیتے ہیں اور جنھوں نے تخصیص کو بدعت کہا ان کو ہفتہ کے ہفتے بلکہ مہینے گزر جاتے ہیں روٹی گھر سے نہیں نکالتے اور نافع ہونا اس تعیین تاریخ کا دوسرے آدمیوں کا اس وجہ سے ہے کہ اگر دن غیر مقرر رہتا تو کوئی کسی دن پڑھنے آتا اور کوئی کسی دن کام اسلوب کے ساتھ اور جلد نہ ہوتا دن مقرر ہونے سے عین ایک میعاد پر سب جمع ہو جاتے ہیں اور خوش انجامی سے کام تمام ہو جاتا ہے اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر تم کو جلدی ایصال ثواب اور امداد میت کی منظور ہے تو دفن سے اگلے دن کیوں نہیں ختم کرا لیتے، جواب اس کا یہ ہے کہ اگر ہم دوسرا دن مقرر کرتے اس پر بھی تم اعتراض کرتے کہ دوسرا دن کیوں مقرر کیا، علاوہ ازیں مصلحت اس میں یہ دیکھی گئی کہ بروز دفن برادری کے آدمی اور دوست

تیسرا جو تھا دن مقرر کرنا رفع ملال کے واسطے مناسب ہے، معہذا اگر اس میں بھی ایسی تعیین ہو کہ کسی حال تخلف نہ ہو تو وہ بھی بدعت ہو جائے گی اور یہ فعل خود صحابہ کا بلکہ فخر عالم کا ہو سو جس شی کو وہاں متعین کر دیا وہ معین ہو گیا اور سنت ہو گیا اگر اس کو بھی کوئی واجب جاننے لگے تو وہ بھی تغیر حکم شرع سے بدعت ہو جاوے گا

التزام مباح ومستحب کی عجیب بحث جواب بدعات میں اصل کی ہے[1] پس اس پر قیاس کرکے کسی مباح مطلق کو معین کرنا درست نہیں کیوں کہ وہاں تو فعل شارع سے مستحب ہو گیا تھا اب جس شے کو اطلاق پر شارع چھوڑ گئے اس کو اطلاق کو مقید کرنا خود تغیر ہووے گا چنانچہ خود مقرر ہو چکا ہے خصوصاً جس امر کو شارع نے بدعت ودا خل نیاحت کیا اگر کوئی سنت امر پر قیاس کرکے جائز رکھے گا تو سخت مبتدع مقابل شارع کا ہووے گا کہ شارع تو اس کو منع کر گئے اور یہ اس کو سنت امر پر قیاس کرکے جائز رکھے گا معاذ اللہ اور مولف کس قدر رکیک توجیہ ایک

[1] لے پیچھے ہٹنا ۱۲۰

آشنا دیر تک تجہیز و تکفین میں رہتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کسی میت کی قبر کنی اور غسل و تکفین وغیرہ میں ایک ایک پہر اور بعض جگہ دو دو پہر کم و
بیش لگ جاتے ہیں اگر دوسرے دن بھی چھ گھڑی یا پہر بھر کی محنت واسطے ختم قرآن اور کلمہ طیبہ کے دیجاتی تو متواتر پے در پے آنا کسی قدر دشوار
ہوتا اس لئے ایکدن بیچ میں آسایش دے کر تیسرا دن معین کیا گیا دوسری مصلحت یہ ہو کر وارثانِ میت کی تعزیت کے واسطے شرع شریف
میں تین روز مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے ولا باس لاھل المصیبۃ ان یجلسوا فی البیت او فی مسجد ثلثۃ ایام والناس
یاتونھم ویعزونھم یعنی کچھ مضائقہ نہیں مصیبت زدوں کو بیٹھنا گھر میں یا مسجد میں تین روز تک اس میں آدمی آویں گے ان کے پاس اور تعزیت
یعنی تسلی اور تشفی دیں گے اہلِ ماتم کو انتہی۔ پس تیسرے دن کے معین کرنے میں یہ بھی مصلحت سمجھی گئی کہ ان ایام میں آمد و رفت اہلِ تعزیت کی رہتی
ہے لوگوں کے بلانے اور جمع کرنے میں چنداں مشقت نہ ہوگی اجتماع مومنین سہولت سے ممکن ہوگا اور یہ بھی ہے کہ قرب جوار کے مواضع و قصبات
میں جو ان کے اقربا اور دوست آشنا رہنے والے ہیں بعد وصول خبر وفات وہ بھی اکثر شریک امداد فاتحہ و ختم قرآن و کلمہ طیبہ کے ہو جاویں گے
پس تعیین تیسرے روز کی مبنی اس مصلحت پر ہے اور جو کچھ اس میں پڑھا جاتا ہے کلمہ اور قرآن اس کا بیان بہت وضاحت سے اوپر ہو چکا، اور یہ
تعیین کچھ ہماری سفر کی ہوئی نہیں بلکہ قدیم الایام سے علماء دین اور مفتیان شرع متین کی قرار دی ہوئی ہے ایک مختصر دلیل اس پر یہ ہو کہ ملا علی
قاری اور سیوطی اور علامہ عینی وغیرہم کے کلام سے ہم ثابت کر چکے ہیں، کہ جمیع مذاہب کے علماء و صلحاء کل شہروں میں کل زمانوں میں جمع ہو کر ختم
قرآن کرتے رہے ہیں اس پر اجماع امت ہے پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ کل شہروں میں اور ملکوں میں ہندوستان تو بڑا ملک ہے اس میں
بہت شہر ہیں پس ضرور ہے کہ یہاں کے علماء و صلحاء نے بھی جمع ہو کر پڑھنے کا طریقہ اپنے ملک ہندوستان میں بلاشبہ جاری کیا ہوگا ہم جو خوب
غور و خوض کرتے ہیں اور فکر کرتے ہیں تو ہندوستان کے دور دور شہروں میں یہی طریقہ قدیم الایام سے جاری دیکھتے ہیں اور ہم اپنے آباء و اجداد
سے اور ہمارے آباء و اجداد اپنے آباء و اجداد سے اسی طرح سنتے اور دیکھتے آئے ہیں، سیکڑوں برس کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے، پس یہ لا
[illegible] علماء متقین اور صلحاء قدیم کا ہے البتہ جس وقت عوام اس مجمع سیوم میں بعض باتیں خلافِ شرع کرنے لگے اس وقت ایک وجہ
سے بسبب علماء اس کو منع کرنے لگے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کا کلام شرح سفر السعادت میں صاف اس بات کی طرف

...کے جواز کے واسطے کرتا ہے کہ دور از عقل ہے کہ تقریر یوم ثالث میں تکان رفع ہوگا اور واہیات تقریر، اور اتنا نہیں سوچتا کہ حاضر
...کون سے بیچارے ڈھیلے مارے تھے؛ قبر کنی کی تھی جو تکان ہو گیا وہ تو بیٹھے حقہ بجانے اور ڈل بکنے میں مشغول رہتے تھے، جیسا اپنی بیٹھکوں
میں ہر روز کرتے ہیں اور کار و بار تجہیز و تکفین کا کرنے والے دو چار آدمی ہوتے ہیں اور باقی سب آرام سے بیٹھے رہتے ہیں پھر یہ کہ اس پہر دو پہر
کی حاضری میں اگر پڑھ دیا کریں کیوں۔ رفع تکان کی ضرورت ہو اور کیوں حرج ہو الغرض ایسی خرافات کہانیوں سے حکم شرعی کا مقابلہ کس
کا کام ہے ایسی تقریر قابلِ التفات کے نہیں ہندوستان میں خاص یہ رسم سیوم کی ہے اور کسی ولایت میں کوئی جانتا بھی نہیں سو یہ
...کو دیکھ کر وضع ہوا ہے اب اس کی اصلاح میں مزخرفات لکھے جاؤ نفس سے یہ مردود ہو چکا فقط قولہ چنانچہ شیخ عبد الحق کا کلام
...مؤلف کی آنکھ حق بین نہیں، شیخ عبد الحق صاف لکھتے ہیں، کہ ایں اجتماع مخصوص سیوم الخ پس جیسا شیخ نے صرف مال یتامی اور تکلفات
...بدعت کہا ہے ایسا ہی اجتماع روز سیوم کو حرام و بدعت لکھا ہے مؤلف کو اس قدر غفلت و حق پوشی کہ صاف تین امر کا ذکر کر کے
...نے حرام و بدعت کہا ہے اور مؤلف دو کا ذکر کرتا ہے تیسرے کو ہضم کر گیا حالاں کہ عطف مسئلہ نحو میر میں پڑھا ہوگا اور شیخ نے سفر السعادت

...کی ایک رسم جو کسی کے مرنے کے بعد منائی جاتی ہے ۔۔

اشارہ کرتا ہے اما ایں اجتماع مخصوص روز سیوم وارتکاب تکلفات ودیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است وحرام انتہیٰ کلامہ، اہل انصاف دیکھیں کہ اس کلام شیخ سے جو صاحب سیف السنت وغیرہ قرآن اور کلمہ پڑھنے کا انکار روز سیوم میں نکالتے ہیں کیسی بے منصفی ہے اس سے تو یتیموں کا حق ضائع کرنا اور تکلفات کی ممانعت پائی گئی اور اس عبارت سے پہلے جو سفر السعادت کی عبارت بدعت ہونے ختم قرآن میں تھی اس کا جواب ہم بیان امر تیسرے میں دے چکے ہیں البتہ تکلفات موتیٰ میں ممنوع ہیں چنانچہ بعض آدمیوں نے بعض شہر میں نئے نئے تکلفات ایجاد کئے تھے جن کا ذکر نصاب الاحتساب میں ہے یقطعون اوراق الاشجار ویتخذون منہا شیئاً علی صورۃ الاشجار ویزینون بہا حول القبور ویلبسون القبر ثیاب الحریر اذا کان المیت من اھلہ ای کان یلبس ذلک ویحضرون الجام المصورۃ بتماثیل ذوات الارواح کالبازی ونحوہ وانہ مکروہ ویبسطون الفرش ویقوم الشاعر فی مدح المیت بما لم یفعلہ وانما کذب ویحضرون المصاحف فی المقابر ویضعونہا فی المجلس ولا یقرؤن وینتظرون حضور الصدر وان فتح المصحف واخذ الناس فی القراءۃ ثم حضر الصدر یغضب علیہم وھل ھو الا امر النفس الامارۃ بالسوء انتہیٰ کلامہ ملخصاً وفی حاشیۃ خزانۃ الروایات الناس یھیئون الریحان انواع فی الاطباق ویصاغ الورد فی القماقم یعنی درختوں کے پتوں کو اس طرح تراشتے ہیں کہ صورت عین درختوں کی اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور گرد قبروں کے ان پتوں کو سجاتے ہیں اور قبر پر ریشمین غلاف ڈالتے ہیں اگر وہ میت پہنتا تھا اپنی زندگی میں ریشم اور لاتے ہیں انگیٹھیاں جس میں باز وغیرہ جانوروں کی تصویریں ہو ویں اور بچھاتے ہیں فرش یعنی تکلفی اور ڈوم بھاٹ کھڑا ہو کر اس مردہ کی جھوٹی تعریف کرتا ہے، اور لیجاتے ہیں گور پر قرآن کو اور رکھ دیتے ہیں مگر پڑھتے نہیں جب تک رئیس مجلس نہ آجائے اور اگر اس سے پہلے قرآن کو پڑھنے لگیں تو وہ خفا ہوتا ہو یہ نفس امارہ کی شامت ہو یہ نصاب الاحتساب کے چنے ہوئے فقرے ہیں اور خزانۃ الروایات کے حاشیہ میں ہو کہ تیار کرتے ہیں آدمی پھول پھلواری اور گلاب کہ پھول طباقوں میں اور عرق گلاب بھرتے ہیں قمقموں میں انتہیٰ، اب خیال کرنے کا مقام ہو کہ ورثاء میت تو مصیبت زدہ ہوتے ہیں ان کو سرور کا سامان ایام مصیبت میں کرنا اور بعض امور محرمہ اور مکروہہ سے زینت دینا کون عاقل گوارا کرے گا چنانچہ مفتیان دین نے اس کو منع کیا اور تمام عالم نے اس کو مان لیا اب دیکھئے یہ باتیں کوئی نہیں کرتا البتہ ایک یوم معین میں جمع ہو کر کلام پڑھ دیتے ہیں اب جو بعضے علماء تشدد کرتے ہیں محض تعین یوم کے سبب کلام اور قرآن کو بھی مکروہ کہدیتے ہیں یہ صحیح نہیں اور دلیلان کی ہیں ایک یہ کہ معین کر لینا نماز میں کسی سورت کا مکروہ ہے تو ایصال ثواب کے واسطے بھی تیسرا دن خاص کر لینا مکروہ ہے جواب اس کا یہ ہے

کی روایت کو بھی قبول کر لیا شیخ عبدالحق کے وقت کے علماء اس اجتماع سیوم کو بدعت وحرام کہتے سے ہیں، اب مؤلف کی چرب زبانی وکذب بیانی خود ظاہر ہو گئی کہ وہ اپنے اجداد سے سنتا چلا آیا ہے اور تکلفات کی ممانعت بھی مقرر ہے جس کو مؤلف نصاب الاحتساب سے نقل کرتا ہو اور بے سود ایک صفحہ سیاہ کیا مگر اجتماع روز سیوم کا نام بھی نہیں لیتا اب ناظرین غور سے دیکھیں کہ مؤلف کی یہ جرارت ہو کہ عبارت نقل کی بھی کلمات کو ہضم کر کے ترجمہ میں اس کا نام تک نہیں لیتا ع چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد[1]، اور صاف ظاہر ہے کہ شیخ نے تینوں امر ذکر کر کے ہر سہ کو بدعت لکھا ہے پس اس سے اجتماع مخصوص روز سیوم کا بدعت ہونا ثابت ہو گیا قولہ ایک یہ کہ نماز میں الخ اقول مؤلف ہر روز فہم مطالب میں ناتمام مطلب سمجھتا ہے یا خلاف مراد تجویز کر لیتا ہے یہ دلیل بھی ناتمام نقل کی ہے اصل یہ ہو کہ بحکم آیات احادیث مجمع علیہ تمام امت کا ہے کہ کسی حد کو حدود ---------------

---

[1] چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد، کیا دلیر چور ہے کہ ہاتھ میں چراغ لئے ہوئے ہے، سکہ متفق علیہ

کہ اگر ہم کسی امر کو قیاس نہیں کرتے تو تم کہا کرتے ہو قیاس کرنا مجتہد کا کام ہے اور خود اپنے مطلب کے لئے قیاس کرتے ہو تو جا بجز ہے خیر یہ ہٹ دھرمی تمہاری تم کو مبارک ہم اس سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ تعیین یوم فاتحہ وغیرہ کو قیاس نماز پر کرنا صحیح نہیں اور یہ دلیل تام نہیں اس لئے امام شافعی کے نزدیک تو تعیین سورۃ مکروہ نہیں پس یہ کراہت اہل سنت میں اجماعی نہ ہوئی اور حنفیہ کے نزدیک جو مکروہ ہے تو امام طحاوی اور اسبیجابی وغیرہ محققین کے کلام سے اس کی کراہت دو سبب سے ہے یا تو یہ کہ پڑھنے والا اس کو یہ اعتقاد کرے کہ اسی ایک سورۃ کا پڑھنا واجب ہے، دوسری سورت پڑھوں گا تو اس میں نماز نہ ہوگی یا ہوگی تو مکروہ ہوگی دوسرا سبب یہ کہ جاہل آدمی اس کو واجب سمجھنے دیکھیں گے

شرعیہ کے تغیر کرنا نہیں چاہیئے اور کسی وصف و حکم کو تبدل کی و زیادتی وغیرہ ہمارے دینا نہیں چاہیئے، مطلق اور مقید کو ضروری کو ضروری اور مباح کو مباح اپنے حالات مشروعہ پر رکھنا واجب ہے ورنہ تعدی حد اللہ اور احداث بدعت میں گرفتار ہو جاوے گا پس بنا بر علیہ قاعدہ کلیہ مقرر ہو گیا کہ مباح اپنے اندازہ سے متجاوز نہ ہو علماً و عملاً اور مطلق اپنی حالت اطلاق سے متغیر نہ ہو، علماً و عملاً اور مقید اپنے اندازے سے نہ بدلے علماً و عملاً اور اس پر آیات و احادیث دال ہیں چونکہ یہ قاعدہ مسلمہ سب کا ہے اس کے دلائل کلیہ لکھنے کی حاجت نہیں مگر قدر حاجت لکھتا ہوں کہ غافل کو تنبیہ کر دیوے مسلم نے روایت کیا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومہ احدکم الحدیث چونکہ شارع علیہ السلام نے فضائل جمعہ اور صلوٰۃ جمعہ کے بہت فرمائے تھے تو خدشہ تھا کہ کوئی اپنی رائے سے روزہ نماز کہ عمدہ عبادات ہیں اس میں کر بیٹھے خود و تیخ ہی فرما دی کہ جسقدر امور جمعہ اور شب جمعہ میں ہم نے فرما دیئے ہیں وہی ان میں افضل و سنت ہیں اگر کوئی اس پر قیاس و اضافہ کرے گا وہ مقبول نہ ہوگا پس اس حدیث میں یہ ارشاد ہوا کہ تم جمعہ اور شب جمعہ کو صوم و صلوٰۃ کے واسطے خاص مت کرو، کیوں کہ صوم و صلوٰۃ نوافل مطلق اوقات میں یکساں ہیں خصوصیت کسی وقت کی بدون ہمارے حکم کے درست نہیں پس مطلق کو مقید کرنے سے منع فرما دیا جیسا کہ جس جس امور کے واسطے جمعہ کو مخصوص کیا ہے مثلاً صلوٰۃ جمعہ مع لوازمہا اس کے اطلاق کو بھی منع فرما دیا ہو کہ صلوٰۃ جمعہ اور کسی دن نہیں ہو سکتی لہٰذا صاف واضح ہو گیا کہ یوم و شب جمعہ کو مقید کرنا جس میں وہ مطلق ہیں اور مطلق کرنا جس میں وہ مقید ہیں دونوں ممنوع ہیں پس اس حدیث میں یہ حکم ہو گیا کہ ہمارے ارشاد کے موافق سب کام کرو اپنی رائے سے تبدیل و تغیر مت کرو مگر ہاں جس کو خود شارع مستثنیٰ کر دیوے کہ وہ دوسری حدیث سے ثابت ہو جاوے تو وہ خود شارع کا ہی حکم ہے وہ تبدل تغیر نہیں اور قولہ علیہ السلام لا تختصوا یہ بھی مطلق وارد ہوا ہے تخصیص خواہ اعتقاد و علم میں ہو خواہ عمل میں دونوں ناجائز ہوویں گی سو یہ بھی ظاہر ہو گیا، کہ تخصیص فعلی اگر منصوص مطلق میں واقع ہووے گی وہ بھی بدعت ہے اور داخل نہی ہے علیٰ ہٰذا مطلق کرنا مقید کا عام ہے کہ علماً ہو یا عملاً ہو دونوں منہی عنہ ہیں چوں کہ یہ قاعدہ اس حدیث سے بوضاحت مستنبط تھا تو امام نووی شرح اس حدیث میں فرماتے ہیں احتج بہ العلماء علیٰ کراہۃ ہذہ الصلوٰۃ المبتدعۃ التی تسمی الرغائب قاتل اللہ واضعھا ومخترعھا فانھا بدعۃ منکرۃ من البدع التی ہی ضلالۃ وجہالۃ۔ اب دیکھو کہ نماز جو بیر موضوع اور عمدہ عبادات ہے اور سب اوقات مشروعہ میں افضل القربات ہے بسبب تخصیص کے بدعت منکرہ ہو گئی کیوں کہ اطلاق مشروعہ نہ با قید وقت وغیرہ کی لگ کر مخصوص ہو گیا تو اس قید کی وجہ سے سارا مقید بدعت بن گیا اور امام محمد غزالی نے جو احیاء العلوم میں اس کی فضیلت لکھی ہے حالاں کہ کلیہ قاعدہ ان کا بھی مسلّم ہے تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کو حدیث اس صلوٰۃ کی فضل میں ملی، انہوں نے اس کو صحیح جان کر عمل کیا اور یہ سمجھے کہ خود شارع نے اس کو استثنا فرما دیا لہٰذا وہ معذور ہیں مگر فقہا حدیث نے اس کا موضوع

حد شرعی سے تجاوز کرنا سے الگ ہے ممنوع ہے افضل عبادت ہے تسلیم شدہ

مبادا وہ لوگ یہ اعتقاد کریں کہ نماز میں بھی ایک سورت واجب ہے دوسری نہیں یہ مضامین فتح القدیر اور شامی اور برہان وغیرہ میں ہیں اور ہیں
کتابوں کہ تو یہ وجہ کراہت کی وہی سبب اول ہے یعنی واجب جاننا تعیین سورت کا چنانچہ حدیث صحیح سے اس کی تصدیق پائی جاتی ہے صحیحین
میں ہے کہ ایک آدمی امام تھا وہ ہر رکعت میں قل ہو اللہ ضرور پڑھا کرتا۔ بخاریؒ کی روایت میں ہے کہ مقتدی لوگ اس سے الجھے اس نے جواب دیا کہ میں
تو اس سورت کو نہیں چھوڑتا تمہارا جی چاہے مت پڑھو میرے پیچھے نماز انجام کار یہ ماجرا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک گیا آپ نے اس سے پوچھا
تو کیوں نہیں مانتا ان کی بات اور کیوں التزام کر رکھا ہے اس سورت کا اس نے کہا کہ مجھکو پیاری لگتی ہے یہ سورۃ آپ نے ارشاد فرمایا جبکہ

ہونا تحقیق کر دیا سو فی الحقیقت امام محمد غزالیؒ نے اس کلیہ کا خلاف نہیں کیا بلکہ تصحیح حدیث میں غلطی ہوئی اور بشر خطا سے خالی نہیں اور تنقید حدیث
ہر ایک کا فن بھی نہیں اس باب میں قول محدثین کا ہی معتبر ہوتا ہے سو یہ خدشہ بھی رفع ہو گیا پس بناءً علی ہذہ القاعدہ شارح منیہ نے صلوٰۃ الرغائب کی
بدعت ہونے میں چند دلائل لکھی ہیں کہ یہاں ان کا نقل کرنا مناسب ہے بقولہ منہا فعلہا بالجماعۃ وہی نافلۃ ولم یرد بہ الشرع جماعت کو شارع
نے خاص فرائض کیساتھ کیا ہے سو نوافل میں قید جماعت کی مشروع ہوئی مگر جس کی اجازت شرع سے ثابت ہو گئی جیسے تراویح واستسقاء
وکسوف اور بلا تداعی نوافل مطلقہ میں تو جماعت جائز ہوگی باقی اپنی حالت پر رہی تو دیکھو کہ جماعت یہاں منقول نہیں بلکہ فرائض کے
ساتھ مخصوص تھی سو نوافل میں جماعت کا کرنا تخصیص شارع کا توڑنا ہوا لہذا لم یرد بہ الشرع کہا اور اس کا ہی نام بدعت ہے
پھر کہا ومنہا تخصیص سورۃ الاخلاص والقدر ولم یرد بہ الشرع شارع علیہ السلام نے فرمایا تھا لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ
الکتاب وسورۃ تو کسی صورت کو خاص نہیں کیا تھا مطلق سورت کا حکم فرمایا تھا سو کسی صلوٰۃ میں کسی سورۃ کو مخصوص کرنا
شارع کیخلاف ہے مگر جہاں تخصیص وارد ہو گئی جیسا سورہ جمعہ اور سورۂ منافقون صلوٰۃ جمعہ میں مثلاً اس واسطے کہا لم یرد
بہ الشرع اور یہی بدعت ہے ومنہا تخصیص لیلۃ الجمعہ دون غیرہا وقد ورد النہی عنہ اس کا حاصل بھی ظاہر ہے تکرار میں تطویل ہے
ومنہا ان العامۃ یعتقد ونہا سنۃ اس کی وجہ یہی ہوئی کہ جس امر مباح مندوب کے سبب عوام کے اعتقاد میں فساد ہو اس کا ایسی طرح کرنا
ہے کہ اس کو تغیر حکم شرعی کا لازم ہو جاوے عند العوام اور دفع فتنہ عوام کا حتی الامکان واجب ہے ومنہا ان الصحابۃ والتابعین ومن بعد
من المجتہدین لم ینقل عنہم یہ خود روشن ہے کہ جس کی اصل قرون ثلثہ سے ثابت نہ ہو وہ خود بدعت ومردود ہووے گا سو یہ تعینات وتقییدات
خلاف ان قرونؓ کے کرنا خود باطل ہوا اب غور در کار ہے کہ اس صلوٰۃ کے امتناع پر شارح منیہ نے اس قاعدہ کلیہ سے کہ عدم تجاوز حدود شرعیہ کا ہے
یہ چند قواعد استخراج کیے ہیں کہ یہ قواعد مثل انواع کے ہیں ماتحت جنس کلی کے اور ان سب سے صدہا جزئیات کا حکم حاصل ہوتا ہے ایک یہ کہ
شارع نے جس کا اہتمام وتداعی کے ساتھ حکم فرما دیا وہ تو اسی طرح ہووے اور جس کو مطلق فرمایا اس میں تداعی کا اضافہ نہ ہونا چاہیے ورنہ
تبدیل حکم شرعی و بدعت ہو جاوے گا دوسرے یہ کہ جس شے کو کسی خصوصیت کے ساتھ فرمایا وہاں تو وہ تخصیص مشروع ہووے گی ورنہ تخصیص
ہی ہووے گی تیسرے یہ کہ جہاں کسی زمانہ کو مقرر کر دیا ہے وہاں تو قید زمانہ کی مشروع ہے ورنہ بدعت ہے، چوتھے یہ کہ اگر اس کی تداعی یا دوام
عوام کو فساد عقیدہ حاصل ہو تو اس کا ترک کرنا لازم ہے اگرچہ وہ امر استحباب کے درجہ میں ہو نہ سنت مؤکدہ اور واجب، پانچویں یہ کہ جس
کی اصل قرون ثلثہ سے نہ ملے وہ بدعت ہے اور ان سب جگہ علماً وعملاً یہ حکم ہے اور شے اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہو مگر ان قیود وجوہ سے بدعت
ہے۔ پس یہ پانچ قاعدہ کلیہ شرعیہ ہیں کہ شارح منیہ نے استفادہ فرمائی اور سب فقہاء کے نزدیک مقرر ہیں اور ان ہی قواعد سے فاتحہ

لے ثابت ہے اس قاعدہ کی بنیاد پر کہ قرآن کی جمع یعنی زمانہ کے بذات خود

یا ھا ای ادخلک الجنۃ یعنی تو جو اس سورت کو دوست رکھتا ہے اس کے دوست رکھنے نے تجھ کو جنت میں داخل کر دیا اس قصہ سے معلوم ہوا کہ
تعیین سورت کو واجب اعتقاد کرنا ہی موجب کراہت تھا جب اس شخص نے اپنا وہ اعتقاد ہونا نہ بیان کیا بلکہ یہ کہا کہ مجھکو اس سورۃ سے محبت ہے
تب حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تعیین کو منع نہ فرمایا تو مانعین کہتے ہیں کہ تعیین سوم میں بھی وہ علت کراہت مفقود ہے سب جانتے ہیں کہ
اموات کے لئے ایصال ثواب کو ایک امر مسنون و مستحب فرض و واجب کوئی نہیں جانتا جب اصل ایصال واجب و فرض نہ ہوا تو تعیین یوم سیوم کو کون
نادان فرض و واجب کہہ سکتا ہے ہاں یہ تخصیص تیسرے دن کی جو جاری ہے وہ مبنی بعض مصلحتوں پر ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اور سہولت سے انجام کار ہو جاتا ہے

سوئم اور سیوم و چہلم وغیرہ اور تعیین جمعرات وغیرہ کی اور محفل میلاد مروجہ سب کی سب بدعت ہو گئی ہیں اور تمام رسالہ مؤلف کا رد ہو گیا بعد
اس تمہید ناظرین پر واضح ہو کہ علماء سنت کی یہ دلیل تھی جس کو مؤلف نے دلیل اول لکھا ہے مؤلف نے اپنی کم فہمی سے اس دلیل قاعدہ کلیہ کی ایک
فرع کے کرنا تمام طرح پر بیان کیا اس کی مختصر تقریر یہ ہے کہ مقید کرنا کسی مطلق کا شرعاً بدعت و مکروہ ہے، جیسا کہ فقہا نے اس قاعدہ کے سبب
سے لکھا ہے کہ کسی نماز میں کسی سورت کو موقت نہ کرے اگر ایسا کرے گا تو مکروہ و بدعت ہوگا پس جب صلوٰۃ میں حسب اس قاعدہ کے تعیین سورت مکروہ
ہوا ایصال ثواب میں بھی حسب اس قاعدہ کلیہ کے تعیین وقت اور ہیئت کی بدعت ہووے گی خلاصہ دلیل مانعین بدعت کا یہ تھا جس کو مؤلف نے اپنے
حوصلہ فہم کے موافق نقل کی اب چونکہ مؤلف نے اس مسئلہ تعیین سورت میں اپنے حوصلہ علم کو ظاہر کیا تو اس کو سنو کہ ہدایہ میں لکھا ہے ویکرہ ان یوقت
بشیئ من القرآن لشیئ من الصلوۃ لان فیہ ہجران الباقی وایہام التفضیل انتھی سو یہ جزئیہ ایک کلیہ کا ہے کہ اس میں تمام عبادات عادات مطلق
کا تقیید کرنا شارع نے ممنوع کر دیا ایک جزئی اس کی تعیین سورۃ بھی ہے جیسا اوپر سے واضح ہو گیا تو مؤلف اس جزئیہ کو مقیس علیہ اور سیوم کے
مسئلہ کو مقیس محض رائے سے سمجھ گیا کیا فہم ہے یہ نہیں جانتا کہ جب کلی مر کا ارشاد ہوا تو اس کے جملہ جزئیات محکوم ہو گئے گویا ہر فرد کا نام لے دیا اور جب
یا ایہا الناس تو زید عمرو بکر عبد السمیع سب کے نام بنام حکم ہو گیا کسی جزئی کو مقیس نہیں کہہ سکتے اسی طرح جب تقیید اطلاق کو منع فرما دیا تو سب جزئیات
اس کی خواہ تعیین سورۃ ہو خواہ تعیین روز سیوم ہو خواہ تعیین نحو وہ سب ممنوع بالنص الکلی ہو گئے مانعین بدعت کی کلام قیاس نہیں بلکہ جو جزئی
اس کلیہ میں مشہور اور ظاہر متفق علیہ ہے اس کی نظیر دے کر اور مثال سے فہمائش کر کے دوسرے جزئیہ مندرجہ اس کلیہ کو ظاہر اور الزام کرنا ہے
کو مبتدعین نے اس کا اندراج تحت ہذہ الکلیہ نہیں سمجھا تھا پس قیاس کہاں ہے مؤلف کو عقل نہیں کہ کلیہ کو اور قیاس کو امتیاز کر سکے بسبب
طول کے فرق دونوں کا یہاں نہیں لکھا کتب اصول میں جو چاہے دیکھ لے پس اصل مسئلہ جزئیہ کو سنو کہ نماز میں کوئی سورۃ مقرر نہیں سب
برابر ہیں مگر جہاں شارع سے کوئی سورۃ تخصیص ثابت ہوئی وہ مستحب ہے جیسا روز جمعہ کی نماز فجر میں سورہ سجدہ اور سورہ دہر مثلاً پس جو سورۃ
شارع سے ثابت ہوئی اس میں امام شافعیؒ تو دوام کو مستحب جانتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ احیاناً کو مستحب اور دوام کو مکروہ فرماتے ہیں اور
جو سورۃ ثابت نہیں اس میں بالاتفاق دوام مکروہ ہے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس دوام میں پہلی شق میں تو مستحب مؤکد یا واجب ہو جاتا
ہے اور دوسری شق میں مباح مؤکد یا واجب ہوتا ہے تو تغیر حد شرع کی ہوئی تو مکروہ ہو گیا پھر اس کی کراہت میں ہدایہ نے دو دلیل کا اشارہ
کیا ہے کہ جب شرع میں سب سور جائز ہیں تو ایک کے دوام میں باقی سور کا ترک ہوگا ہجران باقی قرآن کا ہوا وہی تقیید مطلق ہوئی اور تغیر
حد شرعی کا لازم آیا ہے کہ مستحب واجب ہوا۔ یا مباح واجب ہوا دوسرے یہ کہ ایک سورۃ کے تقرر سے عوام جانیں گے کہ یہ سورۃ سب

سے افضل ہو کہ متعین کہ جس پر کوئی چیز قیاس کی جائے کہ قیاس کرنے والا شہ سمجھا کر کہ کبھی کبھی کہ سورۃ کا ترک شہ چھوڑ دیا۔

اور خود فقہ میں بھی تعیین سورۃ کے باب میں امام طحاوی نے تصریح کی ہے اما اذا لازمہا لہو لہنا علیہ فلا یکرہ بل یکون حسناً الخ ۲ فی البرھان۔
پس موافق اس تعلیل کے تعیین سوم مکروہ نہ ٹھہرا باقی رہا دوسرا سبب کہ مبادا دوسرے آدمی جاہل اس کو دیکھکر یہ اعتقاد نہ کرلیں کہ ایصال ثواب
تیسرے ہی دن ہوتا ہے نہ پہلا اس سے نہ پیچھے اس سے سو یہ علت بھی یہاں مفقود ہے اس لئے کہ جو لوگ فرض و واجب و سنت و مباح کی حقیقت
اور کنہ کو نہیں سمجھتے ان کا تو کچھ علاج ہی نہیں وہ تو نماز روزہ میں بھی امور مستحبہ کو فرض، فرض کو افضل و اولیٰ مکروہ کو مفسد اور حرام مباح کو
واجب جو چاہتے ہیں کہتے ہیں ان کو ہرگز تمیز نہیں سو ایسے اشد اجہل العوام سے قطع نظر کرکے یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو لوگ عوام اس درجہ کے ہیں

افضل ہے یا ایہام اس بات کا ہووے گا من القاری والسامع اور یہی حکم شرع کا ہے تو اس جگہ طحاوی اور اسبیجابی نے یہ کہا تھا کہ کراہت
تحریمیہ جب ہے کہ اس سورۃ میں اعتقاد وجوب کا کرے اور ترک کو مکروہ جانے اور سہولت یا تبرک کے واسطے پڑھے تو مکروہ نہیں، بشرطیکہ
کبھی اور سورۃ کو بھی پڑھ دیا کرے اس سے بھی یہی واضح ہوا کہ اعتقاد وجوب تو مکروہ تحریمی ہی ہے اور دوام بلا اعتقاد وجوب کے بھی مکروہ ہے
جہلاء کے واجب گمان کرنے کی وجہ سے اور جو احیاناً ترک کردیوے جس سے دوام نہ رہا تو پھر کچھ حرج نہیں، پس اس صورت میں قید وجوب
اعتقادی لغو ہوگئی کیوں کہ جب دوام مطلقاً مکروہ ہے تو پھر قید اعتقاد سے کیا نفع نکلا اسی واسطے فتح القدیر نے اعتراض کیا اور کہا والحق
ان المداومۃ مطلقاً مکروہۃ سواء رآہ حتماً او لا انتھیٰ پس سب علماء کا اتفاق اس پر ہوا کہ دوام بلا اعتقاد وجوب کے بھی موجب کراہت کا
ہے اصلی ہدایہ اور فتح القدیر اور طحاوی اور اسبیجابی وغیرہم کا مگر مؤلف کہتا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ قوی وجہ کراہت کی سبب اول ہے الخ
غور کیجئے کہ جس علت کو تمام اکمل علماء و فقہاء قبول کریں مؤلف اس کو ضعیف بتلاوے بھلا اس نخوت کا کیا ٹھکانا ہے اور ایسے محققین
پر طعن کرنا اس فخر کی کوئی نہایت ہے خیر اب مؤلف کا استدلال ترجیح سنو کہ ایک صحابیؓ نے جو قل ہو اللہ کا التزام ہر رکعت میں کیا تھا تو صحابہؓ
نے ان کو اس واسطے منع کیا تھا کہ یہ فعل فخر عالم علیہ السلام کا نہیں تھا اس کو خلاف حکم شرع کے جانا تھا جب انھوں نے نہ مانا آپؐ کی خدمت
میں شکایت ہوئی آپ نے بھی صحابیؓ کو نہ روکا کیوں منع کرتے ہو یہ اس واسطے ہوا کہ آپؐ کے قواعد و فعل کے خلاف تھا ان کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے اپنی
حب[1] اس سورۃ سے عرض کی تو آپؐ نے حب صفت الرحمٰن کے سبب سے بشارت تو دیدی مگر یہ کہ اس فعل کو تو کیا کریہ ہرگز حدیث میں نہیں آیا فقط حب
قل ہو اللہ کے سبب سے کہ صفت حق تعالیٰ کی ہے بشارت[2] جنت کی فرمائی، مؤلف نے اجازت دوام تکرار قل ہو اللہ کی اپنے ذہن سے تراش لی
بھلا اس سے اس فعل کا جواز کس طرح نکلا اور ایک صحابیؓ نے ادراک[3] رکعت کے واسطے قبل وصول صف کی نیت کرکے رکوع میں شریک
ہو کر دو قدم چلکر رکوع کی حالت میں صف کی برابر ہو گئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زادک اللہ حرصاً ولا تعد دیکھو یہ فعل
مکروہ تھا مگر اس پر آپ نے مدح فرمادی کہ حرص امر خیر کی تھی آگے لاتعد اک روایت میں یہ فعل نص حدیث سے ہے کہ پھر یہ کام مت کرنا دوسری
روایت میں لاتعد باب فعال سے ہے کہ اعادہ صلوٰۃ مت کر اس دوسری روایت میں باوجودیکہ یہ فعل مذموم تھا کہ طریقہ تلقین اور خشوع کیخلاف
تھا مگر آپ نے صراحتاً منع نہیں فرمایا اور مدح بھی کردی پس اس کی ہی نظیر یہ قل ہو اللہ کی حدیث ہے کہ یہ طرز تعلیم اور فعل آپؐ کے خلاف
تھا اس کے صراحتہً منع کی ضرورت نہ ہوئی اشارۃً منع فرما دیا تھا مگر اس حب کی وجہ سے بشارت بھی ہو گئی پس مؤلف کے حسن فہم کو دیکھو
کر کیا اجتہاد کیا کہ اپنے شکم سے ایسا مقدمہ تجویز کرلیا کہ حدیث میں کہیں اس کا نشان بھی نہیں اور خلاف تمام علماء کے مرجح بن گئی، چلو تسلیم کیا

[a] کون قاری ہے اور کون سننے والا [1] کبھی کبھی سے [2] محبت [3] خوش خبری [4] پانا [5] صف میں پہنچنے سے پہلے۔

کہ ان کو فرضیت اور اباحت میں فرق معلوم ہے سو حضرت سلامت یہ مسئلہ خاص اس درجہ کا ہے کہ اس درجہ کے عوام سب جانتے ہیں کہ یہ مثل حج و زکوٰۃ کے فرض تو نہیں ہے بلکہ واجب بھی نہیں ایصال ثواب فی نفسہٖ مستحب ہے اور تعیین ایک مصلحت کے لئے ہے بزرگان دین کا قرار دیا ہوا ایک امر متوارث چلا آتا ہے اور یہ شبہ تو کسی کم سے کم عقل والے کو بھی نہیں پڑ سکتا کہ یوں جانے کہ ثواب آج پہنچے گا پھر نہ پہنچے گا اس لئے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وارثانِ میت سوائے روز سوم کے اور دنوں میں بھی فاتحہ و درود کرتے ہیں تو کس طرح اعتقاد کریں گے کہ روز سیوم ہی کو فقط ثواب پہنچا کرتا ہے پس دونوں سبب کراہت کے مفقود ہوئے تو تعیین سیوم کو مکروہ کہنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی **دوسری دلیل مانعین کی یہ ہے** کہ سیوم میں مشابہت ہے کفار ہنود کی اور حدیث میں من تشبہ بقوم فھو منھم سو جواب اس کا یہ ہے کہ تشبہ مصدر ہے

کا جازت دے دی تھی مگر یہاں بجز ان باتی کا نہیں کیوں کہ وہ ہر رکعت میں دوسری سورت بھی پڑھتے تھے اور افضلیت کا ایہام بھی یہاں نہیں۔ کیوں کہ فضل قل ہو اللہ کا خود فخر عالم علیہ السلام فرما چکے تھے کہ ثلث قرآن ہے تو فضل منصوص میں ایہام کو کیا علاقہ تھا اور پھر وہ ایسا وقت تھا کہ وہاں کوئی بھی عام نہ تھا سب اخص الخواص فقہاء تھے اور وجہ اجازت سب کو معلوم ہو گئی تھی اس قرن میں یہ دلیل کراہت کی موجود ہی نہ تھی جواب ہے اور سب کے بعد یہ واقعہ حال تھا نہ حکم عام اور ایسے امر خلاف قواعد ہے کہ کسی کو کسی خصوصیت سے اجازت ہو وے قابل قیاس کے نہیں ہوتا بلکہ قیاس مسائل عامہ پر کیا جاتا ہے پس مؤلف اپنے علم و نظر کو غور کرے کہ کس فہم پر خلاف علماء فقہاء کے کلام کرتا ہو نہیں جانتا کہ علم مجتہدین کا مؤلف کی طرح ترجمہ مشکوٰۃ میں حصر نہیں تھا انہوں نے تمام روایات کو پیش نظر کر کے اجتہاد کئے ہیں یہ روایت بھی ان کو معلوم تھی دیدہ و دانستہ و فہمیدہ وضع مسائل کیا ہے مؤلف کی طرح آنکھ بند کر کے مجتہد نہیں ہو گئے تھے اور مؤلف کی ترجیح کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی مؤلف اپنے علم و فہم کو اندازہ کرے کہ ابتدائے رسالہ سے آخر تک کوئی بات فہم کی سیدھی بات نہیں کہی پھر اس پر یہ ناز و نخوت اور اپنے علم کوتاہ پر یہ اعتماد و غرور لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ الغرض بناءً علی ہذہ القاعدہ سیوم وغیرہ رسوم سب بدعت ضلالہ ہوئی اور یہ ایک دلیل کراہت ان امور کی نہیں بلکہ پانچ دلائل ہیں جن کو شارح منیہ نے بسط کیا ہے اور اوپر مذکور ہو لیا پس بعد اس کے سوائے مؤلف کے کوئی عاقل ان کو جائز نہیں کہہ سکتا اب ناظرین مؤلف کی خیانت دیکھیں کہ طحاوی نے روایت دوام سورہ بلا اعتقاد میں مشروط کی ہے کہ اگر گاہ گاہ ترک کیا کرے تو مکروہ نہیں مؤلف نے اس شرط کو حذف کر کے نقل کیا ہے اور جہلاء کے اعتقاد کے فساد کی وجہ سے شرح منیہ اور طحاوی اور فتح القدیر نے سب نے تصریح کی ہے اب مؤلف کی توجیہات واہیہ کہ ہرگز قابل التفات نہیں کہ اپنی رائے ناتمام سے بمقابلہ فقہاء کے کلام کرتا ہے تصریح ہے کراہت دوام مستحب کی بسبب فساد عقیدہ عوام محقق ہو چکی اور جہل مرکب مؤلف کا روشن ہو لیا، وہو المرام

تشبہ کی عجیب بحث جو بدعت کی قلع قمع کرنے والی ہے حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم ...... **قولہ** دوسری دلیل مانعین کی یہ ہے الخ **اقول** یہ بھی ایک نہایت اصل قوی اور قاعدہ کلیہ بہت احادیث سے ثابت اور تمام امت کا مسلمہ ہے کوئی اس کا منکر نہیں مگر کسی جزئی خاص میں با دنیٰ وجہ اگر خلاف ہو جاوے کہ یہ داخل کلیہ میں ہے یا نہیں یا اس کو دوسرے روایات معتبرہ نے استثناء کر دیا ہے یا نہیں یہ دوسری بات ہے مگر اصل کلی میں سب کا اتفاق ہے مثل اصول اول کے چونکہ یہ قاعدہ مسلم الثبوت تمام امت کا ہے لہٰذا اس کے اثبات میں بسط کی ضرورت نہیں مگر مؤلف نے تین غلطی فاحش کر کے سیوم کو اس کلیہ سے خارج کیا ہے لہٰذا کچھ لکھتا ہوں اول یہ کہ مؤلف حدیث من تشبہ بقوم

... قرآن کا ثلث کی ہے تصریح شدہ۔ سے سمجھتے ہوئے تھے سمجھ رہے اس قاعدہ کی بنیاد پر تفصیل شہ اوپر معلوم ہے ۹ اس وجہ سے

ماخذ اس کا لفظ شبہ بالکسر ہے شبہ کے معنی مانند پس تشبہ کے معنی مانند کسی کے ہو جانا جب معنی تشبہ کے معلوم ہوئے اب ان منصفوں کی زبانی
زوری بجھنی چاہیئے کہ سیوم کرنے والے کس بات میں مانند ہندوؤں کے ہو جاتے ہیں ہم قرآن پڑھتے ہیں وہ قرآن نہیں پڑھتے ہیں ہم کلمہ طیبہ
پڑھتے ہیں جو کفر شکن ہے وہ کلمہ نہیں پڑھتے سبحان اللہ کیا عقل سلیم ہے کہ کلمہ قاطع کفر کا پڑھنا مشابہ رسم اہل کفر کے قرار دیتے ہیں ہمارے احباب
اور برادری جمع ہو کر کلمہ پڑھتے ہیں ان کی برادری جمع ہو کر کچھ نہیں پڑھتے فقط وارث میت سے دوکان اس کی کھلا دیتے ہیں اور قلم سیاہی کتاب
وغیرہ کو ہاتھ لگوا کر سوگ ختم کراتے ہیں اور کچھ ان کے یہاں اگر پڑھتا ہے تو فقط ایک طرف کوئی پنڈت برہمن پڑھتا ہے وارثان میت اور بھائی برادری
اور دوست آشنا کچھ نہیں پڑھتے اور وہ لوگ تیسرے دن میت کی ہڈیاں جلی ہوئی چن کر لاتے ہیں پھر گنگا وغیرہ میں بہاتے ہیں ہمارے یہاں ان
میں سے کچھ بھی نہیں کرتے پھر کس بات میں مانند ہنود کے ہو گئے اور کیا تشبہ پیدا ہو گیا؟ اور اگر کوئی مشابہت اس کا نام رکھے کہ ان کے یہاں
تیسرے دن رسوم کفر ہوتی ہیں تمہارے یہاں رسم اسلام یعنی کلمہ و قرآن ہوتا ہے تو انصاف کرنا چاہیئے کہ یہ مشابہت کیا ہوئی یہ تو مخالفت ہوئی
یعنی ہم وہ کام کرتے ہیں جو مخالف کفار ہے کافر وہ کام کرتے ہیں جو مخالف اسلام ہے وہ اپنا کام کرتے ہیں ہم اپنا مثلاً مغرب کے وقت اور عشاء
اور صبح صادق کے وقت ہم لوگوں نے اذان کہی اور نماز پڑھی انہوں نے ان تین وقتوں میں ناقوس یعنی سنکھ بجایا پوجا کیا اب کوئی بے ہودہ اس کو
مشابہت قرار دینے لگے کہ ان وقتوں میں تم نے اپنے طور کی عبادت کی انہوں نے اپنے طور کی پس اتحاد اوقات سے تشبہ پیدا ہو گیا تو سب عقلاء
اس کو بزنہ دانائی اور کم عقلی پر قہقہہ ماریں گے اور اسی طرح جب حاجی لوگ بیت اللہ زاد ہا اللہ شرفاً سے واپس ہوتے وقت آب زمزم لا دیں تو

نہو منہم میں تشبہ بجمیع اجزائہ من کل الوجوہ سمجھا ہے کہ سب اجزاء رسوم میت مشابہ ہو جاوے تو اس وقت تشبہ محظور ہے ورنہ درست ہے اسی وجہ
سے لکھتا ہے کہ کس بات میں تشبہ ہنود کی ہو گئی اور بدون معنی حدیث کے اور تشبہ کے سمجھے صفحہ سیاہ کیا پس سنو کہ حدیث میں لفظ تشبہ کا
مطلق آیا ہے کہ کوئی قید کل یا بعض کی قلیل و کثیر کی نہیں اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ مطلق جس فرد میں پایا جاوے حکم مطلق کا اس پر جاری ہوتا ہے، اور
کوئی قید اس کے ساتھ لگانی درست نہیں ہر ہر فرد میں حکم ثابت ہو گا المطلق یجری علی اطلاقہ کہا گیا ہے لہٰذا مطلق تشبہ کی کوئی فرد ہو مصداق
حدیث کا ہو جاوے گا اگرچہ ایک جزو مرکب میں پایا جاوے سب مرکب مجموعہ مکروہ ہو جاوے گا کہ لفظ حدیث کے صاف دلالت اس پر کرتے
ہیں نظیر اس کی سنو کہ ہدایہ میں ہے اذا قرأ الامام من مصحف فسدت صلوٰتہ عند ابی حنیفۃ وقال ہی تامۃ الا انہ یکرہ لانہ تشبہ باہل
الکتاب انتہی قال فی النہایۃ فانہم یصلون ہکذا فیکرہ للتشبہ لانا نہینا عن التشبہ بہم فیما لنا بد منہ انتہی ایضاً ہدایہ میں ہے ویکرہ ان
یقوم الامام فی الطاق ودرایۃ تشبہ صنیع اہل الکتاب انتہی پس دونوں روایت کو دیکھو کہ تمام ارکان و صلوٰۃ و جماعت میں ایک جزو قرآن
کھول کر پڑھنا اور مکان مرتفع پر کھڑا ہونا اہل کتاب سے ملتا تو ساری نماز مکروہ ہو گئی اور مثل مؤلف کے کسی محشی نے نہ کہا کہ اس قدر اجزاء میں
ایک جزو کی مشابہت سے کراہت نہیں ہوتی تمام فقہاء عالم کے بھول گئے ایک مؤلف کو سوجھی معاذ اللہ تو مؤلف کہتا ہے کس بات میں مانند
ہو گیا اگر کہیں کہ دیگر ارکان صلوٰۃ بھی تو یہود کی صلوٰۃ میں ہیں تو سنو کہ سب ارکان ان کی صلوٰۃ میں نہیں از انجملہ ایک رکوع ہی نہیں ہوتا
معہذا جو جزو ہم کو مامور ہے اس میں تشبہ کا اعتبار ہی نہیں پس سنو کہ مؤلف اقرار کرتا ہے کہ سیوم پانچ جزو سے مرکب ہے، کلمہ، قرآن، نخود، ان
میں تشبہ نہیں اور اجتماع قوم میت کے واسطے اور تخصیص روز سیوم کی ان دو میں تشبہ ہنود کے ساتھ ہے مؤلف بھی معترف ہے کہ اگر

لے ممنوع سے مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہتا ہے سے بلند

کوئی یادہ کہنے لگے کہ یہ تشبہ ہنود کا ہو گیا وہ بھی اپنی عبادت گاہ سے واپس ہوتے ہوئے گنگا کا پانی لاتے ہیں تم پانی زم زم شریف کا لائے تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ خرافات بے ہودہ تشبیہیں نکالنی ان بدحواسوں کی سخت بے عقلی کی دلیل ہے اور تماشا یہ ہے کہ فقط تیسرے دن کی مشارکت میں بھی مشابہت قوم ہنود کی نہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہندوؤں میں بعض تو بالکل مثل سراوگی بالکل سیوم یعنی تیجے کے قائل نہیں سو ان کے ساتھ تو کچھ بھی مشابہت نہ ہوئی ان کے یہاں تیجا عبادت فقط اس امر سے ہے کہ تیسرے دن کاروبار کرنے لگیں سوگ میت کا دفع کریں سو تعزیت کیواسطے اور رفع سوگ کے لئے شرع میں بھی تین دن معین ہیں اور بعض تو میں ہنود کی مثل بشنی اگروال جو سیوم کو مانتی ہیں اور اموات کے لئے ثواب رسانی کا کام کرتے ہیں اگر اہل سلام کو مشابہت لازم آئی تو ان کے ساتھ لازم آئی سو غور سے دیکھئے تو ان کے ساتھ بھی مشابہت نہیں کیوں کہ ان لوگوں کے قوانین دین متعلق گردش کواکب ہیں پس تیسرے دن تیجا وہ لوگ جب کرتے ہیں کہ گرہ سامنے نہ ہو اور اگر پنچک کی گرہ جو پانچ نچھتر ہیں سامنے آجاتے ہیں تو جس وقت تک وہ گرہ ٹل نہیں جاتی تیجا نہیں ہوتا پھر کبھی چار دن میں کبھی پانچ دن میں کیا جاتا ہے اور مسلمان تیسرے دن سے آگے نہیں ٹلاتے ان کو کواکب سے کچھ بحث نہیں پس حکم تشبہ کا بباعث لازم آنے مشارکت یوم کے بھی ٹوٹ گیا اور یہ مسئلہ شرعی ہے کہ جب ہمارے اور کفار کے درمیان کسی امر میں تفاوت اور امتیاز پیدا ہو جاتا ہے تو حکم تشبہ باطل ہو جاتا ہے حدیث و فقہ پڑھنے والوں کو یہ بات یاد ہوگی کہ یہود و نصاریٰ صوم عاشورا رکھتے تھے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ تم بھی رکھو اور مشابہت یہود و نصاریٰ سے جو لازم آتی تھی اس کی مخالفت میں اس قدر کافی ہو گیا کہ آپ نے ایک روز اول اور ایک آخر رکھنے کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر

تیسرے روز جمع ہو کر سوگ کھلواتے ہیں اور بشنی بھی بہر حال ہنود میں روز سیوم جمع ہوتا ہے اور یہ شعار ان کا ہے تو دو جز میں تشبہ ہوا پس مجموعہ سیوم کا بدعت ہو گیا اور تشبہ ہنود کا ثابت ہو گیا حدیث سے بھی اور صریح جزئیات فقہ سے بھی ج۔ خدشہ اتحاد وقت مغرب وغیرہ کا تو سنو کہ وقت شارع کا فرض کیا ہوا ہے اور فرائض و واجبات شارع میں تشبہ کا اعتبار نہیں ہوتا اور حدیث میں اس کا اشارہ ہے کیوں کہ تشبہ باب تفعل کی ماضی ہے اور بعد موصول کے واقع ہے اول تو باب تفعل میں اخذ بہ تکلف ہوتا ہو وضعاً جس سے معلوم ہوا کہ مرتکب نے بہ تکلف امر تشبہ کر لیا ہے شرعاً یا طبعاً کی طرف سے الزام نہیں تھا دوسرے فعل حدوث پر دلالت کرتا ہے یعنی اول شارع کا الزام اس پر نہ تھا خود مرتکب اور محدث ہوا پس تشبہ کے لفظ سے شارع نے فرض و واجب سنت مؤکدہ کو اور امور طبعیہ کو خارج کر دیا ہے گویا حکماً اس میں تشبہ نہیں ہوتا پس اب دیکھو کہ کس کی عقل پر قہقہہ لگا۔ علی ہذا پانی زم زم کا لانا اور گنگا کا مشابہ نہیں کیوں کہ پانی کا لانا عادی طبعی امر ہے اور شعار بھی نہیں ہاں اگر اس ہیئت و شعار سے لاوے گا تو مشابہت حاصل ہووے گی اور حرام ہوگا اب سوچو کہ یہ سیوم ہنود کے تیجے سے بوجہ کامل مشابہ ہے اور فرق بعض وجوہ کا مخل تشبہ کو نہیں زید کو اسد سے تشبیہ دیتے ہیں وجہ شبہ فقط شجاعت ایک امر ہوتا ہے باقی سرتاپا کوئی مشابہت نہیں ہوتی پس کسی نے یہ نہیں کہا کہ بالکل مشابہت[1] من کل الوجوہ ہو تو تشبیہ ہووے گی ورنہ نہیں تو یہ قول مؤلف کا شرع اور عقل اور عرف سب کے خلاف ہے اب تماشا دیکھو کہ باعتراف مؤلف سراوگی کے یہاں تیسرے روز قوم جمع ہو کر دوکان کھلواتے ہیں اور وہ سیوم نہیں عجب کلام ہے تیسرے روز کا نام سیوم ہے عرف ہنود میں تیجا اور مسلمانان میں سیوم دونوں کے ایک معنی ہیں علی ہذا بشنی سیوم تو کرتے ہیں مگر گاہ نحوست کے دن کے سبب تاخیر بھی کر دیتے ہیں تو سیوم تو موجود مگر مشابہت نہیں

---

[1] مشابہت ہر اعتبار سے

میں باقی ہا اگلے سال حکم دوں گا ایک روزہ اس کے اول ایک روزہ اس کے بعد کو رواہ البیہقی۔ اب سمجھئے وہ جملہ دن عاشورا جس کو یہود و نصاریٰ رکھتے ہیں اس عین فعل میں مسلمان ان کے شریک ہے لیکن ایک روزہ اول اور ایک روزہ بعد اس میں ملانے سے حکم تشبہ باطل ہو گیا بالفرض اگر تیسرے دن کی مشابہت ہوتی ہنود سے تو ہمارے یہاں جو کام اسلامی اس میں مندرج ہیں ان کے سبب بالکل مشابہت کا حکم باطل ہو جاتا چہ جائے ایں امر کہ بالکل تیسرے دن میں بھی مشارکت نہیں پائی جاتی ہم کو معلوم نہیں ان صاحبوں کا کیسا تفقہ اور کیسا فہم و ذکا ہے کہ ہرگز ژرف نگاہی اور موشگافی علل احکام میں نہیں فرماتے مفتی قاطع السنہ یعنی صاحب بیعت السنہ اور ان کے آبا اولین اور اخوان معاصرین سب کے سب اس مسئلہ میں بے سمجھے بوجھے حکم تشبہ لگا رہے ہیں اور حدیث نبوی من تشبہ بقوم فہو منہم کو نہایت درجہ بے محل پڑھتے ہیں فمال ھٰؤلاء القوم لایکادون یفقہون حدیثا یہ لوگ تشبہ کے معنی لغوی جانیں نہ اصطلاحی، شرعی اس لئے کہ لغوی معنی تشبہ کے ہیں مانند ہو جانا اب تم دیکھ چکے اور سن چکے کہ ہنود کا تیجا مشتمل کن امور پر ہے اور اہل اسلام کا شامل کن امور پر پھر مانند ہونا دونوں فریق کا رسوم یکدیگر میں کہاں ہے اب معنی شرعی سنئے صاحب بحر الرائق شرح جامع صغیر قاضی خاں سے نقل کرتا ہے کہ کفار کے ساتھ تشبہ ہر بات میں مکروہ نہیں فانا ناکل ونشرب کما یفعلون یعنی اس لئے کہ ہم بھی اسی طرح کھاتے پیتے ہیں جس طرح وہ کھاتے پیتے ہیں اور در مختار میں قید لگائی ہے کہ اگر ارادہ کرے آدمی ان کے ساتھ مشابہت کا اور جس چیز میں مشابہت کرتا ہے وہ شرع میں مذموم بھی ہو اس وقت تشبہ مکروہ ہے

کیا عجب تقریر مؤلف کی ہے ماشاء اللہ تعالیٰ یہ خبط عقل تو اس گستاخ کلام کا ہے کہ علماء سنت کو بدحواسی کی نسبت مؤلف کرتا ہے اب دوسری خطاء فہم مؤلف کی سنو کہ حکم کلی لکھتا ہے کہ اگر فعل مسلم و کفار میں کچھ امتیاز ہو جاوے تو تشبہ نہیں رہتا اور فی الواقع یہ بھی فرع پہلی ہی خطا کی ہے مؤلف صوم عاشورا کی نظیر دیتا ہے کہ نہم کے صوم سے تشبہ رفع ہو گیا کیا عجب حکم ہے کہ قبل و بعد کی کچھ خبر نہیں یہ دو نظیر مسئلہ ہدایہ کی جو مسلم سب فقہاء کے ہیں اس میں تو مابہ الامتیاز سب کچھ موجود ہے فقط اتحاد زمان و امتیاز مکان ایک مسئلہ میں اور نظر مصحف دوسرے میں تشابہ کا امر ہے پس کیوں مکروہ ہو گیا سو یہ روایات اور دیگر روایات اس تقریر مؤلف کو رد کرتے ہیں اور حدیث نے بھی اس فہم مؤلف کو باطل کر دیا کہ مطلق تشبہ کو کہ احداث کسی مکلف کا ہے محظور فرمایا پس خلط سنت سے وہ امر محدث جائز نہیں ہو سکتا بلکہ مجموعہ مکروہ ہو جاوے گا اور یہ نظیر صوم کی سو معلوم ہو چکا کہ اس باب سے نہیں مؤلف کی کم فہمی ہے صوم عاشورا حق تعالیٰ کا فرض کردہ تھا اور فرض میں تشبہ معتبر نہیں ہوتا کیونکہ کسی مکلف کا احداث نہیں بلکہ من اللہ تعالیٰ اس کا التزام ہوا ہے پس اس حدیث سے وہ اول ہی خارج ہو چکا اسی واسطے اب تنہا روزہ عاشورا کا کسی کے نزدیک مکروہ نہیں معہذا اجرا ول آخر روزہ فخر عالم علیہ السلام نے لگا دیا اس وجہ سے ہے کہ ابعد من التشبہ ہو جاوے اسی واسطے لکھا ہے کہ جو عبادت ملتین میں مشترک ہے اس میں تشبہ نہیں ہوتا کیونکہ شعار نہیں ہا معہذا تغیر وصفی اس میں کر دیتے ہیں تاکہ ابعد عن التشبہ ہو جاوے استحبابًا پس مؤلف عجیب بے خبر قواعد شرعیہ سے ہے فقط دعویٰ ہی دعویٰ ہے علم و فہم سے ہرگز بہرہ نہیں اور علماء محققین کو جاہل بتلاتا ہے اور پھر وہی اپنی تحقیق شروع کی کہ لغت میں معنی شبہ کے مانند ہو جانا ہے یعنی من کل الوجوہ مماثل ہو جاوے اس کی تردید اوپر ہو چکی اور پھر معنے شبہ کے شرعًا لکھتا ہے اور یہ تیسری خطاء فہمی ہے بحر الرائق کی عبارت سے جس کو در مختار نے اور شامی نے اور طحاوی نے نقل کیا ہے یہ مستفاد ہوا کہ تشبہ ہر چیز میں حرام و مکروہ نہیں بلکہ فعل مذموم میں[۹] نہ محمود میں اور بقصد تشبہ کے ارتکاب کرنے میں نہ بلا قصد تشبہ کے تو اس کو

---

[۱] فرق [۲] حقیقت میں [۳] شامل [۴] وجہ فرق [۵] ممنوع [۶] تقرب [۷] دور [۸] وصف کے اعتبار سے تبدیلی [۹] واقف [۹] قابل مذمت

عبارت اس کی یہ ہے ان قصد بہ ذلک تشبہ بہم لا یکرہ فی حق شیئ بل فی المذموم فیما یقصد بہ التشبہ اور مسلم رکھا اس حکم کو شامی نے اب یکھئے
کو سویم میں نہ مسلمانوں کی غرض مشابہت وارادہ موافقت ہنود ہے اور نہ تیسرے روز پڑھنا قرآن وکلمہ حدیث وقرآن سے ممنوع ومذموم
ہے اور مولوی اسماعیل صاحب کی تحریر سے بھی رسالہ اثبات رفع یدین میں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مشابہت کے مکروہ ہونے میں قصد کو
معتبر رکھا ہے یعنی جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ان ملکوں میں رفع یدین کرنے میں تشبہ روافض کے ساتھ لازم آتا ہے اس کے جواب میں لکھتے ہیں
لا نحری التشبہ لفرق الضالۃ بل الفقت الموافقۃ یعنی ہم رفع یدین میں ارادہ تشبہ فرقوں گمراہ کا نہیں کرتے بلکہ اتفاقاً موافقت لازم آجاتی ہے انتہی
اور ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں انا ممنوعون من التشبہ بالکفرۃ واہل البدعۃ المنکرۃ فی شعارہم لا منہیون عن کل بدعۃ ولو کانت

مؤلف نے ثابت کیا کہ سویم مروجہ مذموم نہیں اور قصد تشبہ کا کوئی -- نہیں کرتا اب خطا مؤلف کی سنو کہ یہی دو روایت ہدایہ کی جو منقول ہوئیں
اس میں تو قرآن دیکھکر پڑھنا ہے جو مکروہ ہو گیا قرآن دیکھکر پڑھنا مذموم نہیں بلکہ محمود ہے عمدہ عبادت علی ہذا امتیاز امام کے مقام کی محمود ہے نہ مذموم
علی ہذا خود صوم عاشورا میں غور کرے کہ نفس صوم محمود ہے نہ مذموم ابھی مؤلف لکھ کر بھول گیا پھر بزعم مؤلف کیوں بزعم صوم نہم مشابہت کو رفع کیا اور
آگ کا مصلی کو مواجہ ہونا بموجب تشبہ مجوس کا ہے حالاں کہ قصد مسلم کا تشبہ بالمجوس ہرگز نہیں اور اشتمال صماء مکروہ ہے حالاں کہ قصد تشبہ یہود کا مسلم کو ہرگز
نہیں ہوتا علی ہذا بہت مسائل ہیں مگر مؤلف کو تمیز نہیں معلوم مؤلف کو گنجائش کہاں کلام کی ہے کہ سویم تو امر خود مذموم ہے اولاً اجتماع الی اہل المیت کا جس
کا حدیث سے نیاحت ہونا ثابت ہو گیا پھر ہنود کا فعل اور تعیین مطلق پھر بھی مذموم نہیں عجب ہے اور قرآن وکلمہ پڑھنا فی حد ذاتہ عبادت ہو مگر نہ ایسی تشبہ اور نہ اس
پر حکم کراہت کا بلکہ مجموعہ پر حکم کراہت کا ہے پس قیاس مؤلف کا بالکل لغو بے محل ہے اور قول بحر الرائق کا وانا ناعل وتشرب الخ سو پہلے اس کی وضاحت ہو چکی کہ
امور طبیعیہ میں تشبہ معتبر نہیں جیسا کھانا پینا شرح ہدایہ میں قید لگائی فیما لا نعنہ ہم کیوں کہ یہ امور اقتضائے طبع سے ہیں حادث تکلف کا نہیں اور
عبادات بھی بالتزام شرع ہیں نہ بتکلف محدث اور قول بحر الرائق کا کہ امر مذموم میں تشبہ مراد ہے سو سابق معلوم ہو چکا کہ قرآن دیکھ پڑھنا امر مذموم نہیں
اور حدیث میں مطلق تشبہ ہے مگر اس کی وجہ سنو کہ یہ ہے کہ جو امر محدث کسی متکلف کا بدون اذن شارع کے ہوگا وہ مذموم ہی ہوگا اگرچہ بظاہر مستحسن معلوم
ہوتا ہو کیوں کہ سب بدعات ایسی ہی ہیں اور یہ مراد بحر کی ہے پس قرآن دیکھ کر پڑھنا فی حد ذاتہ محمود ہے لیکن صلوٰۃ میں مذموم ہے مگر مؤلف اپنی کوتاہ
فہمی سے مذموم فی اصل وضعہ سمجھ گیا اس فہم پر تو معصیت میں تشبہ ہونا چاہیے ورنہ کہیں بھی نہیں ہوگا اور تمام مسائل منہدم ہو جائیں گے الحاصل امر
کو بالتزام شرع ہے یا تقاضائے طبع سے بجا نہ شرع اس کو شرع نے خارج اس حدیث وحکم سے فرما دیا ہے خلاف اجتماع مخصوص سویم کے کہ اولاً خود
ممنوع شرعی اب تشابہ اس پر زائد ہو گیا پس بحر کی عبارت کو مؤلف ہرگز نہیں سمجھا اور دیگر علماء کو کم فہم بتلاتا ہے تماشہ ہے اور مولوی اسماعیل صاحب
کا فقرہ بل الفقت الموافقۃ کے معنی بھی یہی ہیں کہ فعل راصل مسنون تھا بعد میں روافض نے بھی ایک حرکت ایجاد کی کہ موافق اس کے ہو گئی
تو یہ امر الزام شارع کا ہے ترک نہیں ہو سکتا اور تشبہ معتبر نہیں اور یہی معنی قاری کی عبارت کے ہیں انا ممنوعون من التشبہ بالکفرۃ واہل البدعۃ
المنکرۃ فی شعارہم الخ کیوں کہ جو شعار ان کا ہوگا خواہ فی حد ذاتہ حسن ہی ہو اور وہ ان کا فعل ہو گیا اور تشبہ ناجائز ہوا جیسا صلوٰۃ قرآن
دیکھ کر پڑھنا کہ شعار ان کا ہے اور فی حد ذاتہ حسن ہے مگر صلوٰۃ میں دیکھ کر پڑھنا ہماری ملت میں مذموم ہے اور جو متفق دونوں ملت سوا ہے ان
من افعال اہل السنۃ ومن افعال الکفرۃ واہل البدعۃ اور جو متفق دونوں ملت کا ہوگا وہ شعار نہ ہوگا مامور اس امت پر بھی ہوگا مگر مؤلف

لہ مقابل لہ آتش پرست کی مشابہت لہ مذموم اپنی اصل وضع کے اعتبار سے ۔۔

یعنی ہم کو مشابہت کافروں اور بدعتیوں کے ساتھ اسی بات میں منع ہے جو ان کے دین کا خاص ممتاز اور رکیتہ علامت ان کے فرق کی ہے اور
انہیں منع مشابہت ہر مباح بدعتوں میں اگرچہ وہ بدعتیں افعال اہل سنت والجماعت سے ہوں یا کافروں کی یا اہل بدعت سے انتہیٰ اب
خیال کرنے کا مقام ہو کہ تشبہ جو حدیث میں منع ہے اس کے یہ معنی ہیں شرعاً پھر ہم کو قوم ہنود سے کسی بات میں مشابہت نہیں قرآن پڑھنے میں
دچنوں پر کلمہ پڑھنے میں یہاں تک کہ تیسرے دن کی تعین میں بھی شرکت نہیں کیوں کہ ان کی تعین بدلتی رہتی ہے بباعث پیش آنے گروہ مذکور کے

کو فہم ہی نہ ہو تو کیا کرے ظاہری لفظ کو دیکھ لیتا ہے اور حکم خلاف شرع لکھتا ہے اور جو بدعت مباح ہووے گی اور افعال اہل سنت سے
ہووے گی وہ خود مامور شرعی اور سنت ہو جیسا کہ بحث بدعت میں گذرا غرض عبارت قاری بحر اور مولوی اسمٰعیل کی یہ سب بیگر روایات سے
متفق ہیں مگر فہم مؤلف کا مخالفت حق سے کر رہا ہے اور سوئم جو شعار مذموم ہنود کا ہو نہ اس میں کوئی امر مخصوص ہے نہ اس کی اجازت بلکہ ممانعت
شرعیہ اس میں ثابت ہو چکی کہ اس کو باحث سے کیا علاقہ ہو فہم سلیم خدا تعالیٰ دیوے تو سب کچھ ہو ورنہ ضلوا واضلوا کا مضمون ہوتا ہے اب یہی بحث
کو بحر میں تشبہ حرام اس کو لکھا ہے کہ بقصد تشابہ ہووے سوال تو کہا جاتا ہے کہ حدیث میں مطلق تشبہ آیا ہے تخصیص حدیث کی بالرائے درست نہیں
اور سب محققین نے مطلق تشبہ لکھا ہے پس قول بحر کا حدیث کے معارض نہیں ہو سکتا حدیث میں ہو کہ غیروا الشیب لاتشبہوا بالیہود الخ تطفوا اخبیتکم
ولاتشبہوا بالیہود الخ اور ظاہر ہے کہ شیب میں اور تطلیم انفیہ میں کسی نے قصد تشابہ یہود کا نہیں کیا تھا بلکہ خلقی اور عادی امر تھا صوم
عاشورا میں کسی نے تشبہ یہود کا کیا تھا بزعم مؤلف بلکہ باذن شارع کے تھا مگر اس کی توجیہ بھی کرتا ہوں کہ مراد بحر کی یہ ہو کہ تشبہ کے لفظ میں اخذ
بتکلف ہے سو قصد اور فعل مؤلف کا اس میں ہونا چاہیئے پس اس کی صورت یہ ہو کہ اگر کسی نے کوئی کام نادانستہ کیا اور پھر اس کو خبر ہوئی تو ازالہ
کرے منہ اب بعد علم کے تشبہ گر پہلے متشبہ تھا اور اپنے فعل میں عاصی بھی نہیں تھا اب قصد جو کرتا ہے تو تشبہ ہوا علیٰ ہذا جو امر ایسا ہے کہ اس کا ازالہ
کر سکتا ہے مگر قصداً ازالہ نہ کیا جیسا ریش کا خضاب تو ترک خضاب قصداً کرتا ہے کیوں کہ ازالہ پر قادر ہے اور نہیں کرتا بہر حال سب جگہ معصیت کے
واسطے فعل مکلف کا ضرور ہے تو معنی یہ ہوئے کہ قصداً اس فعل تشبہ کا کرے نہ یہ کہ اس فعل کو کفار کے تشبہ کی نیت سے کرے پس دونوں میں فرق
زمین آسمان کا ہے اگر عقل ہو اور جو تسلیم کریں کہ یہ دوسرے معنی ہی ہیں تو چونکہ تشبہ کو شارع نے کفر فرمایا بقولہ فہو منہم اور کفر بدون قصد قلب کے
نہیں ہوتا لہٰذا یہ قید اضافہ کی کہ کافر جب ہوگا کہ دل میں نیت تشبہ کفار کی کرے ورنہ کافر نہ ہوگا گو عاصی ہوگا یہ بھی حق ہو علی قاری شرح اکبر
میں لکھتے ہیں وتوشیہ نفسہ بالیہود والنصاریٰ صورۃ او سیرۃ علی طریق المزاح والہزل ای ودعلی ہذہ المنوال کفی دافی الخلاصۃ من وضع
قلنسوۃ المجوس علیٰ راسہ قال النشھم یکفر الخ غرض یہ کہ قصد تشبہ کفار کا کیا اگرچہ ہزلاً ہو تو قصد و نیت تشبہ کفار سے لاریب کافر ہوگا اور معصیت ہونے
کو قصد فعل کا چاہیئے کہ جس میں مشابہت ہوئی گو بقصد مشابہ نہ ہو بلکہ خود خبر بھی نہ ہو کہ یہ شعار کفار کا ہوا اور پھر خبر ہوا اور بعد خبر کے ازالہ نہ کرے
تاہم عاصی ہووے گا بہر حال احادیث کثیرہ سے ثابت ہو کہ بلا قصد بھی تشبہ ممنوع حاصل ہوتا ہوا اور بحر کے بھی یہی معنی ہیں گو مؤلف اپنے فہم سے
قاصر و عاجز ہو کر عبارت بحر کو مخالف حدیث کے بتاتا ہے پس الحمد للہ کہ دلائل واضحات نص وفقہ سے بدعت و کراہت رسوم مروجہ کی ثابت
ہوئی اور رسوم کے تشبہ کو مؤلف خود قبول کر چکا گو اپنی کم علمی سے اس کو حد تشابہ سے نکالتا ہو مگر یہ فہم اس کا باطل ہو گیا اب اگر انصاف ہو
تو یہی دو اصل بالکل تمام رسالہ مؤلف کے قلع قمع کو کافی و وافی ہے مگر چوں کہ ہر ہر بحث پر مؤلف کج فہمی سے بحث کرتا ہے لہٰذا اس پر تنبیہ

لہ گمراہ ہوئے تلہ اور گمراہ کیا تلہ ختم کرنا۔۔

پس تشبہ لغوی وشرعی کسی طرح کا ہم کو ان کے ساتھ نہیں والحمد للہ ذلک **لمعہ خامسہ** فاتحہ چہلم وبستم ودہم وسبو قبرستان در مساجد پہلے دستور تھا کہ مٹی کا گھڑا جس کو فارسی میں سبو اور عربی میں جرا کہتے ہیں میت کی طرف سے مساجد میں بھیجا کرتے تھے نہ فقط ایک گھڑا بلکہ چند گھڑے علاوہ ان گھڑوں سے جن سے غسل میت ہوتا تھا بھیجتے تھے وجہ اس کی یہ ہے کہ جب حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ مرگئیں انہوں نے پوچھا۔ یارسول اللہ کون سا صدقہ بہتر ہے آپ نے فرمایا پانی تب انہوں نے ایک کنواں یعنی چاہ تیار کرایا اور کہا ہٰذہ لام سعدؓ یعنی یہ چاہ سعدؓ کی والدہ کا ہے اس کو ثواب پہنچے یہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے پھر ہر کوئی تو کنواں یعنی چاہ کھدوانے کا بنانے کا مقدور نہیں رکھتا اس لیے مسلمانوں میں یہ قاعدہ ٹھیر گیا تھا کہ کورے گھڑے مسجد میں بھیجا کرتے تھے کہ حضرت نے پانی کو اچھا صدقہ فرمایا ہے اگر کنواں نہ بنایا ہوا گھڑا بھرا ہوا مسجد میں ہے گا کوئی اس سے پیاسا پانی پیے گا کوئی وضو وغسل وغیرہ کے خرچ میں لائے گا یہ اصل ہے گھڑا بھیجنے کی اور چالیس روز تک

ناظرین کو کر دینا ضرور ہوا کہ کم علمی اور کوتاہ فہمی مؤلف کی اور جہل مرکب اور دعوی بے مغز اس کا سب پر روشن ہو جاوے کہ کس حوصلہ پر کتاب لکھ کر کمر بر اضلال خلق اللہ تعالی باندھی تھی قولہ لمعہ خامسہ الخ اقول

سجد میں گھڑا بھیجنے کی بحث | **قولہ لمعہ خامسہ الخ اقول** گھڑے مسجد میں پہلے دیا کرتے تھے وہ متروک ہو گئے تو مؤلف کو افسوس ہے کہ یہ بدعت کیوں مرتفع ہو گئی اصل اس کی یہ تھی کہ ہنود بارہویں روز گھڑا اس جگہ جہاں مردہ جلاتے ہیں رکھ کر چلے آتے ہیں مسلمانوں نے بھی اس کو دیکھ کر شروع کیا کہ مسجد میں پانی کا گھڑا بھر کر بھیجدیا کریں کیوں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسجد میں گھڑا اور بدھنا لوٹا چراغ وغیرہ سب دینا موجب اجر ہے مگر بطور رسم دینا کہ جس میں تشبہ لازم لازم آئے اور خاص گھڑا ہی ضروری جان کر دینا اگرچہ ضرورت اس کی مسجد میں نہ ہو یہ بدعت تھا اور ملا لوگ بھی وقت ہوتی تھی کہ گھڑوں کو فروخت کرتے پھرتے تھے یہ رسم کچھ ترک ہو گئی ہے مگر چہلم کا گھڑا اب بھی اکثر عوام میں ہو خیر یہ تو یہ ہوا مگر جولانی طبع مؤلف کی قابل داد ہے کہ حدیث میں تو صدقہ پانی کا آیا ہے کہ پانی کو صدقہ جاریہ کرے یہ معنی کہ چاہ کھود کر پانی نکال کر اس پانی کو صدقہ کرے مؤلف اسے ظرف اور ٹھیکرے کا صدقہ سمجھ گیا پانی سے گھڑا لینا مؤلف کا ہی فہم عالی ہے پانی اور مٹی دو ضدیں ہیں اس کو اس سے کیا علاقہ یہ مقرر کہ گھڑا دینا بلکہ مٹی کا ڈھیلا بھی دینا موجب ثواب کا ہے مگر پانی کے صدقہ سے گھڑے کا صدقہ کیسے نکالا چاہ کا گھڑا تو مقصود نہ تھا پانی کی ذات سے مقصود اور پانی ہی کا صدقہ مراد ہے ہاں اگر فرماتے کہ صہریج وحوض بنوا دے کہ صہریج میں کوئی پانی بھرتا ہے گھڑے میں بھی کوئی بھر دے گا اور جو بوجہ تناسب ظرف کے یہ استخراج ہے کہ مدار اعانت ملے گی تو پھر اس پر کیا حصر ہے کل کو مؤلف ذرا چکنی مٹی کا بھی حکم دے گا کو صدقہ کر کے مسجد میں ڈال آؤ اور ٹوکرا ایلوں کا کہ اس سے گھڑا بن کر اعانت پانی کو ہووے گی اور مؤلف حدیث سعد سے استخراج کرنا دلیل کا بیان کرے گا یہ نہ سمجھا کہ پانی کا صدقہ گھڑے کی صورت میں پانی گھڑے میں بھرنے والے کی طرف سے ہو گا نہ گھڑے والے کی غرض ایسی تقریرات ... اور استخراجات علیہ کام مؤلف کا ہے اگر ایسا احیا اس بدعت کا مقصود تھا سید علیہ السلام مسجد میں گھڑے کام آتے ہیں نہ یہ کہ چاہ کو اصل ... اپنی خوبی فہم ظاہر کرتا اور پھر یہ کہ فقط اصل نکل آنا تو جواز کے لیے کافی نہیں اس کے سب عوارض بھی رفع ہونے ضرور ہیں کہ تشبہ ہو اور تعیین ... متعلق نہ ہو اور اس کو مؤکد و واجب جانتا نہ ہو اور تفاخر وریا سے نہ ہو ورنہ یہی اگر مؤلف کا علم و فہم ہے تو دھونی کفار کی اصل تہمد ہے اور ... کی وجوہ مشابہت بھی نہیں حسب زعم مؤلف کے لیس سنت ہوا اور حضرت عثمانؓ سے منقول ہے کہ ایک طفل کے چہرے پر سیاہ ٹیکہ نظر بد سے لگوایا تھا سو تلک کی اصل نکل آئی تو یہ بھی جاری کیجے .... اور سوت کا بنا کرتہ ثابت ہے سو زنار سوت کی اصل

کھانا بھیجنے کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے یستحب ان یتصدق عن المیت الی ثلاثۃ ایام یعنی مستحب ہے کہ صدقہ دیا جاوے میت کی طرف سے تین دن اور بعضوں نے لکھا ہے الی سبعۃ ایام یعنی سات دن تک اور بعضوں نے اربعین یعنی چالیس دن لکھے ہیں یہ روایتیں خزانۃ الروایات اور شرح برزخ وغیرہ میں ملیں گی غرض ان سب روایات کے سبب آدمی چالیس دن تک برابر روٹی محتاج کو میت کی طرف سے دیتے ہیں باقی رہا جہلم وغیرہ تو صورت اس کی یہ ہو کہ جو حضرات اسکو منع کرتے ہیں انکی چند دلیلیں ہیں ان کا حال معلوم کرنا چاہیے بعد ازاں وجہ جواز سننی چاہیے

بھی نکل آوی پھول سونگھنے درست ہیں پھولوں کے سہرہ کی اصل نکلی، علی ہذا صدہا مسائل کی اصل نکلتی ہے اور مؤلف سب کے جائز کہے گا اگرچہ کفر ہی ہو لا حول ولا قوۃ الا باللہ مؤلف کو اپنی کم فہمی یا ہٹ ہے نہ رسم جاہلیت کا اندیشہ نہ ریا اور رفع بدنامی کی وجہ سے کرنے کا خدشہ نہ منع تعیین بالرائے کا کھٹکا نہ تشبہ کفار کا خطرہ نہ اپنی عاقبت ایمان اور ضلال خلق کی پرواہ اپنی منہ زوری کرنی خواہ کچھ ہو فقط

چالیس روز تک کھانا بھیجنے کا بیان | قولہ چالیس روز تک الخ اقول ابتدائے موت کے وقت صدقہ خیرات عمدہ امر ہے ایصال ثواب کا انکار نہیں یہ ذکر ہو چکا ہفتہ تک چلے تک دو ماہ تک کم زیادہ حسب مقدور خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ کرو کہ جس میں کوئی خلاف شرع نہ ہو جائے مؤلف خواہ مخواہ اہل سنت کو مانع صدقہ کہتا ہے اور وہ ہرگز صدقہ کو منع نہیں کرتے ہیں اس کو منع کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہو امثلاً تشبہ بکفار لازم لازم نہ آئے اور مؤلف بھی اس کو قبول کرتا ہے یا تعیین بالرائے کہ تغیر حد شرع ہے اور اس کو بھی مؤلف قبول کرتا ہے پس اگر کسی نے طعام للفقراء خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ کیا اور ان دو امر میں سے ایک یا دونوں اسمیں پائے گئے تو ثواب پہنچے گا مگر اس فعل سے گنہگار ہوگا اور مجموعہ اس کا مکروہ ہو جاوے گا اس امر کو ہر ناظر خوب محفوظ رکھے کہ مؤلف اس کو تاہ نظری نے خراب کیا ہے کہ بدون سمجھے لڑنے کو آمادہ ہوا ہے یا تخصیص طعام اور اس کو بھی مؤلف مانتا ہے کہ تغیر حکم شرع کا ہے پس اس قسم کی ہے چالیس روز کی روٹی کہ اگرچہ گھر میں روٹی گوشت کھا دیا مگر وہ کو روٹی گھی سے مل کر شکر ڈال کر مسجد ہی میں خاص کر دیں نہ کسی بیوہ غریب کو نہ کسی حاجتمند کو اور نہ عمدہ کھانا اس میں غالب رسم محض ہو اور شاید ایصال ثواب بھی ہو سو قبول خالص ہوتا ہو نہ مخلوط یا رسم ضروری جانتا کہ خواہ مخواہ کرے اگرچہ مقدور نہ ہو اور یہ بھی مؤلف جائز نہیں لکھتا کیوں کہ وہ خالصاً لوجہ اللہ ایصال کیواسطے تکلم پروری کرتا ہے نہ رسوم کے واسطے یہ طعام ہے تماکو بنا زیہ وغیرہ لکھتے ہیں اور بدعت مستقبحہ کہتے ہیں یا فخر وریا کرنا یا شرم برادری سے کرنا کہ کو بھی مؤلف نصائح میں منع کرتا ہے اور یہ سب جگہ حرام ہے غمی ہو یا شادی اور کھانا اس کا درست نہیں سو فی الواقع مؤلف اصول میں مخالف نہیں مگر اپنی کج فہمی اور کم علمی سے اور نفس سخن پروری سے مخالفت جزئیات میں کرکے اوراق سیاہ کرتا ہے اور اوقات بے سود کرکے اپنی حقیقت ظاہر کرتا ہے اور فی الواقع یہ نزاع بسبب کم فہمی اور نفسانیت سے ہے خوب محقق ہے کہ جہلم رسم کے کرنے میں ایصال ثواب مقصود نہیں گو کوئی تاویل کرے اور پھر فرق ہے چالیس روز تک صدقہ کرنے میں اور چالیسویں روز جہلم کرنے میں کما لا یخفیٰ چونکہ مؤلف یہاں مجمل چھوڑ گیا اس نے بھی اس پر کچھ تعرض نہیں کیا انتہیٰ ایصال ثواب کو کوئی منع نہیں کرتا اور تعینات لاریب سب بدعت ہیں۔

جہلم رسم وغیرہ کی تحقیق | قولہ ان کی چند دلیلیں ہیں الخ اقول دلیلیں یا تعین بدعت کی وہی ہیں جو کلیات احادیث وفقہ سے ثابت ہولیں اور دیگر روایات جزئیہ فروع ہیں نہ ان کی ضرورت ہے نہ ان پر کوئی امر موقوف ہو مگر مؤلف اپنی کم فہمی سے ان کو ہی بنا منع جان رہا ہے سو یہ سخت خطا ہے ان روایات کی بحث میں مؤلف اپنا وقت ضائع کرتا ہے اور ہم کو بھی اس کی ان روایات کے جواب دینے کی ضرورت نہیں مگر مؤلف کو چونکہ اپنا علم جتلانا ہے تو ہم کو بھی اظہار اس کی کم فہمی کا کرنا پڑا

ؔ حدود شرعی میں تبدیلی کے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے

دلیل اول: عبارت شرح منہاج نودی شافعی کی ہے جو سیف السنۃ کے صـ۱۲۱ وصـ۱۶ میں ہے الاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود واطعام الطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع والعشرین والاربعین والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ"
جواب اس کا یہ ہے کہ شرح منہاج میں دوام کا ذکر ہے ایک تو جمع ہونا تیسرے دن مردہ کی قبر پر اور وہاں جا کر گلاب کے پھول اور عود یعنی اگر کی بتیاں وغیرہ حاضرین مجلس پر تقسیم کرنا سو اس کا ذکر تو بیان سوم میں گذر چکا تھا۔ الاختصار یہ کہ لوگوں نے نہایت تکلفات بے ہودہ ایجاد کئے تھے اور وہ تکلفات بھی کرتے تھے گور میت پر پس ممنوع ہونا اس کا یہ سمجھے ہے چنانچہ ہم خود اس کی ممانعت پر تصریح کر چکے اور بعد ممانعت علماء کے

دلیل اول شرح منہاج کی عبارت اور اس میں مؤلف کی تشریح

قولہ دلیل اول الخ اقول شارح منہاج میں تین چیز کا ذکر ہے قبر پر تیسرے دن جمع ہونا اور عود اور ورد کی تقسیم مطلقاً قبر پر ہونا یا غیر قبر پر کسی روز ہو اور کھانا کھلانا ایام مخصوصہ میں اور ہر سہ کو وہ بدعت کہتا ہے اور اصل یہ ہے کہ حدیث جریر میں اجتماع الی اہل میت کو منع فرمایا ہے اور اس میں کوئی تعیین یوم کی نہیں اور نہ تعیین قبر کی پس مطلق جمع ہونا بدعت ہے اور قبر پر روز سیوم جمع ہونا بھی فرد اسی اجتماع کی ہے تو ہر چند مطلق اجتماع تو ممنوع ہے مگر ہر شخص اپنے ملک کی رسم کو منع کرتا ہے صراحتہً تو شارح منہاج کی بلاد میں اجتماع القبر یوم ثالث ہوتا تھا اس نے اس کی تصریح کی حالانکہ یہ قید واقعی ہے نہ احترازی کیونکہ حدیث جریر میں عموماً سب کو منع لکھا ہے مگر مؤلف اپنی تیزی کا ہم سے قید کو احترازی سمجھ گیا اور حدیث جریر کو ذہن مؤلف میں خدانخواستہ عبور ہی نہیں جو مطلع ہوتا اور ہمارے ملک میں اجتماع روز سویم ہے مگر قبر پر نہیں پس منہاج کی قید سے اس کا جواز نہیں ہو سکتا جیسا مؤلف کو دھوکہ ہوا ہے ہاں بعد ختم کے دستور تھا کہ شرفاء مکان میت پر جاتے تھے اب متروک ہو گیا ہے اطراف قوم میں اب بھی جاری ہے بہر حال اجتماع خواہ روز سویم ہو یا پس و پیش قبر پر ہو حدیث جریر سے ممنوع ہے اور ہمارے ملک میں روز سویم کی قید ہے اور شارح منہاج کے یہاں قبر کی بھی قید تھی سو سب ممنوع ہیں اور یہ قید شرح منہاج کی احترازی نہیں اور تقسیم ورد و عود بھی ہر روز بوجہ میت کے بدعت ہے اس میں بھی کوئی قید یوم و قبر کی نہیں اسی واسطے شارح منہاج مطلق کہتا ہے یہ مؤلف کی خوش فہمی ہے کہ دونوں کو جمع کر کے ایک بناتا ہے یہ نہیں بلکہ یہ مستقل رسم ہے ہمارے ملک میں اب بھی اکثر جگہ ہے کہ بعد ختم کے مثلاً گلاب کٹورہ میں لے کر سب حاضرین کے سامنے پیش کرتے ہیں یہاں گلاب وغیرہ تقسیم ہوتا ہے وہاں عود اور ورد کی تقسیم ہوتا تھا پس اس میں قید قبر کی اور سویم کی کچھ نہیں مطلقاً بدعت ہے اور اس کی اصل وہ ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ کو جو خبر اپنے والد یعنی ابوسفیانؓ کی موت کی پہنچی، تو انہوں نے خوشبو اپنے عارض کو لگائی اور فرمایا مجھکو حاجت نہ تھی لیکن میں نے سنا کہ فخر عالم فرماتے تھے کہ نہیں حلال کسی عورت مومن کو کہ سوگ کرے تین روز سے زیادہ مگر زوج پر دس روز چار ماہ سو اس خوشبو کی یہ تھی رفتہ رفتہ تقسیم تک نوبت پہنچی اور بدعت ہو گئی کہ سب حاضرین برادری سوگی بن گئے اگر بعض بلاد میں قبر پر جا کر تقسیم ہو تو یہ بھی داخل اسی میں ہی ہوا بہر حال تقسیم ورد مطلقاً بدعت ہے خواہ روز سویم ہو یا اور کسی دن خواہ غیر قبر پر تو یہ شارح منہاج نے موافق بیان کیا ہے اپنی بلاد کی رسم پر اور اگر قیود روز اور قبر کی زائد بھی ہو دیں تو احترازی نہیں تاکہ بلا قیود کے جواز ہو جاوے اگر مباح ہے تو اہل مصیبت کے واسطے مباح ہے اگر درجہ اباحت سے بڑھے پس اس کو خواہ مخواہ مقید قبر یوم ثالث سے کرنا کم فہمی مؤلف ہے بلکہ یہ مستقل بدعت ہے اور ہر حال مذموم پس بحث عطف کی مؤلف نے جو لکھی بالکل لغو غلط ہے متعلقات معطوف علیہ کے معطوف ہونے خواہ مخواہ کوئی قاعدہ نہیں اگر قرآن بھی مؤلف پڑھا ہوا ہوتا تو ایسی بات نہ کہتا ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب

متوفین کے تیسرے روز جمع ہونا کے آگے پیچھے سے اگربتی مگہ لوبان شہ ماتم

جن بعض آدمیوں نے یہ رسمیں ایجاد کی تھیں چھوڑ دیں اب یہ رسم کہیں نہیں دوسری بات شارح منہاج سے یہ نکلی کہ کھانا کھلانا تیسرے دن اور پانچویں دن اور نویں دسویں بیسویں چالیسویں دن اور چھٹے مہینے برسویں دن بدعت منع ہے سو یہ ظاہر ہے کہ کھانا ان ایام میں قبر مردہ پر جاکر کھلاتے تھے تقسیم الورد اور اطعام کا معطوف ہونا لفظ الاجتماع پر دلیل ظاہر ہے اس بات پر کہ قبر پر جمع ہوتے تھے اور وہاں تقسیم خوشبو کرتے تھے اور وہاں یہ کھانا ایام مخصوصہ میں کھلاتے تھے اور علاوہ قرینہ عبارت کے خود بنا دی بزازیہ میں تصریح قبر پر کھانا لیجانے کی مکروہ الی الی الطعام الی القبر فی المواسم لفظ مواسم جمع ہے موسم کی اور موسم لغت میں کہتے ہیں ایک چیز کے وقت کو اور جمع ہونے کی جگہ کو کذا فی المنتخب وغیرہ پس معنی یہ ہوئے کہ مکروہ ہے کھانا لیجانا قبر مردہ پر ایام مقررہ میں اس سے صاف معلوم ہوا کہ تیجہ کر نویں دسویں دن اور چھ ماہی اور برسی اور ایام عید و شب برات وغیرہ میں جو کہ ایام واسطے فاتحہ اموات کے معین ہیں اہل اسلام میں بعض آدمیوں نے بعض شہروں میں کھانا قبر پر لیجانا اور اس جگہ جاکر کھانا رسم کر لیا تھا ان کو اہل فتویٰ نے منع کیا اور نصاب الاحتساب سے بھی اس کی تصدیق پہنچتی ہے کہ لکھا ہے و دیشربون الشربۃ عند القبور وفی الحدیث اکل فی المقابر یقسی القلب یعنی پیتے ہیں شربت قبروں کے پاس حالاں کہ حدیث میں آیا ہے کہ کھانا قبرستان میں سخت

دیقیمون الصلوٰۃ الخ یومنون بالغیب کی تبدیل اور یعتیقون میں اور یوقنون میں نہیں ہیں ایسا ہی صد ہا مسئلہ موجود ہیں مگر ایک مشکل ہوگئی کہ خوشبو کی اصل حدیث ام حبیبہ سے مؤلف نے سن لی ہے تو ہر گاہ کہ چالیسے گھر ثابت ہو گیا تھا یہ تو بعینہ وہی ہے بس اب شرح منہاج پر چاہے ضعف روایت کا حکم دے کر یا ان کو حدیث نہیں پہنچی یا یہ کہ وہ شافعی ہیں اس رسم کو بھی مؤلف جاری کر دیوے استغفر اللہ اور اطعام ایام مخصوصہ بھی مطلق ہے اس میں بھی کوئی قید قبر یا غیر قبر کی نہیں بلکہ قیدوں کی بھی نہیں اور یہ وہ طعام ہے کہ حدیث جریر میں فرمایا کہ وصنعہم الطعام الخ پس یہ طعام بھی مطلقاً ممنوع ہے خواہ کہیں ہو خواہ کہیں ہو شارح منہاج نے ایام کی قید لگائی اپنے ملک کی عادت پر اور بزازیہ نے قید علی القبر لگائی اپنے بلاد کے عرف پر پس بہر حال یہ طعام مکروہ ہے مطلقاً بنص مگر جو فقراء کے واسطے ہو بطور صدقہ تو نفس طعام مباح ہے فقراء کو اگرچہ یہ تعیین یوم کی بدعت ہے جس میں بہت کچھ بحث ہو چکی ہے پس شارح منہاج اطعام الطعام کو مکروہ کہتا ہے اس طعام کو مکروہ نہیں کہتا اور یہ سب مسائل کو شامل ہو گیا پس مؤلف کا علی القبر اضافہ اپنے فہم سے کرنا ثمرہ کم فہمی کا ہے ورنہ مسئلہ صاف ہے اور اس کی شرح کرنا بزازیہ کی روایت سے اس وقت ضرور تھی جو مطلق کے معنی میں کچھ تردد ہوتا ہر گاہ کے حدیث جریر نے مطلقاً سب کو منع کر دیا تو مطلق منع ہو گیا عجارت یہ ہے کہ بزازیہ میں خود اس طعام ایام مخصوصہ کو بمکروہ لکھا ہے چنانچہ دوسری دلیل میں مؤلف نقل کرتا ہے اور نقل طعام کو بزازیہ نے دوسرا مسئلہ بنایا ہے **قولہ** ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث بعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقابر فی المواسم الخ اور مکروہ ہے کھانا تیار کرنا یوم اول یوم ثالث اور ایک ہفتہ کے بعد اور خاص مہینوں میں قبر پر کھانا لیجانا۔ پس اس عبارت میں صاف معلوم ہے کہ نقل الطعام دوسرا مسئلہ ہے مگر مؤلف کو تمیز نہیں اور صدقہ کھانا ہر روز مستحق کو حلال ہے مگر یہ تعیین مکروہ ہے اور بھی بوجہ اعانت منکر کے اس کی اجابت نہ چاہیئے کہ مکروہ جیسا دعوۃ المتباریین میں نہی قبول ضیافت کی وارد ہوئی ہے پس مؤلف یہ سب توجیہات محض نا واقفیت قواعد دین سے ہے اور شرح منہاج سے کراہت چہلم دہم وغیرہ کی سب ظاہر ہے الغرض استدلال مانع بدعت کا تو اس روایت منہاج سے یہ تھا کہ ایام مخصوص کی ضیافت کو بدعت ممنوعہ لکھا ہے سو اگر یہ طعام بوجہ رسم ہے تو ایک بدعت کی رسم ہوئی اور یہ چہلم ہمارے ملک کا بھی رسم ہوتا ہے ایصال ثواب مقصود نہیں ہوتا اور دوسری وجہ اس میں تعیین وقت کی ہے

سنیکڑوں سے کھانا کھلانا کے نتیجہ۔

کہ ہو سکتا ہے لوگوں کو لیس علماء دین نے وجہ ممنوع اور مکروہ ہونے کی ممانعت حدیث شریف کی بیان کی ہے کہ احادیث سے قبروں پر
کھانا پینا منع ہے نہ یہ نہیں لکھا کہ یہ کھانا باعث خاص کرینے دن کے مکروہ ہے اور ظاہر ہے کہ ان ملکوں میں جو فاتحہ دسویں بیسویں چالیسویں
وغیرہ کی کرتے ہیں مقابر پر نہیں کرتے تو وہ جائز ہوئی دوسری دلیل فتاوی بزازیہ کی عبارت ہے جو کہ مستملی شرح منیۃ المصلے میں منقول
ہے ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقابر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ بقراءۃ القرآن
وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص اس عبارت سے تین مسئلے پیدا ہوئے ایک یہ کہ مکروہ ہے کھانا تیار کرنا
میت کا پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتے کے بعد یعنی آٹھویں دن جواب اس کا یہ ہے کہ اس میں دسویں بیسویں چالیسواں کا نام بھی نہیں
پھر یہ عبارت کس طرح چہلم وغیرہ کی ممانعت پر دلیل ہو سکتی ہے اور اگر اجتہاد کر کے قیاس قائم کرو کہ جس طرح بزازیہ میں ان ایام کو منع کیا
ہے ان ایام میں منع کرتے ہیں تو اس کو بھی ہم رد کرتے ہیں دو وجہ سے ایک وجہ یہ کہ خود شارح منیۃ المصلی نے عبارت بزازیہ کی نقل کر کے اس کو
رد کیا ہے اور اس کھانے کا مکروہ ہونا مسلم نہیں کہا اور یہ لکھا ہے ولا یخلو عن نظر لانہ لا دلیل علی الکراھۃ یعنی مکروہ کہنا اس کھانے کو خالی بحث سے
نہیں اس واسطے کوئی دلیل کراہت پر نہیں الی آخرہ پس جب کہ خود شارح منیۃ المصلی نے کراہت کو مسلم نہیں رکھا ہم بھی مسلم نہیں رکھتے معلوم نہیں

کہ اس کو بھی شارح نے منع کیا ہے تو دو وجہ بدعت ہونے کی پائی گئیں اور جملہ وجہ اللہ تعالیٰ ایصال ثواب کا طعام ہے تو تعیین وقت کی وجہ
سے بدعت ہو گیا گو طعام میں جواز ہو مگر بہر حال تعیین وقت منع اور بدعت رہا ہر حال پس ہمارے ملکوں میں بھی اگر کسی کی نیت ایصال
ثواب کی ہی ہووے گی تاہم یہ وجہ تعیین وقت کی بدعت ہونے کی ہر حال موجود ہووے گی ورنہ اصل چہلم ہمارے ملک میں بھی دونوں وجہ موجود
ہیں اور مؤلف اس کو ہرگز نہ سمجھا اور فہم مطلب میں یہ خطائیں کیں کہ اجتماع کو کہ مطلق الی اہل المیت حدیث جریر سے ممنوع تھا مقید بہ لا کانشا
علی القبر کیا اور خلاف حدیث کے بنایا اور اس قید کو احترازی ٹھیرایا حالاں کہ واقعی تھی اور تقسیم الورد کو بھی مقید کیا حالاں کہ وہ مطلقاً
بدعت اور اطعام طعام کو جو حدیث جریر سے ممنوع مطلقاً ہو گیا تھا مقید علی القبر اور خلاف حدیث و فقہ کے بنا دیا اور تعیین وقت جو ممنوع تھا
اس کے منع سے محض انکار کیا اور تین مسئلوں کو دو بنا دیئے اور استدلال کو بالکل نہ سمجھا اور عطف کی بحث بے معنی لکھدی پس اب حسن و علم و
لیاقت مؤلف کا سب پر روشن ہو جاوے گا کچھ بھی تو مساس فہم کتب سے نہیں اور تکبر و دعوی کی کوئی نہایت ہی نہیں قولہ یہ نہیں لکھا کہ یہ کھانا پینا
بدعت الخ اقول مؤلف کی چشم فہم حق بین بند ہے شارح منہاج نے تو یہ لکھا ہے کہ ایام مخصوصہ میں اطعام بدعت ہے نہ یہ لکھا کہ قبروں پر
ہونے کی وجہ سے بدعت ہے نہ یہ لکھا کہ تعیین یوم کے سبب سے بدعت ہے مؤلف دوسری روایت سے قبر پر لیجانا ثابت کرتا ہے حالاں کہ وہ دوسرا
مسئلہ ہے چنانچہ بزازیہ سے واضح ہے ایسا ہی تعیین یوم کی بدعت پہلے محقق ہو چکی اور مؤلف بھی تخصیص کی بدعت ہونے میں معترف ہو لیا ہے
اب ہوش کرے تو سب کچھ لکھا ہے اور خواب غفلت میں رہے تو اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں لکھا اور مقابر پر لیجانا دوسری بدعت ہے ایک دوسرے سے کیا
تعلق حاصل کلام اگر ہمارے بلاد میں قبور پر نہیں جاتا تو تعیین یوم کی ہی بدعت کراہت کو کافی ہے چہ جائیکہ دوسری وجوہ بھی موجود ہوں

قولہ دوسری دلیل الخ اقول مؤلف کے فہم پر آفریں ہے عبارت بزازیہ میں یوم اول وثالث وبعد اسبوع کے طعام کو مکروہ صاف کہا ہے غرض یہ کہ ایام معینہ کر کے طعام پکانا درست نہیں جب ان ایام میں درست	[illegible] عبارت بزازیہ [illegible] مؤلف کی خوش فہمی

[illegible] دسویں بیسویں چہلم میں بھی درست نہیں وہ بھی تعیین یوم ان ایام میں سے ان کے عرف میں اول وثالث کو پکتا تھا ہمارے عرف

[illegible] تیسرے کے کھانا کھلانا سے ملک سکے اصطلاح

جن حضرات نے یہ عبارت بزازیہ کی شرح منیہ سے نقل فرمائی تو ایک سطر کے بعد شرح منیہ میں اس پر اعتراض لکھا تھا کہ کیوں نقل نہ فرمایا دوسری وجہ رد استدلال مانعین کے لئے یہ ہے کہ اگر طعام ایام مخصوصہ کی کراہت موافق کلام بزازیہ کے مسلم بھی رکھیں تو وہ کراہت خاص اس کھانے کے لئے ہوسکتی ہے جس کو وارثان میت بعض ملکوں میں فخریہ طور پر کرتے ہیں اور جس طرح شادی عروسی وغیرہ میں شان اور فخر کے ساتھ کھانا کھلانے کا دستور تھا اسی طرح میت کا کھانا تکلف اور زینت سے اغنیاء اور امیروں اور عزیزوں قریبوں کنبہ والوں کو کھلاتے تھے جس طرح محدث دہلوی اور فقیہ شامی کے کلام سے عنقریب دلیل تیسری میں نقل کیا جاوے گا لیکن اس کی ممانعت بھی ایسی ہے کہ اس عبارت

میں دسویں وبیسویں کو مثلاً ایسے جزئیات سے استدلال خاص تام مدلول کا کہاں ہوتا ہے جو یہاں مؤلف طالب ہے یہ نہایت فہم مؤلف کا ہے ایک جزئیہ سے دوسرے جزئیہ پر اشتراک کلیہ و علت کی وجہ سے دلیل لائی جاتی ہے یہ معنی کہ دونوں جزئیہ ایک کلیہ میں درج ہیں مثلاً نبیذ سے بھنگ کی حرمت پر بوجہ سکر کے مؤلف صاحب کا فہم قاصر ہے اب جبہ رد مؤلف کے اس قیاس کو سنو ایک یہ کہ شرح منیہ نے اس کو نہیں مانا سو پہلے ہم لکھ چکے کہ رد مختار نے شرح منیہ کا قول بوجہ معقول رد کر دیا ہے تو بزازیہ کا قول درست رہا اور قیاس بھی صحیح رہا اس کی بحث پہلے بھی ہو چکی ہے دوسری وجہ اس کے رد کی یہ مراد اس طعام سے طعام فخر و ریا کا ہو سو یہ تاویل مؤلف کی بالکل غلط ہے کیوں کہ مطلق کو مقید کرنا بلا قرینہ تو یہ بلا وجہ درست نہیں طعام فخر کا مطلقاً حرام ہے یہاں میت کے طعام میں اس کا ذکر کرنا خصوصاً کیا محل تھا جیسا فخر کا کھانا یہاں مکروہ ہے بلا فخر بھی برادری کو کھانا مکروہ ہے بروایت جریر پس قید فخر کی لغو ہے اور مؤلف جو دلیل اس کی بیان کرتا ہے کہ بزازیہ نے خود کہا ہے وان اتخذ طعاماً للفقراء الخ یہ دلیل محض سفسطہ مؤلف کا ہے کیوں کہ یہ روایت اگر پہلی روایت سے متصل ہوتی تو مضائقہ نہیں تھا یہاں بزازیہ میں پہلی روایت تو کتاب الجنائز کی ہے اور یہ دوسری روایت بزازیہ کی کتاب الاستحسان کی ہے اس واسطے کہ شارح منیہ پہلی روایت کو نقل کرکے کہتا ہے کہ بزازیہ کی کتاب الاستحسان میں یہ دوسری روایت منقول ہے اگر کتاب الجنائز میں ہوتی تو کیوں دوسرے باب کو اس سے نقل کرتا تھوڑی سی عقل درکار ہے پس کس طرح استثناء درست ہوگا عجب فہم مؤلف کا ہے ایک روایت شرق میں دوسری غرب میں اور استثناء جائز ہوا نہیں بلکہ یہ روایت جدی ہے بہر حال اس روایت بزازیہ واقع کتاب الاستحسان سے کوئی قرینہ فخر کا درست نہیں ہو سکتا یہ محض کم فہمی مؤلف کی ہے یہاں یہ بات لاریب ہے کہ یہ حرمت طعام برادری کے اطعام کی ہے اور تعیین وقت کا مسئلہ یوم اول ثالث اور بعد الاسبوع سے نکالا گیا ہے پس اگر طعام برادری کا ہے تو قطعاً حرام ہے دو وجہ سے ایک صنعۃ طعام من اہل میت، جیسا حدیث جریر سے معلوم ہوا دوسرے تعیین تقلیداً طلاق مستفاد ہوا اور اگر خالص نیت سے فقراء کے واسطے ان ایام میں ہو تو کراہت تعیین وقت کے سبب سے لازم ہوگی گو طعام کا ثواب پہنچے بہر حال تعیین وقت مکروہ ہوا جیسا اوپر ذکر ہو چکا مگر یہاں مؤلف کے علم و فہم میں کلام ہے کہ کہاں رکھا رہتا ہے **قولہ** فتاوی عالمگیریہ جلد خامس الخ اقول روایت سے غرض مؤلف یہ ہے کہ کچھ ایسی شدید کراہت طعام میت میں بھی نہیں چاہے کھالیوے مگر یہ سراسر کم فہمی مؤلف کی ہے اور حدیث جریر میں نیاحت سے اس کو شمار کیا ہے اور نیاحت حرام شدید ہے تو یہ طعام سخت مکروہ تحریمیہ ہوا پھر بزازیہ و فتح القدیر اس کو بدعت مستقبحہ کہتے ہیں اور حدیث لاتقبلوا دعوۃ اعتبار نہیں فخر کھانے کو حرام فرما رہی ہے کہ مؤلف بھی اس کو قبول کرتا ہے پس فخر کے طعام میت کے درجہ میں رکھنا محض غلط فہمی ہے اور عالمگیریہ کی تمام روایات یہ ہیں حمل الطعام الی اہل المیت والاکل معہم فی الیوم الاول

ل اصطلاح ٢ بے وقوفی ٣ یقینی ٤ کھانا ٥ کھلانا ٦ اہلِ میت کی طرف سے کھانا تیار کرنا ٧ کھلاوے کی دعوت کو مت قبول کرو

ے بجبر تو جو بھو تا ذی عالمگیری کی جلد خامس باب الھدایا والضیافات میں لکھا ہے لا یباح اتخاذ الضیافۃ ثلثۃ ایام فی ایام المصیبۃ اذا
انتہیٰ لا باس بالاکل منہ بعض علماء اس میں تشدد زیادہ کرتے ہیں بعض کم اور صاحب بزازیہ نے جو منع کیا ہے اسی طرح کے کھانے کو منع کیا ہے
کہ جو شادی کی طرح ہو دلیل اس کی خود کلام صاحب بزازیہ ہے جو شرح منیۃ المصلی میں اسی مقام پر مذموم ہے وان اتخذ طعاماً للفقراء
کان حسناً یعنی اگر غریب آدمیوں کے لئے کھانا تیار کریں اچھی بات ہے اگر صاحب بزازیہ کے نزدیک کراہت طعام مذکورہ بباعث تعیین
ایام ہوتی تو یوں لکھتا وان اتخذ الطعام فی غیر ھذہ الایام کان حسنا پس صاف معلوم ہو گیا کہ صاحب بزازیہ کے نزدیک کراہت بباعث
تخصیص ایام نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ لوگ غریبوں کو نہیں کھلاتے تھے اپنے دوست آشنا اغنیاء کو کھلاتے تھے اس واسطے کہا صاحب بزازیہ
نے کہ اگر کھانا تیار واسطے غریبوں کے اچھی بات ہے اب مردِ منصف کو چاہیئے کہ خدا سے ڈر کر اس دلیل پر نظر کرے اور زبان زوری سخن پروری
سے تائب ہو وما علینا الا البلاغ، دوسرا مسئلہ منجملہ تین مسئلوں سے عبارت بزازیہ سے یہ معلوم ہوا کہ کھانا میت کی قبر پر لیجانا مکروہ ہے یہ
بات ہم پر حجت نہیں اس لئے کہ اس کو خود مکروہ کہتے ہیں اور یہاں ان ملکوں میں یہ رسم بھی نہیں تیسرا مسئلہ یہ نکلا کہ قاریوں حافظوں کو ختم
قرآن کے واسطے جمع کرنا مکروہ ہے سو تحقیق اس کی یہ ہے کہ اگر اہل اسلام جمع ہو کر قرآن پڑھیں برائے خدا اور میت کو بخشیں اس کا حکم ائمہ
مجتہدین اور علماء محققین اور اجماع مومنین سے اور مولوی اسحاق صاحب کے کلام سے ہم ثابت کر چکے کہ وہ ہرگز مکروہ نہیں پس بالضرور مراد
صاحب بزازیہ کی یہ ہے کہ موافق رسم بعض ملکوں کے اگر حافظوں کو مزدوری دیکر قرآن پڑھوا دیں یہ البتہ مکروہ ہے اس کی تصدیق کتب

ہے یکرہ کذا فی التتارخانیۃ لا یباح اتخاذ الضیافۃ ثلثۃ ایام فی ایام المصیبۃ واذا اتخذ لا باس بالاکل منہ کذا فی خزانۃ المفتین وان
اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً الخ پس پہلی روایت میں ضیافت اہل میت کی بعد ایک دن کے مکروہ لکھی ہے اور پھر خزانہ کی روایت لایا
ہے جس سے مراد ہے کہ ہر چند تین روز تک ان کو کھانا دینا مکروہ ہے مگر جو کوئی دیوے تو اہل میت کو کھانا درست ہے قرینہ اس کا یہ ہے
کہ یہاں ثلثۃ ایام کہتا ہے جس کے معنے تین روز تک ہے نہ تیسرے روز پس پہلے کہا کہ ایک روز کے بعد ضیافت مکروہ ہے پھر یہاں یہ کہا کہ اگر
یہ طعام دینا مکروہ ہے مگر اہل میت کھا دیں تو حرام نہیں اور جو مراد اس سے یہ ہو کہ اہل میت کی ضیافت کو کھانا لا باس میں ہے جیسا کہ مؤلف
نے جزم کر لیا ہے تو اگر یہ فخر کا کھانا ہے تو کس طرح مباح ہو گا یہ تو حرام ثابت ہو گیا ہے بحدیث لا تقبلوا دعوۃ المتباریین جس کو مؤلف بھی
تسلیم کرتا ہے اور جو اہل میت کا بلا فخر ہے تو جریر کی حدیث سے تحریم ہو چکی، بہر حال فخر کا کھانا اور لا باس سے خفت کراہت کا ہونا مؤلف
کی فہم عالی ہے اور پس پس صاف معلوم ہوا کہ عالمگیریہ کی روایت سے فخر کا کھانا ہرگز مراد نہیں ہے اور روایت بزازیہ واقعہ کتاب الاستحسان
سے مستثنیٰ روایت کتاب الجنائز کا ہرگز نہیں ہو سکتا فقط مؤلف کی خوبی علم کی ہے پس اس روایت کتاب الاستحسان میں وقت کا ذکر نہیں
ہے وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً جس میں کوئی تعیین وقت نہیں کہ جواز تعیین طعام فقراء کا معلوم ہو ہاں پہلی روایت سے تعیین
کا ہونا معلوم ہو گیا اب مؤلف کو چاہیئے کہ ہماری تحریر کو سوچ کر انصاف کر کے ہٹ دھرمی سے باز آوے اور شرم کرے اور
روایت کتب کو غور سے سوچا کرے یا کسی عالم سے تحقیق کر لیا کرے اپنی عقل خام و فہم ناکام پر معتمد نہ ہوا کرے اب سنو کہ روایت بزازیہ میں
مسئلے ہیں مؤلف کو تین نظر آئے اول یہ کہ جس پر بحث ہے دوسرا نقل طعام الی المقابر وہ خود بدعت ہے پہلی دلیل میں ذکر ہو لیا
جس کو مؤلف بھی قبول کرتا ہے تیسرا مسئلہ اتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن یہ بھی گذر چکا اور سوم کی کراہت اس سے ثابت ہوئی اور چہلم کی

ے قبرستان میں کھانا پہونچانا۔

فقہ میں موجود ہے شامی نے باب الاجارہ میں لکھا ہے قال تاج الشریعۃ فی شرح الھدایہ ان قرء القرآن بالاجرۃ لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری
وحق مشیخ الاسلام ان القاری اذا قرء القرآن باجل المال فلا ثواب لہ فای شیئ یھدیہ الی المیت ۔ انتھی کلامہ الشامی ملخصًا یہ جو شکر دو
اور چھاؤنیوں میں قرآن اس طرح پڑھواتے ہیں کہ روپے کے بیس قرآن یا چار قرآن کے حساب سے کچھ سیپارہ کا روزمرہ ٹھیرا کر اس کا ٹھیکہ کر دیتے
ہیں اس طرح قرآن شریف میت کے واسطے پڑھوانا منع ہے اور صفحہ ۱۲ سیف السنۃ میں جو عبارتیں طریقہ محمدیہ اور قرطبی کی نقل کی
کی ہیں اس میں مراد یہی مزدوری کے طور پر قرآن پڑھنا ہے اس لئے کہ اس وقت میں بعض ملکوں میں یہی دستور تھا اور خود طریقہ محمدیہ
کی عبارت سیف السنۃ میں ہے والماخوذ منہا حرام للآخذ وھو عاص بالتلاوۃ والذکر لاجل الدنیا اور بعض علماء نے جو قبر پر
قرآن پڑھوانے کی اجرت جائز رکھی ہے انہوں نے قبر پر آنے اور جانے کی محنت اور اس قدر پابند ہو کر بیٹھنے کی اجرت سمجھ کر جائز کیا
ہے اجرت قرآن کی نہیں وہ گویا ہدیہ ہے قاریوں کی طرف سے پس فتاویٰ بزازیہ کی عبارت سے کراہت ان باتوں کی ثابت ہوئی ہے
قرآن مزدوری دیکر ختم کرانا مردہ کی قبر پر کھانا لیجانا پہلے تیسرا آٹھویں دن ضیافت اغنیاء واحباب کے لئے کھانا پکانا مکروہ ہے اور جس طرح
ہمارے ملکوں میں رائج ہے کہ طعام دسویں بیسویں اور چالیسویں کے حق میں جو خالصًا للہ پکا کر مصیبتوں اور ملانوں کو اپنے گھر بلا کر کھلاویں
ہرگز ہرگز کراہت یا حرمت اس کی عبارت بزازیہ سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ استحسان اور عمدگی ظاہر ہو گئی ہے کیوں کہ اس نے لکھدیا دان
اتخذ واطعاما للفقراء کان حسنا اور صاحب سیف السنۃ اور ان کے والد بزرگوار نے یہ فقرہ چونکہ حضرت کی مخالف مطلب تھا نقل

شب کو بھی قرآن پڑھواتے ہیں اس کی کراہت بھی اس سے صاف نکلی چوتھا مسئلہ جمع القراء[1] والصلحاء للختم اس کو مؤلف نے تیسرا مسئلہ کہا
ہے یہاں مؤلف کو سخت مصیبت پیش آئی کہ مجمع سوم اور چہلم کا ہاتھ سے چلا جس کو ناچار اے ناقص سے یہ ٹھیرایا کہ اجرت پر قرآن پڑھوانا
مراد ہے سبحان اللہ جیسا مؤلف اور اس کی برادری اجرت پر قرآن و کلمہ پڑھتے ہیں یعنی نخود یا شیرینی وحلوا پہ یا ضیافت پر تو بزازیہ کے وقت
کے صلحاء کو ایسا ہی گمان کر لیا یہ سوچ کر شرم نہ آئی کہ جو اجرت پر قرآن پڑھنے آوے گا صالح کہاں ہو گا دوسرے بزازیہ مطلقًا کہتا ہے مؤلف
نے کس قرینہ سے مقید کیا خواہ مخواہ بھلا یہاں کیا قرینہ ہے پہلی روایت میں تو کتاب الاستحسان سے کھینچکر دوسری روایت لایا تھا مگر
ہاں یہاں بھی قرینہ ہے کہ آخر بزازیہ کی کتاب الاجارہ میں تو یہ مسئلہ لکھا ہے سبحان اللہ بس یہ صفحہ اجرت قرآن کے باب سے سیاہ کرنا کوتاہ فہمی مؤلف
کی ہے معہذا اہتمام اعراس اور ضیافات اموات حلوا شیرینی ہوتا ہے بنانے والا حافظوں اور سب حاضرین کی نیت سے کرتا ہے اور جانے
والے حافظ پنج آیت خوان وغیرہ اسی نیت سے جاتے ہیں المعروف کالمشروط پس قرآن کی اجرت کا طعام کھانا اور لینا ثابت ہو گیا قلیل کثیر
بھی پکی شیرینی نمکین کا فرق خود ہی اٹھا دیا ہے اس کو یاد نہیں رہا شرح سوال میں لکھ چکا ہے ذرا غور کرے اب آخر میں بعض علماء کا فتویٰ
قبر پر کرنے جانے کی مزدوری کے حیلہ سے نقل کرتا ہے کہ چنے سوم کے کھانے اور حلوا و فاتحہ و ختم کے کھانے کا حیلہ نکل آوے اور پہلے مولوی
عبد الخالق کی نصیحت میں اس کو خود ہی منع لکھ آیا ہے یہاں وہ منسوخ ہو گیا افسوس کہ مؤلف کو اپنا لکھا بھی یاد نہیں رہتا تو وجہ یہ ہے
کہ فہم و علم سے کوئی بات لکھتا ہی نہیں اناپ شناپ جو چاہا دوسروں کا قول لکھدیا پھر بھول گیا پس باقی کلام کا جواب ضرور نہیں پہلے
لکھا گیا اور فہم مؤلف کا بالکل خلاف کتاب ہے اور حقیقت مسئلہ ورطعام کی اول تحریر ہوئی مؤلف کی خوش فہمی کا اظہار مقصود ہے
تعداد اغلاط مؤلف نہیں کہ اہل فہم خود جان سکتے ہیں۔

[1] قبرستان میں کھانا لیجانا[2] قرآن پڑھنے والوں کے لئے دعوت کا اہتمام کرنا[3] ختم کے لئے قراء اور صلحاء کو جمع کرنا[4] مشہور چنے مشروط کی طمع ہو...

دیکھا لاتقربوا الصلوٰۃ پڑھ کر وانتم سکاریٰ پر زبان بند کرلی تیسری دلیل مانعین کی درباب چہلم وغیرہ یہ عبارت ہے کہ سیف السنۃ کے صفحہ ۵امیں مرقوم ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مقالۃ الوصیۃ یعنی وصیت نامہ میں فرمایا ہے دیگر از عادات شنیعہ مردم اسراف است در ماتم وچہلم وششماہی وفاتحہ وسالینہ الیٰ آخرہ، میں کہتا ہوں اگر یہ لوگ عاقل ہوتے شاہ ولی اللہ کے کلام کو کبھی پیش نہ کرتے اس لئے کہ اس میں چہلم وغیرہ کھانے للّٰہی کو نہیں منع کیا اس میں تو اسراف کرنے کو عادت شنیعہ سے لکھا ہے اسراف کہتے ہیں بے اندازہ خرچ کرنے کو اور قرآن شریف میں ہے ولا تسرفوا انہ لایحب المسرفین اسراف کو کون دوست رکھتا ہے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا منشا اس کے بند کرنے میں بند کرنا اسراف کا ہے چنانچہ اس کی برائی انھوں نے بیان کی ہے اور ہم بھی اس کو برا کہتے ہیں اور اسراف لوگوں میں طرح طرح کے مختلف مقاموں میں پیدا ہو گئے تھے علامہ شامی نے ضیافت اموات کی شناعت میں لکھا ہے یحصل عند ذلک غالباً من المنکرات الکثیرۃ کایقاد الشموع والقنادیل التی توجد فی الافراح وکدق الطبول والغناء بالاصوات الاحسان واجتماع النساء والمرد ان واخذ الاجرۃ علی الذکر وقراءۃ القرآن الیٰ اخرہ دیکھئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موتٰی کی رسم میں قندیل اور شمعیں روشن کیجاتی ہیں اس طرح کہ محافل شادی میں بھی ڈھول اور طبلے بجتے ہیں اور گانا خوش آوازی سے ہوتا ہے عورتیں اور بے ریش لڑکے آتے ہیں جو کچھ قرآن پڑھتے ہیں اس کی مزدوری لیتے ہیں یہ عبارت شامی نے باب الجنائز میں لکھی ہے معلوم ہوا کہ بعض جگہ ایسے اسراف بھی جاری ہو گئے تھے اور اسی طرح جو خاص اپنے احباب اور برادران اغنیاء میں حصص بطور نوتہ بندی تقسیم کرتے ہیں غریبوں کو نہیں کھلاتے وہ بھی فی الجملہ اسراف اور خود نمائی میں داخل ہے چنانچہ شیخ عبدالحق کی عبارت جو مولوی اسحاق صاحب نے مسائل اربعین کے سوال سی وششم میں جامع البرکات سے نقل کی ہے واینکہ بعد از سالے وششماہی یا چہل روز دراں دیار پزندہ در میان برادران بخش کنند آں ابجا جی گویند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آں است کہ بخورانند انتہیٰ واضح ہو کہ شرح منہاج میں جو گذرا کہ ششماہی وسالیانہ وغیرہ کا کھانا مکروہ ہے اس میں ایک یہ بھی سبب ہے کہ جو مستحق اس کھانے کے ہیں انکو نہیں کھلاتے اور کھانا اس طرح کا تکلفی پکاتے اور اس میں طرح طرح کی زینتیں کرتے ہیں شادی عروسی کے کھانے

قولہ تیسری دلیل مانعین کی درباب چہلم الخ اقول مؤلف شاہ ولی اللہؒ کی عبارت کو بھی نہیں سمجھا افسوس کہ فارسی عبارت کو بھی نہیں سمجھتا تمام عبارت وصیت نامہ کی یہ ہے از عادات شنیعہ ما	تیسری دلیل عبارت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اس میں مؤلف کی تحریف

اسراف است در ماتمہا وچہلم وششماہی وفاتحہ سالینہ ایں ہمہ در عرب اول وجود نبود مصلحت آں ست کہ غیر تعزیت وارثان میت تا سہ روز وطعام ایشاں یکشبانہ روزے چیزے نباشد الخ اب دیکھو اگر مؤلف کو فہم ہوتا تو جان لیتا کہ شاہ صاحب خود رسوم کو اور چہلم وغیرہ کو اسراف میں داخل کرتے ہیں اور وجہ منع کی عرب اول میں نہ ہونا انکار فرماتے ہیں پس جب عرب اول میں نہ تھا تو خود ذات ان رسوم کی ممنوع ہوئی نہ یہ کہ صرف دکھاوا اسراف ان میں نہ کرو وہ صاف فرماتے ہیں کہ بجز تعزیت وطعام مسنون رسمی یا شدن سب کے رسوم میں داخل کیا اور اسراف ٹھیرایا اور بدعت اور ممنوع ہو گیا ادنیٰ شعور والا بھی جان سکتا ہے اور یہ عبارت شامی کی وہ ہے جس میں اعتراض شامح حنفیہ کا رد کر دیا ہے مؤلف نے اس کو خیانت سے اختصار کیا ہے اور شاہ صاحبؒ کو یہ بھی محقق تھا کہ چہلم وغیرہ سب رسوم بطور رسم ہی کرتے ہیں ایصال ثواب مقصود نہیں اسی واسطے اسراف اور رسوم میں داخل کیا ہے اور اگر محض ایصال ہوا اور وقت کی قید ہو تو کراہت و بدعت تعیین وقت کی ہووے گی اور تمام رسوم شادی اور غمی کے سب حرام ہیں مگر اس کی حرمت سے جواز ہم وغیرہ رسوم کا ہرگز ثابت نہیں ہوتا کیوں چہلم وغیرہ رسوم ہر حال ممنوع ہے

میں دستور ہے اور احباب کی ضیافت خوشی خوشی کرتے ہیں ایسے کھانے کو فقہاء منع کرتے ہیں فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور ویقبح اتخاذ دعوۃ مستقبحۃ الی اخرہٖ اور حاشیہ خزانۃ الروایات میں ہے ولا ضیافۃ فی بیوت الموتٰی دھم فیہا العود یعنی احباب کی ضیافت تکلف اور زینت کے ساتھ اہل میت سے لینا اور کھانا مکروہ ہے کیوں کہ یہ بات سرور میں جائز ہے موت میں سرور کہاں یہاں تو شرور یعنی غم ہیں اور موتٰی کے گھروں میں ضیافت کیسی ؟ حال یہ کہ وہ قبروں میں پڑے ہیں واضح ہو کہ جس فقیہ کے کلام میں ممانعت ہے وہ ایسی قسم کے کھانے کی ممانعت ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ صریح بزازیہ وغیرہ میں موجود ہے وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنًا اور جو لوگ تعینات کے ساتھ ان فاتحات کو جائز رکھتے ہیں وہ سب شرط کرتے ہیں کہ اغنیاء کو کھلا دینا ثواب میں معتبر نہیں چنانچہ تحفۃ النصائح میں ہے ب سازی طعام مردہ چوں روز سیوم ہفتم چہلم تو باید دہی درویش را ورنہ نباشد معتبر **چوتھی دلیل** منع چہلم وغیرہ پر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا یہ قول جو وصیت نامہ میں فرماتے ہیں وبعدہ مردن من رسوم دنیوی مثل دہم وبستم وچہلم وششماہی وبرسینی ہیچ نہ کنند کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشتند الی اخرہٖ، واضح ہو کہ کھانا للہ کھلانا امور دین سے ہے اور قاضی صاحبؒ نے رسوم دنیوی کو منع فرمایا ہے وہ یہ کہ عورتیں جمع ہو کر ان ایام میں رویا پیٹا کرتی ہیں اور یہ ہم خود اپنی طرف سے نہیں کہتے خود قاضی صاحب کی دلیل اپنے منہ بول رہی ہے کیونکہ منع چہلم وغیرہ کی دلیل یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ ماتم کرنا جائز نہیں فرمایا پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ چہلم برسی وغیرہ میں ماتم نہ کریں مولوی اسماعیل صاحبؒ نے بھی تذکیر الاخوان میں لکھا ہے جو عورت ماتم پرسی کو آتی ہے وہ بھی ان کے بیٹھنے چلانے میں شریک ہوتی ہے پھر کسی کے یہاں تین دن کسی کے سات دن کسی کے دس کسی کے چالیس دن کسی کے چھ مہینے تک کسی کے برس روز تک کسی کے دو برس تک یہی بات جاری رہتی ہے جتنے دنوں جس قدر یہ نوحہ زیادہ ہوا اسی قدر آپس میں

اور چہلم وغیرہ بوجہ ایصال بھی بدعت تعیین سے خالی نہیں پس ان روایات کا تکرار واعادہ ہرگز مفید مؤلف کے مدعٰی کو نہیں اور پہلے سب کا جواب ہو لیا اور معلوم ہو چکا کہ روایت کتاب استحسان بزازیہ کی مطلق ہے اس میں کسی وقت معین کا ذکر ایصال ثواب کے استحسان میں نہیں اور وقت ذکر دوسری روایت کتاب الجنائز میں تھا اس کا وقت یہاں نہیں آسکتا کہ دونوں میں ہر طرح مباینۃ ہے اگر ایصال میں تعیین ہوگا وہ بھی بدعت ہوگا اس روایت کے استدلال کو از خطاء فہم مؤلف کو سب جان سکتے ہیں۔

قولہ چوتھی دلیل الخ اقول وائے بر فہم مؤلف قاضی صاحبؒ صاف لکھتے ہیں کہ رسوم دنیوی مثل دہم وبستم الخ کھو لکر رسوم دنیوی میں ان کو داخل کرتے ہیں مؤلف کچھ اور ہی سمجھ گئے اس سے معلوم ہوا کہ دہم وغیرہ رسوم دنیا تھی اور قاضی صاحب ان کو رسوم دنیا جانتے تھے ایصال لوجہ اللہ نہیں تھا یہی مدعی ہے مستدل کا کہ یہ رسوم دنیا ہیں مت کرو باقی ایصال لوجہ اللہ تعالیٰ سو اس کو بلا قید کرو تعیین پہلے نصوص سے ثابت ہو گیا کہ بدعت ہے اور قاضی صاحب کی دلیل منہ سے بول رہی ہے کہ ایصال کو بھی چہلم دہم کی طرح مت کرو کیوں کہ لکھتے ہیں، وازمال حلال صدقہ بفقراء باخفاء[1] فرمایند، اگر ایصال کو بطور دہم وغیرہ جائز فرماتے تو وصیت اخفاء کی کیوں کرتے مگر فہم ہو تو سب کچھ ہے آپ مؤلف اس کو نقل کرتا اور نہیں بوجھتا اور صدقہ خیرات کو تو کوئی منع نہیں کرتا یا دہم وغیرہ رسوم کو منع کرتے ہیں یا ایصال کے تعیین کو منع کرتے ہیں بہرحال قید دہم وغیرہ بدعت ہے اس کا ثبوت کسی وجہ سے مؤلف نہیں کر سکتا اور تذکرۃ الاخوان سے بھی معلوم ہو گیا کہ یہ سب امور رسمی ہیں اور ایصال ثواب مقصود نہیں اور قاضی صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ صاحب

---

[1] مخالفت تفنا دکہ خدا کے لیے بینا۔

ان لوگوں کی تعریف ہو اور اگر نہ ہو تو طعن کرتے ہیں کہ فلاں کے ہاں میت کی کچھ قدر نہ ہوئی اور مروج جانتے ہیں تو صرف دستور رواج کے موافق ان لوگوں کو کھلانے کے لئے کچھ فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں اور اس فاتحہ سے مردہ کے واسطے ثواب منظور نہیں ہوتا یہ عبارت ملحض تذکیر الاخوان کی ہے پس قاضی صاحب کا اشارہ ان امور کی طرف ہے ورنہ خود اسی وصیت نامہ میں فرماتے ہیں، واز کلمہ درود وختم قرآن واستغفار واز مال حلال صدقہ بفقرا باخفار امداد فرمایند انتہی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ختم کلمہ قرآن وغیرہ سب قاضی صاحب کے نزدیک درست ہے اور صدقہ کو جو پوشیدہ فرمایا وہ اس لئے کہ اپنے ورثار میں کچھ طریق نمود اور نمایش وغیرہ کا دیکھا ہو گا جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں اس واسطے اخفار کا حکم دیا ورنہ صدقہ ظاہر کرنا شروع میں درست ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تبدوا الصدقات فنعما ھی شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس روایت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے اگر کھلی دو خیرات کیا اچھی بات ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا فارسی ترجمہ یہ کیا ہے اگر آشکارا کنید خیرات راپس نیکو چیز است، اور ظاہر کرکے دینے میں ایک نفع اور بھی ہے تاکہ اور آدمیوں کو ہدایت ہو وہ بھی صدقہ کریں **پانچویں دلیل منع جہلم** وغیرہ کے لئے یہ ہے کہ مسائل اربعین میں لکھا ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا ہر طعام المیت یمیت القلب وطعام المریض یمرض القلب، ودر نوادر ہشام آمدہ کہ مکروہ است اجابت کردن طعامیکہ بجہت روح مردہ کردہ باشد یعنی میت

کی تحریر سے بھی واضح ہو گیا اور اب تمام عرف عوام کا ظاہر ہے مگر مؤلف کی چشم حق بیں اور تحقیق دال نہیں،،

پانچویں دلیل نوادر الفتاوی کی عبارت اور اس میں مؤلف کی خیانت .... تحقیق مسئلہ

قولہ پانچویں دلیل منع جہلم الخ اقول مؤلف کی دیانت کو سب عقلار غور فرماویں کہ خزانۃ اور دستور القضاۃ کی روایت ارواح آنے کے باب میں کہ اطلاق نصوص کی مخالف اور بے سند تھی مؤلف نے مؤید اپنی بدعت کی دیکھکر سر پر رکھی نہ صحابی راوی کو پوچھا نہ سند تحقیق کی نہ مضامین خلاف نصوص کی پرواہ ہوئی چنانچہ مفصل کر پہلے ہو چکا ہے اور یہ حدیث اربعین میں جو کہ نوادر الفتاوی سے نقل ہوئی تو بزعم خود خلاف اپنی مراد کے جان کر سند کا مطالبہ اور صحابی راوی کا نام اور کتاب حدیث کا نشان دریافت ہوتا ہے پس ایمانداری مؤلف کی اس سے معلوم ہو گئی اگر فقط کسی فقیہ کا نقل کرنا کافی جانتا تھا تو یہاں کیوں تامل ہوا اور جو سند کی ضرورت ہے اور حق بھی یہی ہے تو پہلی روایات میں کیوں کوتاہی ہوئی اور جو خلاف صحاح کے ہونے کی وجہ ہے تو وہ احادیث صریح صحاح کی مخالف ہیں چنانچہ بیان ہوا اور یہ کسی حدیث صحیح کے خلاف نہیں کیونکہ مسلم اور بخاری اور موطا میں صریح ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات اوساخ الناس ہوتے ہیں اسی واسطے بنی ہاشم کو بسبب ان کے فضل کے اور اغنیار کو بسبب ان کی عدم حاجت کے حرام اور مکروہ ہوئی اور فقرار کو بسبب حاجت وضرورت کے درست رہی کہ الضرورت تبیح المحظورات کہا گیا ہے اور صدقات میں جو صدقہ دفع وازالہ مرض کے واسطے ہو وہ ممرض قلب ہے اور جو ایصال ثواب میت اور ازالہ اس کی تقصیرات کی ہو وہ ممیت قلب ہے اس حدیث سے یہ معلوم ہوا سو یہ بھی امر معقول ہے کہ غسالہ مرض میں مرض کا اثر قلب آکل پر ہووے گا اور غسالہ معاصی میت میں موت کا اثر ہووے گا جب مطلق صدقہ میں غسالہ تھا یہاں بھی وہی ہے پس ایسے طعام کی فقرار غیر بنی ہاشم کو اجازت ہے مگر علمار کو گو مکروہ نہیں مگر لائق بھی نہیں کہ ان کا قلب لطیف رہنا مناسب ہے بوجہ شرافت علم کے کہ فکر میں تکدر نہ ہو جیسا نظافت ظاہری علمار کو زیادہ لائق ہے پس اس سے نہ صدقہ کرنا منع ہوا اور نہ صدقہ کے کھانے کی حرمت نکلی مگر مؤلف اپنی کم فہمی سے حیران ہوا اس حدیث کو خلاف احادیث ترغیب صدقہ کی سمجھ گیا اور یہ وجہ اس کے کہ ممیتؔ وممرض قلب ہے اس طعام کو بھی حرام سمجھ لیا ہے

[illegible] لوگوں کا میل کچیل ؔ قلب کو مریض بنانے والا ؔ قلب کو مردہ بنانے والا ؔ مارنے والا اور بیمار کرنے والا

کھانا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور مریض کا کھانا دل کو بیمار کر دیتا ہے اور نوادر ہشام میں آیا ہے کہ مکروہ ہے قبول کرنا اس کھانیکا جس کو
روح میت کے واسطے کیا ہووے انتہیٰ کلامہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح رکھو گے تو دوسری حدیث جو ترغیب خیرات میں میت کی
طرف سے آئی ہے اور باجماع امت وہ مقبول ہیں ان کا کیا جواب دوگے اور اس حدیث کی اسناد بھی معلوم نہیں نہ صحابی کا نام کہ
کس صحابیؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اور نہ مابعد صحابیؓ کے اور راویوں کا حال معلوم کہ پھر صحابیؓ سے کن راویوں نے اس کو
روایت کیا اور نہ کتاب حدیث کا نام مرقوم کہ صحاح ستہ میں یا کسی اور کتاب حدیث میں یہ حدیث موجود ہے اور قطع نظر ان امور مروجہ اس
ملک کی ہرگز صحیح نہیں اس لئے کہ اس حدیث میں لفظ چہلم و بستم و چہلم کے کہاں ہیں اس میں تو مطلق لفظ ہے کہ طعام المیت یعنی کھانا میت
کا بلا قید تاریخ مار دیتا ہے دل کو ہم کہتے ہیں جب اس کھانے نے دل کو مردہ کر دیا تو اس کو کون کھاوے گا وہ منع ٹھیرا اور جب وہ منع ٹھیرا
تو وہ جو حکم صدقہ کا میت کی طرف سے تمام حدیثوں اور فقہ کی کتابوں میں ہے اور خود مانعین بھی یہ لکھتے ہیں کہ اگر بلا تعین کرے گا تو

پس اس کو رد کرنے لگا حالاں کہ یہ حرکت ہرگز حلال نہیں کہ اگر کسی جاہل کے فہم میں کوئی حدیث نہ آوے تو خود بخود اس کو معارض سمجھ
کر رد کرنے لگے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون پس ظاہر ہو گیا کہ مؤلف کا یہ تعقب و اعتراض کہ اس حدیث سے مطلق صدقہ کی ممانعت
ثابت ہوئی تو کون آدمی پیدا کئے جاویں گے کہ ان کا دل مار دیا جاوے گا محض کم فہمی ہے کہ مغز کلام کو نہ سمجھ کر ایسی شوخ چشمی حدیث میں کرتا
ہے اور یہ بھی معلوم ہو لیا کہ حدیث نوادر الفتاوی کی ہے اور مؤلف خود کہہ چکا کہ حدیث ضعیف پر بھی عمل کرنا جائز ہے مگر یہاں آ کر یہ
گستاخ کلامی شروع ہوئی اور معنی روایت نوادر ہشام کے یہ ہیں کہ جو طعام مردہ کے واسطے رسماً کیا جاوے اس کی اجابت کرنا مکروہ ہے
کیوں کہ وہ طعام مکروہ ہے کہ روایت جریر میں اس کو نیاحت کہا ہے پس حاصل استدلال یہ تھا کہ اطعمۂ سوم و چہلم وغیرہ سب رسمی
ہوتے ہیں صدقہ مراد نہیں ہوتا لہٰذا اس کی اجابت مکروہ ہے اور مانعین بدعت ان رسوم کو اسی واسطے منع کرتے ہیں کہ صدقہ مقصود
نہیں ہوتا مگر مؤلف نہ مراد کو سمجھے نہ فہم روایت سے کام اپنی زٹل مارے جاتا ہے اور اربعین کی عبارت میں جو تصرف مؤلف نے کیا
وہ اب لکھا جاوے گا الغرض صدقہ کا غسالہ اوساخ کا ہونا ثابت ہوا اور فقرار کو اس کا کھانا حلال ہاں مگر علمار کو اس سے احتراز اولیٰ
ہے خصوصاً جو صدقہ مریض اور میت کے واسطے ہو کیوں کہ اس میں تکدر ہوتا ہے اور تکدر کوئی وجہ کراہت و حرمت کی نہیں شرعاً جیسا
شکم سیر کھانا زیادہ سونا زیادہ کلام کرنا موجب تکدر قلب کا ہے مگر حرام نہیں ایسا ہی یہ طعام صدقہ ہے پس علمار کو حرام نہیں مگر احتراز
اولیٰ ہے یہ مفہوم حدیث کا ہوا اب سنو کہ طعام میت وہ ہے کہ میت کے واسطے پکایا جاوے اگر بطور رسم کے ہے تو لاریب مکروہ ہے
اور اگر صدقہ کی نیت سے ہے اور تعین وقت اس میں کیا گیا تو بوجہ اس کراہت کے اس میں کراہت ہووے گی اور اگر دونوں بات نہ
ہوں، تو اس صدقہ میں کراہت تو نہیں مگر صدقہ کے وسخ کا اثر تاہم ہوتا ہے پس اس صدقہ کی نسبت یہ مضمون ہے جو حدیث نوادر میں وارد
ہے اسی واسطے مشایخ صوفیار اس قسم کے صدقات کو نہیں تناول فرماتے اگرچہ محل وزکوۃ صدقہ کے ہوتے ہیں اس کے بعد سنو کہ مؤلف نے

عجب کاریگری کی ہے کہ اصل عبارت اربعین کی یہ تھی، در نوادر الفتاوی آوردہ کہ اجابت کردن طعامیکہ از بہر مردہ ساختہ باشند مکروہ ہست
سہ روزہ و ہفتہ و ماہیانہ و سالیانہ و آں طعام مر علمار و فضلار را مکروہ ہست قال علیہ السلام طعام المیت یمیت القلب و طعام المریض
یمرض القلب و در نوادر ہشام آمدہ کہ مکروہ ہست اجابت کردن طعامیکہ بجہت روح مردہ کردہ باشد انتہیٰ، اب غور کرو کہ یہاں تک نوادر الفتاوی

ہے نہیں اس صدقہ اور طعام کے واسطے کون آدمی پیدا کئے جاویں گے جن کو وہ کھانا میت کا کھلا کر دل ان کا رد یا جاوے چھٹی دلیل منع
کی یہ کہ مسائل اربعین میں لکھا ہے ،، در نوادر الفتاوی آوردہ کہ اجابت کردن طعامیکہ از بہر مردہ ساختہ باشند مکروہ ہست سہ روزہ
وہفتہ وماہیانہ وسالیانہ وآں طعام علماء وفضلاء را مکروہ است انتہیٰ، اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ برسی اور تیجہ اور چہلم وغیرہ کا کھانا مکروہ
علماء وفضلاء کے واسطے ہے اوروں کو مکروہ نہیں اگر سب کو مکروہ ہوتا تو عالموں کا نام لینا کیا ضرور تھا خیر اگر یہ لوگ اسی قدر
لکھ دیویں کچھ مضائقہ نہیں اس واسطے کہ علماء وفضلاء تو خود اس کھانے میں کم جاتے ہیں اکثر اور آدمی کھاتے ہیں اگر اوروں کو جائز ہوا
یہ بھی غنیمت ہے اور صحیح یہی ہے اس مسئلہ میں بڑی شہرت مولوی اسمٰعیل صاحب کی ہے کہ وہ رئیس المانعین ہیں ان تعینات کو مکروہ
وحرام کہتے ہیں صورت اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک محض باعث ممانعت کا یہ ہے کہ ان کو اپنے ہمعصروں میں یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ
خالصاً للہ نہیں کرتے بلکہ لوگوں کے دکھانے کو کرتے ہیں اور جبراً کرتے ہیں چنانچہ صراط مستقیم مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۲۰ میں لکھتے ہیں،
،، در تقسیم طعام سیوم وچہلم بسبب خوف مطعون شدن وسعت وکشادگی می کنند انتہیٰ، اور صفحہ ۳۰ میں ہے، ،، ونہ پندارند کہ نفع رسانیدن
باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر وافضل غرض آں ست کہ مقید برسم نباشد بے تعیین تاریخ در ور جنس وقسم طعام ہر
وقت وہر قدر کہ موجب اجر جزیل بود بعمل آرد وہر گاہ ایصال نفعے بمیت منظور دارد موقوف باطعام نہ گذارد اگر میسر باشد بہتر است والا صرف
ثواب فاتحہ واخلاص بہترین ثواب است در تعیین تاریخ درد وزوقسم ووضع طعام ضیق پیش می آید انسان را خواہ نخواہ انجہ کردن دشوار می

کی روایت تھی مؤلف نے حدیث کو اور نوادر وہشام کی عبارت کو کہ آخر اس روایت نوادر کا تھا جدا کر کے ایک مستقل دلیل پنجم بنایا اور اول
اس عبارت کو دلیل ششم ٹھیرایا یہ محض خطا فہم کی ہے ورنہ یہ سب نوادر الفتاوی کی عبارت تھی سو خیر جو اُس نے کیا اپنی کم فہمی سے کیا
کسی کو ضرر نہیں پس اس نقص اور کم فہمی مؤلف کا جواب تو ہو لیا اب دلیل ششم میں باقی سنو،

قولہ دلیل ششم منع کی یہ کہ مسائل اربعین الخ اقول اس طعام کی شرح تو پہلی دلیل میں گذر لی، اور نوادر الفتاوی کا مطلب اب سنو وہ کہتا ہے کہ جس طعام میت میں محض رسم اور تعیین ہو اور	چھٹی دلیل، نیز عبارت نوادر الفتاوی اور اس عبارت ... کا مطلب

طعام میت میں کہ ایصال ثواب صدقہ اور تعیین ہو ان دونوں طعام کی اجابت کرنا مکروہ ہے چنانچہ فخر کے طعام کی اور طعام فساق
کی اجابت مکروہ لکھی ہے سو اس میں بھی کراہت تعیین کے سبب اجابت مکروہ ہے سب کو پھر کہا، وآں طعام مر علماء وفضلاء را
مکروہ ہست، یعنی اگر سب کو مکروہ اس کی اجابت ہے مگر علماء وفضلاء کو خصوصاً مکروہ ہے کیوں کہ حدیث میں جب طعام میت
ومریض کو ممیت ومرض قلب فرمایا ہے تو علماء کو خصوصاً ایسے اطعمہ سے پرہیز کرنا چاہیئے کہ علم وفضل کی شان کیخلاف ہے کہ اوساخ
کو استعمال کریں مگر صاحب فہم مراد سے بعید یہ سمجھے گئے کہ خاص علماء کو مکروہ ہے اوروں کو درست ہے اور یہ خطا فاحش محض
غفلت الفاظ سے ہے دیکھو کہ عوام کو تو کہا کہ اجابت کردن ایں طعام مکروہ کہ اعانت فعل مکروہ کی اور شرکت فعل مکروہ کی ہے اور علماء
کو کہا کہ یہ طعام مکروہ ہے یعنی اگر اس قسم کا کھانا ہدیہ بھی کوئی دیوے تو نہ لیویں کہ اس طعام سے تکدر ہوتا ہے صدقہ نافلہ میں تکدر ہے
مگر خاص میت اور مریض کے صدقہ میں زیادہ تدنس ہے اور تعیین کی کراہت ہے تو عوام کی اجابت مکروہ ہوئی سو اگر وہ طعام صدقہ
ہے تو کھانا درست ہے اور علماء کو خود صدقہ بھی اولیٰ نہ تھا اب جو یہ معصیت اس کے ساتھ ہوئی تو اجابت تو مکروہ ہی ہے اس طعام

بود سرانجام آں ضروری افتد الی آخرہ۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ سیوم اور چہلم وغیرہ کا کھانا تعین ایام کے سبب منع نہیں جیسا کہ بعض علمارئی زمانہ خیال کرتے ہیں بلکہ اس میں قباحت مولوی اسماعیل اور سید احمد صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کے پاس کچھ ہووے یا نہ ہووے پابندی تواریخ ایام سے خوامخواہ اس کو کرنا پڑتا ہے اس میں تنگی اور مصیبت پیش آتی ہے پھر اگر کسی کو یہی بات پیش آوے اس کے حق میں ہم بھی منع کریں گے اے بھائی تو اپنے مقدور کے موافق کر دے حوصلہ سے زیادہ نام آوری کے طور پر جس کا سنبھالنا تجھکو مشکل ہو اس طرح مت کر خالصاً للہ جس قدر تیرے پاس موجود ہے اسی قدر کر دے اور کچھ بھی نہیں تو خالی فاتحہ پڑھ دے **سوال** تعین ایام کی حاجت کیا ہے؟ **جواب** صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دلوں میں خود شوق تھا کسب خیرات وحسنات کا وہ اپنے ولولہ عشق دلی سے امور صالحہ کرتے تھے ان کو نہ کسی تاکید کی حاجت تھی نہ تعین کی نہ یاد دلانے کی جب وہ دور گذر چکا لوگوں کے دلوں میں بے رغبتی امور صالحہ کی

کا کھانا بھی نہیں چاہیئے یہ مراد ہے نوادر الفتاوی کی مگر مؤلف کے فہم نے وفا نہ کی اور عوام کو واجب جائز کہنے لگا سبحان اللہ اب پھر کہتا ہوں کہ سب علمار شاہ ولی اللہ سے لے کر بلکہ بزازیہ کے وقت سے یہ کہہ رہے ہیں کہ بعد اموات کے جو طعام کرتے ہیں رسم کا کھانا ہے اور مکروہ ہے اور اب بھی دھم چہلم سب طعام رسم کے ہیں اور مکروہ ہیں اور اگر صدقہ خالص اور بلا تعین وقت کے ہو تو ہر گونہ درست مگر صدقہ کی وجہ سے علمار کو لائق نہیں اور جو کراہت تعین کی اس کے ساتھ ہو جاوے گی تو اگرچہ طعام صدقہ ہے اور ثواب پہنچے گا مگر اس فعل تعین کی وجہ سے مکروہ ہو گا اور اجابت بھی مکروہ ہو گی مگر افسوس کہ مولف نہیں سمجھتا اور یہی مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں اور یہی واقعی امر ہے **قولہ** اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا **اقول** یہ ہر روز صاف ظاہر تھا مگر مؤلف کے فہم میں تکدر تھا اب بھی ذہن مؤلف کا صاف نہیں ہوا کہ یہ جانتا ہے کہ مانعین بدعت تعین یوم کے سبب طعام کو مکروہ کہتے ہیں نہیں بلکہ اس فعل تعین کو ہر حال مکروہ کہتے ہیں بسبب نصوص کے اور طعام اہل میت کو اگر ضیافت برادری ہے تو مکروہ کہتے ہیں اور جو صدقہ لوجہ اللہ تعالیٰ ہے اس کو جائز بتلاتے ہیں مؤلف نہیں سمجھتا حالاں کہ بار بار کھول کر کہا جاتا ہے اجابت طعام دیگر ہے اور خود شئے دیگر ہے در خانہ اگر کس است حرفے ہم بس است بس اب خاتمہ کلام کا مؤلف نے حق بات کہہ کر رد کر دیا مگر ہنوز فہم سے دور ہے کہ تعین کی خرابی اس کے دل سے نہیں نکلی حق تعالیٰ اس کو ہدایت کرے۔

تعین ایام فاتحہ **قولہ** سوال تعین ایام کی کیا حاجت ہے الخ اب الخ **اقول** کلیات نصوص اور جزئیات وکلیات فقہ سے ثابت ہو لیا کہ یہ تعین اوقات کا بدعت ہے اور تغیر کرنا حکم شرع کا ہے اور مؤلف بھی اس کو قبول کر چکا ہے اور بعض ان رسوم مروجہ میں تشبہ کفار کا بھی ہوتا ہے اور یہ بھی مؤلف کے نزدیک مسلم ہے کہ تشبہ کفار کا ممنوع ہے تو ہر گاہ کہ شرع سے ضلالت اور مکروہ ہونا ان کا ثابت ہو لیا اب اس کے جواز و اباحت کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی اور ہر گز کسی عالم کو اجازت نہیں کہ اس کو جائز رکھے اور ہر گز کسی عالم نے ان تعینات کو جاری نہیں کیا بلکہ ہر روز ممانعت کرتے چلے آئے ہیں بزازیہ اور منہاج اور فتح القدیر اور دیگر کتب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تعینات کو منع کرتے رہے چنانچہ روایات ان کتب کی اس رسالہ میں بھی مکتوب ہیں مگر مؤلف کو فہم نہ ہو تو کیا علاج کیا جاوے اور بوجہ بے رغبتی عوام کی خیرات سے ہر گز بدعت کا اجرار یا اجازت مکروہات شرعیہ کی درست نہیں مؤلف اپنے بدعت کے جواز کے لئے علمار کو بدنام کرتا ہے اور مؤلف محض نابلد قواعد شرعیہ سے ہے ایجاد بدعت کا ہر گز رغبت دلانے امر مستحب کے لئے حلال نہیں خود فخر عالم علیہ السلام اس سے تحذیر فرما چکے ہیں بقولہ وایاکم ومحدثات الامور اور دیگر بہت احادیث جو بدعت کی تقبیح اور امتناع میں وارد ہے اور یہ مسلم تمام امت کا ہے کہ ایصال ثواب فقط مستحسن اور

پیدا ہو گئی اس کے لئے علماء دین نے بنظر اصلاح دین تقویٰ اور احکام پیدا کئے، مثلاً قرآن شریف کی تعلیم پر اجرت لینا اصل حدیث سے منع تھا اس وقت میں لوگوں کے دل راغب تھے اللہ کے واسطے تعلیم کرتے تھے جب دورہ قرون صالحہ کا تمام ہو گیا لوگوں کے دل ویسے نہ رہے قرآن شریف کا پڑھنا پڑھانا بند ہونے لگا تب علماء دین رحمہم اللہ نے حکم دیا جواز کا یعنی تعلیم قرآن پر دینا اجرت کا جائز ہے اور لینا بھی جائز، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں اور فتح القدیر باب الاجارات حسب القرآن اور ہدایہ میں ہے لانہ ظہر التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیہ الفتویٰ اور اذان کے بعد تثویب یعنی الصلوٰۃ الصلوٰۃ وغیرہ پکار کر کچھ کہنا تاکہ نمازی آدمی آ کر جلد جماعت میں شریک ہوں متاخرین علماء نے مستحسن قرار دیا چنانچہ

مندوب ہے، سنت مؤکدہ و واجب پس ترغیب مستحب کے واسطے احداث بدعت کس عاقل متدین کا کام ہو اور کون عالم ذی فہم اس کو جائز کہہ سکتا ہو ہاں جاہل جو چاہے کہے خود فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کسی سنت کی ادا سے بدعت لازم آوے تو سنت بھی ترک کر دیوے شامی نے بحر الرائق سے نقل کیا ہے وانہ اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ راجح علی فعل البدعۃ انتہی اور طریقہ محمدیہ میں ہے ثم اعلم ان فعل البدعۃ اشد ضررا من ترک السنۃ بدلیل ان الفقہاء قالوا اذا تردد فی شیء بین کونہ سنۃ وبدعۃ فترکہ لازم واما ترک الواجب فہل ہو اشد من فعل البدعۃ او علی العکس ففیہ اشتباہ حیث صرحوا فیمن تردد بین کونہ بدعۃ وواجبا انہ یفعلہ وفی الخلاصۃ مسئلۃ تدل علی خلافہ الخ پس غور کرو کہ فقہاء تو اتفاقاً و جزماً بدعت کے اندیشہ سے سنت مؤکدہ کو ترک کراتے ہیں اور واجب میں بھی بعض ترک واجب کو ترجیح بتلاتے ہیں اور مؤلف کی یہ جرأت کہ امر مندوب کے واسطے علماء پر تہمت ایجاد بدعت کی لگاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے نہیں شرماتا اور پھر دیکھو کہ فقہاء تو احیاناً وقوع بدعت میں یہ حکم ترک سنت کا دیتے ہیں اور مؤلف مندوب کے احیاء کے واسطے بدعت کو طریقہ بنانا اور اجراء دوام کو کرنا جائز کہہ رہا ہے بنہایت جہل مرکب ہے اور غفلت قواعد شرعیہ و احکام وضعیہ سے معاذ اللہ تعالیٰ اب دیکھو کہ جن مسائل سے مؤلف کو اپنے جہل کے سبب دھوکہ ہوا ہے وہ ہرگز بدعات نہیں کہ اس پر قیاس کر سکے۔

تحقیق مسئلہ اجرت تعلیم القرآن اور اس کو رسوم مروجہ کا مقیس علیہ نہیں بنا سکتے

قولہ قرآن شریف کی تعلیم الخ **اقول** قرآن اور علم دین کے معلمین کو بیت المال سے کفاف ملتا تھا آخر وقت میں وہ بند ہو گیا اور عوام کو علم کی ایسی رغبت نہ تھی کہ معلم کے ہدیہ کی طرح خدمت گذاری کریں، تو اگر معلم للہ تعلیم کرے تو مایحتاج[1] سے پریشان ہوتا ہے اور جو کسب معیشت میں مشغول ہو تو علم مفقود ہوتا ہے اس واسطے اجرت کی اجازت دی سو یہ بے رغبتی عوام کی وجہ سے ہوئی نہ علماء کی طرف سے جیسا مؤلف سمجھا اور اس اجرت کی ضرورت ہوئی کہ کفاف فرض ہے سو اجرت تعلیم پر لینا بوجہ عبادت کے ممنوع تھا اب اجرت کا لینا بھی بوجہ ادائے فرض معیشت کے ضروری ہو کر ممنوع نہ رہا تو اس میں اس امر کا کہ مکروہ لغیرہ تھا جائز کر دینا ہے نہ احداث بدعت کا کہ کسی حال درست نہیں مؤلف کو کچھ بھی فہم ہوتا تو ایسے کلام بے معنی نہ کرتا اور پھر اجرت علی التعلیم مسئلہ مجتہد فیہ ہے کہ شافعی اس کو جائز فرماتے ہیں کہ اس کی اصل شرع سے ان کے نزدیک ثابت ہے تو اس کی کراہت بھی مختلف فیہ ہوئی اور مختلف فیہ مسئلہ تو یوں بھی بلا ضرورت جائز ہوتا ہے پس کس قدر بے علمی ہے استغفر اللہ تعالیٰ

تحقیق مسئلہ تثویب اور مسئلہ تثویب کو رسوم سے کچھ مس نہیں

قولہ اور اذان کے بعد تثویب الخ **اقول** تثویب کو جو متاخرین نے مستحسن لکھا ہو تو اس کو بدعت حسنہ کہا ہے اور معلوم ہو چکا کہ بدعت حسنہ ملحق بالسنۃ ہے اور فی الواقع وہ بدعت ہی نہیں کیونکہ اس کے احداث کے یہ معنی نہیں کہ بعد قرون ثلثہ کے کسی نے ایجاد کیا بلکہ وہ موجود اس قرون میں تھے اب اس کو رواج ہو گیا کیوں کہ بعد اذان کے قبل امامت حضرت بلال رضی

[1] وظیفہ کے ضروریات۔

کتاب ہدایہ میں ہے والمتأخرون استحسنوہ فی الصلوٰۃ کلہا لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ یہ مسئلہ تثویب کا فتاوی عالمگیری میں بھی ہے اس قسم کی بہت نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں جو ڈھونڈے گا وہ پاوے گا اور یہی معنی ہیں اس کے جو مجمع البحار اور شامی اور فتاوی عالمگیریہ وغیرہ چند کتب معتبرہ مقبولہ میں بات مندرج ہے کہ کثیر من احکام یختلف باختلاف الزمان یعنی بہتیرے کام بدلجاتے ہیں زمانہ کے بدلجانے سے ایک وقت وہ تھا کہ قرآن کے اندر زیر و زبر جائز مطلق وقف لازم وغیرہ لکھنا علماء جائز نہیں رکھتے تھے مکروہ کہتے تھے چنانچہ متقدمین کی کتابوں میں مندرج ہے اور ایک وقت وہ آیا کہ لوگوں کا ڈھنگ بگڑ گیا جہالت طاری ہوگئی تب علماء نے حکم دیا کہ قرآن شریف میں زیر و زبر وغیرہ لکھنا واجب ہے چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں تصریح ہے کجا مکروہ کجا واجب ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا: اور اسی طرح مساجد کی زینت اور بلند کرنا مکروہ ثابت ہوتا ہے لیکن علماء بباعث مصلحت کے مستحب فرماتے ہیں چنانچہ صاحب مجمع البحار نے لفظ زخرف

فخر عالم علیہ السلام کو اطلاع کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ نے روز جمعہ کے دوسری اذان قائم کی تھی سو تثویب فی الواقع سنت ہوئی مگر یہ اس وقت تک سنت تھی کہ توانی کی رافع تھی اور جب اس سے اور کاہلی بڑھی، جیسے اس زمانہ میں کہ اذان کا کچھ اعتبار ہی نہیں ہا تثویب پر طلب سمجھتے ہیں اور بعد تثویب کے قصد صلوٰۃ کا ہوتا ہے تو پھر یہ بدعت ضلالہ ہوگئی بہرحال یہ نظیر مؤلف کی بھی لغو ہے کیوں کہ کلام ایجاد و اجراء اس بدعت میں ہے کہ منصوص ہوا اور بدعت ضلالۃ اور یہاں تثویب میں جو نظیر ہے تو اس امر کی ہے کہ اصل اس کی ثابت ہے اور سنت ہے سو ایسی نظیر کو یہاں لانا خود دلیل کم فہمی کی ہے،،

کثیر من احکام مختلف باختلاف الزمان کی تحقیق

قولہ کثیر من احکام یختلف الخ **اقول** جس حکم میں کراہت یا استحباب لغیرہ ہوتا ہے اس غیر کے رفع سے حکم بدلجاتا ہے اس کو اصطلاح شرع میں ارتفاع حکم بارتفاع العلت[1] بولتے ہیں پس وہ امور در اصل مباح ہوتے ہیں عروض کسی حکم سے وہ مکروہ یا غیر اس کے ہو جاتے ہیں اور بعد رفع اس عارض کے وہ حکم بدلجاتا ہے جیسا عورتوں کا مساجد اور عیدگاہ میں حاضر ہونا کہ قرن فخر عالم علیہ السلام میں جائز تھا اور پھر اسی قرن صحابہ میں منکر ہو گیا بسبب فتنہ کے مگر بدعت کا احداث ہرگز جائز نہیں ہوتا کسی وجہ سے یہ بھی لاعلمی مؤلف کی ہے قواعد دینیہ سے **قولہ** ایک وہ وقت تھا الخ **اقول** قرآن کی حفاظت والبقاء فرض تھی پس اس کے حفظ کے یہی سبیل تھی اس واسطے ضرور ہوئی اس میں بھی کسی بدعت کا ایجاد نہیں بلکہ پہلے کراہت بسبب اس کے تھی کہ مصحف کو سب شئی غیر قرآن سے خالی رکھنا چاہئے بقول ابن مسعودؓ جردوا القرآن الخ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن میں کچھ اور شئی مخلوط ہو جاوے ہرگاہ کہ خدشہ رفع ہو گیا کہ حفظ و تسہیل تعلیم بدون ان امور کے دشوار ہوا تو حکم کراہت کا بسبب ارتفاع علت کے رفع ہو گیا اور بسبب ضرورت کے واجب ہو گیا بہرحال ایجاد و بدعت یہاں بھی ہرگز نہیں کاش مؤلف کو کچھ بھی علم ہوتا،

تزئین مساجد اور بیان اس کا کہ ان مسائل پر رسوم مروجہ کو قیاس نہیں کرسکتے

قولہ اور اسی طرح مساجد کی زینت الخ **اقول** اس واسطے پر زینت مساجد کی بوجہ ازالہ شین اسلام کے ہے اور رفع شین اسلام کا فرض ہے اس میں بھی کوئی ایجاد بدعت کا نہیں مگر ایصال ثواب مستحب ہے اس کے رفع سے کوئی اسلام و دین میں نقصان نہ تھا اور تعین مطلق کی اور تحدید اوقات غیر محدودہ کی تعدی حدود اللہ تعالیٰ ہے اور بدعت ضلالہ ہے اقامت مندوب کے واسطے یہ ہرگز حلال نہیں کاش مؤلف کو کچھ بھی سمجھ ہوتی تو ایسے نااہل کلام نہ کرتا اور مؤلف مولوی عبد الخالق پر کثرت بروج جو ایک بینت کی ہیئت ہے طعن کرتا تھا اب بوجہ ضرورت وہی امور جائز ہو گئے مگر درست ہے کہ یہ مخالفت

[1] یعنی علت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے حکم کا ختم ہونا ۱۲ منہ

کی تحقیق میں لکھا ہے کہ جب لوگ اپنے اپنے گھر بہت عمدہ بنانے لگے اب مسجد کو کچی اینٹوں سے اونچے اونچے مکانات کے پاس بنا دیں گے
اور بہتیرے گھر کا فروغ بھی اس کے پاس بلند ہوتے ہیں تو البتہ مسجد نظروں میں حقیر ٹھیرے گی انتہی کلامہ، مجموع ان امثال و روایات سے معلوم
ہوا کہ اگر زمان و مکان میں یا کسی ہیئت اور وضع میں بباعث کسی مصلحت کے کسی قسم کی تعینات واقع ہوں تو وہ جائز ہے شاہ ولی اللہ صاحبؒ
رسالہ انتباہ کے شروع میں فرماتے ہیں ،، اگرچہ اوائل امت را با واخر امت در بعض امور اختلاف صور ضرر نمی کند ارتباط سلسلہ ہمہ ایں امور
مسلم است در اختلاف صور کہ اثرے نیست انتہی کلامہ ملخصاً۔ ان عبارتوں سے یہ فائدہ نہایت اہتمام سے محفوظ رکھنے کے قابل ہوا کہ
اگر علماء متاخرین میں کسی قسم کا تعین مخالف وضع علماء متقدمین کے پیدا ہو تو یہ ضرور نہیں کہ اس کو رد کیا جاوے اس لئے کہ مصلحت
زمانہ متقدمین میں وہ تھی جو انہوں نے حکم دیا اور متاخرین کے وقت میں بباعث تغیر اوضاع و طبائع امت کی دوسری طرح پر استحسان
ظاہر ہوا اور حقیقت یہ اختلاف نہیں کہ دونوں فرقہ متقدمہ و متاخرہ اصلاح دین پر متفق ہیں ان کے وقت میں اصلاح اسی میں تھی ان کے
وقت میں اصلاح دوسری طرح چنانچہ یہی وجہ مولوی اسمٰعیل کے مرشد برحق سید احمد صاحب کو پیش آئی کہ صراطِ مستقیم میں انہوں نے
ایک باب جدا واسطے تجدید اشغال کے مقرر کیا صفحہ ٨ میں لکھتے ہیں ،، مصلحت وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب
برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت تعین کردہ شود انتہی ، اور اسی کتاب کے آخر وقت میں مولوی اسمٰعیل صاحب اپنے
پیر کا حال لکھتے ہیں ، بعد ازاں در تلقین تعلیم طریقہ چشتیہ بازوی ہمت کشادند و تجدید اشغالیکہ ایں کتاب مستطاب برآں محتوی گردیدہ
فرمودند انتہی کلامہ ، یہ عاجز مؤلف اس انوار ساطعہ کا کوئی بات اپنی طبیعت سے نہیں کہتا کہ ثانی الحال الزام دیا جاوے بلکہ جو کچھ خلاصہ کلام ہے وہ عطر
چھانٹا ہوا انہیں حضرات ناقلین کی مسلم الثبوت کتابوں سے ہے جب یہ مسئلہ محقق ہو گیا تو سمجھنا چاہیئے کہ صحابہ سابقین بالخیرات تھے ان کے لئے

بسبب تبدل وقت کے سرزد ہوئی ہے وہاں مؤلف کو اعتراض کی ضرورت تھی یہاں تجاوز کی حاجت ہو گئی یہ سبب تناقضہ اقوال کا ہوا کہ مؤلف
کو شرم نہ ہو۔

مطلب عبارت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دربارہ جدید اشغال و بیان امر اس کا تجدید اشغال مقیس علیہ رسوم مروجہ کا نہیں بن سکتے

قولہ رسالہ انتباہ کے شروع میں الخ اقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ طرز اشغال کو
متقدمین سے لے کر آج تک بدلتے چلے آتے ہیں اور نسبت کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے مگر اصل
مطلق واحد ہے لہذا تسلسل میں فرق نہیں آیا پس وہ سب طرز اشغال اور کیفیت مسنونہ طریقہ تھا اس میں کوئی تعین و تجدید بدعت نہ تھی سو
اس سے حجت لانا نہایت بعید ہے فہم مطلب شاہ صاحبؒ سے معاذ اللہ وہ تعیین کہ بدعت ہو ہرگز مراد نہیں اور نہ کسی اہل حق سے اس کی اجازت
ممکن ہے مگر مؤلف کے فہم کا نقصان ہے پس یہ قاعدہ خوب محفوظ رہے کہ اگر کوئی تجدید و تعیین وضع سنت ہی میں واقع ہووے جائز ہے اور
جو تجدید حادث ہو جاوے گی جس کو شرع میں بدعت کہتے ہیں وہ ہرگز درست نہ ہووے گی ، اگرچہ کوئی کرے صراطِ مستقیم کے اشغال کی تجدید
بھی اسی قسم سنت کی تھی کہ پہلے اشغال بھی مسنونہ تھے اور اب بھی بطرز مسنونہ ہی ہیں پس مؤلف انوار ساطعہ کا ہر چند اقوال پہلوں کے
نقل کرتا ہے مگر بالکل بے معنی و بے محل بلا فہم لکھتا ہے کہ ہرگز مطلب نہیں سمجھتا محض ناواقف ہے اور اس کی یہ سب کلام لایعنی لغو ہے اور اپنے
جہل مرکب کا عطر نکال کر خلق کو فتن ضلالت میں ڈالتا ہے حق تعالیٰ اس کو فہم دیوے تاکہ صورت ہدایت کی دیکھے قولہ جب یہ مسئلہ محقق ہو گیا الخ اقول
اب یہاں سے مؤلف نے اپنی عقل خام کی تقریر ناتمام شروع کی ہے اس کے فقرہ فقرہ کے ابطال میں عبث دردسری اور وقت ضائع کرنا ہے

ے بجائے اس کے معروفیت کے دعوی کے کوتاہی۔

تعیین زمان ایصال ثواب وغیرہ کے لئے کچھ حاجت نہ تھی بلکہ وہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کر خیرات اپنے اقربا کی کیا کرتے تھے چنانچہ قصہ سعدؓ کا گذرا اب اگر کسی کو ثواب کا راستہ بتاتے ہیں تو وہ منھ دوسری طرف پھیر لیتا ہے غرضکہ لوگوں میں سستی واقع ہوئی تب فرق پڑنے لگا خیرات میں اور موتیٰ کا حال دیکھا تو وہی جو حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جس طرح کوئی ڈوبتا ہوا آدمی سہارا تکتا رہے کوئی میرا ہاتھ پکڑتے کوئی رسی کوئی لکڑی کوئی چیز آجاوے کہ اس کو پکڑ کے بچ جاؤں اسی طرح میت اُسرا کرتا ہے اپنے زندہ اقربا کا اور اقربا کا یہ حال ہوگیا کہ ان کے حق فراموش کرنے لگے تب کھڑے ہوگئے بزرگان دین تعیین ایام پر اور معین کیا اس کو متفرق وقتوں پر مثلاً دسواں بیسواں وغیرہ معین کردیا تاکہ وارثوں کو بھی بتدریج انتظام سہل ہو اور موتیٰ کو یہ فائدہ ہو کہ مدد کا سلسلہ منقطع نہ ہو کچھ آج فائدہ پہنچا کچھ پھر اس کے بعد کچھ پھر اس کے بعد اور یہ بڑا فائدہ ہے کہ تعیین کے سبب یاد رہتا ہے آدمیوں کو اور خیال پر چڑھا رہتا ہے چنانچہ جو لوگ مصلحت تعیین کے پابند ہیں ان کے گھر سے کچھ نہ کچھ خیر ہو جاتی ہے اور طرف ثانی جو بعضے وقت ان لوگوں کی نسبت کہتے ہیں کہ اس تعیین کے ساتھ کام کرنے سے نہ کرنا اچھا اس میں ان کو نمود منظور ہوتی ہے سو یہ کہنا ان کا صحیح نہیں اس لئے کہ ہر کوئی نموداری کے واسطے نہیں کرتا اور اگر کوئی نمود کے واسطے کرتا ہوگا تو اس کو بھی ہم منع نہ کریں گے اگر اس کے حق میں نمود ہے تو کسی غریب کا ایک وقت پیٹ بھرے گا یہ تو کام اچھا ہے ہماری غرض یہ نہیں کہ لوگ ریا ونمود کے واسطے کیا کریں حاشا وکلا عمل وہی بہتر ہوتا ہے جو اخلاص سے ہوتا ہے لیکن یہ اس لئے کہا کہ اگر کسی ایک نے نمود کے طور پر عمل کیا اس کے سبب سے منکرین سند پکڑ کے سب کو منع کرنے لگیں ان کے جواب میں بطریق و تسلیم کہا جاتا ہے کہ یہ بھی کچھ نہ کچھ خیر سے خالی نہیں حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ تنبیہ میں فرماتے ہیں لایترک العمل لاجل الریاء یقال فی المثل ان الدنیا خربت منذ مات المراؤن لانہم کانوا یعملون الاعمال الوثیقۃ الرباطات والقناطر والمساجد فکان للناس فیہا منفعۃ وان کانت للریاء لکن ینفعہما دعاء من المسلمین یعنی عمل خیر کو ریا کے سبب سے چھوڑنا چاہیئے کہتے ہیں جب سے نموداری کے کام کرنے والے مرگئے ہیں دنیا اجڑ گئی اس لئے کہ وہ بھلے کام کرتے تھے سرائے پل مسجد بنواتے تھے لوگوں کا اس میں بھلا تھا اگرچہ کام ریا کا اس کرنے والے کو نفع نہیں دیتا لیکن کبھی کوئی مسلمان اس پاک چیز سے نفع پا کر دعا دیتا ہے تو اس کو اسی دعا سے نفع ہو جاتا ہے انتہٰی غرضکہ فعل خیر کا نتیجہ خیر ہو جاتا ہے اب حاصل بیان پر آویں کہ جب بباعث بے رغبتی اور سستی آدمیوں آدمیوں کے تعیین کی حاجت ہوئی تو ایک کھانا اور فاتحہ سالیانہ کا یعنی برسویں دن ٹھیرایا اور ایک نصف اس کا یعنی ششماہی پھر اس کا نصف یعنی سہ ماہی پھر اس کا نصف یعنی پینتالیس دن لیکن چوں کہ اکثر امور میں عدد چلہ کا اختیار کیا گیا ہے اس لئے پینتالیس میں سے پانچ کم کر کے چالیسواں دن کردیا گیا اور عدد چہل کی شمار جو شرع میں وارد ہے اس کے چند مقامات ذکر کئے جاتے ہیں اول جب خمیر حضرت آدم ؑ کا بھا چالیس برس تک وہ خمیر اسی حالت میں پڑا رہا پھر اس کا سڑنا شروع ہوا تو چالیس برس تک وہ سڑا کیا جس طرح گارہ لیپنے مکانات کا

کیوں کہ اثبات مدعی شرعی کا دلیل شرعی ہونا ہے نہ ہر کلام لاغی سے سو جو روایات و عبارات مؤلف نے اپنے اس رسالہ میں معتبرین سے نقل کیں ہیں اپنے زعم میں اپنی معین مدعی جان کر تو اس کا رد ہو چکا۔

رسوم مروجہ میں مؤلف کے قیاسات لایعنی سب مطرود مردود ہیں اور عبارات سلف سے بالکل اس کا جواز ثابت نہیں

اور یہ کلام بے سروپا نتیجہ فکر مؤلف کا ہے مسائل شرعیہ ایسے کلمات فضول سے ثابت نہیں ہوتے اس کا جواب بالفعل فضول ہے یہ امر محقق ہے کہ نص و فقہاء کے مقابلہ میں ایسی عقلیات ذلیل قابل التفات نہیں اور بدعت کا ایجاد ایسے متوہمات ہزلیات سے درست نہیں فقیہ ابو اللیثؒ کا مدعا اس عبارت

سڑ جاتا ہے پھر خشک ہونا شروع ہوا تو چالیس برس میں خشک ہوا جس طرح وہ ٹھیکرا مٹی کا بجانے سے ٹن ٹن بجتا ہے بجنے لگا اسی
طرح آدمی کی پیدائش میں بھی چالیس دن وہ نطفہ رہتا ہے اور پھر چالیس دن خون بستہ اور پھر چالیس دن گوشت کے ٹکڑے بوٹیاں بنجاتی ہیں
غرضیکہ اس سے معلوم ہوا کہ چالیس دن میں حال بدلجاتا ہے اسی غرض سے صوفیہ کرام نے عدد چلہ اپنی ریاضتوں میں مقرر کیا کہ اتنے دنوں کی ریاضت
میں حالت نفس کی بدلجاوے گی اور حدیث میں آیا جو چالیس دن اخلاص اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھے گا اس کے دل میں سے چشمے حکمت کے پھوٹ کر
زبان سے جاری ہوں گے یہ حدیث تفسیر عزیزی میں ہے اور نقل کیا امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں کہ جو کوئی چالیس دن تکبیر اولیٰ امام کے ساتھ
پاوے گا اللہ تعالیٰ اس کو دو باتوں سے بری کر دے گا ایک نفاق سے دوسرے عذاب نار سے اور حضرت موسیٰؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا
کہ چالیس رات اعتکاف کرو اس وقت ہم تم کو شریعت یعنی توریت عنایت کریں گے یعنی اتنے دنوں میں حالات نفس وقلب وغیرہ بدلجاویں
گے۔ قال تعالیٰ واذ وعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ اور بیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے بابت ارواح انبیاء علیہم السلام کے یہ روایت کی ہے ان
الانبیاء لا یترکون فی قبورہم بعد اربعین لیلۃ ولکنہم یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور، معنی اس حدیث کے زرقانی نے یہ لکھے ہیں
کہ چالیس روز تک اس جسد مدفون فی القبر سے روح بہت پیوستہ رہتی ہے بعد ازاں وہ روح قرب الٰہی میں عبادت کرتی رہتی ہے اور
متشکل بشکل جسد ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے انتہی۔ اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ چالیس دن تک ہر کسی کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے
یہ حدیث شاید کہیں آئی ہوگی ارواح انبیاءؑ کی بہ نسبت تو وہ حدیث بیہقی کی دیکھی عام ارواح کی نسبت نظر سے نہیں گذری لیکن ہم لوگ
بہ نسبت علماء سابقین کے کم مایہ اور سامان کتب علم کا قلیل ہماری نظر سے نہ گذرنا دلیل اس کی نہیں کہ درحقیقت یہ حدیث آئی نہیں البتہ ہم نے
دقائق الاخبار میں جو امام غزالیؒ کی طرف منسوب ہے یہ حدیث تو دیکھی ہے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
اذا مات المؤمن یدور روحہ حول دارہ شہرا یعنی جب مرجاتا ہے مومن پھرتی ہے روح اس کی گھر کے گرد ایک مہینے وینظر الی ما خلفہ من مالہ
کیف یقسم مالہ وکیف یؤدی دینہ یعنی دیکھتی ہے وہ روح کس طرح تقسیم ہوتا ہے مال اس کا کس طرح ادا کیا جاتا ہے قرض اس کا فاذا تم شہرا
ینظر الی جسدہ ویدور حول قبرہ سنۃ فینظر من یدعو لہ ومن یحزن علیہ جب مہینہ پورا ہوتا ہے دیکھتی ہے اپنے بدن کو اور پھرتی ہے گرد
قبر کے ایک برس تک دیکھتی ہے کون میرے لئے دعا کرتا ہے کس کو میرا غم ہے فاذا تمت سنۃ رفعت روحہ الی حیث یجتمع فیہ الارواح
الی یوم ینفخ فی الصور یعنی جب پورا برس ہو جاتا ہے اٹھائی جاتی ہے روح جس جگہ دوسری روحیں جمع ہوں وہ وہاں رہتی ہے قیامت
تک انتہی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ روحیں انبیاء اور مومنین کی کسی جگہ رہیں لیکن قبر سے سب کو ایسا علاقہ رہتا ہے گویا وہ اسی قبر کے پاس
موجود ہیں یہ اتفاق ہے اہل سنت والجماعت کا گفتگو مسلسل کہیں سے کہیں پہنچی کلام اس میں تھا کہ عدد چالیس کا اکثر مقامات میں آیا ہے

ہے کہ اگر کوئی عمل صالح کرتا تھا اور اب اس کو اندیشہ ریا کا ہو تو تاہم ترک نہ کرے کہ اگر کچھ ریا سے ہو جاوے گا تو وہ بھی خالی نفع سے نہ ہوگا
مؤلف نہیں سمجھا اور یہ تجویز اپنے دل سے کر لیا کہ مراد یہ ہے کہ عمل ریا سے بھی کر لیا کرے تو فائدہ سے خالی نہیں معاذ اللہ الریاء شرک وارد ہے
اس کی اجازت مؤلف ہی کا کام ہے مد ابو اللیث کا اور فرق ہے اس میں کہ خالصاً لوجہ اللہ شروع کرے اور ریاء کا اندیشہ وخطرہ ڈال کر شیطان
ترک کرانا چاہے تو اس کو کیے جائے نہ چھوڑے اور اس میں کہ ریا ہی سے شروع کرے سو فقیہ نے قسم اول کو کہا ہے کہ خدشہ ریاء کے خطرہ سے
ترک نہ کرنا چاہیے اور پھر نظیر دی کہ آخر مراد لوگوں کے کام میں بھی خلق کو نفع ہوتا ہے گو کسی کو فہم مراد سے کام ہوتا ہی نہیں اپنے فہم پر بناء باندھ کر

ریا شرک ہے سے مثال۔

اور اُس عدد میں یہ دلالت کل مقامات میں پائی گئی کہ پچھلا حال بدل جاتا ہے چنانچہ خمیر آدم اور خمیر نطفہ انسانی اور چلہ
صوفیہ وغیرہ امثلۂ مذکورہ سے یہ بات ظاہر ہے پس لابد ہے کہ چالیس روز میں میت کی بھی ترکیب جسمی اور تعلق روحی میں جو دنیا کے ساتھ
ہے کچھ فرق و تغیر ہوا ہوگا جیسا ارواح انبیاء میں صریح وارد ہوا ہے پس اس تغیر کے وقت بھی امداد شائستہ کا دستور ٹھیر گیا فاتحہ چہلم کو
مقرر کیا گیا پھر وہی قاعدہ تضعیف کا جو سالیانہ سے ششماہی اور ششماہی سے سہ ماہی میں جاری کیا گیا تھا چہلم میں کیا گیا یعنی چہلم کا نصف بیسواں
اور بیسویں کا نصف دسواں غرضکہ اسی دستور پر قاعدہ فاتحات کا ٹھیر گیا، اور حاشیہ خزانۃ الروایات اور بعض رسائل میں اس عاجز کی
نظر سے یہ روایت مجمع الروایات سے گذری ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر حمزہ کے لئے تیسرے دن اور دسویں چالیسویں
روز اور چھٹے مہینے اور برسویں دن صدقہ دیا اگر یہ حدیث کسی قدر قابل اعتماد ہے یہ رسمیں گویا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہو گئیں، یہ
مجموع الروایات پرانی کتاب سیکڑوں برس کی ہے خزانۃ الروایات میں بھی اس مجموع الروایات سے بعضے مسائل اخذ کئے ہیں پس یہ جو قدیم
الایام سے بزرگان دین میں تعیین فاتحات متفرق ایام میں ایک امر متوارث چلا آتا ہے بلاشبہ یا تو اس حدیث یا کسی اور حدیث سے انہوں نے
استخراج کیا ہوگا یا بنابر مصلحت یہ طریقہ خود مقرر کیا ہوگا بہرکیف اگر انہوں نے خود بھی مقرر کیا تو وہ بھی صحیح ہے حدیث شریف میں آگیا ہے
من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا، علامہ شامی شارح درمختار نے اس حدیث کے معنے لکھے ہیں یعنی جو کوئی دین میں نیا طریقہ
نیک نکالے گا اس کو اجر اور ثواب ملے گا واضح ہو کہ امر دین میں جو طریقہ نیک ایجاد ہوا اور مخالف قرآن و حدیث کے نہ ہو درست ہے
نماز کی نیت زبان سے کرنے کو جو ایجاد علماء ہے اور درمختار اور اس کے شارح شامی نے اس کو سنت العلماء قرار دی ہے اور جائز رکھی ہے
اس کی بحث سابق میں گذر چکی اور معلوم ہو گیا ہے کہ ہم کو لازم ہے کہ ہم سلف صالحین کے قواعد اور اعمال پر اعتراض نہ کریں بلکہ اس کا اتباع کریں
یہ حکم قیامت تک جاری ہے کہ ہر دور والا اپنے پہلے دور کی اطاعت کرے چنانچہ قطب ربانی امام شعرانی کتاب المیزان میں لکھتے ہیں فکما ان
الشارع بین لنا السنۃ ما اجمل فی القرآن فکذلک الائمۃ المجتہدون بینوا لنا ما اجمل فی احادیث الشریعۃ ولولا بیانہم لنا ذلک لبقیت الشریعۃ
علی اجمالہا وہکذا القول فی اہل کل دور بالنسبۃ للدور الذی قبلہم الی یوم القیامۃ فان الاجمال لم یزل ساریا فی کلام علماء الامۃ
الی یوم القیامۃ ولولا ذلک ما شرحت الکتب ولا عمل علی الشروح حواش انتہٰی اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی گفتگو بھی قریب قریب
اسی کے ہے کہ شروع پارہ سیقول میں فرماتے ہیں پیغمبر بر کمال شما گواہی دہد و شما بر کمال تابعین ہلم جرا الی یوم منا ہذا پس صدر اول اس
امت مرتبہ متوسط دارند درمیان نبوت و امت محض کہ من وجہ کار پیغمبری می کنند و من وجہ کار امتاں و ہکذا الی یوم القیمۃ فی کل طبقہ
منتقل ہے بالنسبۃ الی الطبقۃ المتاخرۃ انتہٰی اب ہم مولانا عبدالعزیز صاحبؒ کا ایک کلام جامع بظاہر مختصر اور فی الواقع اس میں یہ

خوش ہونے لگتا ہے اور تقریر مسلسل جان کر تبختر کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ اہل فہم کے نزدیک مضحکہ بنتا ہے بہرحال ایصال ثواب یکساں
اور جب تک چاہے جائز اور یہ تعینات بدعت ہیں چنانچہ سب کچھ لکھا گیا اور اس تقریر مسلسل لاجواب ضرور نہیں کہ خود مثل حی
لمہ سادہ بضاعۃ کا اس میں کوئی بات بیہودہ نہیں لکھی جو کچھ اشارہ جواز رسم چہلم وغیرہ کا کچھ کیا ہے وہ صراحۃً رد ہو چکا زیادہ کچھ
حاجت نہیں مگر یہاں اس تقریر مسلسل میں اتنا غور کر لینا ضرور ہے کہ جو کچھ مؤلف نے اس عبارت طویل میں لکھا ہے یہ ہے کہ عدد اربعین

؎ چالیس،

تفصیلات مروجہ اہلِ اسلام داخل ہیں لکھتے ہیں اور یہ بزرگ اس فرقہ کے مسلم الثبوت علماء میں ہیں، تفسیر پارہ عم والقمر اذا اتسق کی تفسیر میں
لکھتے ہیں بطور خلاصہ ان کے الفاظ بعینہ نقل کرتا ہوں، اول حالتی کہ بمجرد جدا شدن روح از بدن خواہد شد فی الجملہ اثر حیات سابقہ و الفت
تعلق بدن و دیگر معروفان از ابنای جنس خود باقی است و آں وقت گویا برزخ است کہ چیزے ازاں طرف و چیزے ازیں طرف مدد زندگان
بمردگان دریں حالت زود تر می رسد و مردگان منتظر لحوق مدد ازیں طرف می باشند صدقات و ادعیہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار وی آید
وازیں است کہ طوائف بنی آدم تا یکسال و علی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند انتہی، جس کا دل چاہے
تفسیر عزیزی فارسی نکال کر دیکھے یہ مضمون مع بعض مضامین زائد اس میں پاوے گا اب ارباب انصاف جنبہ داری کو برطرف کر کے خیال فرماویں
کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے ان ایام مروجہ کی امداد و طعام وغیرہ کے لئے کیا علت صحیح شرعی پیدا کی کہ مردہ کا دل ان ایام میں کچھ ادھر ہوتا ہے
کچھ ادھر اور زندوں کی مدد ان ایام میں جلد پہنچتی ہے پھر اس علت صحیحہ پر مرتب کیا یہ حکم کہ اسی سبب سے یہ بات ہے کہ آدمی اپنی اموات کی ایک برس
تک اور خاص کر ایک چلہ تک مدد کرتے ہیں دیکھئے برس دن تک کی امداد میں یہ رسمیں سب مروجہ اہل اسلام یعنی سیوم و دہم و بستم و چہلم و ششماہی
سالینہ سب داخل ہیں پھر شاہ صاحب نے اس رواجِ اسلامی کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی تصدیق فرمائی یعنی اپنے مدعا پر اس امر مروجہ کو دلیل لائے پس
بطور مولانا شاہ صاحب کے اس امر معین متعارف رواجی کو اور منع کرنا اس کو کسی وجہ سے دلیل صریح اس پر ہے کہ فعل جو عام طور پر طوائف بنی آدم
میں رائج ہے حق اور صحیح ہے لمعہ سادسہ نصائح اور باب اموات نصیحت، جب کسی کا کوئی عزیز قریب مرجاوے تو چاہیئے کہ صبر کرے
اس کی موت پر تاکہ مستحق اجر و ثواب ہو طبرانی اور ابن مندہ نے ایک حدیث طویل بیان کی ہے جس میں یہ بھی بیان ہے کہ ملک الموت نے آں
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں آدمی کی روح قبض کرتا ہوں جب اس کے لواحق رونے لگتے ہیں میں دروازہ پر کھڑا ہو جاتا ہوں
اس روح کو لیے ہوئے اور کہتا ہوں کہ اے رونے والو قسم اللہ تعالیٰ کی ہم نے اس آدمی پر ظلم نہیں کیا ہے وقت سے پہلے جلدی نہیں کی
اور روح قبض کرنے میں کچھ ہماری خطا نہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہو ثواب پاؤ گے برا مانو گے تو گنہگار ہو جاؤ گے اور ہم کو تمہاری
طرف پھر آنا ہے ہشیار رہو الی آخرہ۔ نصیحت آدمی کو چاہیئے کہ اپنی موت کو ہمیشہ یاد رکھے ایک حدیث میں آیا ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم شہیدوں کے درجہ میں کوئی اور بھی ہو گا فرمایا ہاں جو کوئی موت کو بیس مرتبہ ہر روز یاد کیا کرے گا نصیحت آدمی کو
چاہیئے کہ موت کے لئے تیار رہے اور اپنا وصیت نامہ لکھ کر ساتھ رکھے جس کسی کا قرض ذمہ پر ہو اور جو کچھ نماز روزہ حج زکوٰۃ اس کے ذمہ ہو یا
قسم توڑنے کا کفارہ ذمہ پر ہو وہ سب اس کاغذ میں لکھ دے اس لئے کہ کیا خبر ہے موت اس کی کس وقت آ جاوے اور مرتے وقت زبان سے وصیت
کی یا نہ نکلا اس کاغذ کو دیکھ کر وارثان میت تعمیل کر دیں گے نصیحت جب کوئی آدمی مر جاوے اور کوئی شخص اس کا عزیز قریب اپنے مال
سے میت اس کیلئے فاتحہ کرے اس میں کسی فقیہ محدث کو کلام نہیں اور خاص میت کا طعام اگر اس مال میں صرف کرنے لگیں تو اس میں یہ شرط

تبدل حال میں ایک مناسبت ہے پس اس میں یہ دیکھنا ضرور ہے کہ ایصال ثواب بعد تبدل حال کے یا وقت تبدل حال کو مناسب
ہے اس زمانہ تعلق میت میں پس ہر عاقل کہے گا کہ جس وقت میت کو علاقہ اس طرف ہے اس وقت امداد صدقہ سے چاہیئے اور جب بالکل
بے تعلق ہو گئی ہے تو چہلاں مفید نہ ہووے گا گو فائدہ سے خالی نہیں علی ہذا سال کے تعلق کا جواب ہے اور تخصیصات سال اور چہل یوم
محض بے کار ہیں ان کی کوئی دلیل عقلی بھی مؤلف کو نہ ملی اور جو کچھ مجموعہ روایت چہلم حضرت حمزہؓ میں نقل کی ہے وہ باطل لا اصل لہ ہے

ہے کہ اس کے وارثوں میں کوئی نابالغ لڑکی یا لڑکا نہ ہو اس لئے کہ ترکہ بعد مرنے مورث کے ملک وارثوں کا ہو جاتا ہے پس اگر وارث بالغ ہوں تو وہ مال ان کا ہو گیا اگر کوئی وارث ان میں غائب نہیں سب موجود ہیں یا کوئی غائب تھا اور اس نے اجازت دیدی تو اس صورت میں ان کو اختیار ہے جس قدر چاہیں میت کے لئے صرف کر دیں اور اگر سب نابالغ ہیں تو ترکۂ میت سب ان کی ملک ہو گیا اس کا صرف کر دینا میت کے ایصال ثواب میں جائز نہیں نہ کھانا نہ کپڑا نہ روپیہ نہ پیسہ فقط تجہیز و تکفین میں جا سکے وہی درست ہے اور بس اور اگر بعضے وارث نابالغ ہیں تب بھی نابالغوں کا حصہ کل اشیاء ترکہ میں مشترک ہے اس کا صرف کرنا بھی ایصال ثواب کے لئے جائز نہیں فتاویٰ عالمگیریہ کی جلد خامس میں ہے وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اذا کانت الورثۃ بالغین فان کان فی الورثۃ صغیر لم یتخذ وا ذٰلک من الترکۃ۔ کذا فی التاتارخانیہ لہٰذا یہ حکم کچھ طعام فاتحہ کیواسطے ہی خاص نہیں بلکہ اس قسم کے ترکہ کی چیز لباس یا طعام یا نقدہ مسجد میں دیجاوے نہ کسی مدرسہ میں نہ کسی فقیر کو نہ عالم کو ہاں البتہ اگر موافق قاعدہ شریعت کے تقسیم واقع ہو جاوے اور صغیر وارث کو اس کا حصہ دیکر ورثہ بالغین اپنے حصے خرچ کر دیویں یا عورت اپنے مہر کے دعویٰ میں وارث ہو کر اپنے حصہ مملوکہ سے صرف کر دیوے یہ جائز ہے خواہ مدارس و مساجد میں دیں خواہ فاتحہ کریں اور مساکین کو کھلا دیں یہ مسئلہ بہت ضروری اہتمام سے یاد رکھنے کا ہے **نصیحت** جب کوئی وارث اپنے مورث کی طرف سے کھانا کھلاوے نمود اور بڑائی ظاہر کرنے کے لئے نہ کرے حدیث شریف میں آیا ہے من سمع سمع اللہ بہٖ یعنی جو کوئی سنواوے لوگوں کو اپنی تعریف سخاوت اور داد و دہش کی یعنی اپنی شہرت اور فخر چاہے اللہ تعالیٰ اس آدمی کو ذلیل کرے گا سب کے سامنے پس اس صورت میں مردہ کو ثواب پہنچایا تو کیا ممکن وہ شخص خود بحکم الٰہی میں گرفتار ہو گا وہی مثل ہو جاوے گی محنت برباد گناہ لازم اور کھانے والوں کو بھی بچنا چاہیے۔ اگر یہ معلوم کریں کہ یہ کسی کے مقابلہ میں کھانا فخر کرتا ہے فلاں شخص نے کیا کھانا کیا ہم اس سے بڑھ کر کرتا ہوں تو ایسی دعوت نہ قبول کریں خواہ وہ کھانا غمی اور ماتم کا ہووے یا شادی اور خوشی کا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دو آدمی ایسے ہوں کہ ایک کی ضد میں دوسرا بڑائی حاصل کرنے کو کھانا زیادہ کرے اگر وہ دعوت کریں تو قبول نہ کیجائے ان کی دعوت اور نہ کھایا جاوے ان کا کھانا کذا فی المشکوٰۃ **نصیحت** یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ قرض دار آدمی کو صدقات کا کرنا خواہ اپنے لئے کرے خواہ میت کے لئے شرع میں مستحسن نہیں صاحب مجمع البحار لفظ ظہر کی تحقیق میں لکھتے ہیں خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر غنی پھر دو سطر کے بعد لکھتے ہیں ولا صدقۃ کاملۃ عن ظہر غنی وھو من علیہ دین فالشیئ المتصدق بہ غیر مقبول لان قضاء الدین واجب پس معلوم ہوا کہ یہ طریقا اچھا نہیں علی الخصوص جب کہ قرض سود دیکر بہم پہنچاوے یہ نہایت قبیح و شنیع ہے ایسا آدمی محض الحمد اور سورتیں پڑھ کر بخشدیا کرے **نصیحت** اگر وارثان میت بشروط مذکورہ کھانا کھلاویں تو مناسب یہ ہے

اور سلف کا اتباع اور عدم اعتراض جب ہی واجب ہے کہ حسب قواعد شرعیہ کے ہو اگر کسی سلف نے ایجاد بدعت کا کیا ہو وہ ہر روز قابل رد کے ہے چنانچہ صلوٰۃ رغائب کا رد کرنا اور دیگر امور بدعیہ کا خود کتب میں درج ہے کہ علماء خلف نے زمانہ سلف کے ایجادات کو رد کیا ہے علماء سلف تو بری ہیں ایسی حرکات سے عوام اس زمانہ کے ایجاد کر کے باعث فتنہ ہوئے ہیں سو علماء خلف کو ہر روز اس کو رد کرنا لازم رہا اور اب بھی یہی واجب ہے اور شاہ عبد العزیز صاحب کے کلام سے بھی سال بھر تک ایصال معلوم ہوتا ہے اس کا کوئی منکر نہیں تعیینا ایام میں کلام ہے سو وہ بدعت ہے اور بس للہ تعالیٰ کہ باذنہ تعالیٰ انوار برہان ثالث نے کشف تدلیسات نور ثالث کا کر کے اخماد اس کا کر دیا اور انظلام دشمن

ئے قریب ئے بجھا دینا ٹھنڈا کر دینا ئے تاریکی۔

کہ قریب رشتہ داروں اور ہمسایوں اور اہل محلہ کو مقدم رکھیں فقہاء باب الزکوٰۃ میں لکھتے ہیں لاتقبل الصدقۃ والرجل وقرابتہ محاویج حتی یبدأ بھم فیسد حاجتہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثل مشہور اول خویش بعدہ درویش اسی حدیث کا ترجمہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قصبات کے شرفاء میں جو رواج ہے کہ برادری کے آدمی بھی کھانا میت کا فاتحہ چہلم و ستم وغیرہ میں کھاتے ہیں وہ بھی شاید اسی روایت پر مبنی ہوگا کہ رشتہ دار اور ہمسایہ اور اہل محلہ مقدم ہیں دوسرے آدمیوں پر اور ظاہر ہے کہ قصبات کے شرفاء میں فراغت اور وسعت کم ہے اکثر لوگ غریب ہیں وہ آدمی کہ زکوٰۃ ان پر واجب ہو یا یہ کہ اپنے مکان اور نفقہ اہل وعیال سے فارغ ہو کر بھی ان کے پاس کچھ مالیت زائد فاضل رہے ایسے آدمی کم ہیں بہت ایسے ہیں کہ ان کے گھر کھانے کا بھی ٹوٹا ہے پس شریعت میں ایسے آدمی داخل فقراء ہیں بناءً علیہ بزرگوں نے ان کو کھلانا بہ نسبت اور ساکنوں کوچہ گرد کے مقدم سمجھا کہ حق ہمسائگی اور محلہ داری اور قرابت بھی ادا ہو جائے اور ہر چیز اپنے موقعہ پر بھی صرف ہو جائے پس اگر یہی نیت اب بھی ہے تو کچھ مضائقہ نہیں اور اگر اہل محلہ اور رشتہ داروں کو اس نیت سے کھلادیں کہ آج میں اس کو کھلادوں تو کل یہ مجھ کو کھلادے گا اس صورت میں ثواب ندارد ہوگا اس لئے کہ ارادہ معاوضہ لینے کا ہے پھر ثواب کہاں فکیف من اراد دنیا یرادہ فی ھذا الباب واللہ ھو الھادی للصدق والصواب نور چہارم میں آٹھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ اثبات محفل مولود النبی صلے اللہ علیہ وسلم ....

مندرجہ اس کا ہے پر واضح ہوگیا قولہ نور چہارم میں آٹھ لمعے ہیں لمعہ اولیٰ اثبات محفل مولود الخ اقول یہ نور اصل مقصود تالیف اس رسالہ کا ہے اور مراد خاص اور مطلوب اصلی مؤلف کا یہی نور ہے پہلے دو نور اس کی ہی تمہید اور اس کی ہی تحقیق کے واسطے تھے اور نور ثالث میں بھی اس کا ہی اثبات مدنظر اصلی تھا پس مایہ علم و عمل و سرمایہ تمام عمر و سعی غایت قصویٰ مؤلف کا یہی ہے چنانچہ مؤلف نے اپنے نزدیک کوئی تحقیق نہیں کہ اس میں نہ لکھی اور کوئی اعتراض نہیں جو اس میں اس کا جواب نہ لکھا ہو اور فتویٰ چو ورقہ جو تھا اس کو تو مؤلف نے سب اس رسالہ میں نقل کر دیا ہے مگر دوسرا فتویٰ جس کو مؤلف نے چوبیس صفحہ نام رکھا ہے اس میں درج نہیں کیا مگر اس کی عبارات پر جواب واعتراض ہیں لہذا مناسب یہ جانا کہ اول ان فتاویٰ کو بھی نقل کر دیا جائے تاکہ ناظر اس کو دیکھ کر اعتراض وجواب مؤلف کا خوب سمجھ لیوے اور پھر اس کی رد کی کیفیت سے مطلع ہو

بسم اللہ الرحمن الرحیم **سوال** مجلس میلاد شریف بکدام طریق جائز است و بکدام صورت ناجائز بلا روی و ریا بیان باید کرد **جواب** ذکر ولادت شریف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بروایت صحیحہ در اوقاتیکہ از وظائف واجبہ خالی باشد بکیفیاتیکہ خلاف طریقہ صحابہ واہل قرون ثلثہ نباشد وبعقائدیکہ توہم شرک وبدعت را دراں گنجائش نباشد و بآدابیکہ مخالف سیرۃ صحابہ کہ از مصداق ما انا علیہ واصحابی بیروں نرود و بمجلسیکہ خالی باشد از منکرات شرعیہ باعث خیر موجب برکت است بشرطیکہ بصدق نیت اخلاص باشد و در عقیدہ ہمہ اذکار حسنہ مندوبہ غیر مقید بوقت من الاوقات باشد پس کسے را از اہل اسلام نمی دانم کہ ایں چنیں ذکر را غیر مشروع یا بدعت پندارد واللہ اعلم آرے بعض اوقات التزام بعض امر مستحب چناں کردہ می شود کہ عملاً بصورت واجب می نماید و با آنہمہ اگر اعتقاد فاعلش بوجوب آں نیست در حق او بدعت نخواہد شد لیکن ہرگاہ کہ ایں چنیں امر بوجہ اصرار و تکرار بار بار باعث لزوم در اعتقاد عوام می گردد پس الکنوں ترک آں مستحب است چہ جائیکہ اکثر عوام و بعض علماء علوم الدنیا کہ از حقیقت سنت و بدعت خطے وافر ندارند آں مستحب را مثل واجب در عمل آرند بلکہ تارکش نزد اعتقاد خود بدتر ازاں شمارند کہ تارک جماعت صلوٰۃ باشد و پس و پیش ملوم و مذموم شرعی دانند دریں وقت لازم است کہ ایں مستحب را ترک کنند بجائے آں دیگر وظیفہ مستحبہ و عملی از اعمال شرعیہ مندوبہ مثل صلوٰۃ و سلام بر نبی علیہ السلام و تسبیح و تقدیس

وتہلیل وغیرہ از نوافل صلوٰۃ وصوم واذکار وخلوت مشغول شدند چنانچہ در حدیث صحیحین وغیرہ از عبداللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ از اجلۂ صحابہ وملازم صحبت وخدمت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم در حضر وسفر وپیشوائے فقرائے صحابہ کبار اند ودر مذہب حنفیا استدلال بقول وفعل اوشاں اکثر ست مرویست لایجعل احدکم الشیطان شیئاً من صلوٰتہ یری ان حقا علیہ ان لاینصرف الاعن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ متفق علیہ اوردہ فی المشکوٰۃ فی باب الدعاء فی التشہد قال صاحب المجمع فی صفحہ ۲۲۳ واستنبط منہ ان المندوب ینقلب مکروھاً اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ قال الطیبی شارح المشکوٰۃ فی شرح الحدیث المذکور فیہ ان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزماً ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ او منکر انتہی یعنی فعل مستحب را واجب دانستن بدعت سیئہ است واگر از بجا آوردن مستحب عقیدۂ عوام وجوب متصور گردد ترک آں مستحب است وباینہمہ در صورتیکہ کدام تقید غیر مشروعہ یعنی قیدیکہ از طرف شارع مقید بآں نباشد زائد کردہ نشود واگر زائد کردہ شود یعنی مطلق را مقید کردہ آید یا مقید را مطلق کنند یا چیزیکہ بالای ہمدیگر در شرع ثابت نہ گشتہ افزون نمایند گو زیادہ فی نفسہ مستحب باشد یا مباح ایں ہم از بدعات است چنانچہ در مشکوٰۃ فی باب العطاس اوردہ عن نافع ان رجلا عطس الی جنب ابن عمر فقال الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ قال ابن عمر وانا اقول الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للہ علی کل حال رواہ الترمذی پس کلمۂ السلام علی رسول اللہ منجملہ مستحبات مقصودۂ اعمال فاضلہ ہست لیکن چونکہ با وظیفۂ عطس زائد کرد عبداللہ بن عمر برآں انکار کرد پس انعقاد مجلس میلاد بایں ہیئت کذائیہ متعارفہ یعنی حاضر آوردن شیرینی وارتکاب تکلفات از فرش وبساط چراغ وقنادیل وغیرہ آلات روشنی زائد علی الحاجت واجتماع صغار وکبار بلکہ زنان امارد وخواندن اشعار بسرود وتغنی در واہیات بے اصل موضوعہ ومبالغہ در تحریر وقت خواندن صلوٰۃ وتسلیم وتداعی ہر کس وناکس بلیا سہائے غیر مشروعہ وریشہائے محلوقہ وباینہمہ منکرات آں را مجلس رسول نام نہادن بلکہ محفل نزول روح پر فتوح حضرت علیہ السلام پنداشتن مشابہت حرکات ناشائستۂ بعضے فسقہ کہ تمثال روضہ وقبہ حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما ساختن وآنرا مہبط ارواح امامین مرحومین تصور کردن وزیارت تعزیہ را زیارت حضرت حسنینؓ قرار دادن ومثل مرثیہ خواناں جوابی وسلامی مقرر نمودن مستبعد از طریقہ سنت سنیہ است وبکید شیطان مختر بودن اما ذکر خالص احوال برکت اشتمال آں حضرت علیہ السلام بطریق مشروع ودرود فرستادن بروح پاک آں حضرت ودریافتن صفات وکمالات آں سرور کائنات موجب کثرت برکت وفراوانی رحمت مثمر خیرات دارین وفتح رفعت درجات نشاتین است رزقنا اللہ تعالیٰ وجمیع المومنین ببرکت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ اجمعین آمین۔ وقیام عند ذکر الولادت ثبوت آں بزمانہ صحابہؓ وتابعینؒ وتبع تابعینؒ وائمہ مجتہدینؒ اصلا نشدہ ودر زمان حیٰوۃ آں سرور علیہ السلام صحابہ برائے آں حضرت قیام نمی کردند بوجہ آں کہ حضرت را خوش نمی آمد چنانچہ ترمذی مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۱۲ وارد است عن انس قال لم یکن شخص احب الیہم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراہیتہ لذلک وقال ھذا حدیث حسن غریب وجود آں حضرت وجود قیام وقت ولادت شریف در قرون ثلٰثہ ثابت نیست پس قیام کردن وقت ذکر ولادت شریف امر محدث است بے اصل لہ در سیرت شامی آوردہ جرت عادۃ کثیر من المحبین اذا سمعوا ذکر وضعہ علیہ السلام ان یقوموا لہ تعظیما وھذا القیام بدعۃ لا اصل لہا انتہی ونیز باید دانست کہ آں کہ قیام می نمایند برائے تعظیم سید المرسلین نمی کنند بلکہ یکے از لوازمات وشعار مجلس معہودہ محدثہ

ے یعنی انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی شخص صحابہؓ کے نزدیک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہ تھا مگر تاہم وہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھتے تھے تعظیم کے واسطے کھڑے نہیں ہوتے تھے اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس طریقہ کو پسند نہیں فرماتے تھے ۱۲

است چہ اگر برائے تعظیم آں حضرت می کردند موقوف بذکر ولادت نبودے بلکہ ہرگاہ کہ ذکر تشریف آوردن حضرت در مسجد و یا در کدام مجلس و یا کہ وقت قدم شریف از سفر غزوہ و حج وغیرہ آمدے قیام می کردند چہ آں ہنگام بوجہ افضل تر از زمان ولادت بود علاوہ ازیں قیام وقت ذکر ولادت ہم مطلقاً معمول بہ نیست بلکہ مقید است بآنکہ مجلسے باشد کہ آں را مجلس مولود نامند و لوازمات و ہیئت مجلس دراں مرعی و ملحوظ باشند آں وقت قیام ضروری است و الا لا مثلاً واعظے بر منبر نشستہ در مجلس وعظ ذکر ولادت شریف بیان کند کسی را از سامعین خیال قیام ہم بخاطر نخواہد گذشت چہ جائے قیام پس ہویدا است کہ قیام برا عظام خیر الانام نیست بلکہ از شعار و لوازم مجلس است فقط و اہتمام مجلس زائد تر از اہتمام نماز جماعت بلکہ نماز جماعت را و بعض ایشاں صلوٰۃ را ہم گذارند لکن حضور مجلس مذکور را واجب تر از نماز دانند و ہمہ از خواہشہائے نفسانیہ سرزدہ می شوند الا ما شاء اللہ تعالیٰ و حضور جہیان و بیدینان و فساق تارک صوم و صلوٰۃ و تماشاگاہ از کثرت قنادیل وغیرہ آلات روشنی و فروش نفیسہ و گلدستہ ہائے عجیبہ ساختن و تلاش خوانندہ خوش آواز و امرد حسین باشد و غزلہا و اشعار سرود و نغمہ خواندن ایں چنیں مجالس ..... در زمان صحابہؓ و تابعینؒ و ائمہ مجتہدینؒ گاہے یافتہ نہ شدہ حاشا و کلا بلکہ بر چنیں مجالس صادق می آید الذین اتخذوا دینہم لعبا و لہوا و غرتہم الحیوۃ الدنیا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیأت اعمالنا اللہم اجعلنا من التوابین و من المتطہرین الذین لا خوف علیہم و لا ہم یحزنون بحرمۃ النبی المجید الا لا مجد بیدک الخیر و کنت علیٰ کل شیئ قدیر اللہم ارنا الحق حقاً و الباطل باطلاً آمین حررہ احمد علی سہارنپوری''

نقل فتویٰ جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی و تشریح عبارت شرح منیہ موید مانعین و تحقیق بحث مابہ النزاع

استفتاء کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے درباب عدم جواز قیام مجلس میلاد شریف کے کیا گیا اس کی نقل بعینہ مع سوال کے کیجاتی ہے سوال مجلس مولود میں وقت ذکر پیدائش حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعظیماً کھڑے ہونے کا رواج اس وقت میں جو ہو رہا ہے اس کھڑے ہونے کو واجب سمجھنا درست ہے یا نہیں اگر واجب نہیں ہے تو واجب کا فتویٰ دینے والا گنہگار ہے یا نہیں اگر ہے تو کس درجہ کا ہے؟

الجواب وقت ذکر میلاد کے کھڑا ہونا قرون ثلثہ میں کہیں ثابت نہیں ہوتا جناب فخر عالم علیہ السلام کی سیر اور حالات ان قرون میں بطریق وعظ و تدریس مذاکرہ و تحدیث ہزار ہا بار ہوتا تھا مگر کسی روایت میں ثابت نہیں کہ بوقت ذکر ولادت کے کوئی کبھی کھڑا ہوا ہو، یا کہیں فخر عالم علیہ السلام نے اس کا استحباب یا ادب کچھ کسی طرح ارشاد فرمایا ہو یہ بات کہ خود جناب فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیواسطے کوئی کھڑا ہوا خارج بحث ہے اور اس کا قیاس اس پر محض جہالت ہے کلام اس میں ہے کہ آپ کی ذکر ولادت پر جیسا معمول ان زمانہ ہے کہیں ثابت ہووے سو یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا پس اولاً تو یہی حجت اس کی بدعت غیر اصل ہونے کو کافی ہے اور جب اس پر اس قدر ہے کہ عوام جہال اس کو واجب جاننے لگیں اور تارک پر ملامت کریں تو خواہ مخواہ منکر اور بدعت سیئہ ہو جاوے یہ ایک امر محدث ہے اگر کسی امر ثابت جائز کو بھی عوام واجب سمجھنے لگیں وہ بھی ناجائز منکر ہو جاتا ہے عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلوتہ یریٰ ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً ینصرف عن یسارہ متفق علیہ قال علی القاری فی شرح المشکوۃ فی شرح ہذا الحدیث من اصر علی امر مندوب و جعلہ عزماً و لم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ و منکر انتہی۔ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے و ما یفعل عقیب الصلوٰۃ مکروہ لان الجہال یعتقدونہا سنۃ او واجبۃ و کل مباح یودی الیہ فمکروہ انتہی پس اولاً تو یہی ثابت ہو گیا کہ اس قیام کا ثبوت ہی کہیں احادیث

یا آثار صحابہؓ سے قولاً و تقریراً و فعلاً ہرگز نہیں ہو سکتا تو یہ امر محدث ہے ثانیاً اگر فرضاً کچھ ہو بھی جاوے تو واجب سنت مستحب تو کسی طرح نہیں ہو سکتا کیوں کہ واجب وہ عمل ہے کہ نص قطعی الثبوت ظنی الدلالت سے ثابت ہو، یا ظنی الثبوت قطعی الدلالت سے ثابت ہووے اور یہاں قیام کے باب میں کوئی نص ہی نہیں نہ قوی نہ ضعیف اور سنت اس عمل کو کہتے ہیں کہ مواظبہ علیہ السلام کی یا خلفاء راشدین کی اس پر ثابت ہووے اور قیام کے باب میں جب کچھ ثبوت ہی نہیں اور فعل اس کا ایک بار بھی نہیں تو سنت تو کیا مندوب و مستحب بھی نہیں ہو سکتا نہایت الامر اگر کوئی عرق ریزی کرے تو جواز و اباحت تک نوبت آئے گی مگر مباح کو سنت و واجب جاننے سے پھر منکر و بدعت ہو جاوے گا جیسا کہ قول ابن مسعودؓ اور ملا علی قاریؒ اور روایت عالمگیریہ سے واضح ہو گیا بہرحال اس قیام کو واجب رکھنا حرام ہے اور کہنے والا فاسق مرتکب کبیرہ کا ہے کیوں کہ جس عمل کو شارح منع فرمائے وہ اس کو واجب کہتا ہے تو محض مخالفت شریعت غرا کی ہوئی قال اللہ تعالیٰ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا الآیۃ الحاصل قیام وقت ذکر ولادت کی یا یہ وجہ ہے، کہ یہ لوگ کسی روایت موضوعہ کو سند جواز کرتے ہیں یا کسی قول یا فعل کسی بزرگ سے متمسک ہوئے ہیں سو معلوم ہو چکا کہ موضوعات اور اقوال افعال بزرگان سے ندب و جواز ثابت نہیں ہوتا جب تک کوئی دلیل شرعی نہ ہووے تو ایسی صورت میں ہرگز ندب وغیرہ کا ثبوت نہیں اور جو بزعم خود وہ ثابت جان رہے ہیں تو تاہم در صورت واجب و مؤکد جاننے کے بدعت ہو جاوے گا یا یہ وجہ ہے کہ روح پاک علیہ السلام کی عالم ارواح سے عالم شہادۃ میں تشریف لائے اس کی تعظیم کو قیام ہے تو یہ بھی محض حماقت ہے کیوں کہ اس وجہ میں قیام کرنا وقت وقوع ولادۃ شریفہ کے ہونا چاہیے اب ہر روز کونسی ولادت مکرر ہوتی ہے پس یہ ہر روز اعادہ ولادت کا تو مثل ہنود کے کہ سانگ کنھیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں یا مثل روافض کے کہ نقل شہادت اہل بیت ہر سال بناتے ہیں معاذ اللہ سانگ آپ کی ولادت کا ٹھیرا اور خود یہ حرکت قبیحہ قابل لوم و حرام و فسق ہے بلکہ یہ لوگ اس قوم سے بڑھ کر ہوئے وہ تو تاریخ معین پر کرتے ہیں ان کے یہاں کوئی قید ہی نہیں جب چاہے یہ خرافات فرضی بناتی ہیں اور اس امر کی شرع میں کہیں نظیر ہی نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھیرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جاوے بلکہ یہ شرع میں حرام ہے لہٰذا اس وجہ سے یہ قیام حرام ہوا اور موجب تشابہ کفار یا فساق کا ٹھیرا یا یہ وجہ ہے کہ ان مبتدعین کے زعم فاسد میں روح پر فتوح اس مجلس پر اشرار و معاصی اور غیر مشروعات و مجمع فساق و فجار و محضر بدعات و شرور میں تشریف لاتے ہیں معاذ اللہ تو اگر یہ عقیدہ ہے کہ آپ عالم غیب ہیں تو یہ عقیدہ خود شرک ہے قرآن میں ہے وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو الآیۃ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء الآیۃ پس بایں عقیدہ قیام کرنا خود شرک ہو گیا اور جو عالم الغیب نہیں کہتے مگر دوسری دلیل و حجت تشریف آوری کی ہے تو خوب سمجھ لو کہ باب عقائد میں نص قطعی واجب ہے احاد و ظنیات پر عقیدہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ضعاف موضوعات سے تو باب تشریف آوری میں کونسی روایت قطعی ہے جس پر یہ عقیدہ کیا جاوے تو بس یہ عقیدہ محض اتباع ہوا و کید شیطان ہے ایسی صورت میں یہ قیام بایں عزم گناہ کبیرہ ہووے گا الحاصل یہ قیام صورت اولیٰ میں بدعت و منکر اور صورت دوسری میں حرام و فسق اور تیسری صورت میں کفر و شرک چوتھی صورت میں اتباع ہوا و کبیرہ ہوتا ہے پس کسی وجہ سے مشروع و جائز نہیں پھر اس کو واجب کہنا صریح حق شارع کی کرکے کافر و فاسق ہونا ہے نجانا اللہ تعالیٰ منہ واللہ تعالیٰ اعلم اور ضمن تقریر سے اہل فہم کو یہ بھی واضح ہو گیا کہ خود یہ مجلس میلاد ہمارے زمانہ کی بدعت و منکر ہے اور شرعاً کوئی صورت جواز اس کی نہیں ہو سکتی واللہ الہادی الیٰ سبیل الرشاد۔ فقط کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ اب بعد نقل ہر دو فتوی کے ناظرین غور سے ملاحظہ فرماویں کہ مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے اصل عمل مولود کو مستحسن

فرمایا ہے کلام قیود میں ہے کہ ان قیود کی ضم سے مجموعہ مکروہ بدعت ہو جاتا ہے اور فتوی مولوی رشید احمد صاحبؒ میں بھی مجلس مولود مروجہ کو بدعت
و منکر لکھا ہے لہٰذا اس کا خیال ہے کہ جو روایت مؤلف استحسان مولود کی لکھے گا وہ ہرگز مانعین کا جواب اور مؤلف کے مقصود کو نافع نہ ہووے گی
اور جو ان قیود کے اثبات میں تحقیق نقل کرے گا وہ البتہ قابل التفات ہووے گی کیونکہ مؤلف کی عادت اول رسالہ سے یہاں تک خوب معلوم و محقق
ہو چکی ہے کہ وہ نہ سوال سائل کو غور کرتا ہے کہ کس چیز کا وہ سائل ہے اور نہ مجیب کے جواب میں غوض کرتا ہے کہ کیا حاصل جواب ہے اور نہ جواب
روایات و عبارات علماء کو فکر کرکے سمجھتا ہے کہ کیا مراد اس کی ہے اور نہ یہ تامل کرتا ہے کہ مجھکو کس شے کا اثبات مقصود ہے اس روایت و
عبارت سے اس کو مناسبت ہے یا نہیں کیا اثبات کرنا چاہیئے تھا اور کیا اثبات کرتا ہوں اور یہ نہایت کم فہمی کی بات ہے لہٰذا ناظرین غور فرماویں
کو قیود کا اثبات میں جو کچھ لکھے گا وہ تو قابل نظر و کلام کے ہووے گا کہ اس کو رد کیا جاوے گا ورنہ اصل ذکر مولود کو کوئی مانع نہیں اس کے جواب کی
راقم کو ضرورت نہیں مگر اس کی خطاء فہمی میں کلام کیا جاوے گی غرض یہ امر مد نظر ہے اور قبل شروع رد کلام مؤلف کے بندہ راقم ایک عبارت شرح منیہ
کی جس کی نقل پہلے بھی بحث سیوم میں ہو چکی نقل کرتا ہوں کہ اس کو نہایت مناسبت اس محفل مولود سے ہے اور اس سے کراہت اس مجلس کی
واضح ہو جاتی ہے لکھے دیتا ہے وہ بھی موید ان فتاوی مندرجہ بالا کے ہے صلوٰۃ الرغائب ایک نماز نفل ہے کہ بعد چار سو برس کے حادث
ہوئی۔ اور ایسا ہی صلوٰۃ شب برات ان کی کراہت میں شارح منیہ بعد بیان کرنے نوافل مستحبہ کے لکھتا ہے و بعد ذلك فالصلوٰۃ خیر
موضوع ما لم یلزم منها ارتکاب کراهة اعلم ان النفل بالجماعة علی سبیل التداعی مکروه علی ما تقدم ما خلا التراویح وصلوٰۃ
الکسوف وصلوٰۃ الاستسقاء فعلم ان کلا من صلوٰۃ الرغائب لیلة اول جمعة من رجب وصلوٰۃ البراءۃ لیلة النصف من شعبان وصلوٰۃ لیلة
القدر لیلة السابع والعشرین من رمضان بالجماعة بدعة مکروهة وقال ابو الفرج بن الجوزی وابو بکر الطرطوسی صلوٰۃ الرغائب موضوعة
علی رسول الله صلی الله علیه وسلم وکذب علیه وقد ذکر العلماء اسباب کراهتها منها فعلها بالجماعة وهی نافلة ولم یرد به الشرع ومنها تخصیص
سورة الاخلاص والقدر ولم یرد به الشرع ومنها تخصیص لیلة الجمعة دون غیرها وقد ورد النهی عن تخصیص یوم الجمعة بصیام ولیلة
بقیام ومنها ان العامة یعتقدونها سنة من سنن النبی صلی الله علیه وسلم فیکون فعلها تسبیبا لکذبهم علیه علیه السلام قلت بل کثیر
من العوام ببلاد الروم یعتقدونها فرضا وکثیرا منهم یترکون الفرائض ولا یترکونها وهو المصیبة العظمی ومنها ان فعلها یغری واضعی الاحادیث
بالوضع والافتراء علی رسول الله صلی الله علیه وسلم ومنها ان الاشتغال بعدد السور مما یخل بالخشوع والتدبر وهو مخالف السنة ومنها ان فی الصلوٰۃ
الرغائب مخالفة السنة فی تعجیل الفطر ومنها ان سجدتیها مکروهتان فانه لم یشرع التقرب بسجدة منفردة بلا رکوع غیر سجدة تلاوة عند ابی حنیفة
وعند غیرهما غیرها وغیر سجدة الشکر ومنها ان الصحابة والتابعین ومن بعدهم من الائمة والمجتهدین لم ینقل عنهم هاتان الصلوتان
فلو کانتا مشروعتین لما فاتتا عن السلف وانما حدثتا بعد الاربعمائة ولیس لاحد ان یستدل علی شرعیتهما بما روی عنه علیه السلام انه قال الصلوٰۃ
خیر موضوع فان ذلك مختص بصلوٰۃ لا تخالف الشرع بوجه من الوجوه وقد صح النهی عن الصلوٰۃ فی الاوقات المکروهة انتهی پس غور کرنا چاہیئے کہ
جس طرح ذکر مولود مندوب و مستحسن ہے مگر صلوٰۃ نفل اس سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ عمدہ عبادات اور افضل القربات اور خیر موضوع ہو مگر باینہمہ بوجہ
تداعی و اہتمام کے کہ یہ اہتمام مشروع نہیں بدعت لکھتے ہیں یہاں ذکر مولود میں بھی گو مندوب ہے مگر تداعی و اہتمام اس کا کہیں سلف سے ثابت
نہیں۔ بدعت ہووے گا البتہ وعظ و درس میں تداعی ثابت ہو کیونکہ وہ فرض ہے جیسا فرائض صلوات میں تداعی ضروری ہو اور تعیین سورۃ کا اس
صلوٰۃ میں بدون درود کے بدعت لکھا ہے سو مولود میں بھی تعیین ہیئات مباح کا جو معلوم ہے بدعت ہووے گا گو فی حد ذاتہ وہ امور مباح

-- قال اللہ تعالیٰ ورفعنا لک ذکرک۔ یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو تحقیق بلند کیا ہم نے ذکر تیرا یعنی ہم نے تم کو نبی بنایا اور مشہور کیا زمین آسمان میں اور پھیلا دیا ذکر تمہارا دنیا کے انتہا۔ کناروں تک اور تمہارا ذکر دلوں میں محبوب مطلوب کر دیا امام رازی نے یہ سب مطالب لکھکر بعد اس کے یہ لکھا کان اللہ تعالیٰ یقول املاء العالم من اتباعک کلھم یثنون علیک ویصلون علیک یعنی یہ جو اللہ تعالیٰ نے ورفعنا لک ذکرک فرمایا اس کے یہ معنی ہیں گویا اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ ہم بھر دیں گے عالم کو تمہارے فرماں برداروں سے وہ سب

مستحب ہیں مگر تعیین اس امر مولود کیساتھ کہ تغیر اسکے بغیر مولود نہ ہو بدعت ہووے گا۔ جیسا کہ تعیین سورہ اخلاص کی اور تعیین وقت کی اس صلوٰۃ میں مکروہ ہے بسبب تعیین وقت کے شارع کی طرف سے پس شہر ربیع الاول کی کوئی تاریخ مقرر کرنا التزاماً یہاں بھی مکروہ ہوویگا اور علیٰ ہذا کوئی امر مکروہ جیسا روشنی زائد از قدر حاجت مثلاً اور سب ممنوع امر کا منضوم ہونا اس مجلس میں ممنوع ہووے گا اور جیسا عوام کو اس صلوٰۃ کو سنت اعتقاد کر لینا باعث کراہت کا ہوا ہے ایسا ہی اس مولود کی مجلس کو ضروری جاننا عوام کا موجب کراہت کا ہے اور جس طرح وضاع احادیث کی اغراض اس صلوٰۃ میں ہے اسی طرح وضاعین روایت مجلس مولود کے یہاں اغراض حاصل موجود ہے اور جیسا کہ رفع خشوع بسبب عدد سجود کے اس صلوٰۃ میں موجود ہے شب بیداری مجلس سے صلوٰۃ فجر میں کاہلی نوم کے بسبب رفع خشوع چندگونہ زائد موجود ہے اور جس طرح اس صلوٰۃ میں تعجیل صلوٰۃ فجر سے سنت وقت کی فوت ہوتی ہے اس مجلس سے اکثر حاضرین کی خود صلوٰۃ فجر ہی فوت ہو جاتی ہو اور اس صلوٰۃ میں جسطرح بسبب سجدہ خارج صلوٰۃ کے جو مکروہ ہے کراہت حاصل ہوئی اس مجلس مولود میں بسبب بسط غیر مشروع اور لباس ممنوع اور اسراف روشنی کے کراہت موجود ہے اور دیگر امور جو اس مجلس میں زائد ہیں اور فتوی مولانا احمد علی صاحب سے معلوم ہوتے ہیں زائد رہے اور جیسا کہ شارح منیہ نے سلف صالح میں اس صلوٰۃ کا نہ ہونا علت کراہت کی قرار دی ہے حالانکہ نفس صلوٰۃ نوافل بکثرت ان قرون میں موجود تھا ایسا ہی اس مجلس کی ہیئت کذائیہ کا ان قرون میں نہ پایا جانا اگرچہ نفس ذکر ولادت تھا۔ باعث بدعت وکراہت کا ہونا ظاہر ہو گیا پس اہل علم وفہم ذرا بغور ملاحظہ کریں کہ یہ مجلس مولود مروجہ اس صلوٰۃ کیساتھ بالکل مطابق ہے مع شی زائد فی وجوہ المنع پس کون عاقل متدین اس کو مستحسن کہدیوے گا ہاں نفس ذکر ولادت مستحب ہے اور اس میں کلام نہیں پس حاصل یہ ہوا کہ نفس ذکر مستحب اور قیود اس کی ممنوع اور مجموعہ مقید بھی ممنوع اب مؤلف کے اقوال کو دیکھنا چاہیئے کہ متنازع تو قیود اور مقید میں ہے اور مولف صاحب نفس ذکر کا اثبات کرتا ہے

آیت ورفعنا لک ذکرک مذاکرہ رسول اللہ میں الخ اقول قولہ قال اللہ تعالیٰ ورفعنا الخ اقول راست ہے کہ ذکر فخر عالم علیہ السلام کا ایسا مرتبہ بلند ہو کہ نہ کسی کا ہوا نہ ہو جس قدر توصیف آپکی کریں تھوڑی ہے مگر اس ذکر مبارک کا پاک مکان اور پاکیزہ ہیئت میں اور الواث بدعات ومنکرات سے اس کا صاف کرنا اور حضور فساق ومبتدعین سے اس کا منزہ رکھنا بھی رفعت شان ذکر کو لائق وواجب ہے پس اس آیت بیان رفعت شان صاحب المعراج سے یہ بداہتہً ظاہر ہے کہ اس میں کوئی منکر غیر مشروع کا نہ ہو کہ جس سے سبب قیود وجہ کا کہ خلاف امر حق تعالیٰ اور مخالف امر ورضا صاحب رفیع کے ہیں اس ذکر کیساتھ ہونا ممنوع ومحظور ہونا محقق ہو گیا پس یہ آیت اول دلیل مانعین ہیئت مجلس کی ہے کہ جسکو مؤلف نے سمجھا ہی نہیں لہذا جو لوگ کہ اس کریں ان بدعات امور اور منکرہ کو ضم کرتے ہیں جسمیں متنازع ہے تو وہ خلاف حکم اس آیت کے پستی اور ذلت اس ذکر کی کرنے والے ہوئے اور ضد حکم حق تعالیٰ کے عامل بنے اب غور طلب ہے کہ مؤلف کا مقصود اثبات قیود ذکر مولد ہے اور آیت ان کی حرمت ثابت کرتی ہو آیت سے خوبی نفس ذکر کی کہ خالی از شوائب نامرضیات ہو مفہوم ہوتی ہے اور مولف کسقدر

تمہاری تعریف کیا کرینگے اور درود پڑھا کریں گے انتہی مافی التفسیر الکبیر خیال کرنا چاہیے کہ یہ معنی بخوبی صادق آتے ہیں محفل میلاد پر بیشک محفل متبرک
منزل مضمون آیہ ورفعنا لک ذکرک میں داخل ہے اس لئے کہ اس محفل میں کثرت ہوتی ہے درود شریف کی اس قدر کہ نہیں ہوتی کسی اور مجالس وعظ
وتدریس میں اور بیان ہوتا ہے حضرت کے نور کا اور ظہور معجزات وکرامات کا بوقت ولادت اور رضاع اور قبل نبوت اور بعد نبوت ظاہر
ہوئی اور بیان ہوتا ہے حلیہ شریف کا یہ سب ثنا وصفت ہے حضرت صلعم کی پس مضمون یثنون علیک ویصلون علیک خوب صادق آیا اس پر
اور آواز بلند اور پاکیزہ سے ایک مقام بلند مثل منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھنے سے اور ایک ہی شان رفعت ورفعنا لک ذکرک کی ظاہر ہوتی ہے اور جو
کچھ روایات ومعجزات وفضائل حضرت سید الکائنات بیان کئے جاتے ہیں یہ وہ روایتیں ہیں کہ ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مجالس تابعین میں اور تابعین نے مجالس
تبع تابعین میں بیان فرمایا اسی طرح طبقہ بعد طبقہ ذکر ہوتا ہوا ہم تک پہنچا اگر یہ قصہ اور ذکر ممنوع ہوتا صحابہ اول طبقہ میں بیان اس سے بند
کر لیتے نہ ہم تک وہ فضائل پہنچتے نہ ہم مجالس اور محافل میں ان مدائح اور مناقب کو بمصداق آیہ کریمہ ورفعنا لک ذکرک آفاق میں منتشر اور مشتہر کرتے

غافل ہے کہ نام مرضیات کا اثبات اس سے کرتا ہے کاش مولف کو کچھ بھی فہم ہوتا قولہ خیال کرنا چاہیے الخ اقول مولف کو بالکل ہوش نہیں کہ
بہکے ہے اگر کثرت درود شریف اور ذکر خیر اس باب میں ہو تو تلوث بدعت ومکروہات اور حضور اعداء اللہ بھی تو یہاں موجود ہے ابھی معلوم ہوا
کہ عمدہ عبادت تلوث مکروہات سے مکروہ وبدعت ٹھہرائی گئی اور خود آیت سے پاکیزہ کرنا اس ذکر کا تلوث ونجاسات ظاہریہ وباطنیہ سے
محقق ہولیا اب فقط کثرت درود وذکر خیر سے کس طرح باوصف ان تدنسات معلومہ کے یہ مجلس داخل مفہوم آیت کے ہو سکتی ہے بلکہ قطعًا
ویقینًا اس آیت سے یہ محفل خارج ہے بوجہ ان قیود غیر مشروعہ کے اگرچہ اس میں خیرات ومبرات بھی ہوں ہاں اگر یہ سب قیود غیر مشروعہ رفع
ہو جاویں تو بیشک داخل آیت کے ہے اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا سو مولف کے حسن فہم پر آفریں ہے کہ ثبوت نفس ذکر کا کرتا ہے اور
کلام قیود وغیر مشروعہ میں ہو رہی ہے سبحان اللہ، علیٰ ہذا منبر چوکی پر بیٹھنے سے رفعت نہیں ہوتی بلکہ مینار پر چڑھ جانے سے بھی کچھ نہیں
ہوتا البتہ محفل ذکر کو لطیف خباثات ظاہریہ وباطنیہ سے کرنے سے رفعت ہو جاتی ہے رد مختار میں مولود مروجہ کو لکھتا ہے وا قبح
منہا لنذر بقراءۃ المولد فی المنائر مع اشتمالہ علی الغناء واللعب وایہاب ثواب ذلک الی حضرۃ المصطفے صلی اللہ علیہ وسلم دیکھو کہ
منارہ پر پڑھنا مولود کا مفید رفعت کو نہ ہوا بلکہ اقبح ہو گیا اس واسطے کہ مشتمل لعب وغنا پر تھا پس مولف کا مولود کیوں کہ رفعت میں
داخل ہے کہ مبتدعین وفجار کی وہاں توقیر ہوتی ہے اور قنادیل تبذیر سے وہ محفل مظلم ہوتی ہے اور دونوں امر کی مذمت نصوص میں موجود
ہے وہ کون عاقل ہے کہ مدح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پڑھے اور عصیان اور امر رسول اللہ سے اس مجلس کو مظلم بنادے اور پھر
اس کو داخل آیت مذکورہ کے تصور کرے اگر اس کو استہزاء کہا جائے تو بجا ہے اور ایسے فعل کے مجوز کو جاہل کہنا سزا ہے قولہ روایات ومعجزات
الخ اقول روایات احوال فخر عالم علیہ السلام صحابہ نے جو کچھ بطریق درس وتذکرہ کے تعلیم فرمائے اور اسی طرح آج تک چلے آتے ہیں
انھوں نے مجلس مولود گاہے کی اور نہ ان سے اس ہیئت کذائیہ کا ثبوت ہوا چنانچہ خود مولف آگے اقرار کرے گا کہ یہ مجلس چھ سو کے آخر
میں ہوئی پس کلام اس ہیئت میں ہے نہ ذکر احوال فخر عالم میں اور اس ہیئت کا ممنوع اور بدعت ہونا بھی ہم کو صحابہ سے ہی منقول ہو کر
معلوم ہوا ہے اب مولف کی عقل ناتمام کو دیکھنا ہے کہ جواز درس ذکر فخر عالم کو یہاں ثابت کرتا ہے اور مانعین کی مراد سے بالکل بیخبر
ہے وہ ان ہی امور کی ممانعت کرتے ہیں کہ جس کی ممانعت منصوص ہے قولہ خلاصہ یہ کہ ذکر ثابت الاصل ہے الیٰ قولہ غرض اس

خلاصہ یہ کہ یہ ذکر ثابت الاصل ہے عہد صحابہؓ میں تقاضا کرکے وصف حضرت کا سنتے تھے اور انہیں دل لگاتے تھے ترمذی نے شمائل
میں روایت کی ہے کہ حضرت امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سوال کیا ہند ابن ابی ہالہ سے وکان وصافا عن حلیۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
یعنی وہ بہت وصف کیا کرتا تھا حلیہ شریف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وانا اشتھی ان یصف لی شیئا اتعلق بہ اور میں چاہتا
تھا کہ وہ مجکو وصف سنائے کچھ صورت مبارک کا اور دل لگاؤں میں اس سے الیٰ آخرہ اب دیکھئے یہ حضرت امام حسنؓ نواسہ رسول اللہ علیہ
وسلم کے وقت وفات حضرت سات برس کے تھے اتنی عمر والا اپنے اقربا کی صورت نہیں بھولا کرتا حالانکہ یہ صاحبزادہؓ تو کمال ذہین
اور متین اور قوی الحفظ تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث حفظ کرکے روایت فرماتے تھے چنانچہ صحاح ستہ کے چند آئمہ
حدیث نے قنوت وتر کی حدیث ان سے روایت فرمائی ہے اور اسماء الرجال میں ان کو صحابہؓ میں شمار کیا ہے پس ظاہر ہے کہ ایسا صاحب
حفظ اپنے پیارے نانا جان کی صورت جو ہر دم گود میں رکھتے تھے کندھے پر چڑھا لیتے تھے نہیں بھولے تھے بلکہ مزہ لینے کیلئے کہ تذکرہ حضرت
کا موجب سرور قلب ہے اور خوب سنکر دلمیں اچھی طرح منضبط کریں اس لئے ہند ابن ابی ہالہ سے سوال کیا کہ سناؤ مجکو وصف شکل مبارک کا پس بیان کیا
ہند ابن ابی ہالہ نے وہ حدیث طویل جو شمائل میں مذکور ہے اور ہند ابن ابی ہالہ کی نسبت جو یہ لفظ آیا کان وصافا عن حلیۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
لفظ وصافا صیغہ مبالغہ کا ہے اور مبالغہ کثرت سے ہوتا ہے معلوم ہوا کہ وہ کثرت سے بیان فرماتے رہتے تھے حلیہ شریف کا اور اسی طرح
دارمی وغیرہ محدثین ابو عبیدہ سے کہ وہ تابعی ہیں مقبول ہیں المحدثین روایت کرتے ہیں کہ ابو عبیدہؓ نے پوچھا مساۃ ربیع صحابیہؓ سے کہ وصف سناؤ
مجکو رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ بولی لو رایتہ لقلت الشمس طالعۃ اور اسی طرح بیہقی نے روایت کی ہے کہ ابو اسحاق جو ایک تابعی جلیل القدر
ہے اس نے ایک عورت صحابیہؓ سے پوچھا کہ بیان کر مجھ سے کہ کیسے تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قالت کالقمر لیلۃ البدر لم ارقبلہ ولا
بعدہ مثلہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم غرض اس قسم کی بہت سی روایتیں موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ میں بہت تذکرہ آپ
کے اوصاف کا رہتا تھا عہد صحابہؓ میں اور اس زمانہ میں بس اسی قدر فرق ہے کہ اسوقت میں مختصر طور پر روایتیں بیان ہوتی تھیں اب تفصیل اور
تطویل سے ہوتی ہیں جس طرح علم حدیث کا حال ہے حضرت شاہ ولی اللہ انتباہ میں لکھتے ہیں کہ صدر اول میں حدیث لکھنے کا دستور نہ تھا یعنی
صحابہؓ میں حدیث کا تذکرہ اور یادگاری زبانی ہوتی تھی بعد ان کے حدیثیں لکھی جانے لگیں اور ایک صدی کے بعد بہت اہتمام کتابت کا
ہوا پھر دوسری صدی کے بعد پوری طرح پر کامل تصنیفیں ہونے لگیں انتہیٰ غرضکہ یہ جو کتب احادیث میں ہے کہ ایک قسم کی حدیثوں
کا باب الگ بناز کی جس قدر حدیثیں ہیں وہ محدثوں نے ایک جگہ جمع کردیں اور زکوٰۃ کی ایک جگہ یہ بات پہلے نہ تھی پس اسی طرح وہ جو روایتیں

قسم کی بہت روایتیں ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر آپ کا صحابہؓ تابعین میں بہت رہتا تھا الخ اقول اصل ذکر اور کثرت اس ذکر کا
کسی کو انکار نہیں من احب شیئا اکثر ذکرہ ثابت ہے مگر مؤلف کی مراد کا اس میں کہیں نام و نشان نہیں کیوں کہ نفس ذکر کا کوئی مانع
نہیں قیود میں کلام ہے نہ ذکر میں یہ مؤلف کی غلط فہمی ہے ہاں ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ طبقہ عاشق فخر عالم کا تھا بار ذکر آپ کا
کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ عاشق خلاف امر ورضا محبوب کے ہرگز نہیں کرتا تو جو کچھ ان کا ذکر تھا وہ عین محبت تھی اور جس کو انہوں نے اس ذکر
میں خلط نہ کیا بلکہ اس کی ذم فرمائی وہ ممنوع تھا پس اس طبقہ کی متروکات و مذمومات جملہ شنیع ہوئی سو قیود مروجہ مجلس ہمارے وقت
کی مذموم ہوئی مگر مؤلف کو فہم نہیں قولہ عہد صحابہؓ میں اور اس زمانہ میں الخ اقول یہ شرح و بسط روایات کی اور تالیف ہونا سنن و مسند کی

ؔ برائی

حضرت صلعم کے حلیہ شریف کی بابت اور وقائع میلاد و رضاع وغیرہ کی بابت صحابہؓ میں منتشر متفرق تھیں ایک وقت وہ آیا کہ محدثین کے دل میں آیا
ان کو ایکجگہ جمع کر دیجئے، تب محدثین نے ان کو جمع کیا وہ رسالہ بن گئے سیکڑوں رسائل میلادیہ تصنیف ہو گئے انانجملہ مولد شریف حافظ شمس الدین
محدث دمشقی کا ہے مورد الصادی فی مورد الہادی اور لکھا محمد بن عثمان لؤلؤی دمشقی نے الدر المنظم فی مولد النبی الأعظم اور لکھا امام القراء والمحدثین ابن
جزری عرف التعریف فی مولد شریف اور لکھا مجد دین صاحب قاموس نے نفحات العنبریہ فی مولد خیر البریہ سب کا نام لکھنا طول کو پہنچاتا ہے غرض کہ
علامہ سخاوی اور ابن حجر وغیرہ محدثین ہر کسی نے شریک ہونا اس خیر میں اور جمع کر دینا اس قسم کی روایات کا ایک الفاظ پاکیزہ اور ترکیب نفیس
میں نظماً و نثراً اپنی مایہ سعادت سمجھا اور پڑھے جانے لگے وہ رسائل محافل میں پھر فارسی والوں نے فارسی زبان میں اور بلاد یورپ میں ترکی
زبان میں اور ہندوستان میں ہندی زبان میں ترجمہ ہو کر پڑھے جانے لگے اور یہ ذکر پاک بسکہ موجب فرحت و سرور تھا اس میں بعض سامان
سرور مثل زینت مجلس اور استعمال بخور و عطریات اور اطعام طعام و شیرینی و اجتماع اخوان و خلان بھی داخل اور شامل ہو گئے ان امور کے شامل کرنے کو
علماء دین نے جائز رکھا اور وہ جو چند فتوی المجمع قریب چوبیس صفحہ کے مطبع ہاشمی میں اب طبع ہوئے ہیں اس کا صفحہ تیرہ میں ایک عالم محدث نے ان
امور زائدہ کی منع پر دلیل قائم کی ہے عن نافع ان رجلا عطس الی جنب ابن عمر فقال الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ قال ابن عمر انا اقول

کا اور جمع ہونا جوامع و رسائل کا سب حق ہو مگر مؤلف کی غرض کسی سے حاصل نہیں ہوتی قولہ اور یہ ذکر پاک بسکہ موجب فرحت و سرور تھا
الخ اقول یہ تو مؤلف بھی اقرار کرتا ہے کہ یہ سامان سرور قرون ثلثہ میں نہیں ہوئے بلکہ چھ سو کے آخر میں ہوئے پس اگر اس پر وہ قول شرح منیہ کا
جو صلوٰۃ رغائب میں ہم پیش کیا جائے کہ ائمہ مجتہدین تک کبھی اس کا وجود نہ ہوا اور یہ علامت بدعت ہونے کی ہے تو حجت کافی ہے مگر
ہم اس سے درگذر کر کے کہتے ہیں کہ ان سامان سرور کا ادخال اس ذکر مبارک میں اگر کسی نص سے ثابت تھا تو مؤلف کو پیش کرنا اس کا
واجب تھا کہ محل اثبات ہے اور اگر محض قیاس ہے تو قیاس خلاف نصوص کے مردود ہوتا ہے پس ہر گاہ کہ بموجب تقریر بالا محقق ہو لیا کہ یہ قیود و
تعیین خلاف ماورد بالشرع کے بدعت ہوتی ہے تو مجوزین علماء دین کی تجویز بزعم مؤلف خلاف نص کے ہرگز معتبر نہیں ہو سکتی لہذا بالضرور
اپنے حسن ظن سے ہم کہتے ہیں کہ اس وقت میں یہ امور مباح اتفاقاً سرزد ہوتے تھے اور اباحت کے درجہ سے نہ بڑھتے تھے اور عوام کے اعتقاد
کے فساد تک نوبت نہ پہنچتی تھی لہذا اس وقت میں علماء نے انکار نہیں کیا تھا مگر اس وقت میں وہ امر نہیں رہا معاملہ قلب ہو گیا یہ سب
بدعت و مکروہ بن گیا چنانچہ شرح منیہ کی روایت ہم نقل کر چکے ہیں اور شرح منیہ کے قول کے جملہ علماء مقر ہیں اور جو امور مثلاً اس وقت
میں پیدا ہو گئے مثلاً اسراف روشنی اور لباس ممنوع وغیرہ وہ اس وقت میں مطلقاً نہ تھا پس مؤلف کو کوئی حجت باقی نہیں محض سفسطہ
باقی ہے اور بس قولہ اور وہ جو چند فتوی المجمع قریب ۲۴ صفحہ الخ اقول اول مؤلف نے قرآن کی آیت لکھی اور پھر روایات بیان حلیہ کی
لکھی، اور پھر بیان تدوین رسائل حالات و سیر فخر عالم کا لکھا اور پھر تراجم اس کو زبانہائے مختلفہ میں ہونا لکھا تو چونکہ یہ سب امور متفق علیہا
تھے اور اس سے کچھ بھی مدعا مؤلف کا ثابت نہ ہوتا تھا تو ناچار فعل سلف دلیل کا اپنے مدعا کیواسطے نقل کیا کہ امور سرور اس ذکر میں داخل ہو دے
معلوم ہے کہ ایسے افعال سے کوئی حکم کس طرح ثابت ہو جاوے چنانچہ اوپر کے قول میں اس احقر نے لکھدیا ہے تو اول تو یہ قول خود مؤلف
کے نزدیک بھی قابل حجت نہ تھا مگر کیا کرے جب کوئی دلیل نہ ہو تو ایسے ہی اقوال ساقطہ سے نفس پروری ہو گی پھر بعد اس کے یہ مؤلف
نے سوچا کہ مولانا احمد علی صاحب اس ادخال سرور کو اپنے جواب میں باطل فرما چکے ہیں مباحات کا ضم تو ایکطرف وہ خود ضم مستحب کو

الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للہ علی کل حال رواہ الترمذی یہ حدیث مشکوٰۃ کے باب العطاس میں ہے اور غرض اس محدث کی اس حدیث سے یہ ہے کہ السلام علی رسول اللہ ایک امر مستحب ہے لیکن چونکہ وظیفہ عطاس برخلاف اس شخص نے یہ کلمہ زائد کر دیا اس لئے عبداللہ ابن عمرؓ نے اس پر انکار کیا بنا بریں علیہ مولد شریف میں بھی جو چیزیں زائد ہیں وہ بدعتیں قابل انکار ہیں جواب اس کا یہ ہے کہ مشکوٰۃ المصابیح میں یہ حدیث مذکورہ نقل کر کے لکھا ہے ہٰذا حدیث غریب شیخ محدث دہلویؒ نے مقدمہ میں لکھا ہے

بھی بغیر اذن شرع کے بدعت بنا چکے تو مؤلف کو اس کے جواب کی فکر ہوئی کیونکہ جب تک وہ قول رد نہ ہو لیوے تو مجلس مولود مؤلف کی ہرگز درست نہیں ہو سکتی لہٰذا مؤلف نے اس کا جواب لکھنا شروع کیا ہے اور حاشیہ پر مولوی صاحب کی نسبت شرکت مجلس مروجہ اور قیام کی تہمت اور تکذیب اس کی کہ ان کا فتویٰ ہے اور شہادت حافظ عبدالکریم خان کی لکھتا ہے اس کا جواب بجز اس کے نہیں دیتا ہوں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین مولانا مرحوم ہمیشہ اس مجلس کو بدعت فرماتے رہے اور مولانا کا مہری دستخطی یہ فتویٰ موجود ہے پس بندہ اس کے کذب و اتہام مندرجہ حاشیہ سے اعراض کر کے اول یہ کہتا ہے ناظرین بغور سنیں کہ سابقاً کلیہ شرعیہ ممہد ہو چکا ہے کہ مطلق کو مقید کرنا بدعت ہے اور شارح منیہ نے بھی صلوٰۃ رغائب میں اس کلیہ کو مسلم کر کے اس کلیہ سے کراہت و بدعت ہونا صلوٰۃ رغائب کا ثابت کیا ہے اب بندہ یہاں کچھ اور بھی مطلب لکھتا ہے بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے مسجد میں لوگوں کو صلوٰۃ ضحیٰ پڑھتے دیکھ کر فرمایا کہ یہ بدعت ہے حالانکہ صلوٰۃ ضحیٰ سنت مستحب ہے اور مسجد میں جانا بھی مستحب ہو مگر چونکہ بایں اجتماع اس صلوٰۃ کا مسجد میں پڑھنا منقول نہ تھا اسکو بدعت فرمایا اور اس پر انکار کیا اور حضرت عبداللہ ابن مغفل صحابیؓ نے جہر بسم اللہ کو فاتحہ کیساتھ نماز میں بدعت منکر فرمایا حالانکہ بسم اللہ ذکر ہے اور جہر بذکر ممنوع نہیں مگر چونکہ یہاں جہر منقول نہ تھا اس کو بدعت فرمایا یہ حدیث ترمذی وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہے امام صاحب کے نزدیک عید الفطر میں تکبیر بجہر براہ مصلی میں بدعت ہے اس واسطے کہ یہاں ان کے نزدیک تکبیر خفیہ ثابت ہوئی ہے سو جہر غیر مورد شرع میں بدعت ہوا حالانکہ جہر بالتکبیر والذکر مستحسن ہے

> امر مستحسن مستحب بہیئت مالم یرد بہ الشرع بدعت ہو

اور بحر الرائق میں کہتا ہے لان ذکر اللہ اذا قصد بہا التخصیص بوقت دون وقت او بشیء دون شیء لم یکن مشروعا مالم یرد بہ الشرع عالمگیریہ کہتا ہے یکرہ للانسان ان یخص لنفسہ مکانا فی المسجد یصلی غرض ان سب سے یہی ثابت ہو کہ کسی اطلاق شارع کو قید زمان و مکان و ہیئت سے مقید کرنا بدعت ہو بدون اذن شارع کے پس اس کلیہ کو جو مسئلہ تمام امت کا ہو اور ان احادیث اور روایات فقہاء مجتہدین سے خوب محقق ہوا کہ کسی حکم کا کسی وجہ سے تبدیل و تغیر نہیں چاہیئے کمی سے نہ زیادتی سے تبدیل و وسعت سے پس مولوی صاحب نے بھی حدیث صحیح ترمذی کی اس اثبات میں تحریر فرمائی تھی تو مؤلف نے اول تو بحث تنقید حدیث میں لکھی اور پھر معنی حدیث میں کلام کی ماشاء اللہ تعالیٰ یہ سلیقہ اور یہ بحث اگرچہ بندہ کی عادت شعر اشعار یا امثال کے لکھنے کی بوجہ اختصار کے نہیں مگر یہاں بے ساختہ طبع یہ شعر لکھ دیا ظہور حشر نہ ہو کیوں کہ کلچڑی کھنی، حضور بلبل بستاں کرے نوسنجی،

> مولانا احمد علی صاحب کے استدلال حدیث عطاس پر مؤلف کے کلام بے سروپا۔۔۔ کا رد

سبحان اللہ مولانا احمد علی صاحب مرحوم محدث کی حدیث نقل کردہ اور اس کی تنقید میں عبدالسمیع کلام کرے قیامت آئی صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وسد الامر الی غیر اہلہ فانتظر الساعۃ رواہ البخاری، خیر اب سب لوگ مؤلف کے علم کو بغور ملاحظہ فرماویں مؤلف کہتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر شرم نہیں کرتا کہ خود ضعاف بلکہ موضوعات سے محبت اپنی بدعت چہلم و فاتحہ وغیرہ پر لاتا ہے اور مولانا احمد علی صاحب

کہ ھو من اقسام الطعن فی الحدیث وھذا ھو المراد من قول صاحب المصابیح ھذا حدیث غریب اور بعض حدیث غریب صحیح بھی ہوتی ہے اور بعض حسن بھی ہوتی ہے سو عادت ترمذی کی ہے کہ اس کو کھول کر کہہ دیتا ہے کہ ہذا حدیث صحیح یا حسن غریب اور جب بیان کرے لفظ حسن اور صحیح کا تو مراد اس سے وہی مطعون ہونا اس حدیث کا رہ گیا اور اس حدیث کو ترمذی نے یہی لکھا کہ ہذا حدیث غریب پس حدیث مطعون فیہ حجت نہ ٹھیری اور بالفرض والتقدیر اگر مطعون فیہ کو بھی مسلم رکھیں تو جائز ہے کہ یہ بات حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص پر انکار السلام علی رسول اللہ کہنے سے اس لئے کیا ہو گا کہ اس باب میں صیغہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے در مختار کی کتاب الذبائح میں ہے قال علیہ السلام موطنان لا اذکر فیہما عند العطاس وعند الذبح اور نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں جو چیز ایجاد ہو گی اس کو ہم بھی منع کرتے ہیں کیوں کہ وہ خلاف شرع ایجاد ہوئی اور جس مقام پر نہی شرع وارد نہیں ہوتی وہاں زیادہ کرنا ایسی چیز کا جو مستحسن اور مباح ہوتی ہے فقہاء منع نہیں فرماتے اس کی دو نظیریں لکھتا ہوں

کی منقولہ حدیث صحیح کو محض اپنے جہل سے ضعیف بتاتا ہے اور حق تعالیٰ سے نہیں شرماتا مؤلف وجہ ضعف کی لکھتا ہے کہ ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے اور جہاں غریب مطلق بلا قید صحیح یا حسن کے وہ ضعیف ہوتی ہے مگر یہ قول مؤلف کا محض غلط اور مطلق جہل فن حدیث سے ہے اس واسطے کہ غریب اصطلاح ترمذی وغیرہ جملہ محدثین میں وہ ہے کہ اس کی سند میں کسی جگہ راوی منفرد ہو جاوے چنانچہ خود مقدمہ شیخ میں جو مؤلف کی نظر میں ہے یہ لکھا ہے الحدیث الصحیح ان کان راویہ واحداً یسمی غریباً الخ اگر چند سطر پڑھ کر مؤلف دیکھ لیتا تو شاید سمجھ جاتا اور جو کچھ سلیقہ رکھتا تو خود علل ترمذی کو کسی عالم سے پڑھ کر سمجھ لیتا مگر اس کو علم سے تو مس و بحث ہی نہیں پس یہ حدیث ترمذی کی موافق اصطلاح ترمذی کے غریب اور صحیح ہے کیوں کہ مشکوٰۃ میں ترمذی کے لفظ نقل کرتا ہے ترمذی نے اپنی کتاب میں اس کو غریب کہا ہے اور خود وجہ غربت کی بیان کر دی ہے کہ زیاد بن الربیع منفرد ہے حالانکہ زیاد بن الربیع بخاری کے رواۃ میں ہے پس بہر حال لفظ غریب کا دیکھ کر آنکھ بند کر کے مؤلف کا حکم ضعف کا کرنا کسقدر جرأت و سفاہت ہے دوسرے یہ کہ تمام راوی اس حدیث کے ثقہ اور مقبول ہیں کوئی بھی ضعیف نہیں پس اس کو ضعیف اپنی رائے سے کہہ دینا جرح ثقات علماء پر کرنا اور طعن ضعف کا مقبولوں پر کرنا کسقدر بددیانتی ہے تیسرے یہ کہ شیخ نے اپنے مقدمہ میں یہ لکھا ہے والغریب قد یقع بمعنی الشاذ ای شذوذا ھو من اقسام الطعن وھذا ھو المراد من قول صاحب المصابیح الخ تو مؤلف اس کو نہ سمجھا اور رجماً بالغیب ضعف کا حکم دینے لگا اول تو خود شیخ بلفظ قد یقع لکھتا ہے کہ جو ندرت اطلاق پر دال ہے مؤلف نے اس کو قاعدہ کلیہ سمجھ لیا دوسرے یہ اصطلاح مصابیح کی ہے نہ دیگر محدثین اور ترمذی کی پس مشکوٰۃ اگرچہ مستخرج سے ہے مگر صاحب مشکوٰۃ نے یہ لفظ غریب کا تو مصابیح سے نقل نہیں کیا یہ نہیں کہا قال محی السنۃ ھذا حدیث غریب جو مؤلف اس اصطلاح پر حدیث کو ضعیف کہہ دے بلکہ صاحب مشکوٰۃ تو صاف کہتا ہے رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب جس کو اندھا آدمی بھی جان جاوے کہ قائل ترمذی ہے نہ صاحب مصابیح اور یہ اصطلاح مصابیح کی ہے نہ ترمذی کی اور یہ قاعدہ کہ اطلاق غریب کا ضعیف پر ہو وے ترمذی کا قاعدہ نہیں پس مؤلف کو خود مقدمہ شیخ کی بھی فہم نہ ہوئی اور خواہ مخواہ حدیث کو ضعیف لکھ دیا اور کچھ غیرت نہ آئی نہ رواۃ کو دیکھا نہ اصطلاح کو سمجھا نہ مقدمہ شیخ کو خوب دیکھ لیا نہ خود ترمذی کو دیکھا الحاصل یہ حدیث ہرگز ضعیف نہیں اور حجت اس سے نہایت قوی ہوئے گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؎ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ سب ناظرین کو مؤلف کی تنقید کا حال تو واضح ہو لیا اور علم کا مایہ جو جہل مرکب ہے بھی محقق ہو گیا کہ علم

باقی جس شخص کی نظر نیادتی پر ہوگی وہ اور بھی نظیریں نکال لے گا ایک یہ کہ سب جانتے ہیں کہ صحاح ستہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درود تعلیم فرمایا ہوا واسطے جلسہ التحیات کے یہ ہے اللھم صل علی محمد الی آخرہ لیکن اگر کوئی آدمی اس میں لفظ سیدنا زائد کرے واسطے آداب تعظیم کے یعنی یوں کہے اللھم صل علی سیدنا محمد اس کو صاحب درمختار نے افضل اور مندوب لکھا ہے وندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوک الادب فھو افضل من ترکہ. دوسری نظیر یہ کہ فقہا زیارت مدینہ منورہ میں زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً یوں لکھتے ہیں وکل ما کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسناً اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ عایت اس بات کی کرنی جو سلف سے منقول ہے وہی ہو نہ اور ایک بات بھی زیادہ نہ ہو

مؤلف کا طاق میں رکھا ہے نہ سینہ میں اب بحث معنوی سنو مؤلف کہتا ہے کہ بالفرض اگر اس حدیث مطعون فیہ وسلم بھی رکھیں تو جائز ہو کہ حضرت ابن عمر نے بسبب نہی کے طعن کیا ہے کیا خوب فہم مؤلف پر ہزار آفریں اول تو ترمذی میں دوسری حدیث اسی کی ہے باب متصل میں ہو عن سالم بن عبید انہ کان مع القوم فی سفر فعطس رجل من القوم فقال السلام علیکم فقال علیک وعلی امک فکان الرجل وجد فی نفسہ فقال اما انی لم اقل الا ما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عطس رجل عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال السلام علیکم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی امک اذا عطس احدکم فلیقل الحمد للہ رب العلمین الحدیث، تو اب مؤلف بتائے کہ وہاں تو احتمال نہی صریح کا تھا السلام علیکم کے لفظ میں کونسی نہی وارد تھی جو خود فخر عالم نے اعتراض کیا اور خود وظیفہ اس محل کا تلقین فرمایا یہ صاف اس حدیث کی تائید ہوگئی کہ جس مقام میں جو ذکر وارد ہے وہی ہے اسجگہ تبدل تغیر نہ چاہیے جیسا تبدل میں تغیر ہے تقیید میں بھی تغیر ہے دونوں ناجائز ہوے خواہ زیادہ سے ہو خواہ تبدیل سے ہو دوسرے یہ احتمال نکالنا مؤلف کا کہ جائز ہے کہ بسبب نہی کے یہ اعتراض حضرت ابن عمر کا ہوا ہو اس وقت درست ہو سکتا ہے کہ تقیید مطلق کا قاعدہ شرع میں کچھ مخفی ہو، ہرگاہ کہ یہ امر فخر عالم سے لے کر تمام مجتہدین تک مسلم رہا تو پھر ایسا ضعیف احتمال نکالنا کس عقل کا کام ہے حالانکہ ابن عمر خود حدیث میں اس احتمال کو رفع فرما رہے ہیں فرماتے ہیں لیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ کہ یوں تعلیم یہاں نہیں فرمایا بلکہ یہ تعلیم فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا کہ نہیٰنا ان نصلی فی ھذا الموطن جس سے ہر اہل علم دریافت کر لیتا ہے کہ وجہ اعتراض کی زیادہ بالائی تھی مگر مؤلف کو چشم حق بیں کہاں ہے جو سمجھتا اور دیکھتا اس کو تو احتمال خلاف عقل فرض کر لینا اور منہ سے نکال دینا اور اپنا علم مشکوک ظاہر کر دینا ہی آتا ہے تیسرے یہ کہ مولوی صاحب نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ حد مقرر شارع پر بدون اذن کے زیادہ بدعت ہوا اور خوب واضح ہے کہ بدعت منہی عنہ ہے بقولہ علیہ السلام ایاکم ومحدثات الامور، جب آپ نے ایاکم کا لفظ فرمایا تو یہ غایت درجہ کی نہی مؤکد ہے تو بہرحال بدعت بھی منہی ہوئی پس مولوی صاحب بھی یہاں نہی کا اقرار فرماتے ہیں مؤلف نے کیا خاک جواب دیا اور کیا مقصد حاصل کیا مؤلف خود کہتا ہے کہ نہی کے مقابل جو چیز ایجاد ہوگی ہم بھی اس کو منع کرتے ہیں تو بدعت بھی منہی ہے اگر کوئی بدعت ایجاد کرے گا نہی کا مقابلہ یہاں بھی موجود ہے نہایت الامر یہ ہو کہ ایسی صراحۃً نہی نہیں، بلکہ احادیث کی نہی کے ضمن میں ہے وہ بدعت ہوا اور جس کی صراحۃً نہیں ہے وہ نہی ہے پھر اس فرق سے کیا نفع مؤلف کو حاصل ہوتا ہے کل بدعۃ حرام وہی رہی، اور زیادہ علی وظیفۃ شرع منہی عنہ اور بدعت ہوا مؤلف بھی اس کو منع ہی کرے گا تو اس جواب کا حاصل ہی کیا نکلا سوائے الفاظ کے کوئی معنی بھی اس کے ہیں بلکہ اور تاکید ہوگئی کہ مولوی صاحب نے نہی دلالۃً فرمائی تھی مؤلف نے صراحۃً نہی کا اس میں اقرار کر لیا آگے یہ کہ دلالۃً نہی کا اعتبار نہیں اور بدعت کا ایجاد درست ہے یہ امر مؤلف تو کیا کوئی مسلمان بھی نہیں کہے گا پس تم حاصل تقریر مؤلف کا یہ ہوا کہ اگرچہ بدعۃ زیادہ وغیرہ کی حرام ہیں مگر یہاں نہی صریح ہے بدعت کہیں اصلاح مؤلف کی محض بے سود تطویل ہوئی اور پھر وہ بھی احتمال کے ساتھ اور تردد کے

یہ کچھ ضرور نہیں، بلکہ اپنی طرف سے جو کچھ حرکات و سکنات مؤدبانہ کرے گا سب بہتر ہیں ان تعظیمات میں زائر مخیر ہے خلاصہ یہ کہ حدیث عطاس میں اس شخص کا زائد کرنا لفظ السلام علی رسول اللہ مقابل نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تھا اس لئے ابن عمرؓ نے اس کو منع کیا اور

کہتا کیونکہ لکھتا ہے کہ جائز ہے اس لئے انکار کیا ہوگا تو دوسرا احتمال بھی مؤلف کے نزدیک مسلّم ہے اور دوسری حدیث اور خود اس حدیث کے الفاظ اس احتمال مؤلف کو رد کرتے ہیں بہر حال زائد کرنا بھی مقید کرنا ہے پس وہی تقیید مطلق کا حاصل ہوا اور اعتقاد اور عمل بلا اعتقاد اس تقیید کا دونوں منکر ہوئے اس واسطے کہ شارع نے یہاں ایک صیغہ مقرر فرما دیا تھا اب اس کی جگہ دوسرا صیغہ بولنا بھی بدعت اور منہی عنہ ہے خواہ اعتقاداً ہو خواہ بلا اعتقاد اور اس پر زیادۃ بھی بدعت اور منہی عنہ ہے خواہ اعتقاد ہو یا نہ ہو ہاں بزعم مؤلف کے فقط صیغہ السلام علی رسول اللہ کے زیادہ الحمد پر بدعت نہیں بلکہ منہی عنہ ہے مگر بدیدہ غور دیکھے کہ ما احدث علی خلاف الحق المتلقی من الشارع میں جیسا بدعت داخل ہے منہیات صریحہ بھی داخل ہیں احداث کیا واسطے قران فخر عالم کا اقتصار ضرور نہیں سو ایسی جہل کی بات ہے مؤلف کی غرض یہ تھی کہ اگر نہی صریح نہ ہو تو زیادہ درست ہے اور یہ بالکل غلط محض ہے کیونکہ جس کی نہی صراحتاً دلالۃً کسی وجہ سے نہ ہو وہ زیادہ درست ہے اور اگر نہی دلالۃً ہووے گی وہ زیادہ ہرگز ہرگز جائز نہ ہووے گی،

غرض کلیات ہیں تو مؤلف کو کچھ علاقہ فہم کا ہوتا ہی نہیں مدار چند جزئیات پر اس کا ہے یہاں دو جزئیہ نے اس کا | لفظ سیدنا درود شریف میں ثابت ہے

مدار ہے اول زیادہ لفظ سیدنا کی صیغہ درود شریف میں مگر یہ نہ سمجھا کہ جہاں کہیں اجازت زیادہ یا تبدیل کی صراحتہً یا دلالۃً موجود ہے وہاں نہی کہاں ہو سکتی ہے وہ تو خود ماذون بہ الشرع میں داخل ہے سو اجازت زیادہ لفظ سیادۃ کی خود یایھا الذین امنوا صلوا علیہ الایۃ میں موجود ہے کیونکہ معنی صلوۃ کے تعظیم کے ہیں اور صلوا کے معنی عظموا لکھتے ہیں اور دعا اگر معنی ہوں اس کو بھی تعظیم لازم ہے کہ جس کے واسطے دعا کیجاوے گی اس کی توقیر و تعظیم لازم ہووے گی تھوڑی سی عقل کی حاجت ہے سو ہر گاہ کہ تعظیم فخر عالم کی اپنے بندگان سے حق تعالیٰ طلب فرماتے ہیں تو جو لفظ و صیغہ تعظیم کے معنی دیوے گا وہ خود مطلوب ہووے گا جب تک کہ اس کی نہی وارد نہ ہو سو یہ نظیر مؤلف کی کسقدر بے علمی پر شاہد ہے،

دوسرا جزئیہ قول الفقہاء کل ماکان ادخل فی التعظیم الخ اور یہ بھی مناسب اس آیت کے ادا ایت توقیر کے ہے کہ حق تعالیٰ توقیر اپنی رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی فرض کرتے ہیں پس توقیر مشروع جسقدر ہو مطلوب ہو | دوسرا قول فقہاء کل ماکان کذا دخل تعظیم الخ اور یہ قول مفید مؤلف نہیں

یہ درجہ فرضیت کا کسی حد سے حاصل ہو جاوے مگر زیادہ توقیر مشروع سے استحباب کا حاصل کرنا مجوزہ مطلوب شرع کا ہے ہاں جو اس رتبہ کی توقیر و تعظیم ہو کہ شرع سے ممنوع ہو جاوے مثلاً رکوع و سجدہ یا جیسا کفار ہند کا امر تعظیم کا منہ لینا ہے البتہ یہ ممنوع ہووے گا بہر حال ہر دو نظیر مؤلف کی وہ نص قطعی سے مطلوب ہیں منہی ان میں کوئی نہیں اور مولوی صاحب نے نہی بدعت کی نظیر لکھی تھی اور مؤلف زیادہ اپنی طرف سے کرنے کو کہتا ہے معنی اور بطن شارع علیہ السلام سمجھتا نہیں زیادہ اپنی طرف سے بدون اذن شارع کے خلاف دلالت نصوص کے مراد ہے اور جو زیادہ موافق نصوص حسب اجازت نص کے ہو وہ اپنی طرف سے نہیں ہوتی سو زیادہ سیدنا کی اور افعال و اقوال ادخل فی التعظیم اپنی طرف سے نہیں بلکہ باذن شارع اور زیادہ السلام علی رسول اللہ کی عطس کے جواب میں اپنی طرف سے ہے علی ہذا تمام مسائل میں اور جزئیات میں یہی ہے مگر مؤلف فہم کسکا لیوے جو سمجھے واہ سبحان اللہ کیا عمدہ جواب دیا کہ جس کا سر ہے نہ پاؤں مطلب مولوی صاحب کا مؤلف اقرار کرتا ہے اور اپنے زعم میں رد کرتا ہے آگے تفریح مقصود مؤلف کی سنو قولہ خلاصہ یہ کہ حدیث عطاس الخ اقول پہلے تو مؤلف اس کو احتمال تردد سے کہتا تھا یہاں اس کو تعین کر گیا ہو صریح کے مقابلہ کی وجہ سے نہ حضرت ابن عمرؓ کا تھا مگر اب واضح ہو لیا کہ یہاں بدعت ہونے کی وجہ سے رد تھا اور نہی صریح بھی اگر ہو تو بھی حاصل

مولد شریف میں جو بعض امور ملحقہ ہیں ان کی نہی شرع میں وارد نہیں پس قیاس امور غیر منہیہ پر صحیح نہیں الحاصل محققان بالغ نظر نے ان امور ملحقہ کو محفل مولد شریف میں جائز رکھا اور وہ وجہ اعتراض شمول ان امور میں کرتے ہیں، کہ ان لوگوں نے مطلق کو مقید کر دیا اس کا جواب بلمعہ سابعہ اعتراضات متفرقہ میں بیان کریں گے خلاصہ یہ کہ ان امور مستحسنہ کا جواز کلام علمار ربانی میں موجود ہے از آں جملہ عبارت ملا علی قاری کی جو ان کی کتاب مورد الروی فی مولد النبی میں ہے لکھی جاتی ہے واما ما یتبع من السماع واللہو وغیرہما فینبغی ان یقال ما کان من ذلک مباحا بحیث یعین السرور بذلک

زیادہ بدون اذن شارع کے درست نہیں اور نہی خواہ صریح ہو خواہ دلالۃً ہو مانع زیادہ ہے اس تغیر سے مؤلف کو کوئی نفع نہیں ملا محض لغو

کی ہے اور یہ سب لغو حرکت اور خلاف زیب زینت کے واسطے کرتا ہے اسیر کوئی دلیل نہیں لایا اس حدیث کی

کچھ نافع نہ ہوئی اور جو تضعیف حدیث کی کرتا تھا اس سے بھی محروم بے نیل ہوا اب اس کی زیب زینت بدعت محضہ رہ گئی سنو کہ زیب زینت و شیرینی کی بحث شرح سوال میں ہو چکی ہے اس سے معلوم ہو چکا کہ وہ سب منہی عنہ نصوص سے اور بدعت منکرہ ہیں اور جو محققان نابالغ نظر مؤلف کے مجوز منہیات شرعیہ کے ہیں اگرچہ نہی دلالۃً ہی ہو وہ ان کا قول بمقابلہ نصوص و روایت مجتہدین کے ہرگز معتبر نہیں اور تفصیل منہیات کی جو مولود کی مجلس ان کو مشتمل ہے کچھ شرح سوال میں گذر چکی اور کچھ مؤلف کے لمعات باطلات میں ذکر اس کا ہو جاوے گا پس مؤلف کا یہ قول کہ امور ملحقہ کی نہی شرع میں وارد نہیں کس قدر جہل شرع سے ہے خلاصہ یہ ہے کہ مانعین علمار تو کلیات نصوص و جزئیات مجتہدین سے منع کو ثابت کرتے ہیں اور مؤلف بجز اس کے کہ علمار دین نے جائز نہ رکھا محققان بالغ نظر نے درست جانا فلاں شریک ہوا فلاں کرتے رہے اور کچھ حجت نہیں اور یہ قول بعد ثبوت ہرگز حجت شرعیہ نہیں ہو سکتا اپنا دل خوش کر لو مگر اہل فہم کے نزدیک کوئی دلیل نہیں اور طرفہ تماشا ہے کہ مولوی احمد علی صاحب نے نفس ذکر کو مندوب فرما کر کسی امر مباح سے اس کا مقید کرنا اور اس کے اطلاق کو تخصیص لگانا حسب دلائل شرعیہ بدعت فرمایا ہے اور خود مؤلف بھی صفحہ ۲۰ میں بحث فاتحہ میں تقیید اطلاق شارع کو بدعت اور قابل زجر و توبیخ کہہ آیا ہے اور پھر یہاں بھول گیا اور براہ مخالفت کی چلا حالاں کہ عقیدہ عوام کا یہاں بھی تعینات کی ضروری ہونے کا ہے الحاصل قیود محفل میلاد کے اثبات میں مؤلف حجۃ شرعیہ سے تو عاجز ہے ہاتھ پاؤں مار کر ناچار اقوال علمار پر قناعت کرتا ہے اور بے نیل مراد لوٹ آتا ہے کما لا یخفیٰ

قولہ خلاصہ یہ کہ ان امور مستحسنہ کا جواز الیٰ قولہ از آں جملہ اصل عبارت ملا علی الخ **اقول** مؤلف عاجز ہو کر جب سب نصوص سے بدعت ہونا امور ملحقہ کا معلوم ہوا تو قول مورد الروی کا لایا جس سے عوام کو دھوکہ جواز امور ملحقہ کا ہو جاوے پس اولاً تو جواب اس کا یہ ہے کہ جب نصوص و اقوال مجتہدین سے بوجہ تقیید و تعیین کے بدعت سیئہ ہونا ان امور کا ثابت ہو گیا تو بمقابلہ اس کے ملا علی قاری کا قول یا کسی کا قابل تعویل نہیں سب فضول ہے مگر چونکہ مؤلف اس قول کے ذریعہ سے اضلال خلق اپنی کج فہمی سے کرنا چاہتا ہے تو اصل مطلب اس کا کہنا مناسب ہوا پس سنو کہ امور ملحقہ ذکر مولود کے ساتھ دو قسم کے ہیں یا وہ کہ اول سے ہی حرام و مکروہ شرعی ہیں وہ تو خود ہر حال ممنوع ہیں جیسا روشنی زائد از قدر حاجت کہ اسراف اور حرام ہے قال اللہ تعالیٰ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین الآیہ اور حضور نساء کا خصوصاً بجمیع الوجہ مجمع شباب فسقہ میں اور لباس حسن کے ساتھ حرام ہے الامر کان صبیحا فحکمہ حکم النساء وھو عورۃ من قرنہ الیٰ قدمہ لا یحل النظر الیہ عن شھوۃ انتہی کلامہ عالمگیریہ درمختار اور حضور فساق بلا اس خلاف اور ترک نہی عن المنکر کہ یہ سب حرام ہیں اور دیگر امور پس ایسے امور کا ہونا تو ہر حال اس محفل کو منکر بناتا ہے اور حاضر ہونا اس میں ممنوع ہے اور بعض امور وہ ہیں کہ اصل ان

الیوم فلا بأس بالحاقہ وما کان حراماً ہو مکروہاً فیمنع اور اس عمل کو تخصیص ہمیشگی ساتھ مہینہ مبارک ربیع الاول کے ہر چند وہ تذکرہ رواں آسا تو قدیم سے یعنی وقت صحابہؓ سے چلا آتا تھا لیکن یہ سامان فرحت سرور کرنا اور اس کو مخصوص شہر ربیع الاول کے ساتھ اور اس میں بھی خاص وہی بارہواں دن میلاد شریف کا معین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں اور اول یہ عمل ربیع الاول میں کرنا

مباح ہے مگر بسبب کسی عارض کے کراہت ان پر عارض ہوگئی جیسا شیرینی مباح تھی مگر بسبب تاکد کے یا عوام کے ضروری جانتے کے بدعت ہو اور بساط و قنادیل وغیرہ جائز تھے مگر بوجہ اسی تاکید و اہتمام کے بدعت ہوگئی پس ملا علی قاری یہ کہتے ہیں کہ جو شی من کل الوجود لا او مباح ہے وہ تو مباح ہے اور جو شی در اصل مکروہ ہو یا مباح تھی اور مکروہ ہوگئی وہ ممنوع ہے پس ہر گاہ کہ اس زمانہ کے سب قیود اب بدعت و مکروہ ہوگئی تو اس عبارت ملا علی قاری سے کس طرح انکا جواز ثابت ہوتا ہے وہ تو مطلقاً مکروہ کو خواہ اصلی ہو خواہ عارضی ہو ممنوع فرماتے ہیں سو جو اشیاء ان کے وقت میں داخل ہوئی تھیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس وقت میں اباحت کے درجہ سے نہیں بڑھی تھیں اور عوام بھی ان کا نہ تھا خلاف اس زمانہ کے کہ اب جملہ مباحات اصلیہ بھی اس مجلس میں عوام کے نزدیک مؤکد اور بدعت ہو چکی ہیں پس مؤلف کا استدلال اس عبارت سے محض سفسطہ ہے ہاں البتہ جو امر کے اس میں نہ کراہت اصلیہ ہو نہ عارضیہ و مجمع صلحاء کا ہو جیسا مولوی احمد علی صاحب نے تحریر فرمایا وہ جائز و مندوب ہوگا جیسا ملا علی قاری لکھتا ہے مگر مؤلف اپنی بدعت کی طرف اس عبارت کو کم فہمی سے لیجاتا ہے خود ملا علی قاری حدیث ابن مسعودؓ میں فرماتے ہیں من اصر علی امر مندوب و جعلہ عزماً ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ و منکر انتھی بھلا اجب ملا علی قاری مندوب کے اصرار کو ----------------------

بدعت کہے مباحات کے اصرار کو کس طرح بدعت نہ کہیں گے پس ملا علی قاری کی عبارت دلیل واضح ہے کہ قولہ ما کان حراماً او مکروہاً عام ہے کراہت اصلیہ ہو یا عارضی دونوں مکروہ ہیں اور لحوق مباح کا اس وقت تک درست ہے کہ اباحت کے درجہ میں رہے اور جہاں اصرار تاکد و درجہ ہوا مکروہ و بدعت و حظ شیطان بنا پس اب اس زمانہ کی شیرینی اور روشنی سب ملا علی قاری نے مکروہ فرمادی اور یہ سب سامان سرور مؤلف کے بدعت ہوگئے اور یہ عبارت ملا علی قاری کی شاہد مانعین کی بن گئی سبحان اللہ کیا فہم مؤلف کا ہے اور کیا عمدہ دلائل پیش کرتا ہے کہ باید و شاید قولہ اور اس عمل کو تخصیص الخ اقول اب مؤلف نے دلیل دخال سرور کی شروع کی ہے بعد نقل قول ملا علی قاری کے وجہ ادخال دخال سرور کا بیان کرتا ہے پس سنو کہ زمانہ صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ اور چھ سو سال تک ذکر فخر عالم کی ولادت اور وقائع ولادت کا اور بعد ولادت کے حالات اور شرح صدر و نبوت اور بیان احکام و قصص وغیرہا کا تعلیم و تعلم کی طرح ہوتا تھا جیسا درس و تدریس علوم کا ہوتا ہے نہ اس میں عقد مجلس تھا نہ اطعام طعام نہ کوئی امر جیسا کہ فخر عالم کے وقت میں تعلیم ہوتی تھی بعد چھ سو کے سن چار میں سلطان مظفر نے جو محفل مولد ایجاد کیا یہ تھا کہ روز ولادت آپ کے مجمع علماء و صلحاء کا ہوتا اور ذکر ولادت وغیرہ معجزات کا کر کے کھانا کھلا کر رخصت کرتا چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ حسن المقصد فی عمل المولد میں لکھتے ہیں عندی ان اصل عمل المولد الذی ہو اجتماع الناس و قراءۃ ما تیسر من القرآن و روایۃ الاخبار الواردۃ فی مبدأ امر النبی علیہ السلام و ما وقع فی مولدہ من الآیات ثم یمد لہم سماط یاکلونہ و ینصرفون من غیر زیادۃ علی ذلک من البدع الحسنۃ الخ پس اس ایجاد میں تعیین تاریخ اور اجتماع اور اطعام طعام کی قید اس ذکر میں تو احداث ہوئی اور بظاہر مطلق ذکر کو مقید کیا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زمان سیوطی تک یہی رہا بلکہ بعد بھی ہوتا رہا اور اس سلطان

تخصیص اور تعیین کے ساتھ ایسا ہی شہر موصل میں ہوا کہ ایک شہر ہے ملک عراق میں وہاں ایک متقی دیندار شیخ عمر جو صلحاء روزگار سے تھے انہوں نے یہ عمل ایجاد کیا یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ سات سو برس سے مولد شریف نکلا ہے اس کے یہ معنی کہ بعض خصوصیات کیساتھ التزاماً دونوں سے ورنہ اصل تذکرہ مولد شریف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیوقت سے چلا آتا ہے اور بادشاہوں میں اول بادشاہ ابو سعید مظفر نے مولد شریف تخصیص و تعیین کے ساتھ ربیع الاول میں کیا غرضکہ اس بادشاہ نے عمر مذکور کی پیروی اس فعل میں کی ہر سال ربیع الاول میں تین لاکھ اشرفی لگاکر بڑی

مظفر اور ابن دحیہ کے حال میں مختلف اقوال ہیں کسی نے ان کو عادل ثقہ کہا کسی نے ان کو فاسق کذاب لکھا مگر بندہ کو اس تحقیق سے کچھ کام نہیں اصل مطلب سے غرض ہے پس اس وقت ایجاد میں علامہ فاکہانی اور ان کے ہم مشربوں نے اس پر اعتراض کیا اور اس کو بدعت قرار دیا اور ثابت کر دیا کہ اس کی اصل کہیں شرع میں نہیں کہ یوم حدوث نعمت کو ہر روز یوم سرور ٹھیرایا جاوے اور مطلق امر کو مقید کیا جاوے زمانہ اور ہیئت کے ساتھ کہ اس کی اصل کہیں کتاب و سنت سے نہیں بلکہ منع اس کا موجود ہے پس یہ بدعت ضلالہ ہوا اور دیگر جماعت نے اس کو بدعت حسنہ قرار دیا ہر چند کہ یہ عاجز نحیف بھی قول علماء کے بدعت حسنہ ہونے کی توجیہ بسبب حسن ظن کے کر سکتا ہے اور آخر رسالہ میں لکھی جاوے گی مگر ظاہر حال وہی ہے جو علامہ فاکہانی نے فرمایا ہے لہذا اس کی تحقیق کرتا ہے الغرض اس وقت ایجاد میں ہی علماء نے اس پر رد کیا اور پھر ہر طبقہ اور ہر زمانہ میں مانعین برابر رد کرتے رہے اور اس کو بدعت کہتے رہے آج تک سات سو سال گذرے کسی نے کوئی آیت یا حدیث صحیح ہیئت میں پیش نہ کی مطلق ذکر ولادت کے فضائل بیان کرتے رہے مؤلف کے بہت سے رسائل جمع کر کے مجتہد العصر ہونے کا مدعی ہوا اس نے بھی مطلق ذکر میں ایک آیت اور تین حدیث لکھ کر پس آئینہ شاہی میں جتانے لگا اور خلاصہ دلیل مؤلف کا یہ ہے کہ تمام علماء کرتے رہے ہیں فلانے لکھا ہے اول مجہول دعویٰ کیا کہ علماء بالغ نظر نے ان قیود کو جائز فرمایا ہے پھر مورد الروی کی ایک عبارت نقل کی کہ جس کا حال معلوم ہوا کہ مؤلف کے مقصد مطلب نہیں اب سلطان مظفر کا قصہ اپنے استدلال میں لایا ہے اور محض تطویل بے سود ہی اپنا ورق سیاہ کیا ہے کوئی مطلب کی بات نہیں خلاصہ دلیل اور حاصل غرض اس کی یہ ہے کہ صدہا علماء نے جب اس ہیئت موجودہ اس سلطان کو جائز و بدعت حسنہ کہا تو اجماع ہو ہوگیا گویا ایک حجت قطعیہ اجماع کی ہوگئی اور بہت خوش ہوئے کہ بڑی قطعی حجت ملگئی پس اب ناظرین پر اس کی حجت کی حقیقت معلوم ہو کہ بغور سنو کہ شریعت میں چار چیزیں ہیں جس سے جواز اور حلت ثابت ہوتی ہے اول کتاب اللہ تعالیٰ دوسرے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے اجماع امت چوتھے قیاس صحیح مجتہدین کا سوائے اس کے کوئی دلیل شرعی ہرگز نہیں پس آیت اور حدیث سے ان دونوں میں اس ہیئت اور تعین اور اعادہ سرور کی کوئی دلیل نہیں ہاں نفس ذکر کی دلیل استحباب کی ہے مگر ان قیود کی دلیل کوئی نہیں بلکہ پہلے ثابت ہو چکا کہ قرآن و حدیث میں ممانعت تعیین و قیود اور تشابہ کفار اور اختلاط فساق اور سب امور مناکیر کی موجود ہے پس یہ دو حجت شرعیہ تو ہرگز مثبت قیود مروجہ کے جواز کی نہیں بلکہ نافی اور ناہی ہیں تیسرا اجماع امت وہ بھی یہاں ہرگز موجود نہیں جلال الدین سیوطی حسن المقصد میں لکھتے ہیں ولیس فیہ نص ولکن فیہ قیاس علی الاصلین پس ہرگاہ بلکہ خود سیوطی باین وسعت نظر انکار نص کا کرتا ہے تو کسکا حوصلہ ہے کہ نص جواز کی دعویٰ اور اس قول سیوطی سے جیسا قرآن و حدیث سے نص جواز کا ہونا ثابت ہوا اجماع کا بھی انکار لازم ہے کیونکہ وہ بھی حجت قطعیہ ہے اور باحاد احادیث سے اقویٰ و اقدم ہے جب اس سے بھی انکار رہا جب ہی تو قیاس پر جو ظنی ہے سہارا پکڑا ورنہ اجماع کے ہوتے کیا ضرورت قیاس کی تھی اور محل اجماع میں قیاس کب درست ہے پس صاف سیوطی نے انکار وجود ہر سہ حجت کا جواز ان قیود میں کر دیا اور حال صحیح

معتبر نہیں سمجھا کرتا تھا اس کے زمانہ میں ایک عالم ابوالخطاب بن دحیہ جو حضرت دحیہ کلبی صحابی کی نسل اور اولاد میں تھا جس کی بابت شرح علامہ
زرقانی اور دوسری تواریخ عربی میں لکھتے ہیں کہ وہ علم حدیث میں بڑا معتبر کار تھا علم نحو اور لغت اور تاریخ عرب میں کامل تھا بہت ملکوں میں
پھر کے اس نے علم حاصل کیا تھا اکثر شہروں ملک اندلس میں اور مراکش اور افریقیہ اور دیار مصر اور ملک شام و دیار شرقیہ و غربیہ و عراق و خراسان
و مازندران وغیرہ میں خود علم حدیث حاصل کرتا اور دوسروں کو فائدہ دیتا پھر انجام کار سنہ چھ سو چار ہجری میں وہ شہر اربل میں آیا یہاں سلطان

بعد تمام اس تقریر کے واضح ہو جاوے گا اب اور سنو کہ سیوطی نے جو انکار وجود اجماع کا جواز ان قیود اور اس ہیئت میں کیا ہے اس واسطے کیا
ہے کہ اجماع کی تعریف شرع میں یہ ہے کہ اتفاق مجتہدین صالحین من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی عصر واحد علی امر قولی او فعلی انتہی من نور الانوار
والشرط اجتماع الکل وخلاف الواحد مانع کخلاف الاکثر انتہی منار پس ہرگاہ کہ خود اس وقت حدوث میں فاکہانی اور ان کے توابع علماء
نے انکار اس پر کیا اور بدعت ہونا اس کا ثابت کر دیا تو اجماع کا وجود کہاں ہو سکتا ہے شرعاً تو اجماع کے وجود کو ایک فرد کا بھی خلاف مانع ہے
پھر ہر قرن میں علماء خلاف کرتے رہے اور اس کے بدعت ہونے کے مقر رہے لہذا وجود اجماع کا ہرگز نہیں ہو سکتا اہل علم تو جانتے ہیں
کہ جہلا ظاہری کثرت کو دیکھ کر اجماع سمجھ جاویں جیسا عوام سمجھ رہا ہے پس شرعاً یہ مسئلہ قیاسی رہا اور ظنی ٹھہر گیا اجماع شرع ہرگز ممکن نہیں
اور سند اجماع کی بھی ضرور ہے علی المختار قال التوضیح وسند الاجماع خبر الواحد والقیاس عندنا والجمہور علی انہ لا یجوز الاجماع الا عن سند
من دلیل او امارۃ لان عدم السند یستلزم الخطأ اذ الحکم فی الدین بلا دلیل خطأ انتہی من توضیح پس یہاں سند کے واسطے آیت و
حدیث تو پہلے ہی سے مرتفع ہے اجماع کس شے پر ہو ہاں اگر ان دو اصل پر جو ابن حجر و سیوطی نے استخراج کی ہیں ہو جاتا تو ممکن تھا مگر نہیں ہوا جیسے
کہ معلوم ہو لیا کہ کسی قرون میں اتفاق سب کا نہ ہوا اور پھر وہ دونوں اصل فاسد بھی ہیں لہذا ان کو علماء نے قبول نہ کیا بہر حال اجماع کا نہ
ہونا اس ہیئت پر ثابت ہو گیا چوتھے حجت ظنی قیاس صحیح ہے اور وہ بزعم مجوزین اس ہیئت میں پائی جاتی ہے چنانچہ سیوطی خود
کہتے ہیں اگرچہ بے علم لوگ کچھ کہیں مگر حق یہ ہے کہ یہاں قیاس بھی صحیح نہیں اس واسطے کہ منجملہ شرائط صحت قیاس کے یہ بھی شرط ہے کہ
فرع میں کوئی نص مخالف حکم قیاس کے موجود نہ ہو اگر ایسی نص موجود ہووے گی تو قیاس باطل ہو جائے گا اور یہ بھی شرط ہے کہ قیاس فرع میں
حکم نص کو متغیر نہ کرے یعنی مطلق کو مقید مثلاً قال فی التوضیح ولا یصح القیاس ان کان فی الفرع نص لانہ ان کان موافقاً للنص فلا حاجۃ
الیہ وان کان مخالفاً یبطل وان لا یغیر القیاس حکم النص فلا یصح شرط التملیک فی طعام الکفارۃ قیاساً علی الکسوۃ لانہا تغیر حکم قولہ
تعالی فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین ولا نشترط الایمان فی کفارۃ الیمین قیاساً علی کفارۃ القتل لانہ یخالف اطلاق النص انتہی پس اب سنو کہ
تحقیق ہو چکا کہ احادیث ثابت ہو لیا کہ مطلق کو مقید کرنا ممنوع ہے کہ تغیر حکم شرع کا ہے اور اس پر اجماع تمام امت کا ہے
سیوطی نے بھی اس کو خوب اچھی طرح اسی واسطے لکھا تھا اور ذکر فخر عالم کا اور شکر آپ کے وجود کا نصوص میں مطلق وارد ہوا ہے مثلاً قولہ تعالی
واما بنعمۃ ربک فحدث الآیۃ واشکروا نعمۃ اللہ الآیۃ پس مطلق نصوص مندوب ذکر فخر عالم کو قیاس بغیر کسی ہیئت میں کرنا کس طرح
درست ہوگا کہ یہ قیاس خلاف حکم نص کے ہے اور مغیر حکم نص کو ہے پس یہ قیاس ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا اور حسب قاعدہ اصول شرع
یہ قیاس باطل ہے کہ مغیر اور مخالف حکم نص کے ہے پس معلوم ہو لیا کہ یہاں کوئی قیاس بھی صحیح نہیں جیسا تین حجت سابق نہیں
پس ہر چہار حجت شرعیہ اس امر میں موجود نہیں پس یہ جواز اس ہیئت و تعین کا ہرگز جائز نہیں بلکہ بدعت ضلالہ ہے بغور ملاحظہ فرما دیں

ابو سعید مظفر کے لئے مولود شریف تصنیف کیا اس کا نام رکھا کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر اور خاص آپ اس کے سامنے پڑھا ایک ہزار
اشرفی انعام میں سلطان سے پائی منکرین لوگ اس عالم محدث کو بباعث مولد شریف لکھنے اور پڑھنے کے دشمن جانتے ہیں اور ان کی
برائی لکھتے ہیں حالاں کہ کتب معتبرہ میں ان کی تعریف مندرج ہے اور اسی طرح سلطان مظفر کو بھی برا کہتے ہیں کہ اس کی پلٹنوں میں باجا بجتا
تھا اس باعث منکرین نے اس پر مزامیر سننے کا عیب لگایا حالاں کہ وہ پلٹن کا باجا تھا مثل طبل غازی آلات تہیہ جہاد میں داخل تھا اس

اب ان دو اصل کو دیکھو جن کو سیوطی فرماتے ہیں اصل سیوطی کی حدیث تو سیوطی کی تو حدیث عقیقہ کی ہے کہ آپ نے اپنا عقیقہ بعد نبوت کے
کیا تو سیوطی کہتے ہیں کہ آپ کا عقیقہ تو عبد المطلب نے کیا تھا اور عقیقہ مکرر نہیں ہوتا تو یہ ذبح شکریہ اپنے وجود پر وجود کا کیا تھا اور اس ذبح کو اس
حمل کیا جاوے گا اور تشریع امت کے واسطے یہ شکریہ کیا تھا بس برین قیاس ہم کو بھی آپ کے وجود کا شکریہ باجتماع واطعام کرنا مستحب
ہوا پس اول تو سنو کہ سیوطیؒ نے اس اصل سے نفس شکر یا لی کو قیاس سے نکالا ہے کیوں کہ اس میں ذبح کا ذکر ہے تاریخ کوئی مذکور ہی نہیں
اور اجتماع واطعام کا اسمیں کوئی ذکر ہی نہیں پس سوائے شکر کے باقی قیود سب کی سب ان کے نزدیک بھی اصل بدعت وکراہت پر اور
حسن و انکار پر باقی ہیں اس امر کو خوب غور کر لیویں مثلاً تعیین و تقیید مطلق کا اور تشبہ کفار کا اور مداہنت مبتدعہ اور فسقہ کے ساتھ اور
اسراف روشنی کا اور دیگر مکروہات کہ اس اصل سے ان کو کوئی بوئے جواز بھی نہیں ملی اور نصوص قطعیہ سے ممانعت ان کی ثابت ہے اور اس سے
بھی معلوم ہوا کہ ان کے وقت میں اس استحباب کے درجہ تاکد کا بھی نہ تھا اور مباح کو اپنی حالت سے تغیر بھی نہیں تھا بہر حال اس اصل سے علاوہ
سرور و استحباب قربات مالی و بدنی کا معلوم ہوا اور بس پس مولد مروج اہل زمانہ کو کوئی فائدہ اس سے نہیں ہوا اور دوسرے یہ کہ حدیث
ضعیف ہے چنانچہ سفر السعادت میں اور اس کی شرح میں شیخ عبد الحق نے فرمایا اور اسناد آں ضعیفی ہست و خالی از بعدے ہم نیست
انتہی اور بعض نے تو اس کو موضوع بھی کہا ہے بہر حال حدیث ضعیف موجب عمل کے نہیں ہوتی پس قیاس اس سے کرنا بھی لائق احتجاج
کے نہ ہوگا تیسرے عقیقہ کے معنی لغوی و شرعی دونوں کو سیوطی نے ترک کر کے ایک معنی مجازی لئے کہ دم شکریہ ہے سو بلا دلیل قوی محض
احتمال سے ثبوت حکم مذہب کا اس سے نہیں ہو سکتا چوتھے یہ کہ حق تعالی نے ایجاد و بعثہ فخر عالم علیہ السلام منت اور احسان عباد پر فرمایا ہے بقولہ
تعالیٰ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیہم الآیۃ اور اس منت کا شکر عباد پر واجب کہا ہے بقولہ تعالیٰ واشکروا نعمۃ اللہ ان
کنتم الآیۃ اور دیگر آیات سے بھی یہ ثابت ہے پس طلب شکر کو حق تعالی نے مطلق رکھا ہے کسی وقت و ہیئت میں مقید نہیں کیا پس اب
قید کسی وقت و ہیئت کی مغیر اس نص کی ہووے گی تو بھی قیاس باطل ہوا اور جو محل نص میں قیاس ہوا تو بھی لغو ٹھہرا بر خلاف حکم نص
کے تقیید ہوئی تو بھی باطل ہو گیا ہاں مطلق شکر مطلق اوقات میں فرض منصوص ہے سو اس میں کلام ہی نہیں جو کچھ بحث ہے تو قیود
تعینات میں ہے اور پھر یاد دلاتا ہوں کہ سوا افعال شکریہ کے دیگر قیود اپنے حال پر ہیں کہ اس غیر صحیح سے بھی ان کو کچھ علاقہ نہیں پانچویں یہ کہ
حدیث ضعیف عقیقہ میں کوئی قید زمانہ کی نہیں کہ کس تاریخ و ماہ میں کیا تھا پھر اس سے ماہ ربیع الاول اور تاریخ ولادت ثابت بھی نہیں
ہوتی کہ ایک امر منکر اس ہیئت کا ہے نفس ذبح ثابت ہوتا ہے کہ اراقہ دم ہے نہ صدقہ نہ کچھ پھر اس سے کوئی قید بھی ثابت نہ ہوئی نہ اطعام نہ
سرور باجتماع فقط نسک اراقہ دم ثابت ہے اور بس اور کلام اعادہ سرور میں ہے نہ شکر میں اور تاریخ معین پر اجتماع و ہیئت معینہ سے
شکر میں پس اس کو کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا پس قیاس بھی اس سے درست نہ ہوگا اور اس ہیئت شکریہ پر کسی صحابیؓ اور تابعین عمل

کے طبل وغیرہ چیز دیگر ہیں اور مزامیر لہو ولعب چیز دیگر اور محفل میں مدائح مصطفویہ سن کر شدت سرور سے اس کو وجد ہوتا تھا اس کا کلام
سمجھے مانسوں نے رکھا کہ وہ محفل میں ناچتا تھا اور لکھا کہ اس کی محفل میں خیال گائے جاتے تھے یہ خاک اٹھایا اس کا کہ اشعار نعت پڑھے جاتے
تھے اور اشعار کی تعریف خود کتابوں میں تصریحاً لکھی ہے کہ اشعار مقدمات خیالی کو کہتے ہیں پس کہاں تو یہ خیال کہاں وہ شیء اور خیال سہ چشم
اندیش کہ برکندہ باد چہ عیب نماید ہنرش در نظر، خلاصہ یہ کہ یہ صاحبان صافی طینت باعث مولد شریف کرنیکے لاکھ برائی کریں مگر چاند پر

اگر یہ فعل تشریع کیواسطے تھا تو کیوں ان قرون میں بالکل متروک ہوا اب بعد چھ سو کے اس پر عمل ہوا یا اول دلیل اس کی ہے کہ کچھ اصل نہیں رکھتا
پس یہ اعتراض فاکہانی کا کہ اس اطلاق حکم شکر کو زمان وہیئت سے مقید کرنا بدعت ہے کسطرح رفع ہوا اور کیا امر اس قیاس سے ثابت
ہوا اس اثبات سیوطی سے کچھ بھی ثابت ہوتا ہے نہیں نہیں بلکہ فاکہانی کا اعتراض قائم ہے اور یہ قیاس خود باطل ہے اس سے کوئی قید ثابت نہیں
ہوتی کما لا یخفی پس صاف ظاہر ہو گیا کہ ہر سہ نصوص کا تو خود سیوطی اقرار کرتے تھے کہ یہاں موجود نہیں اصل رابع جو سیوطی نے پیدا کئے تھے وہ
بھی لاشئے محض ہے خصوصاً ہمارے زمانہ کے مولود کو تو کسی جہ سے بھی مفید نہیں چنانچہ ہر ذی عقل پر روشن ہے دوسری اصل شیخ ابن حجر کی سنو
کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود کو یوم عاشورار کا روزہ رکھتے دیکھکر پوچھا کہ تم کیوں اسدن روزہ رکھتے ہو یہود نے کہا
کہ اس روز میں فرعون غرق ہوا اور حضرت موسی ع م کو نجات ہوئی تو حضرت موسیٰ ع نے شکراً روزہ رکھا تھا تو ہم بھی رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا
کہ ہم احق ہیں ساتھ حضرت موسیٰ ع کے تم سے پس آپ نے روزہ رکھا اس سے معلوم ہوا کہ روزہ منت واحسان کے اعادہ سرور کا شکر کرنا درست ہو
اب سنو کہ قیاس بھی درست نہیں اول تو وہی تقریر سابق یہاں بھی ہے کہ شکر وجود پر جود و آپ کا نص مطلق سے مطلق ثابت ہوا ہے پس قیاس
لغو ہے اور بسبب تغیر حکم نص کے اطلاق سے تقیید کیطرف یہ قیاس باطل ہے اور اس اصل سے فقط جواز اعادہ شکر کا یوم ورود نعمت میں ابن
حجر نے ثابت کیا ہے کہ اس کی حقیقت بھی اب معلوم ہو جاتی ہے اور سوائے اس کے کوئی قید قیود مولود مروجہ کی اس سے ثابت نہیں ہوتی پس
مولف کو کیا نافع ہوا اور خود ہیئت اجتماع جو فاکہانی کا اعتراض ہی قائم ہے اب تحقیق اس واقعہ کی سنو کہ بخاری ومسلم میں ہے کہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم اس روزہ کو قبل ہجرت مکہ میں رکھتے تھے عن عائشۃ قالت کان یوم عاشوراء تصومہ قریش فی الجاھلیۃ وکان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یصومہ فلما قدم المدینۃ صامہ علی عادتہ قسطلانی وامر الناس بصیامہ فلما فرض رمضان فی السنۃ الثانیۃ قسطلانی
ترک یوم عاشوراء فمن شاء صامہ ومن شاء ترکہ انتہی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یوم عاشوراء اول ہی سے آپ نے حسب عادت رکھا
تھا قسطلانی خود علی عادتہ لکھ رہا ہے اور خود ابن حجر عسقلانی بھی شرح بخاری میں بھی اقرار کرتے ہیں اور لوگوں کو امر فرمانا بھی بامر اللہ تعالی
تھا کیونکہ افتراض صوم کا بدون امر حق تعالی کے نہیں ہو سکتا پس یہ روزہ علی عادتہ رکھا مگر فرضیت کا حکم اب زائد ہو گیا پھر دوسرے سال
فرضیت منسوخ ہو گئی تو صاف ظاہر ہے کہ شکر نجات حضرت موسیٰ کی وجہ سے یہ روزہ نہ ہوا تھا بلکہ بعادتہ افتراض اللہ تعالی تھا دوسرے
حدیث ابن حجر کی اصل یہ ہے عن ابن عباس قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم المدینۃ فوجد الیھود صیاماً یوم عاشوراء فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ھذا الیوم الذی تصومونہ فقالوا ھذا یوم عظیم انجی اللہ موسی وقومہ وغرق فرعون وقومہ فصامہ موسی
شکراً فنحن نصومہ فقال رسول علیہ السلام فنحن احق بموسی منکم فصامہ وامر الناس بصیامہ الحدیث پس اس حدیث میں اول کلام تو یہ ہے کہ
یہود کا کہنا کہ فنحن نصومہ ای اتباعاً لموسی خود یہود کا روزہ باتباع سنت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھا نہ بوجہ شکر کے کیونکہ شکر

خاک نہیں پڑتی دیکھو تواریخ عربی میں طومار کے طومار اس کی تعریف میں بھرے ہوئے ہیں یہ موقع طول کا نہیں اس لئے ایک مختصر عبارت مو
زرقانی شارح مواہب کی لکھتا ہوں کہ انھوں نے علامہ ابن کثیر کی تاریخ سے نقل فرمائی ہے کان شہمًا شجاعًا بطلاً عاقلاً عادلاً ولا محمد
الحاصل اس بادشاہ کے وقت میں جب یہ رسوم سے محفل میلاد شریف ہونے لگی ایک مولوی نے اس میں یہ عذر کیا کہ یہ تخصیص کہ خاص ربیع الاول
کی بارہویں تاریخ ہی کو محفل ہوا کرے فرض واجب یا سنت موکدہ تو کسی کے نزدیک نہیں باقی رہی یہ کہ مستحب یا مباح ہو سو یہ بھی نہیں اس لئے
کہ بدعت دین میں درست نہیں پس لابد اس کو مکروہ کہیئے یا حرام اور سوا اس ایک عالم کے جسقدر علماء تھے سب نے اس کے قول کو رد کیا اور فتوی
دیا کہ یہ مستحسن اور مستحب ہے اور وہ بدعت منع ہے جو سیئہ ہو یہ تو حسنہ ہے پس اسی فتوی پر عمل ہو گیا تمام اس وقت کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ
صوفیہ مولد شریف میں حاضر ہوتے چنانچہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے وکان یحضر عندہ فی المولد اعیان العلماء والصوفیۃ اور رائج ہو گیا
یہ عمل مقبول تمام شہروں اور ملکوں میں ہو گیا چنانچہ ملا علی قاری اور علامہ حلبی قسطلانی وغیرہ نقل کرتے ہیں کلام حافظ ابو الخیر سخاوی سے ثم

نجاۃ کے تھا اور پھر جو شکر نعمت کا مثل سب نعماء کے ہر دم رہتا ہے اس سے بحث نہیں پس فخر عالم کا روزہ بھی شکر کا نہ ہوا بلکہ اتباع حضرت مو
کی سنت کا ہوا اور اگر تسلیم کریں اس کو کہ یہود کے کہنے پر روزہ رکھا تھا سو یہود دو کام کرتے تھے ایک صوم کہ وہ سنت حضرت موسیٰؑ کی تھی یا
فرض ہو گیا تھا تو مفروض من اللہ تھا دوسرے سرور عید لیوم النجاۃ سو اس کو خود فخر عالم ﷺ نے رد کر دیا تھا چنانچہ حدیث مسلم میں مصرح ہے
اس صورت میں اس سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس میں اعادہ شکر ہرگز نہیں اور جس فعل میں اعادہ شکر سرور کا ہے وہ شارع نے بوجہ مخالفت
یہود کے چھوڑ ہی دیا تھا دوسرے یہ کہ قصہ میں کوئی لفظ نہیں کہ یہود کے کہنے سے آپ نے روزہ رکھا تھا اور بوجہ نجات حضرت موسیٰؑ کے رکھا تھا۔ بلکہ اس
معلوم ہوتا ہے کہ بعد سوال وجواب یہود کے آپ نے روزہ رکھا سو پہلے حدیث خود صاف کہہ رہی ہے کہ بغرض اللہ تعالیٰ وعلی عادۃ تھا پس یہ
احتمال رفع ہو گیا اور احق بموسیٰ منکم اتباعًا لا سرورًا وشکرًا کیوں کہ سرور کا امر تو آپ نے ترک ہی کر دیا عن ابی موسیٰ قال کان یوم عاشوراء
یعظمہ الیہود وتتخذہ عیدًا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوموہ انتم دوسری روایت ہے خالفوا الیہود پس آپ یہود کی عید کے
کا حکم فرما چکے کہ صوم عید کے خلاف ہوتا ہے اور یہ قول احق بموسیٰ منکم بطریق الزام کے تھا کہ تم کس امر میں متبع موسیٰؑ کے ہو تم تو ہر امر میں اپنے
کے تابع اور مخالف شرع وحکم موسیٰؑ کے پھر دعوی اتباع تمہارا بے محل ہے ہاں ہم متبع موسیٰؑ کے ہیں پس یہ الزام تھا نہ وجہ صوم کی پس بہر حال
صوم اعادہ شکر وسرور کا نہ ہوا اور نہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا پھر قیاس کس چیز پر کیا جاتا ہے عجب ہے کہ ابن حجر جیسا ایسی بات فرمائے
پھر اس سے اگر کوئی تسلیم بھی کرتا تو اعادہ نفس شکر یوم معین کا نکلتا فاکہانی کے دو اعتراض تھے سو ہیئت اجتماعی کرتے ہونا تو اب بھی رفع
بہر حال اول اس حدیث کے اصل ہونے میں ہی کلام ہے کہ ہرگز اس سے اعادہ شکر وسرور کا یوم معین میں نہیں نکلتا اگر معلوم بھی ہو وے
قیاس کے بطلان کی وجہ معلوم ہو چکی اور مولود مروجہ کو کسی وجہ سے بھی مفید نہیں پس محقق ہو گیا کہ جواز قیود میں حجت قیاس سے بھی کچھ ثبوت
نہیں لہٰذا حجج اربعہ سے بدعت ہونا اس مروجہ کا محقق ہو گیا فللہ الحمد اب مؤلف کے اقوال لغو کو دیکھنا چاہیئے قولہ الحاصل اس بادشاہ
کے وقت میں جب الخ اقول تسلیم کیا کہ ایک علامہ عالم نے ہی انکار کیا مگر اس کے انکار کا آج تک کسی سے جواب نہیں دیا گیا اور فقط اس
نے اجماع کو جو غرض مؤلف کا ہے باطل کر دیا اور قیاس کی کیفیت معلوم ہو چکی کہ یہاں کسی کام کا نہیں قرآن وحدیث سے کچھ ثبوت
نہیں پس سب آپ کے علماء کا فتوی لا یعبا بہا ہو گیا اور بدعت ہونا مقرر ہو گیا اور حاضر ہونے سے مشائخ اور علماء کے کچھ حجت

سوال ۱ھل الاسلام فی سائر الاقطار و البلدان الکبار یحتفلون فی شہر مولدہ ویعتنون بقراءۃ مولدہ الکریم ویظہر علیہم من برکاتہ کل فضل عمیم اور ملا علی قاری نے کل ملکوں میں مولد شریف کا ہونا ثابت کیا ہے جس کا جی چاہے ان کے رسالہ میں دیکھے کہ وہ لکھتے ہیں یہ بات کہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً اور ملک مصر اور ملک اندلس اور ممالک مغربی اور ملک روم اور ملک عجم اور ملک ہندوستان وغیرہ میں کمال اہتمام اور احتشام سے ہوتی ہیں محفلیں مولد شریف کی اور یہ بھی لکھا ہے ومن تعظیم مشائخہم وعلمائہم ھذا المولد المعظم والمجلس المکرم انہ لا یأباہ احد فی حضورہ رجاء ادراک بعض برکتہ ضمیر غائب لفظ ہم راجع جمیع مذکورین یا دیار و امصار مذکورہ بالا کی طرف پس معنی یہ ہوئے کہ اس محفل اور مجلس کی تعظیم ان سب ملکوں کے مشائخ طریقت اور علماء شریعت اس قدر کرتے ہیں کہ کوئی اس میں حاضر ہونے سے انکار نہیں کرتا انتہی کلامہ پس مقبولیت اور شہرت اور کثرت اس عمل پاک کی کلام ملا علی قاری اور سخاوی سے ظاہر ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء اور مشائخ میں کوئی انکار نہیں کرتا تھا اس سے ظاہر ہوا کہ وہ جو کوئی ایک دو آدمی ادھر ادھر انکار کرتا سو وہ مخالف ہزاروں بلکہ لاکھوں کے اور خلاف سواد اعظم سمجھ کر ہر دور و ہر عہد میں وہ منکر اپنے علماء معاصرین میں غیر مقبول اور متروک العمل رہا چنانچہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً میں زمانہ قدیم سے ابتک اور ملک روم شام و اندلس اور ممالک مغربی وغیرہ تمام بلاد اسلامیہ میں ہمیشہ سے اس وقت تک اسی استحباب اور استحسان محفل مولد شریف پر عمل ہے سوائے اس خطۂ پاک حضرت ہندوستان کے کہ اس میں طرح طرح کے انکار پیدا ہو گئے اور زمانہ قدیم میں بھی علماء ہند کے مقبولین معتمدین متقدمین مثل شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور ملا محمد طاہر صاحب مجمع البحار استحباب عمل مولد کے قائل تھے اور نیز بعض قصص و حکایات ہمایوں وغیرہ بادشاہان دہلی سے اور نیز کلام حافظ ابو الخیر سخاوی سے ملک ہندوستان میں رائج ہونا اس عمل پاک کا یقینی طور پر

پس اگر کروڑوں علماء بھی فتوی دیویں بمقابلہ نص کے ہرگز قابل اعتبار کے نہیں اگر کچھ بھی علم و عقل ہو تو ظاہر ہے بس قول سبط ابن الجوزی کا کہ یحضر عندہ فی المولد اعیان العلماء والصوفیہ بمقابلہ النصوص کے ہرگز ملتفت نہیں اور تمام بلاد میں اشتہار اس کا کوئی دلیل شرعی نہیں صلوۃ لیلۃ البراءۃ اور رغائب تمام دنیا میں شائع ہوئی اور بدعت بھی رہی پس اشتہار امر غیر مشروع کا موجب جواز کا نہیں ہوتا پس سخاوی کے اس قول میں کوئی حجت شرعیہ نہیں علی ہذا ملا علی قاری کا لکھنا کہ تمام ملکوں میں یہ رائج ہے قولہ اس سے ظاہر ہوا کہ وہ جو کوئی الخ اقول جو ایک دو عالم موافق نصوص شرعیہ کے فرماوے اور اس کی تمام دنیا مخالف ہو کر کوئی بات خلاف نصوص اختیار کرے تو وہ ایک دو ہی عالم مظفر منصور اور عند اللہ مقبول ہوویں گے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال طائفۃ من امتی علی الحق منصورین لا یضرہم من خالفہم حتی یاتی امر اللہ طائفہ خود قطعیہ شے کا ہوتا ہے اور قلت پر دلالت کرتا ہے پس خود ارشاد فخر عالم ہے کہ جو موافق کتاب و سنت کے کہے وہ طائفہ قلیلہ اگرچہ رجل واحد بھی ہو وہ علی الحق اور اس کی مخالف تمام دنیا بھی ہو تو مردود ہے اور یہاں خود مبرہن ہو لیا کہ یہ مجلس مروج ادلہ اربعہ شرعیہ کے خلاف ہے اور ادلہ اربعہ سے بدعت ہونا اس کا ثابت ہے فماذا بعد الحق الا الضلال اب مؤلف ممالک کی شمار کر کے اپنی کرم کہانی لکھی جاوے بندہ احقر پہلے عرض کر چکا کہ مؤلف کے پاس کوئی دلیل سوائے اس کے نہیں کہ تمام علماء کرتے رہے اور یہ بشرط ثبوت و تسلیم کوئی حجت شرعیہ نہیں حجت وہ ہے کہ ادلہ اربعہ سے پیدا ہووے اب مؤلف کا مایہ علم اور دلیل اثبات اس کے مدعا کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہمایوں وغیرہ بادشاہوں کی حکایات سے استناد کرنے لگا اور کفار فرنگ کی تعطیل کو بھی حجت جواز بنالیا کل رام لیلا کی تعطیل کو حجت جواز رام لیلہ کی نہ لکھ دیوے استغفر اللہ استغفر اللہ مؤلف کے حواس میں بیشک فتور اور اس کو ضعف دماغ سے مالیخولیا ہو گیا

معلوم ہے انتہا یہ کہ اس وقت میں جو حکام فرماں روا انگریز ہیں کہ ان کو کچھ علاقہ تعظیم و آداب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں بایں ہمہ انھوں نے بھی اپنی کچہری اور محکمہ میں جا بجا اہل اسلام کے واسطے مثل عید و بقرعید اور شب برات کے ایکدن چھٹی اور تعطیل کا واسطے خوشی میلاد حضرت خیر العباد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہویں تاریخ ربیع الاول کو مقرر کر رکھا ہے افسوس صد افسوس کہ حکام انگریز اپنے کاروبار ضروری میں اپنے حرج منظور کریں اور اپنے حقوق خدمت اور کارگذاری کو اس روز کے واسطے بجا آوری مراسم فرحت و سرور و تعظیم حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے موقوف کریں یہ لوگ اس کے مقابل میں زبان مبارک سے فرماویں معاذ اللہ منہا کہ یہ فعل بدعت ہے اور ضلالت ہے اس دینداری اور خوش عقیدگی پر افسوس کیا خوب قدر پہچانی حضرت شفیع محشر کی صلی اللہ علیہ وآلہ واتباعہ وصحبہ اجمعین خیر انکار کرنے والے انکار زریں اگر ان کو بھی توفیق ہو کنارہ کریں محفل پاک کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر ہم اس وقت تک کا ثبوت کامل دیکھنے کہ مشرق سے مغرب تک کل ممالک اسلامیہ میں اہل اسلام اس عمل پاک کو محمود اور مستحسن جانتے ہیں بس کافی ہے ہم کو حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہ فرماتے ہیں ما راٰہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن یعنی جس چیز کو مسلمان لوگ اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور ہندوستان کے کسی نواح یا ضلع میں اگر دس پانچ مولوی اس آخری دورہ میں کہ فتنہ و فساد کا وقت ہے اپنا ایک جرگہ باندھ کر کچھ اس عمل کو برا کہنے لگیں تو

ہے افسوس قولہ بس کافی ہے ہم کو حدیث ابن مسعود الخ اقول مؤلف نے الفاظ ہی یاد کر لیے ہیں معنی تو کسی سے پڑھے ہی نہیں یہ سمجھ لیا کہ جس کام میں بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تو وہ امر جائز ہو گیا حالانکہ متبعین فسقہ[1] متبعین سنت سے زائد ہیں اس زمانہ میں ہزار گونہ کی نسبت ہو گئی اور حدیث لایزال طائفۃ من امتی کو جو ابھی لکھی گئی اور حدیث بدا الاسلام غریبا وسیعود کما بدء فطوبیٰ للغرباء الحدیث اور مثل اس کے سب کو بیک پشت ڈال دیا ہے کہ ان احادیث میں طائفہ[2] اور غرباء کی مدح ہو رہی ہے اب اپنے حسب جماعت[3] ان کو رد کرے تو اس سے عجب نہیں سو سنو کہ ان احادیث سے تو یہ مراد ہے کہ جس وقت میں تمام دنیا میں حب دنیا و جاہ و اتباع ہوی جاوے گا اس وقت میں وہی دو چار متبع سنت مقبول ہوویں گے ان کو طوبیٰ ہو اور حدیث ما راٰہ المسلمون اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی امر میں نص صریح قرآن و حدیث و اجماع امت سابقہ سے نہ ہو اور اس پر باشارہ و دلالت النص تمام علماء جمع ہوویں کیونکہ لام استغراق کا المسلمون میں موجود ہے اور اسلام مطلق سے فرد کامل اسلام کے مراد ہے تو کل مسلمین علماء مجتہدین ہی ہوتے ہیں پس تمام علماء کملاء اس کو دلالۃ النص سے بوجہ اسلام کامل کے حسن اعتقاد کریں اور جانیں کیونکہ مشتق منہ علت حکم کی ہوتا ہے پس ایسا امر عند اللہ بھی حسن ہی ہوگا اور اس کے معنی بعینہ وہی ہیں کہ فرمایا لا تجتمع امتی علی الضلالۃ اور یہ اور وہ دو قول حدیث اجماع قطعی کو ارشاد فرماتے ہیں پس مؤلف آنکھ کھول کر دیکھے کہ اجماع کس کا معتبر ہوتا ہے اور اجماع کس وقت اور کس شرائط سے قابل اعتماد ہوتا ہے اور یہاں قیود مروجہ مولد میں وہ شرائط ہیں یا نہیں ابھی بحث ادلہ اربعہ میں کہا گیا ہے اگر مؤلف کو کچھ علم ہے تو دیکھ لیوے تو شاید یہ سمجھ جاوے کہ یہی جرگہ دس پانچ کا طائفہ من امتی اور طوبیٰ للغرباء کا مورد ہے اور یہ مجلس مولود مروج خارج از ادلہ اربعہ ہے زیادہ تطویل کرتا اور بار بار اعادہ مضامین کا کچھ ضرور نہیں مگر اس قدر ہر عاقل سمجھ لیوے کہ ما راٰہ المسلمون اس وقت ہے کہ ادلہ ثلثہ شرعیہ سے اس کا کچھ صریح ثبوت نہ ہو ورنہ جب ان ادلہ سے قبح کسی شے کا ثابت ہے تو وہ شے عند اللہ قبیح ہو چکی اب تمام دنیا کے حسن جاننے سے بھی وہ حسن نہیں ہو سکتی مگر ہاں جب ادلہ ثلثہ میں صریح نہیں تو ضرور ضمنی طور پر کچھ ہوگا اس وقت جب سب علماء

[1] خرابی [2] چھوٹی جماعت [3] گروہ [4] چاروں دلائل سے خارج۔

تو کب عند اللہ مقبول ہو سکتا ہے اس کا تصفیہ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرما چکے آپ نے ارشاد فرمایا ہے اتبعو السواد الاعظم اس
حدیث کے معنوں میں لاکھ یہ لوگ سر پٹکا کریں اور کسی کسی کے اقوال شاذہ نقل کیا کریں لیکن جو معنی اس حدیث کے جمہور محدثین کے نزدیک ہیں
وہ یہی ہیں جس کو مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے اپنے مطبع کے مشکوٰۃ میں ملا علی قاری سے نقل کر کے قائم کیے ہیں سواد اعظم
کو لکھا ہے بعبر بہ عن الجماعۃ الکثیرۃ والمراد ما علیہ اکثر المسلمین اور اسی طرح مولوی اسحاق صاحب کے خلیفہ شاگرد رشید نواب قطب الدین
خاں صاحب نے مشکوٰۃ کے ترجمہ میں اس حدیث کے یہ معنی لکھے ہیں کہ جو اعتقاد اور قول و فعل اکثر علماء کے ہیں ان کی پیروی کرو چونکہ یہ دونوں
عالم اس فرقہ کے نزدیک کمال مستند ہیں اس لئے ان کے قول پر بس کرتا ہوں نقل اقوال اور علماء محدثین کی کچھ حاجت نہیں اور لمعۃ ثامن

متفق ہو جاویں اور کسی شئی امر سے استنباط کر کے مجتمع ہو جاویں کہ ایک بھی ان سے منفرد نہ ہو تو وہ عند اللہ حسن ہو گیا کہ اجماع ان کا مظہر اس
حکم کا ہو گیا ہے تامل درکار ہے پس یہاں تو ادلہ اربعہ سے قبح ان قیود کا ثابت ہو لیا اب مؤلف کے مسلمین کے حسن جاننے سے قبح اس کا رفع
نہیں ہو سکتا مؤلف ذرا ہوش کرے کلمہ پڑھ کر سوچے علی ہذا قولہ علیہ السلام علیکم بالسواد الاعظم کو مؤلف یہ سمجھا کہ اختلاف مسائل
میں جس طرف بہت آدمی ہوں اس کو لیوے اور بظاہر یہی وجہ ہوئی کہ مؤلف نے طریقہ سنت کا چھوڑ کر اگرچہ ظاہر و باہر موافق حدیث
موافقہ کے تھا طریقہ بدعت کو اختیار کیا اور تاویلات رکیکہ بعیدہ کو گھڑ کر اس طریقہ کا اثبات چاہا کیوں کہ اہل سنت اس دورہ میں کم ہیں
جیسا خود فخر عالم نے فرمایا سیعود غریبا اس کا ظہور ہے اور اہل طغیان کی کثرت ہے سو مؤلف نے اس کو سواد اعظم جان کر یہ عمل کیا ہے
حالاں کہ حدیث کے یہ معنی ہرگز ہرگز نہیں قال التوربشتی السواد الاعظم عامۃ المسلمین من امۃ مطلقۃ والمراد بالامۃ المطلقۃ
اہل السنۃ والجماعۃ وہم الذین طریقہم طریق الرسول علیہ السلام والصحابۃ دون اہل البدع انتہی اس سے معلوم ہوا کہ سواد اعظم
اہل السنۃ ہیں بمقابلہ اہل البدع والاہواء کے نہ مطلق کثرۃ الرجال جیسا مؤلف نے سمجھ لیا اور اس کی شرح دوسری حدیث کرتی ہے
قال علیہ السلام فانہ من یعش منکم فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ
وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار پس آپ نے ایسے وقت اختلاف میں طریق اہل سنت کے التزام کو تاکید فرمایا
تھا کہ وہ سواد اعظم ہے اور بدعت کے اجتناب کی تاکید کی تھی نہ یہ کہ مبتدعین کو کثیر دیکھ کر ان کے ساتھ ہو جانا سو تصفیہ فخر عالم کا تو یہ سنت کا راہ
بتانا تھا اور نہ حدیث غرباء کے کیا معنی ہوویں گے پس اب سوچو کہ مؤلف اور سب اس کے مقتدی اور طریقہ مروجہ مولود کو جو سو کا ایجاد کرتے ہیں
پھر اس میں اختلاف ہوا تو مانعین تو طریقہ معمولہ امر وجہ صحابہؓ کی ہدایت کرتے ہیں اور اس بدعت مروجہ کو خلاف ان کے طریقہ کے ثابت کر کے
منع کرتے ہیں اور مجوزین اس کی بدعت ہونے کا اقرار کر کے حسن کو بدلائل واہیہ رکیکہ اثبات کرتے ہیں پس سواد اعظم مانعین ہوئے ہر عاقل
جان سکتا ہے اگر کوئی جاہل قواعد شرعیہ سے اتنا ہی سمجھ لیوے کہ اس فعل کے بدعت سیئہ اور حسنہ ہونے میں خلاف ہو تو ترک ہی
مناسب اور احوط ہے کیوں کہ یہ فعل مندوب ہی ہے واجب تو نہیں تو یہی کافی ہے متدین کو تو مگر جس کے دل میں بدعت مشرب ہو اس
کا کیا علاج چہ جائیکہ یہاں ادلہ اربعہ سے اس مروج کی ضلالت ثابت ہو چکی بہر حال اس ہیئت کذائیہ میں طریقہ صحابہؓ کا حسب ارشادات
احادیث کے میزان ہے جس کا طریقہ اور قول وضع صحابہؓ سے موافق ہے وہی حق ہے الحاصل مثل آفتاب نصف النہار کے واضح ہو گیا کہ اکثر
المسلمین اور جماعت کثیرہ اور سواد اعظم اہل السنت والجماعت ہیں اور ان کا طریقہ موجب نجات اور سنت ہے اور اسی کے ہی التزام

میں بھی اس کی بحث آوے گی پس موجب فرمودہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحسن ہونا عمل مولد شریف کا ثابت ہو گیا والحمد علی ذالک ابھی خیال آتا ہے کہ حصول مدعا کے دو طریق ہیں ایک تو اس کا ثبوت دینا دوسرے یہ کہ جو اعتراضات مخالفین کے ہیں انکار کر دینا پس ثبوت تو کامل

کا حکم ہے پس جو اس کے موافق ہے اگرچہ ایک ہی عالم ہو وہ سواد اعظم اور حق ہے اور جو اس کے خلاف کہے اگرچہ تمام عالم ہو باطل ہے اور اس مسئلہ میں ادلار بعہ کے عدم جواز ان قیود کا ثابت ہو گیا پس اصل ذکر ولادت وغیرہ خود فخر عالم کا مستحسن اور جملہ امور عارضہ بدعت ضلالہ ہیں اور کثرت قلت کا اعتبار نہیں موافق سنت و طریقہ صحابہؓ کے واجب التمسک ہے واللہ الہادی

قولہ پس ثبوت تو کامل طور پر الخ اقول مؤلف کو غیرت و شرم کا تو نام و نشان نہیں سنو کہ ثبوت کامل اس کے معنی ہیں کہ ادلار بعہ سے اثبات مدعا ہو سو خدا تعالیٰ کے حکم سے کوئی ایک دلیل بھی امر متنازعہ فیہ میں مؤلف نے نہیں لکھی ایک آیت اور تین حدیث نفس ذکر میں لکھی تھی سو وہ سب کے نزدیک مسلم ہے۔ اور قیود مروجہ کے باب میں جس کا بدعت ہونا ہم ثابت کر رہے ہیں مؤلف نے اس میں سوائے قصہ کہانی کے کچھ بھی تو نہیں لکھا اور پھر کہتا ہے کہ ثبوت کامل ہو گیا تو کچھ تو شرم کرے کہ آدمی بورے ہر شخص اس کے اس رسالہ کو دیکھے نہ معلوم وہ کامل ثبوت کہ مؤلف میں ہے یا صندوق میں اس رسالہ میں تو یہاں مورد الروی کا قول مذکور ہے جس کے معنی بیان ہو چکے ہیں کہ سب امور مکروہ و محرم تو اس میں منع ہیں اور جو مباح و مندوب اپنی حد سے نکل کر مکروہ اور بدعت ہو گیا وہ بھی ممنوع ہو سو یہ عین مطلوب مانعین کی ہوا اس میں کوئی ثبوت قیود مروجہ کا نہیں اور سبط ابن جوزی کا قول کہ مولد میں اعیان علماء حاضر ہوتے تھے اور سخاوی کا قول کہ ہر قوم اہل اسلام شہر میں محفل مولد کرتے ہیں اور یہ ملا علی قاری کا قول کہ اس میں حاضر ہونے سے کوئی انکار نہیں کرتا اور چند ممالک کا نام لکھ دیا کہ یہاں ہوتا ہے اور حرمین میں ہوتا ہے اور ہمایوں وغیرہ سلاطین کی حکایت کا اشارہ اور فرنگیوں کی تعطیل کا حوالہ بس مؤلف نے یہ دلائل لکھی ہیں جس کو اثبات کامل کہتا ہے تو سب کا جواب پہلے اجمالاً لکھا گیا کہ یہ قطعاً محقق ہو کہ وہ اجماع شرعی کہ حجت قطعیہ دین کی ہے اس ہیئت مجلس مولود پر کہ سلطان مظفر کے وقت میں ہوئی اور سیوطی کو اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں نہیں پایا گیا کیوں کہ باقرار مؤلف ہر زمان میں ایک عالم اس کا منکر رہا ہے پس اجماع محال ہوا کہ ایک کا انفراد بھی قاطع اجماع کا ہے پس جو کچھ امر جواز کا بقاعدہ قول اکثر علماء کا بقول مؤلف تھا سو وہ ظنی بحکم قیاس کے ہے جیسا اصول میں مصرح ہو سو بمقابلہ نص کے کہ تعیین مطلق کا بدعت ہوتا ہو کب معتبر ہو ہرگز ہرگز نہیں چنانچہ سب کتب اصول میں مشرح ہے ذرا علم چاہیے تب یہ سب اقوال مخالفہ بمقابلہ نص کے رد ہو گئے اور حجت حکایات سلاطین و تعطیل نصاریٰ کی مردود ہو گئی تو مؤلف نے کونسا ثبوت کامل پایا ہے جس پر یہ کچھ تفخرہ ہو رہا ہو سو یہ تو اس ہیئت کا ذکر ہو کہ جلال الدین نے لکھی اور یہ ہیئت اس زمانہ کی سو یہ قطعاً بدعت اور ضلالت ہو اس میں تو نام و نشان بھی جواز کا نہیں اور اگر ہم تسلیم کریں اور ان نقول کو معتبر بھی رکھیں تاہم اس میں نفس محفل مولود کا ذکر ہے اس میں کہیں بھی کہ ہیئت مروجہ کا نہیں کا اثبات دعویٰ مؤلف کو مفید ہو مطلق سے مقید کا اثبات جواز کس عقیل کے نزدیک ہو سکتا ہے بہرحال مؤلف کو اس ابلہ فریبی سے کہ دو ورق کہانی کے سیاہ کر کے دعویٰ ثبوت کامل کا کرتا ہو جہلاء عوام تو شاید دھوکہ کھا دیں مگر جس کو کچھ بھی علم ہو گا وہ کس طرح اس کو تصدیق کرے گا ایک بھی دلیل شرعی نہیں لکھی اور ثبوت کامل ہو گیا معاذ اللہ عنہ ہذا التدلیس والتلبیس۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ علامہ فاکہانی نے جو کچھ اس ہیئت محدثہ کو رد کیا کہ جس کو سیوطی نے حسن المقصد میں لکھا ہو تو ظاہر حال اس کا دیکھ کر اور مآل انجام کو لحاظ فرما کر رد کیا ہے مگر ظن یہ ہے کہ ہیئت در اصل مباح تھی کیوں کہ اس میں سوائے اجماع صلحاء واطعام

تمام عبارت سلف سے اجازت نفس ذکر و کراہیت قیود مستنبط ہوتی ہے

ﮧ کثیر جماعت کے چاروں دلائل قرآن و حدیث و اجماع و قیاس کے گمراہی کی دلیل پکڑنا ہے جس میں اختلاف ہو اور سرگروہ کے ایک ہونا شہ قریب ۹ کمتر

کامل طور پر ہو چکا اب جواب ان کے ہذیانات کا ہا یہ کام علماء اہل سنت بخوبی کر چکے نصر المسلمین اور حق الیقین اور سیف الاسلام اور غایۃ الرام اور شباح الکلام اور ماعلۃ الاذی وغیرہ میں جس کو دیکھنا ہو دیکھے لیکن کسیقدر مشتے نمونہ از خروارے بیان کرتا ہوں لمعہ ثانیہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہر سال محفل کرتے ہیں یہ مشابہت کرتے ہیں کنھیا کے جنم کی اور نیز اسمیں تشبہ ہے نصاریٰ کے بڑے دن کا نعوذ باللہ من ہذا القول والاعتقاد جواب اس کا یہ ہو کہ اگر ہندوستان میں یہ فعل ہوتا تو یہ بات کہہ سکتے تھے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے یہ بات سیکھ لی ان کی مشابہت کرنے لگے تم اصل حال سن چکے ہو کہ اول یہ عمل عراق کے شہر موصل میں ایجاد ہوا وہ لوگ تو خود کنھیا کو نہیں جانتے کہ کس چیز کا نام ہے اور اس کے جنم کی مشابہت تو درکنار بھلا اگر ہندوستان کے مسلمان جنم کنھیا کی مشابہت کرتے ہیں تو بیان کرو کہ دم دشام

طعام و قراءت قرآن کے کوئی امر مکروہ نہیں ہوا اور طعام خود مباح اور قرآن و ذکر مستحب اور تعیین تاریخ کا لازم نہ تھا تو یہ اس قدر فی حد ذاتہ مباح ہو تو اسوقت میں وہ لوگ عقیدہ میں مؤکد جانتے تھے نہ عمل میں مثل مؤکد کے التزام تھا اور عوام کی طرف سے بھی طاغیت بھی تو اسوقت فتنہ حال و مآل کو مرفوع جانتے تھے تو اگرچہ بحکم ظاہر کے فتوی فاکہانی کا بجا و سزا تھا مگر فی الواقع یہ امر مباح تھا اور یہی امر معہود بندہ مولوی روی سے صاف ظاہر ہوتا ہو اور یہی تحقیق سیوطی کی حسن المقصد سے واضح ہے سو حق الامر واضح ہوا کہ اصل مسئلہ میں کچھ نزاع نہ تھی جو وجہ منع فاکہانی نے لکھی وہ دوسرے فریق کو بھی مقبول تھی مگر اصل اباحت اور رفع مانع کے سبب سے بدعت حسنہ کہتے تھے اگر امر عارض فاکہانی کا ان کو بھی معلوم ہوتا تو وہ بھی یہی فرماتے جو فاکہانی نے لکھا مگر وہ اس کو مرتفع جانتے تھے سو نزاع لفظی تھی امر واقع میں نزاع حقیقی اصل مسئلہ میں پس یہ نقول اور اقوال اس زمانہ کے مولود کو ہرگز مجوز و مفید نہیں کہ وہ مانع اب موجود ہو گیا ہے قطعاً اور بہت اشیاء ہیں کہ اختلاف زمانہ سے بدلجاتی ہیں جیسا مؤلف خود قائل اس کا ہے دیکھو اہل میت کو طعام دینا اول روز مستحب تھا اب بسبب رسم کے ممنوع ہو گیا سنن ابن ماجہ میں ہو قال ابو عبد اللہ غلبت السنۃ کان حدیثا فترک انتہی پس گویہ ہیئت مباحہ مذکورہ سیوطی کی اس وقت میں مباح تھی مگر اب مکروہ و بدعت ہو گئی ہے قطعاً پس حکم بھی بدل گیا لہذا یہ اقوال سخاوی وغیرہ کے کسی وجہ مفید مدعا مؤلف کے نہیں اور بہرحال یہ مولد مشتہ زمانہ بدعت ہی سو اب ہر اہل علم غور و تامل سے دیکھے کہ مؤلف کی کیا فہم غبی ہو کہ ایک بھی دلیل حاجت پر نہیں لایا اور دعوی ثبوت کامل کا لکھتا ہے ہاں تعطیل انگریزاں اس کی حجت باقی ہے کہ وہ کسی نقل سے رد صریح نہیں ہوتی اس پر ہی اعتماد کرکے یہ لکھا ہو گا لاحول ولا قوۃ الا باللہ بہرحال ہم کو قدماء علماء پر حسن ظن ہو اور فاکہانی کا کلام بھی نہایت مستحکم ہے اور قابل تحسین۔ اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ واحفظنا آمین

تشبہ ناجائز کی حقیقت

قولہ لمعہ ثانیہ اعتراض کرتے ہیں الخ اقول تشبہ اس بات میں ہے کہ یوم ولادت کو عید بنادیں اور مثل عید کے معاملہ سرور شادی کا کریں جیسا قوم کفار کرتے ہیں سو یہ امر تو مشاہد و محقق ہے مگر مؤلف مشابہت ممنوعہ ہونے سے انکار کرتا ہے تین وجہ سے ایک یہ کہ کنھیا کو اہل عراق عرب جانتے بھی نہیں تو انہوں نے کس طرح تشبہ کنھیا کا کیا سو یہ سنو کہ یہ تقریر مؤلف کی بالکل کم فہمی مؤلف کی ہے اس واسطے کہ پہلے تحقق ہو چکا کہ تشبہ حرام فقط یہی نہیں کہ کسی قوم خاص کو دیکھکر اس فعل کو اختیار کرے نہیں بلکہ عام ہے اس سے اگر کسی امر کو کرتا ہو اور تشبہ عارض ہو جاوے یا معلوم ہو جاوے تو اب بعد علم اور عروض کے بھی ترک اس کا لازم ہو گا اگر طبعی و شرعی امر نہ ہوا اور وہ شعار بھی کفار کا ہو چنانچہ حدیث میں ہو کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مردہ کو لحد میں

ے اطمینان ے انجام ے درست ے ہمارے زمانہ کی پیداوار ے چھٹی دینا ے قبر

کے مسلمان اور حرمین شریفین کے علماء جو یہ عمل کرتے ہیں وہ کنہیّا جنم کی مشابہت کرتے ہیں نعوذ باللہ منہا بس خوب سمجھ لو کہ ہم اس عمل میں تابع ہیں دستور العمل سلاطین روم اور فرمان روایان ملک شام اور ترک ممالک مغربیہ اور اندلس اور مفتیان عرب کے سلمہم اللہ الی یوم الدین اب سمجھنا چاہیے جس طرح جنم کنہیا کی اسمیں مشابہت نہیں اسی طرح نصاریٰ کی بھی مشابہت نہیں اس کی کئی وجہ ہیں ایک تو یہ کہ اگر خدانخواستہ مسلمان لوگ نصاریٰ کے بڑے دن کو ان کی طرح کے افعال کرنے لگتے تو جو شعار اس قوم کا ہو اس میں شرکت لازم آتی اور مانند ان کے ہو جاتے اسوقت میں انپر صادق آتا من تشبہ بقوم فھو منھم کیوں کہ تشبہ کے معنی مانند ہونا اور یہاں یہ بات ہرگز نہیں پھر اعتراض کیا، دوسری یہ کہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع اہل اسلام اور استعمال عطریات وحلویات وغیرہ ہرگز شرع میں

نہ رکھتے قبر پر کھڑے رہتے تھے ایک خبر یہود نے کہا کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ اور یہود کی مخالفت کرو اور دست چپ میں خاتم پہننا جائز بالحدیث تھا جب روافض کا شعار ہو گیا تو اب مکروہ ہو گیا حالانکہ نہ قیام یہود سے دیکھکر کرتے تھے اور نہ خاتم روافض سے کسی نے دیکھکر سیکھی تھی بس یہ معنی تشبہ کے مؤلف نے اپنی طبع سلیم سے تراشے ہیں دین اسلام میں تو یہ نہیں پس یہ وجہ مؤلف کی مردود ہے اس کی تحقیق پہلے اصل تشبہ میں ہو چکی ہے اور واضح ہو کہ مانعین نہ فرحت ولادت کو برا کہیں اور منع کریں اور نہ ذکر ولادت کو منع کریں بلکہ ایسے امر مستحب میں تشبہ کو جو نص سے ممنوع ہے منع کرتے ہیں مؤلف مطلب تو سمجھتا نہیں نعوذ پڑھتا ہو یہ سمجھا کہ آپ کی ولادت کا سرور مثل جنم اور بڑے دن کے ہے نعوذ باللہ من لزالفہم الردی ہدایہ میں لکھا ہے کہ قرآن کو دیکھکر نماز نہ پڑھے کہ تشبہ باہل کتاب ہے اب مؤلف نعوذ پڑھ کر کہے کہ قرآن کو یہود کے فعل سے تشبہ کر دیا بلکہ خود جب فخر عالم نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ مقتدی کھڑے تھے تو آپ نے منع اشارہ کرکے بٹھلا دیا اور پھر بعد نماز کے فرمایا کہ ان کدتم انفاً تفعلون فعل فارس والروم یقومون علی ملوکھم وھم قعود الحدیث رواہ مسلم یعنی تم فعل فارس و روم جیسا کرتے تھے تو آپ کے کلمات وہاں بھی کچھ نعوذہ کرے کہ نماز کو کفار عجم کے فعل سے مشابہ کر دیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور وہی مولوی عبدالخالق صاحب کے نصیحت ثانیہ میں لکھتا ہے قولہ اور کثرت سے برج مثل مندر قوم ہنود کے بنوا دیئے کہ خدا تعالیٰ کو بت خانہ سے تشبہ دیتا ہے آخر یہ ہو اس فہم پر اپنی اصل مؤلف نے اگرچہ دستور العمل سلاطین روم وغیرہ کا لیا ہو مگر مشابہت ممنوع حسب قاعدہ شرع کے لازم ہو اگرچہ مؤلف نہیں جانتا قولہ سمجھنا چاہیے الخ اقول مؤلف محض نادان ہو عید کرنا اس یوم ولادت میں شعار بھی ہو اور من کل الوجوہ سب امور میں طابق النعل بالنعل مشابہ ہونا ضرور نہیں ایک شے میں مشابہت کافی ہے چنانچہ اس کی تحقیق ہو چکی ہے خود صلوٰۃ قرآن دیکھکر پڑھنے کو دیکھ لو خود قیام کو دیکھ لو کہ فارس و روم کی مشابہت فقط قیام میں تھی باقی کوئی فعل صلوٰۃ کا ان کے دربار سے مشابہ نہ تھا مؤلف نے تمام عمر ڈھیلے ہی ڈھوئے ہیں فہم علم کو نہیں جانتا کہ کیا ہو سو خیر اس رسالہ براہین قاطعہ میں اس کو بہت سے امور بتلا دیئے گئے یہ مسئلہ بھی بتلا دیا جاوے مراد یہ ہے کہ جس شے شعار میں تشبہ ہے اسمیں من کل الوجوہ تشبہ ہو تو منع ہے جیسا مثلاً تمام وردی نصاریٰ میں کر ایک کلاہ پہننے تو یہ من کل الوجوہ مشابہ نصاریٰ کی ہو گا اس کلاہ میں بعض وجہ تشابہ کی ہووے گی تو حرام نہ ہووے گی یہ معنی ہیں ورنہ تمام احادیث و جزئیات فقہ کے مؤلف کے فہم کے موافق ہو تو برہم ہو جاتے ہیں بہر حال یہ قول مؤلف کا بالکل غلط ہے مؤلف نے مانند ہونا ہی یاد کر رکھا ہے اور باقی خیریت ہے قولہ دوسری وجہ الخ اقول یہ دوسری وجہ مشابہت ممنوع ہونے کی ہے جو مؤلف لکھتا ہے سو یہ بھی سابقاً مذکور ہو چکا ہے کہ تشبہ بہر حال مذموم ہے مؤلف قرآن کو دیکھکر پڑھنے کی مثال اور

---

[1] اکثر معنی کے [2] نعوذ باللہ کے اس کج فہمی سے ہم پناہ مانگتے ہیں [3] بجز اس کے [illegible]

آلات حرب وغیرہ میں تشبہ کا اعتبار نہیں ہے

مذموم یعنی بری بات نہیں ہے اور تشبہ بری بات میں مکروہ ہوتا ہے جو شرعاً قبیح ہووے چنانچہ ردمختار اور بحرالرائق وغیرہ کی عبارتیں ذکر
فاتحہ سوم میں ہم نقل کرچکے اور یہی جواب ابن جرزیؒ کی طرف سے ہوسکتا ہے جو تشبہ بالنصاریٰ کا اعتراض ان پر کیا ہے اور ان کی طرف سے
دوسرا جواب بھی ہے کہ پہلے اہل اسلام میں تیر اندازی تھی جب اہل اسلام کو کفار سے مقابلے واقع ہوئے اور ان کے پاس توپ اور بندوقیں
تھیں اہل اسلام کے لشکر مجاہدین و غزوات میں بھی یہی آلات تجویز کئے گئے چنانچہ تیر اندازی کو فقہا لکھتے ہیں دفی زماننا استغنی عنہ
بالمدافع یعنی اب ہمارے زمانہ میں اس کی حاجت نہ رہی بباعث توپوں کے اور جس طرح قواعد حرب پلٹن اور رسالہ وغیرہ کے ان کے یہاں
تھے اس طرف بھی اسی طرح کرکے مقابلہ کیا گیا اس کو تشبہ نہیں کہتے یہ آیت فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدیٰ علیکم
کی تعمیل ہے اسی طرح ممالک مغربی وغیرہ میں کہ حدود اقوام نصاریٰ سے ملحق ہیں جب وہ لوگ اپنے پیمبر مسیحؑ کی یوم ولادت میں احتشام و شوکت
ظاہر کرتے فخر دکھلاتے تھے اور ضعفاء اہل اسلام وہ ظاہری شوکت دیکھ کر افسردہ خاطر اور خستہ دل ہوتے تھے تب ملوک مصر و اندلس و مغرب
نے جو اہل اسلام تھے قوم نصاریٰ سے بہت زیادہ رونق و جلال کے ساتھ اعلاء کلمۃ الحق اور اظہار شان اسلامی کے لئے آنحضرت نبی مختار صلی اللہ
علیہ وسلم کے روز میلاد ماہ ربیع الاول میں تزک و احتشام ظاہر کیا تاکہ شوکت اسلامی ان کے مقابل میں بخوبی ظاہر ہو اور طرح طرح کے
معجزات کا پڑھنا شروع کیا تاکہ عمدہ طور حضرت کے جاہ و جلال اور جمال و کمال کل عالم پر ہر طرف مشہور و منتشر ہو یہ تشبہ نہیں تحقیقت
پست کرنا ہے مخالفین کا اور فروغ دینا ہے شعار دین کا چنانچہ کلام حافظ ابوالخیر سخاوی میں تصریح ہے اس امر کی حیث قال دحما

صوم عاشوراء کی نظیر یاد کرلیوے کہ نہ قرآن دیکھ کر پڑھنا مذموم ہے نہ صوم اور بحرالرائق اور درمختار کے معنے بھی پہلے لکھے گئے ہیں ہاں
دیکھ لیوے قولہ اور ان کی طرف سے دوسرا جواب الخ اقول مؤلف کو فہم سے علاقہ نہیں کیا کہتا ہے کہ جیسا توپ وغیرہ کے ارتکاب میں کہ
آلات حرب نصاریٰ کے ہیں تشابہ نہیں ایسے ہی عید ولادت میں نصاریٰ کا تشبہ نہیں سبحان اللہ کیسا فہم ہے سنو کہ اعداد آلات جہاد
فرض ہے لقولہ واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ الآیۃ پس جس آلہ سے دفع کرنا اس کا ممکن ہو اس کا اختیار کرنا فرض ہوگا اب تیر سے دفع
نہیں ہوسکتا تو بندوق توپ وغیرہ کا بنانا فرض ہوا اور محقق ہوچکا کہ فرائض میں تشبہ معتبر نہیں ہوتا اور اس موقع پر مؤلف کا آیۃ
فمن اعتدیٰ علیکم کا تلاوت کرنا بھی ان کے علم و فہم کی خبر دیتا ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کے ساتھ فعل معصیت کریں تو مسلمان بھی انکے
ساتھ بفعل معصیت پیش آویں معاذ اللہ شرم کی بات ہے لکھنی مناسب نہیں پس اس پر قیاس مؤلف کا یہ ہوا کہ گویا تشبہ عید یوم ولادت
کا ممنوع ہی ہو جب بھی اس وجہ مذکور سے درست ہے تو یہ معلوم کہ کفار کے صغار کے واسطے مؤلف کیا کیا کراکر چھپے کا توبہ توبہ ہمیشہ سے
احتشام کفار کو رہا ہے بسبب تمول کے اور ہر روز ضعفاء مسلمین بھی تھے مگر کبھی ایسا کوئی امر جائز نہ ہوا کہ کراہت و بدعت تشابہ سے
انکسار مسلمین کو رفع کردیں اور نہ یہ جواب آج تک کسی کو سوجھا تھا اب کئی سو سال کے بعد مؤلف پیدا ہوا تو اس کو سوجھا تو وجہ
ہے کہ ایسا علم جہل مرکب کسی کو نصیب نہ ہوا تھا جیسا مؤلف کو ملا ہے کہ جس کی بدولت سب نصوص کو برہم کرنے کا قصد ہوا یہود و نصاریٰ
کی شوکت اور اعیاد دو عاشوراء و ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قدیم تھی آج تو حادث نہیں ہوئی حدیث میں ترک عید کو رفع
تشبہ کے واسطے حکم ہوا مؤلف اقامت عید کا حکم کرتا ہے باخذ تشبہ اور صحابہؓ نے فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمارے واسطے
بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیویں جیسا کفار کے یہاں ذات انواط ہے ذات انواط درخت تھا کہ کفار ایک دور معین میں اس پر ہتھیار

جنگی سامان ۔ آلہ کی جمع ۔ مال دار ہونا ۔ خستہ حالی ۔ عید کی جمع۔

اندلس الی المغرب فلهم فیہ یعنی فی ربیع الاول لیلۃ تسیر بھا الرکبان ویجتمع فیھا ائمۃ العلماء الاعیان من کل مکان ویعلو بین اھل الکفر کلمۃ الایمان اور اسی طرح ابو سعید بورانی نے لکھا ہے، علماء از اطراف عالم جمع آیند ودر تعظیم آں شب یعنی شب میلاد شریف ارغام اہل کفر وضلال فرمایند" اور خود کلام ابن جزری میں اس کی تصریح ہے لم یکن فی ذالک الا ارغام الشیطان وسرور اھل الایمان یعنی کہا ابن جزری نے کہ نہیں ہے مولد شریف میں مگر ذلیل کرنا شیطان کا اور سرور اہل ایمان کا تماشا یہ ہے کسی دورہ میں کفار اس محفل سے جلتے تھے اس دور آخری میں بعضے نام کے مسلمان جلتے ہیں اور تیسرا جواب اور بھی ابن جزری کی طرف سے ہو سکتا ہے کہ یہ دستور ہے کہ جو کسی نیک کام کی طرف لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں تو ادنی کا ذکر کر کے اعلیٰ کا شوق دلاتے ہیں مثلاً گاؤکشی وغیرہ مقدمات دینیہ میں جب اہل اسلام کو بے رغبت دیکھیں تو ان کو یہ کہا جاوے کہ قوم ہنود باوجودیکہ مذہب ان کا باطل ہے وہ تو باطل پر جانفشانی کریں تم حق پر ہو کر کچھ نہ کرو تم کو ان سے زیادہ

لٹکا کر اس کے گرد بیٹھتے تھے اور عید کرتے تھے نہ یہ کوئی معبد تھا نہ بت پرستی تھی پس صحابہؓ نے کہا کہ ہم بھی ایک روز دل بہلا لیا کریں تو آپؐ نے غصہ ہو کر فرمایا کہ یہ تو تمہارا قول ایسا ہی ہوا کہ جیسا بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ اور اس قول کو رد کر دیا اور سختی سے منع فرمایا تو شارع علیہ السلام تو یہاں تک ان کی اعیاد اور رسوم سے تبعید فرماتے تھے اور ایک مولف دوسرا شارع بنا کر ضد سنۃ اللہ کی قائم کرنے کو رفع انکسار مسلمین کے واسطے جائز کہتا ہے معاذ اللہ بھلا خیر ان ممالک نصاریٰ کے جوار میں یہ جو بوز عذر ہے تو ہندوستان میں کونسے مسلمین کو خستہ دلی ہے کہ ہنود کے جشن اور نصاریٰ کے جشن ان سے ہوتے ہیں اور پھر یہ رفع خستگی اگر سلاطین کے موالید میں ہو تو کوئی صورت بھی ہے مولف کے اور ہندوؤں کے مولود میں کہ دو آنہ کی ریوڑی پر جمع ہوتے ہیں کونسا احتشام ہے اگر معصیت کو کوئی اختیار کرے شوکت اسلام اور رفع صغار کیواسطے تو جو کچھ یہ توجیہ پلید ہے اس کی کوئی صورت بھی ہو گو خلاف قواعد اسلام کے ہو مگر عرب میں اور ہند میں جو مولود ہوتے ہیں اسمیں کیا احتشام ہوتا ہے اور کونسا طمطراق ہے کہ جس کا ظہور نصاریٰ یا ہنود پر ہوئے کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کیا ہوا مولف کی عقل بالکل سلیم نہیں رہی سلیم بدعت ہو گئی ہے آدمی کچھ سوچکر تو بات منہ سے نکالے کیا عجیب عذر ارتکاب تشابہ ممنوع شرعی کا ہے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ جمعہ اور عیدین کا احتشام اور وعظ میں فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال کا اظہار کیا کافی نہیں تھا جو یہ طرف سے کوئی بدعت قائم کیجاوے پھر سخاوی اور نور الدین کے قول پر دی کلام ہے کہ اگر مراد اس کی وہ ہے جو مولف سمجھا تو خلاف نصوص کے ہرگز قابل عتبار کے نہیں ورنہ اس کی وجہ اوپر بیان ہو چکی اور مولف کے مولود کو اس سے کچھ نفع نہیں ملتا پس تماشا ہے کہ بدعات و معاصی سے رنجیدہ ہونا اور اس کو مبغوض و منکر سمجھنا تو فرض شرعی تھا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان ولیس من وراء ذالک حبۃ خردل من ایمان امر منکر سے جلنا ترک ایمان کا تھا اب مولف امر منکر کو عین ایمان بتاتا ہے معاذ اللہ فخر عالمؐ کے ذکر ولادت کو کوئی برا نہیں جانتا ہے مناکیر کو برا جانتے ہیں جب مولف سے اپنے دین منکر کے جواز کی دلیل نہیں بنتی تو دھوکہ دہی عوام کیواسطے مطلق ذکر مندوب کو اس کے قائمقام کر کے اہل سنت کو تبری کرنے لگتا ہے مولف نے یہ روافض و جہلاء سے قاعدہ یاد کر لیا ہے مگر وہ تبری اسپر ہی منقلب اور چسپاں ہوتی ہے کما لا یخفی قولہ تیسرا جواب الخ اقول، مولف بھی خوش فہم خوش تقریر ہے سبحان اللہ کہتا ہے کہ ادنی کا ذکر کر کے اعلیٰ کی رغبت دلاتے ہیں سو یہاں ادنی تو عید ولادت حضرت عیسیٰؑ کو ٹھیرایا ہے اور اعلیٰ عید ولادت فخر عالمؐ کو غرض دونوں ایک ہی جنس ہیں اور پھر کوئی عاقل ہم مشرب مولف کا اس کو

ے دور سبنانا ے طریقۂ الٰہی کی مخالفت ے بے کار ے ولادت ے شان ے چھوٹو کو بلند کرنا ے ممنوعات ے برا بھلا کہنا ے وطنا

عرق ریزی اور انجانا نثاری چاہیے اس کو کوئی عاقل تشبہ کفار نہیں کہے گا اسی قاعدہ پر نازل ہوا قرآن میں ان تکونوا تالمون فانہم یالمون کما تالمون وترجون من اللہ مالا یرجون اس کی تفسیر دیکھنی چاہیے اور اسی درجہ میں ہو قول محمد بن مسعود گازرونی کا کہ وہ لکھتے ہیں جب بادشاہ یا امیر وکفار اپنے گھر میں لڑکا پیدا ہونے کی خوشی میں طرح طرح کے تکلفات وضیافت کریں، حالاں کہ وہ ابنار دنیا سے ہے، پھر میلاد رسول اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں کیوں نہ کیا جاوے کہ سبب نجات ہے، پس اسی قبیل سے قول ابن جوزی کا ترغیب محفل میلاد میں واقع ہوا ہے کہ جب نصاریٰ اپنے پیغمبر کے میلاد میں ایسی خوشی کریں ہم تو ان سے زیادہ مستحق ہیں کہ اپنے نبی کی خوشی کریں اور اسی درجہ میں تو قول ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی واقع ہوا ہے کہ یہود نے جب کہا کہ ہم روزہ عاشورا شکریہ نجات موسیٰ کا رکھتے ہیں آپ نے فرمایا انا احق بموسیٰ منکم یعنی جب تم یہود ان کا شکریہ ادا کرو تو میں زیادہ مستحق ہوں اس کا کیوں کہ مجکو زیادہ مناسبت ہے موسیٰ سے اور ایک خوبی یہاں اور ہے کہ اگر ابن جوزی یہ مقولہ فرما کر محفل میلاد شریف کی بنا ڈالتے تو یہ بھی گمان ہوتا کہ اسی دلیل پر یہ عمل مبنی ہوا ہے انہوں نے یہ عمل نعوذ کیے

تشبہ نہیں کرے گا اس واسطے کہ مؤلف کے نزدیک مشبہ مشبہ بہ وجہ شبہ میں من کل الوجوہ مساوی ہوتے ہیں چنانچہ پہلے بھی لکھ چکا ہے سو اول تو یہی مؤلف کا علم معلوم ہوا اور دوسرے عید ولادت میں کیا ادنیٰ کی ولادت اور کیا اعلیٰ کی عید نفس عید ہونے میں سب یکساں ہیں پس مؤلف عاقل کے قاعدہ پر تشبہ تو ہوگیا اور تشبہ نفس عید میں ہے، ممنوع ہے پس عید ولادت حضرت عیسیٰؑ کی تشبہ سے یہ عید ممنوع ہوگئی نہیں معلوم کہ مؤلف کیا کہہ رہا ہے جو دلیل جواز بنجاوے ہاں البتہ اگر مؤلف یہ کہتا کہ عید ولادت حضرت عیسیٰؑ کی ادنیٰ یعنی ناجائز ہے تو وہ اسقدر خرچ کریں اور اہتمام کریں اور عید ولادت فخر عالم کی اعلیٰ یعنی جائز اور عبادت اس میں کچھ بھی اہتمام نہ ہو تو البتہ کلام فی حد ذاتہ درست ہو جاتی گو یہ محض حماقت ہے کیوں کہ دونوں عیدیں یکساں ہیں دونوں نبی ہیں اور دونوں کی ولادت کی خوشی ہے گو کم زیادہ ہے پس وہی مشابہت ممنوعہ موجود، پس نہ معلوم کہ مؤلف کے دماغ میں کس شے نے یہ علوم بھر دیئے ہیں کہ ابن جوزی کو ہرگز یہ جواب نہ سوجھے نہ کسی کو ان کے بعد آج تک اب مؤلف نے خوب طرف داری کی ماشاء اللہ اور آیہ ان تکونوا تالمون میں بھی تو یہی معنی تھے کہ اے مسلمانوں تم کو تکلیف جہاد میں ہوتی ہے تو دیکھو کفار بھی اپنے کفر پر کسقدر جان ومال خرچ کرتے ہیں، حالاں کہ ان کو محض خسران ہے تم ثواب درجات پر کیوں نہیں کرتے خوشی اس کے مؤلف نے ولادتین کو بنایا ہے، غرض حدیث تشبہ کی مخالفت مدنظر ہے معاذ اللہ، کیوں مؤلف نے اپنی خواری علماء کے سامنے عیاں چپ رہتا ابن جوزی کی مددگاری ضرور تھی، پیچ ہے تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب وہنرش نہفتہ باشد، قول گازرونی کو بھی سنو کہ جو موجود ہیئت منکرہ کے واسطے یہ قول ہے تو وہی جواب مخالفت نص کا اس کا جواب ہے ورنہ سچ ہے کہ فرحت ولادت فخر عالم میں جسقدر کیا جاوے مشروع وہ تھوڑا ہے پس مجلس میلاد مروجہ سے اسکو کچھ علاقہ نہیں، ابن جوزی کا بھی یہی جواب ہے اور فخر عالمؐ کی حدیث عاشورا کی تحقیق گذر چکی یہ مؤلف کا ترجمہ ور مراد بالکل غلط ہے اور یہ واضح ہو لیا تکرار کی حاجت نہیں قولہ اور ایک خوبی یہاں اور ہے الخ اقول ... ہی کی خوبی علم وفہم کی ہے مذکور ہو لیا کہ تشبہ میں کفار کے فعل کو دیکھکر اخذ کرنا ضرور نہیں یہ بنا فہم مؤلف کی از سرتا پا غلط ہے تشبہ سابق ولاحق سب طرح ممنوع ہوتا ہے اگرچہ ذکر جواب تنزیہ ابن جوزی اتفاق سے آگے مگر مؤلف کی بدفہمی کا یہاں بھی اتفاق ہی ... فہم کی کوئی بات کہہ کر اپنے قاعدۂ قدیمہ کے خلاف نہیں کیا

... اعتبار سے برابر خوشنودی کہ دونوں ولادت جب تک مرد کوئی بات نہ کہے اس کا عیب ہنر پوشیدہ رہتا ہے رائج شدہ،

سے سیکھا ہے حالاں کہ یہ عمل اس کلام سے دو سو برس پہلے بہ تخصیص و تعیین روز میلاد شریف ایجاد ہو چکا تھا اور علمائے دین اس کی اصل و نظیر شرع
سے نکال کر فتوی دے چکے تھے پس بے سمجھے بوجھے اس شیخ معظم مرحوم پر تشبہ نصاری کا الزام لگانا سخت بے عقلی ہے خیر یہ ذکر دا عتراض
اس شیخ کا اتفاقی ہو گیا تھا اب ہم رجوع کریں اصل کلام کی طرف اور بیان کریں واسطے ابطال وجہ تشبہ کے **وجہ تیسری** وہ یہ ہے کہ نصاری
کا بڑا دن اور ہندوؤں کا جنم کنھیا معین ہے وہ لوگ اسی ایک دن میں جو کچھ کرنا ہے کرتے ہیں اور اہل اسلام کے یہاں یہ بات نہیں کہ
خاص بارھویں تاریخ ربیع الاول کے سوا کسی اور دن محفل سرور میلاد شریف منعقد کریں ربیع الاول کی کل تاریخوں میں مولد شریف ہوتا ہے
کسی تیسرے دن کیا کسی نے کسی دن بلکہ علاوہ ربیع الاول اور مہینوں میں بھی اہل اسلام مولد شریف کرتے ہیں اور ہنود اور نصاری
میں نہیں مگر اسی ایک دن میں اور یہ مثال ہم اول دے چکے ہیں کہ صوم عاشورا میں ہم اور اہل کتاب شریک ہیں، لیکن ایک روزہ
اول میں جو ہم رکھ لیتے ہیں اتنے میں تشبہ اہل کتاب کا جاتا رہتا ہے اور ہمارا فعل ان سے جدا گنا جاتا ہے اور حدیث کی کتابوں سے
معلوم کرو، پس جب اس قدر مخالفت کرنے سے تشبہ باطل ہو گیا، حالاں کہ ہم ان کے اصل فعل میں یعنی صوم عاشورا میں شریک ہیں
پھر کیا خیال کرتے ہو نصاری کے بڑے دن اور کنھیا کے جنم میں کہ ہم ان کے ان دنوں میں ان کے افعال کے شریک نہیں اور ہم جو محفل
میلاد شریف کرتے ہیں اس کے آئین اور ترتیب جدا اور ان کی رسوم و قواعد جداگانہ دن میں شرکت نہ کاروبار میں مشابہت استغفر اللہ
نعوذ باللہ من شر الوسواس الخناس یہ جو تھا جواب مجیب ابن جزری کی طرف سے خلاصہ یہ کہ امام القراء والمحدثین علامہ ابن جزری اور
جمیع اہل سنت والجماعت کا مشرب نہایت صاف اور تشبہات کفریہ سے بالکل پاک ہے ہاں یہ حضرات ایسی تشبیہات جنم کنھیا وغیرہ
کی محفل پاک کی نسبت پیدا کر کے کچھ اپنی عاقبت بخیر ہونے کا سامان کر رہے ہیں اگرچہ مجھ کو اکثر مبتدعین کی تکفیر میں سکوت ہے کیوں
کہ اگر وہ کافر ہو گئے تو اللہ بس ہے ان کی تعذیب کو میں کیوں منہ اپنا آلودہ کروں ہاں البتہ بعض اہل علم تحریر فرماتے ہیں کہ ایسے تشبیہ
دینے سے اور محفل ذکر پاک سید الابرار کو اس قسم کی اہانت اور استحقار کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے پس اہل اسلام کو بہت ضرورت

مشابہت ممنوعہ میں من کل الوجوہ تشابہ ضروری نہیں **قولہ** وجہ تیسری وہ یہ ہے کہ نصاری الخ **اقول** یہ تیسری وجہ عدم مماثلت تشبہ
مؤلف کی طبعزاد[1] ہے اور معلوم ہو چکا کہ من کل الوجوہ[2] مماثلت مشابہت ممنوعہ میں ضرور نہیں جیسا قیام مقتدی امام قاعد میں موجود
ہے پس تجدید تاریخ کی ضرورت نہیں نفس تقید تشابہ کو کافی ہے اور صوم عاشورا کی شرکت بامر اللہ تعالی ہے اور منفرد صوم
بھی مکروہ نہیں ایک صوم اول آخر محض تبعید[3] کے واسطے مستحب ہے نہ رفع تشبہ[4] کے واسطے کیوں کہ تشبہ پہلے بھی نہیں تھا، جیسے
ستہ شوال[5] کا کہ بعد عید فطر کے تتابع[6] سے متصل رکھنا حنفیہ کے نزدیک علی المختار بلا کراہت جائز ہے اگرچہ تفریق مندوب ہے کیوں
کہ روز عید فطر مفرق آ گیا ہے یہاں تشبہ نہیں اگرچہ تبعیدًا عن التشبہ[7] تفریق اولی ہے پس حدیث دانی اور فقہ خوانی مؤلف کی
معلوم ہوئی خلاف اس مسئلہ عید ولادت کے کہ نفس عید میں ہر حال تشبہ موجود ہے ہاں اطعام طعام تعید نہیں جائز ہے بلا تعین
روز ولادت بھی اور غیر روز ولادت بھی اور تعین کا مسئلہ یہاں بھی خیال رہے استغفر اللہ من تسویل النفس الامارۃ و تلبیس
ابلیس مؤلف کیسا حق کو باطل سے مخلوط کر کے مسلمین کو گمراہ کیا پس کیا کہا جاوے خود ناظرین غور کریں کہ کس کا مشرب پاک
تشبیہات کفار سے ہے زیادہ زبان درازی کا جواب دینا ہمارا کام نہیں کوئی علم کی بات نہیں کفر و اسلام سنت و بدعت کا فرق سمجھ کر

---

۱ طبیعت کی پیداوار ۲ ہر اعتبار سے ۳ دور کرنا ۴ مشابہت کو ختم کرنا ۵ شوال کے چھ روزے ۶ پے در پے ۷ تشبہ سے دور رہنے کے لیے ۸ نفس

کو ایسے الفاظ خطرناک سے پرہیز کریں وما علینا الا البلاغ **لمعہ ثالثہ** اعتراض کرتے ہیں اگر تشبہ کفار اس میں نہیں پھر بھی یہ محفل بدعت
سیئہ ضرور ہے کیوں کہ قرون ثلثہ میں نہیں پائی گئی جواب مولوی اسماعیل صاحب اپنی تصنیفات تذکیر الاخوان وغیرہ میں لکھتے ہیں
کہ جو عمل ایسا ہو کہ زمانہ نبوت میں علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور تینوں زمانہ مابعد صحابہؓ وتابعینؒ وتبع تابعینؒ میں وہ عمل بعینہ نہ
پایا جائے اور نہ ان چاروں زمانوں میں اس کی نظیر اور مثل پائی جائے وہ عمل بدعت ہے اور جو کچھ مجتہدوں نے اپنے اجتہاد سے نکالا ۔
سنت میں داخل ہے انتہی پس اس بنا پر کہتے ہیں کہ عمل مولد شریف بدعت نہیں اس کی اصل بھی پائی گئی اور اس کی نظیر اور مثل بھی اصل تو یہ
ہے کہ مواہب اور اس کی شرح میں قسطلانی اور زرقانی وطبرانی وغیر محدثوں سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
غزوہ تبوک سے مدینہ واپس آچکے مسجد میں آپؐ اور بہت آدمی تھے حضرتؐ کے چچا عباسؓ نے اجازت لے کر یہ اشعار پڑھے ؎ من قبلہا
طبت فی الظلال وفی مستودع حیث یخصف الورق ٭ ثم هبطت البلاد لا بشر انت ولا مضغۃ ولا علق ٭ بل نطفۃ ترکب السفین
وقد الجم نسرا واهله الغرق ٭ تنقل من صالب الی رحم اذا مضی عالم بدا طبق ٭ وردت نار الخلیل مکتتما فی صلبہ انت کیف یحترق

قولہ لمعہ ثالثہ الخ اقول تقریر اعتراض کی یہ ہے کہ اگر اس مولود مروج میں تشبہ نہ بھی ہو تاہم بسبب قیود مروجہ | تخصیص امور لاحقہ ممنوعہ محفل مولد
کے بدعت ہے اس واسطے کہ یا یہ قیود منکرات امور ہیں یا مباح کہ بسبب تاکد کے مکروہ ہو گئے ہیں اور تقیید مطلق مامور کی بدعت ہے کیوں کہ یہ
قیود قرون ثلثہ سے ثابت نہیں ہوتی اور ان کی اصل وہاں سے نہیں معلوم ہوتی تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ ممانعت بسبب قیود کے ہے نہ بسبب
اصل ذکر ولادت کے کہ بار ہا اس کا بیان ہو چکا ہے پس مؤلف اس کے جواب میں اثبات ان قیود کا واجب تھا جس کو معترض بدعت کہتا ہے
نہ ذکر کا مگر مؤلف خوش فہم جواب میں اصل ذکر کو ثابت کرتا ہے ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ مؤلف کس وادی میں ہائم ہو رہا ہے **قولہ جواب
مولوی اسماعیل صاحب الخ اقول** سب ناظرین بچشم انصاف دیکھیں کہ یہاں مؤلف عبارت تذکیر الاخوان کی جو نقل کی یہ ہے کہ جو عمل زمانہ
نبوت علیہ السلام اور تینوں زمانہ مابعد میں بعینہ یا نظیر اس کی نہ ہو وہ بدعت ہے اور یہ حد بدعت کی بعینہ وہی قول خامس ہے جو مؤلف نے
نقل کیا ہے لفظاً ومعنیً چونکہ یہاں اپنے مدعا پر اس سے استدلال لانا ہے تو اس کو کامل وتام بیان کیا اور لمعہ ثانیہ فرد دویم میں ناتمام
نقل کیا کہ طعن کرنا منظور تھا اور وہاں اس کے قبول میں بزعم خود خلاف مدعا ہوتا دیکھا تھا گویہ خام فہمی تھی پس یہ خیانت دین اللہ
اور شرع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی بدعت کی احیاء کے واسطے کس کا کام ہے اور پھر آخر در دروغگو را حافظہ نباشد خود ہی بول پڑا
یہ خیانت مؤلف کی کچھ اس کو مفید نہ ہوئی اور اہل سنت کو مضر نہ ہوئی چنانچہ واضح ہو گیا مگر ہاں مثل مشہور ہے بلی کی ذات دریافت
ہو گئی ناظرین دونوں عبارت کو ملا کر دیکھیں **قولہ** پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں الخ **اقول** مؤلف کے فہم پر غشاوہ ہے ذکر فخر عالم کا اول
تو کسی کے نزدیک ناجائز نہیں اور اس کے اثبات کے واسطے زرقانی اور مواہب وغیرہ کی روایت کی حاجت نہیں اور
مؤلف نے بڑی جانفشانی سے یہ لکھا ہے اس کو خود اہل سنت قبول کرتے ہیں مگر اس میں امر متنازع فیہ کا نام ونشان نہیں اور
اصل اس ذکر کو کسی نے منع نہیں کیا مؤلف اپنے دماغ کا علاج کرے تداعی اور اہتمام اس ذکر کے واسطے بالخصوصیت مکروہ
ہے مثل تداعی نوافل کے اور یہاں مسجد میں مجمع اس قصیدہ کے واسطے جمع نہ ہوا تھا بلکہ خود خدمت فخر عالم میں تھے اور شیرینی
اور فرش وغیرہ کوئی بات نہیں تھی سو یہ سب کے نزدیک جائز ہے یہ تو اول مؤلف آیہ ورفعنا لک ذکرک سے ثابت کر چکا ہے مگر

بار بار ذکر کرنا کہ سرگرداں ہے نا پختہ ہے محنت ہے جس میں اختلاف ہے ،

حق احتوی بیات المهیمن من :: خندق عیا مختمها المنتطق :: دانت لما دلت ت اشرقت الارض :: وضاءت بنورك الافق :: فنحن فی ذلك
الضیاء وفی :: النور وسبیل الرشاد مخترق - اب دیکھئے اس میں حال رسول اللہ صلعم کی اولیت کا اور پھر منتقل ہونا ایک صلب سے دوسری صلب
میں اور حضرت ابراہیمؑ اور نوح علیہ السلام کا نجات پانا آپ کی برکت سے کہ آپ کا نور ان کے ساتھ تھا پھر بعد تقلبات صلبی و رحمی انجام کار پیدا
ہونا اور اس وقت نور کا نکلنا پھر اس نور سے تمام عالم کا روشن ہو جانا جو کچھ مولد شریف میں تفصیل ہوتا ہے اس جلسہ میں بالاجمال وہ سب مذکور
ہوا ہے پس مردود ہوا قول ان لوگوں کا جو کہتے ہیں بالاستقلال یہ ذکر نہ کرے اگر وعظ کے اندر ذکر میں ذکر یہ بھی کر دے درست ہے اور بعض یہ کہتے
ہیں کہ تنہا پڑھے تو جائز ہے مجمع میں نہ پڑھیں اب لوگوں کو آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیئے کہ اس مجلس میں کل قصیدہ حضرت عباسؓ کا بالاستقلال
اسی ذکر میں ہے اور نہیں اس کے اول و آخر میں پند و موعظت اور عین مجمع میں پڑھا ہے پس یہ تذکرہ بالاستقلال کرنا اور نیز مجمع میں کرنا سنت
بالاصالۃ ثابت ہوا نہ بدعت، باقی جو اس کے امور لواحق ہیں وہ یہ ہیں فرش بچھانا منبر یا چوکی واسطے قاری کے لگانا، خوشبو کا استعمال اور جو
کھانا یا شیرینی دے دینا ہو فرش و منبر تو بدعت ہونے میں کچھ دخل نہیں رکھتے ورنہ مجلس وعظ کے لئے بھی اگر کوئی اپنے گھر میں فرش اور منبر
لگا دے تو چاہیئے وہ وعظ بدعت ہو جاوے یہ بات تو کسی کے نزدیک نہیں پس فرش اور منبر سے تو یہ ذکر بدعت نہیں ہو سکتا باقی رہا استعمال
خوشبو و عطریات اور کھانا یا شیرینی دینا یہ خاطر داری اور ضیافت مہمانوں کی ہے، صحیحین کی حدیث ہے من کان یومن باللہ والیوم
الاخر فلیکرم ضیفہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کمال تاکید سے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالی اور روز قیامت پر ایمان ہے اس

کلام قیود میں ہے اس کی کوئی سند دینی واجب تھی پس مجمع میں نہ پڑھنا اور فقط استقلالاً اس کا ذکر نہ کرنا مولف کا خیال ہے سو وہ مردود ہے
بیشک اور قول اہل سنت کا موافق کتاب اور سنت کے ہے لاریب

فرش و منبر و استعمال خوشبو تقسیم شیرینی سب امور بذاتہا مباح ہیں مگر ان کی ہیئت ترکیبیہ یہ رائج محفل مولد بدعت ہے

قولہ باقی جو اس کے امور لواحق ہیں الخ **اقول** مولف نے یہاں بھی خیانت کی قیود زائدہ و امور لواحق میں سے وہ امور چھانٹ کر لکھے کہ در اصل مباح ہیں
تا عوام کو فریب دیوے سو ان امور کی بحث تو اب ہو جاوے گی مگر جو امور اصل سوال چہار ورقہ میں اور جواب مولوی احمد علی صاحب مرحوم میں
مصرح ہیں ان کو ہضم کیا تو وہ بعض امور یہ بندہ لکھتا ہے، تداعی[1] و اہتمام زیادہ وعظ و جماعت پنجگانہ سے اور فساق و مبتدعین کی خاطر
و مدارات اور لباس وزی منکر شرع کا ہونا اور ترک امر و نہی واجب کا اور روایات موضوعہ اور امارد خوش الحان کا ہونا اور اس مجمع
حاضر باشی سے صلوۃ فجر میں کوتاہی کا ہونا اور اسراف[1] روشنی میں اور قیام ذکر ولادت کے خصوصاً بعقیدہ فاسدہ یہ امور عشرہ یا
سب کے سب یا بعض ان کے بالضرور مجلس مروجہ میں ہوتے ہیں ہرگز نہیں ہوتا کہ سب مرتفع[2] ہو ویں اور ان میں سب کے سب
تحریمی اور حرام ہیں کہ ہر ہر واحد کی کراہت اور محظور[3] ہونا ایسا بدیہی امر شرعی ہے کہ کسی ادنی مسلم کو بھی اس سے انکار نہیں لہذا
ہر واحد کے اثبات کی حاجت نہیں اس عبارت شرح مقید پر جو باب صلوۃ الرغائب سے شروع نور چہارم میں درج اس رسالہ
ہو گئی ہے قناعت کرتا ہوں اور بعض کی بحث شرح سوال میں ہو چکی ہے اور ان بعض قیود اربعہ مذکورہ مولف پر بھی شرح سوال میں
ہو چکی ہے اب چونکہ مولف نے بسبب طرح سنبھل کر خوب جزم کے ساتھ قیود لکھے ہیں تو ان کا حال سننا لازم ہے **قولہ** سو فرش و منبر تو بدعت
یہ دعوی مولف کا کہ فرش و منبر کو بدعت ہونے میں کچھ دخل نہیں کیسی چشم پوشی حق سے اور انکار منہ زوری کا ہے کیوں کہ فرش و منبر

[1] فضول خرچی [2] ختم [3] ممنوع

کو چاہیے کہ خاطر داری اور تواضع کرے اپنے گھر آئے ہوئے کی روایت کی یہ بخاری اور مسلم نے اب مجلس کرنے والوں سے پوچھ لیجئے
کہ ان کی نیت بیشک یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ ہم نے تیار کیا ہے شیرینی یا کھجور یا فرینی وغیرہ وہ سب صاحبوں کو جو ہمارے گھر آئیں گے ان کو
کھلائیں گے اور شریعت سے یہ بات معلوم کیجئے کہ ضیافت شرع میں کس چیز کا نام ہے چیز کھانے کی تھوڑی ہو یا بہت جب اس کے لئے آدمی کو
بلاوے گا وہ شرع میں ضیافت کہلاوے گی صحابہ روٹی کا ٹکڑا یا کھجور جو ہوتا پیش کرتے اور حدیث میں ہے لو دعیت الی کراع لاجبت
یعنی ایک پارچہ بکری کے لئے بھی کوئی دعوت کرے تو میں قبول کروں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ اخلاق عالی تھا اس اہل ضیافت کا
خوش کر دینا منظور ہوتا تھا اپنا پیٹ بھرنا منظور نہ ہوتا تھا چنانچہ فقہا بھی یہی حکم دیتے ہیں دعوت قبول کرنے والوں کو فتاوی برہنہ میں ہے

امر مباح ہیں جب کہ التزام کی وجہ سے عوام اس کو ضروری اور لازم اس محفل کا جانیں گے تو کیوں ان کے حق میں بدعت اور مرتکب کے حق میں
مکروہ نہیں ہوگا عوام کے ضروری سمجھنے سے مکروہ ہو جانا مسلم فقہا کا ہے شرح منیہ میں ہے، منہا ان العوام یعتقدونہا سنۃ انتہی، پس اس صورت
میں دونوں مکروہ ہوگئے اور بدعت ہوئے مؤلف مطلق العنان لکھتا ہے کہ ان کو بدعت میں کچھ دخل ہی نہیں اور اب خوب ظاہر ہے کہ عوام
کالانعام اس کو ضروری جان رہے ہیں اور خواص کا علوم اس کا تعامل مثل سنن ضروریہ کے کرتے ہیں اور اس میں تعدی حد اللہ تعالیٰ اور تغییر حکم
شرع کا لازم ہے مگر مؤلف خواب غفلت میں ہے عالمگیریہ میں اور شرح منیہ میں ہے وکل مباح یودی الی ذلک فمکروہ انتہی اور کراہت مطلقہ تحریمیہ
ہوتی ہے اور دلیل بھی تحریم کو چاہتی ہے کہ تعدی حد اللہ تعالیٰ ہے قال فی شرح المختار اعلم ان المکروہ اذا اطلق فی کلامہم فالمراد منہ التحریم
الا ان ینص علی تنزیہہ انتہی، پس یہ دونوں امر جب مکروہ ہوگئے تو مجلس مروجہ کو بیشک مکروہ بنا دیں گے کما لا یخفی ہاں نفس منبر مباح تھا پس
وعظ کا ذکر اب بے سود ہے کیوں کہ اول تو وعظ کا کون اہتمام کرتا ہے مولود کے البتہ اہتمام ہوتے ہیں اور پھر اگر منبر و فرش وعظ میں بھی ایسا
ضروری جانا جاوے گا لاریب وہ بھی بدعت ہو جاوے گا مگر چونکہ وعظ کا اہتمام کسی کے دل میں نہیں وہاں ضروری کوئی بھی نہیں جانتا صد ہا واعظ
منبر پر ہی ہوتے ہیں ہاں مولود کا اہتمام وہ ہے کہ جماعت فرض کا بھی نہیں اور یہ بھی ایک وجہ بدعت و کراہت مجلس مولود کی ہوگئی ہے بہر حال ایسی
حالت موجودہ میں فرش و منبر یا چوکی دونوں بدعت ہیں گو مؤلف اپنی بے شرمی سے انکار کرے علی ہذا اعتراضات و شیرینی کا بلا کم و کاست ہو کر بعد اصل مباح
کے کہ قلوب عوام میں سنت ضروریہ ہوگئی پس بدعت مکروہہ ہوگئی شرح سوال میں بھی ذکر اس کا ہو چکا بعد اس کے کہ یہ ہر چہار مباح موافق قاعدہ شرعیہ
کے مکروہ ہو چکے اب خاطر داری حضار فساق کی لائق سننے کے ہے کہ وہ مستقل ایک امر معصیت کا حق ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے لا تجد قوما یومنون باللہ
والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ و لو کانوا آباءہم او ابناءہم او اخوانہم او عشیرتہم الآیۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل
الاعمال الحب فی اللہ والبغض فی اللہ الحدیث پس مؤلف اور اس کے سب اقران جب مولود کرتے ہیں تو سب فسقہ جہلا عشیرہ کو طلب کرتے ہیں اور ان کے ساتھ مدارات
و مداہنت فی الدین ہوتی ہے اس کا نام اکرام ضیف رکھا گیا ہے بھلا اگر اکرام ضیف ایمان ہے تو ودّ و محبت مخالفین فاسقین کی کیا ہے ذرا
آنکھ کھولے ہشیار ہووے دوسری حدیث میں ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یاکل طعامک الا تقی الحدیث جس میں
صاحب احیاء العلوم فرماتے ہیں کہ متقی کی ضیافت کرے اور فاسقوں کو کھانا نہ کھلاوے کہ اعانت ان کے فسق کی ہوتی ہے پس فساق معینہ
کی ضیافت نہ ہی کسب درست ہے کہ اکرام کرنے کی حدیث پڑھ دی جاتی ہے یہ حدیث میں اکرام ضیف متقی کا ہے نہ فاسق کا علیٰ ہذا اجابت
کا حال ہے کہ جس ضیافت میں کوئی امر خلاف شرع ہو اس ضیافت کی اجابت ہرگز جائز نہیں چنانچہ شرح سوال میں ذکر ہو چکا پس یہ

سنہ جانوروں کی طرح ۳ے تجاوز کرنا آگے بڑھنا ۵ بیشک ۶ حاضر ہونے والے ۷ فاسق ۸ جمع قرن زمانہ ۹ فاسق ۱۰ جاہل ۱۱ بدبختی ۱۲ دخل دینا۔

از جہت بعد و فقر امتناع نیارد و قصد نکند حاجت شکم را بلکہ نیت کند اقتدائے سنت را دخال سرور دردل مسلم، پس اگر کوئی متمول یا مقتدر شکم سیر کھانا کھلائے محفل مولد شریف میں یا کم مقدور روالا محض شیرینی اور کھجور ما حضر کے لئے اہل اسلام کو تکلیف دے اس کو ضیافت شرع میں کہتے ہیں اور وہ لوگ اس کے پاس آنے والے عربی زبان میں ضیف اور فارسی میں مہمان کہلائیں گے اور عطر ملنا ان کی تعظیم اور اکرام ہے مقام غور ہے کہ تذکرہ خود سنت تھا اور مراسم اکرام ضیف بھی سنت ہیں پھر سنتوں کا نام جو کوئی بدعت ضلالت رکھے اس کو خدا سمجھے ع جو اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت کو خدا سمجھے مدعائے اصلی پر آویں محفل مولد شریف میں وہ چیز کہ اصل عبارت اور بنیاد محفل کی اس پہ ہے وہ ذکر خیر ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا با آداب و تعظیم دلیل اس کی یہ کہ اگر کوئی فرش اور خیمہ اور شامیانہ میز چوکی وغیرہ آراستہ کرے اور اسمیں کچھ ذکر نہ ہو اس کو مولد شریف نہ کہیں گے اور اگر کسی موقع میں کوئی شخص کھڑا ہو کر درود یا مدح پڑھنے لگے اس کو بھی مولد شریف نہ کہیں گے اسی طرح اگر کوئی آدمیوں کو کھانا کھلا دے یا شیرینی بانٹ دے اس کو بھی مولد شریف نہ کہیں گے اسی طرح اگر کسی جلسہ میں بخور سلگایا جاوے یا عطر لوگوں کو ملا جاوے اس کو بھی مولد شریف نہ کہیں گے پس معلوم ہوا کہ محفل کا نام محفل مولد شریف اسی سبب سے ہوتا ہے کہ اس میں ذکر ولادت شریف مع بعض صفات و معجزات و خرق عادات وغیرہ کیا جاتا ہے اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اصل اس محفل کی ذکر پاک ہے اور یہ ہم ثابت کر چکے کہ حضرت کے چچا عباسؓ نے یہ ذکر پڑھا اور آپ نے اور جمیع صحابہؓ نے سنا پس ثابت ہو گئی اصلیت مولد شریف کی باقی یہ امور ملحقات جو عارض ہیں یہ نہیں نکالتے اصل سنت ہونے سے مثال اس کی یہ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تعلیم دین ہوتی تھی اور اب بھی

بحث اور تکلفات ضیافت کی بحث محض کم فہمی مؤلف کی ہے پس اب غور کرنا چاہیئے کہ شرع سے یہ ضیافت مباح ہے اور نہ اغنیاء کا اکرام روا ہے مجموعہ کو سنت کہنا مؤلف کے فہم نارسا نے روا کیا ہے کوئی اہل علم اس کو جائز نہیں کہہ سکتا پس وہ تذکرہ رسولؐ اسا بھی مکروہ بن گیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور سنن کا مجموعہ بھی وہی محمود ہوتا ہے کہ خالی کراہت و بدعت سے ہو اور جمیع موافق حکم شرع کے ہو ورنہ جمیع سنن سے کراہت بھی حاصل ہوتی ہے دیکھو کہ قرآن دیکھکر پڑھنا سنت تھا اور نماز سنت بھی مجموعہ مکروہ مشابہ باہل کتاب ہو گیا اور رکوع مشروع اور قرآن مشروع جمیع دونوں کا مکروہ علی ہذا اگر مؤلف نے ایک قاعدہ سیکھ لیا ہے کہ جس کی مفردات اجزا مباح ہو دیں گے مرکب بھی مباح ہی رہے گا اور یہ خود ناتمام ہی اور تحقیق اس کی پہلے ہو چکی ہے مؤلف نے یہ سن لیا کہ اکرام ضیف سنت ہے اور قلیل شے بھی دعوت ہوتی ہے پس عالم بن گئے اور بدعات کو سنت بتانے لگے اب دیکھو کہ بدعت کو سنت کہنے والا کون ہے قولہ محفل مولد شریف میں وہ چیز الخ اقول یہ مؤلف کی بے سود تقریر ہے مولود ذکر خیر کا نام ہے مگر اس کے ساتھ اگر کوئی امر مکروہ منضم ہو جاوے گا تو مجموعہ لاریب مکروہ ہو جاوے گا کہ مجموعہ حلال و حرام کا حرام ہی ہوتا ہے صدہا مثالیں موجود ہیں اور قاعدہ کلیہ فقہ کا ہے اذا اجتمع الحرام والحلال غلب الحرام، پس ان امور لاحقہ سے بیشک حرمت و کراہت آوے گی یہ بدیہی کا انکار نہایت بلاہت ہے صلوٰۃ قرآن کو دیکھکر پڑھنے سے اور اشتمال صماء سے اور سدل سے اور ارض مغصوبہ میں اور آگ اور تصویر کے روبرو مکروہ ہو گئی ذرا آنکھ کھول کر دیکھے حاصل یہ ہے کہ جو قید تغیر حکم شرع کا کر دیوے گی بدعت و کراہت حاصل ہو جاوے گی ورنہ نہیں اور سنت ہونا قید کا مانع بدعت ہونے کا نہیں ہوتا،

مدارس اسلامیہ کے جزوی انتظامات سب ثابت بالسنۃ ہیں یہ وجہ معارض ہرگز نہیں۔۔۔۔ بن سکتے

قولہ مثال اس کی الخ اقول اول تو مؤلف نے مثال امر لاحق کی جوری ہے بالکل غلط ہے کیونکہ مولود میں جو امور لاحق ہیں یا خود مکروہ ہیں یا بالتحقیق و تغیر کے سبب مکروہ ہو گئے ہیں مگر بہر حال ایک امر زائد علی اصل ذکر ہے اور اس مثال میں کوئی امر زائد تعلیم پر نہیں فقط تعلیم ہی تعلیم ہے ہاں تعلیم کے دو طرق تھے تو طرق ہی علی زعم مؤلف نہ محقق امر زائد سو مؤلف کے فہم میں از سر خطا ہے دوسرے یہ کہ زمانہ فخر عالم میں دونوں طرق موجود تھے آپ بھی زبانی

ا‍ ضیف کی جمع مہمان کے جائز کے مانند جیسا کہ سنت کی جمع سے مثال ہے لاحق ہونا شامل ہونا،

مدارس اسلامیہ میں ہوتی ہے لیکن اس قدر فرق ہے کہ اس وقت میں استاد پڑھتے تھے شاگرد سنتے تھے چنانچہ بخاری و مسلم و ابوداود وغیرہ یہ سب
محدث لکھتے ہیں کہ ہمارے استادوں نے یہ حدیثیں ہمارے سامنے پڑھیں اور ہم کو تعلیم کیں جا بجا لفظ حدثنا اور اخبرنا وغیرہ لکھتے ہیں چنانچہ مکہ میں اب
تک تیرہ سو برس ہو چکے وہی دستور جاری ہے کہ استاد پڑھتا ہے اور شاگرد سنتے ہیں جو شبہ ہوتا ہے استاد سے دریافت کر لیتے ہیں اور ہندوستان کے
مدارس کا یہ طریق ہے کہ شاگرد پڑھتا ہے استاد سنتا ہے پس یہ امر خلاف ان کے ٹھیرا اور تعمیر مدرسہ کی نہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ابوبکر نہ عمر نہ
عثمان نہ علی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اب وہ تعمیریں مدارس کی پختہ کیجاتی ہیں کہ ارادہ کیا جاتا ہے کہ قیامت کے نفخہ صور تک بھی ان کی بنا محکم مستمر ل
نہ ہو اور پہلے صحابہؓ اور تابعینؒ حتی کہ امام اعظمؒ اور امام محمدؒ و ابو یوسفؒ تک بھی تعلیم علم دین کی اجرت نہ لیتے تھے اب جو مدرس حدیث کا یا فقہ کا
ہوگا کسی کے چالیس روپے ہوں گے کسی کے پندرہ کسی کے بیس اب صرف و نحو وغیرہ کی حدود مقرر ہیں کہ فلاں فلاں کتاب تک پہلے یہ تنہا اور

تھے اور یہ کہ صحابہؓ نے عرض کیا آپؐ نے تقریر فرمادی یہ بھی تھا چنانچہ بخاری نے اس کے لئے باب ہی جدا ضبط کیا ہے پس دونوں طریق سنت ہو گئے
ہرگز تبدیل نہیں ہوئے اور پھر آج تک وہی دونوں طریق چلے آتے ہیں اگرچہ ایک کم ہو تیسرا یہ کہ مؤلف نے حدثنا و اخبرنا وغیرہ کو سب کو ایک معنی
تحدیث کی جان کر نقل کیا اور یہ محض ناواقفیت مؤلف کی فن حدیث اور اصول فقہ و اصول حدیث سے ہے کیوں کہ حدثنا وہاں بولتے ہیں کہ استاد
اپنی زبان سے پڑھے اور اخبرنا وہاں کہتے ہیں کہ شاگرد اپنی زبان سے پڑھے استاد سنے پس بخاری و مسلم وغیرہما سب کتب کو ہر دو طریق مستفاد
ہیں اور مؤلف ہر دو لفظ کو ایک تحدیث پر دلیل لا کر فارغ ہوئے دلیل تو کچھ اور مدعا کچھ سبحان اللہ حدیث بھی مؤلف کو خوب آتی ہے پس اور تو
کیا کہوں پس مؤلف کی مثال محض ان کے جہل سے خبر دیتی ہے نہ مثال و ممثل میں مطابقت نہ دعوی و دلیل مطابق نہ اصل مطلب سے خبر کہ کہاں زیادہ بدعت
و مکروہ ہے اور کہاں جائز ہے سب کو ایک راہ چلا دیا ماشاء اللہ اور پھر دعوی علم النہایت ہی نہیں بہر حال مدارس ہندوستان کا طرز تعلیم حدیث
خلاف زمانہ فخر عالمؐ و قرون سابقہ کے ہونا بالکل غلط ہے دوسری مثال تعمیر مدرسہ کی یہ بھی محض کم فہمی ہے صُفّہ کہ جس پر اصحاب صفہ طالب
علم دین و فقراء مہاجرین رہتے تھے مدرسہ ہی تو تھا نام کا فرق ہے لہذا اصل سنت وہی ہے ہاں تبدل ہیئت مکان کی ہو گئی سو مکان کی ہیئت مطلق
جس ہیئت پر مناسب وقت ہو بنانا جائز ہے المطلق یجری علی اطلاقہ ہاں تشابہ بکفار وغیرہ امور ممنوعہ عارض نہ ہووے پس بنا محکم خود امر جائز او
ضروری ہے کہ بار بار اس کا بنانا مشکل ہے پس کسی وجہ سے یہ مثال صحیح نہیں کیوں کہ یہ عین سنت ہے اور تغیر صورت کا جو ہے سو وہ باطلاق نص
ثابت ہے خلاف امور لاحقہ ذکر مولود کے کہ وہ بالکل شئے دیگر ہیں۔ تماشہ یہ کہ باقی استحکام مدرسہ میں ایسا کلمہ شاعری کا وہ ایمان مؤلف کا ہے
اس کی ہی زبان کو لائق ہے اور زمان فخر عالمؐ میں عمال کو حصہ ملتا تھا قرآن میں فرمایا والعاملین علیہا سو وہی امر دینی پر لینا اب بھی ہے کوئی زائد
نہیں ہاں تغیر وصف ہوا ہے کہ اس وقت بطور رزق کفایہ کے تھا اور رزق قضاۃ و ولاۃ و غزاۃ وغیرہ سب یہی قسم ہے اب بطور اجرت کے ہو گیا
کہ واسطے امام شافعیؒ اجرت تعلیم کو جائز فرماتے ہیں پس یہاں بھی کوئی امر زائد لاحق نہیں ہوا تغیر وصف ہی ہے اور بضرورت ضرر دریہ اختیار
ہے پس مثال مؤلف کی باطل ہے اور صرف و نحو ادب و معانی یہ سب باشارۃ النص سنت ہیں فرمایا علیہ السلام نے علیکم بدیوان العرب
جب آپ نے زبان عرب کے اصل محاورات کو جاننا لازم کہا تو یہ فنون اس کو لازم ہیں یہ بھی کوئی اپنا ایجاد اور اپنی طرف سے زیادت نہیں بلکہ
فخر عالم کا ہی ہے مگر مولود میں کہیں حکم فرش مکلف اور شیرینی کے انتظام کا نہیں فرمایا البتہ ترنم کو مکروہ فرمایا ہو اطلاقات نصوص میں اور علوم

کیا ہوتا فائدہ حاصل کیا ہوا مخالف تھا ایک چبوترہ تھا جس پر سب سے پہلے اسلام کی تعلیم باقاعدہ درسگاہ کی شکل میں شروع ہوئی مضبوطی ملازم

علاوہ اس کے منطق اور علم ہیئت و ہندسہ وغیرہ جن کا سلسلہ یونانیوں تک پہنچتا ہے صحابہؓ کی جوتیوں تک کو ان علوم کی گرد نہ لگی تھی اب تحصیل میں داخل ہیں اور پہلے جو کوئی روپیہ دیتا تھا مخفی طور پر دینے کو خالی ریا سے جانتا تھا اب چندہ دینے والوں کی نمائش ہوتی ہے ان کے نام سال بسال کتابوں میں چھپتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس زمانہ کے اطوار تعلیم مدارس کو کہاں تک بیان کروں کم سے کم علم آدمی بھی تامل کرے گا تو معلوم کرے گا کہ بیشک مدرسہ تعلیم علم دین کا اس ہیئت کذائی اور ہیئت مجموعی کے ساتھ ہرگز قرون ثلثہ میں پایا نہیں گیا لیکن باایںہمہ جائز رکھتے ہیں اس کو فقط اس بات پر نظر کر کے گویا یہ عوارض اور لوازم بالائے سلف سے نہیں لیکن اصل تعلیم دین تو ثابت ہے ان عوارض سے اس کی اصلیت باطل نہیں ہوتی اور نہیں کہتے

فلسفہ بوجہ مناظرہ کے اور دفع تشکیکات[1] عقائد فلاسفہ کے داخل ہوئے تھے کہ روافض و معتزلہ حکماء کے اصول سے متمسک ہوئے اور خلل دین میں آیا اُس کا رفع اور الزامی جواب بے اس کے ممکن نہ تھا سو یہ بھی بارشاد فخر عالم کے تھا بقولہ جاھدوھم بایدیکم والسنتکم الحدیث البتہ بلا حاجت اب اُس کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے اور ہیئت و ہندسہ حاجت دینیہ میں ممد ہیں بے حساب پر علم فرائض مبنی ہے اور ہیئت سے اوقات صلوٰۃ وغیرہ تحقیق ہو جاتے ہیں گو ضروری نہیں غرض یہ سب اعتراضات مؤلف کے اور ان اشیاء کو امور عارض زائد غیر مامور بالحاق اس کا کہنا محض جہل دینیات سے ہے اور چندہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود لیا ہے غزوہ تبوک میں مثلاً ترغیب بار بار فرمائی اور جب حضرت عثمانؓ نے چھ سو اونٹ دیے تو مجمع عام میں مدح حضرت عثمانؓ کی کرتے تھے بقولہ ما علی عثمان ما عمل بعد ھٰذہ رواہ الترمذی ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم مرتین رواہ احمد سو جہاد اور تعلیم دونوں اعلاء کلمۃ اللہ کے واسطے موضوع ہیں اس میں عند الحاجت چندہ لینا اور رغبت دلانی اور اظہار اس کا کر کے تحریض کرنا سب عین سنت ثابت بالحدیث ہے اور صدقہ باخفا کو اب بھی کوئی منع نہیں کرتا اور یہ حکم معطی کو ہے کہ باخفا دیوے مگر آخذ کو اس کے اخفاء کا حکم نہ معلوم مؤلف نے کس آیت اور حدیث میں پڑھا ہے حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تو یہ ہے دمن کتم کفی بس مؤلف کو درپردہ یہ سب مطاعن احادیث پر کرنے ہیں اور پھر مؤلف کو دیکھو کہ صدقہ نفل کے اخفاء کا حکم افضلیت کا ہے نہ وجوب کا ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم الآیۃ پس اس کے اظہار کو موجب ملامت جاننا یا امر زائد جاننا ایک سخت جہل ہے کیوں کہ تو مامور بہ ہے دوسری اخفاء افضل معطی کو ہے نہ آخذ کو چنانچہ معلوم ہوا شبہ کر یہ حکم صدقہ کا ہے اب بھی اگر کوئی طالب علم کو صدقہ کر جاتا ہے کسی کیفیت میں طبع نہیں ہوتا مگر جو مجمع میں طلباء کو دیتے ہیں وہ حسب رغبت معطی کے طبع ہوتا ہے کتب چندہ ہیں اور چندہ صدقہ تو نہیں ہوتا وہ تو مہتمم کو کہ متولی و قیم شے ہے امانت دیتے ہیں کہ بموقع معلوم خرچ کرے یہ وکیل معطی کا ہے۔ پس کیفیت میں اس کا حساب لکھا جاتا ہے فخر عالم علیہ السلام عمال سے محاسبہ کرتے تھے یہ وہ امر ہے کہ خود شارع علیہ السلام نے کیا اور نیز باعث رفع تہمت کا ہے کہ سب کو حساب معلوم ہو جاوے مہتمم پر تہمت نہ رکھیں اور رغبت دلاتا ہے کہ تمہاری امداد سے یہ نفع ہوا اور یہ سب احادیث صحاح میں صراحۃً مذکور ہیں افسوس کہ مؤلف کو اس قدر بھی علم نہیں اگر مشکوٰۃ بھی تمام دیکھ کر سمجھ لیتا تو کفایت تھا مگر ہاں اُس کے سینہ تابوت کینہ میں جو بغض مدارس دینیہ کا ہے یہ کلمات بے معنی وہ کہلا رہا ہے اور فرط جہل مزید برآں اور درست ہے کہ مدارس سے شیطان کو سخت غیظ ہے افسوس کہ مؤلف نے اپنے سب شکوک مدارس کے بیان نہ کئے اُس کے سینے میں خراش رہ گئی اور ہم کو بھی اس کلام فضول پر یہ تحریر اجمالی اس واسطے لکھنی پڑی کہ مؤلف کا غیظ دوبالا ہو جاوے کہ یا مورسنت نکل گئے مدارس اور اُس کے مخالفین کا حال اس آیت میں کو خوب نکلا ہے کزرع اخرج شطئہ الآیۃ پس کیا

---

[1] شبہات کے دلیل پیش کرنے والا کے کلمہ الٰہی کو بلند کرنا کے انگیختہ کرنا کے دینے والا کے طلبہ کی جمع کے ذمہ دار

کہ یہ تعلیم جو اس ہیئت کذائی سے ہے یہ بدعت اور ضلالت ہے علیٰ ہذا القیاس عارض ہونے اس ہیئت کذائی سے محفل مولد شریف بھی سنت ہونے سے خارج نہیں ہوسکتی اور بدعت ضلالت کہنا اس کا لغو اور ضلالت ٹھیرا یہاں تک تو بیان تھا اس بات کا کہ محفل مولد شریف کی اصل ثابت ہے اب بیان کریں ہم دوسری بات یعنی اس کی نظیر اور مثل بھی ثابت ہے بیان اس کا یہ ہو کہ عمل مولد شریف ایک شکریہ ہے نعمتِ خداوندی کا چنانچہ امام نووی کے استاد ابو شامہ نے مولد شریف کے حق میں لکھا ہے مشعر بمحبتہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعظیمہ فی قلب فاعل ذالک وشکر اللہ علی مامن بہ من ایجاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مولد شریف کرنا خبر دیتا ہے کہ اس کے بانی کو محبت ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور تعظیم اُن کی اس کے دل میں ہو اور جو کہ خدا تعالیٰ نے پیدا کردیئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بابت مسلمانوں پر احسان ظاہر کیا ہے لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً الآیۃ یہ محفل مولد شریف کا شکر ہے اس منت خداوندی کا حدیث شریف میں وارد ہے التحدث بنعمۃ اللہ شکر جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ اس جلسہ میں اظہار ہے نعمت پروردگار کا کہ اس نے ایسا حبیب ہادی کل ختم رسل ہماری ہدایت کے لئے بھیجا پس اس کی نظیر جلسہ شکریہ صحابہؓ میں ہوتا تھا چنانچہ صحیح مسلم میں ہو ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک حلقہ صحابہؓ میں آئے پوچھا تم کیوں بیٹھے ہو کہا ہم بیٹھے ہیں اللہ کی یاد کرتے ہیں اور شکر اس کا ادا کرتے ہیں علی ماھدانا للاسلام ومن بہ علینا یعنی اس بات کا شکر کہ خدا نے ہم کو ہدایت کی طرف اسلام کے اور احسان رکھا ہم پر اس بات کا کہ راہ راست پر لگا دیا ہم کو تب فرمایا حضرتؐ نے تم کو قسم اللہ کی تم محض شکریہ کے لئے بیٹھے ہو انہوں نے عرض کی قسم اللہ کی اسی لئے بیٹھے ہیں آپ نے فرمایا میں نے تم کو اس واسطے قسم نہیں دی کہ تم پر یہ گمان ہو کہ تم جھوٹ بولتے ہو بلکہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے یہ خبر دی کہ ان اللہ عزوجل یباہی بکم الملٰئکۃ یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں میں تمہارا فخر ظاہر ظاہر کرتا ہے کہ دیکھو میری نعمت کا شکر کرتے ہیں اب دیکھئے صحابہؓ میں بھی ثابت ہوا کہ جلسہ اظہار شکر نعمت خداوندی کا ان میں پایا گیا اور جلسہ میلاد شریف بھی شکر ہے فرق نعمت میں ہے وہاں نعمتِ اسلام پر شکر ہے یہاں خود اس نعمت پر شکر ہے کہ جو اصل بنیاد اسلام و ایمان کی ہے

ظاہر تغیر کروں بیشک تھوڑے علم والا بھی جانتا ہے کہ مدارس کے سب امور سنت ہیں قرون ثلٰثہ میں موجود تھے صراحتہً ودلالتہً اور علم فرض عین دین کا ہے اور تعلیم بھی فرض ہوا اور اس کی تحصیل میں شارع کی وہ کچھ تاکیدات ہیں کہ کسی ادنیٰ پر بھی مخفی نہیں اور جس ذریعہ مشروعہ سے تحصیل ممکن ہو اس کا کرنا فرض ہوا گر اس میں زیادت بھی حسب زمانہ کیجاوے سنت اور مطلوب شرعی فی الدین وما مور من اللہ تعالیٰ ہوگا اور یہ قیود ملحقہ مجلس مولود کی ہرگز اس باب سے نہیں یہ محفل ہی کوئی ضروری نہیں اگر ضروری ہوتی یا شعار دین کا ہوتا چھ سو سال کیونکر اس سے خالی رہتے اور اب بھی کوئی ترقی دین کی اس سے نہیں ہاں تنزل ہو کہ طرح طرح کی بدعات کا ایجاد اور عبادات فرائض کی سستی اور بے رغبتی کا باعث ہے مولودیوں کے عقیدہ میں نجات کو یہی عمل کافی ہے مولف اعمٰی اگر حق سے اعمٰی ہوجاوے تو کیا علاج یہ سب امور مشاہدہ ہیں اور علم پر اس ذکر کو قیاس کرنا محض جہل مرکب ہی نماز جمعہ پر قیاس کرنا تھا کہ بہت ظاہر ہے استغفر اللہ الخ ---- اعوذبک من لاعلم۔ پس اگر علم دنیا سے اٹھ جاوے اس کا فساد سب پر روشن ہے اور جو مولود اٹھ جاوے کچھ بھی دین میں تغیر نہیں اس کا قیاس اس پر کرکے بزعم فاسد خود بدعات کو جائز کہنا اور مامور سنن اور مامورات شارع کو تحصیل دین میں مقیس علیہ امور مبتدعہ مولود کا بنانا کس قدر جہل عن قواعد الدین ہے معاذ اللہ غرض فساد فہم مولف کا اور بطلان اس کے قیاس مزعوم کا ہر شخص پر ظاہر ہوگیا خلاصہ یہ کہ عبادت مسنونہ لحوق امور مکروہ سے مکروہ اور لحوق امور محرمہ سے حرام ہوجاتی ہو کہ بلا اختلاف مگر مولف کو ہرگز علم نہیں اس کا یہ قول کہ امر سنت لحوق مکروہات سے سنت ہی رہتا ہے محض سفسطہ ہی یوں نہیں بلکہ مجموعہ مرکب سنت وغ

ے حاصل کرنا ۔ پوشیدہ ۔ دین میں طلب کی گئی ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محکوم ۔ قواعد دین سے ناواقفیت ۔ بے وقوفی

یعنی حضرت کی اطاعت اور جمیع احکام مان لینے کو اسلام کہتے ہیں بنا بر علیہ لابد اس جلسہ شکریہ میں بھی امید ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ملائکہ میں تفخر بانیان محفل کا ظاہر کرے کیوں کہ علت شکر اس جلسہ منصوصہ اور اس محفل میں مشترک ہے لاجرم یہ بدعت نہ ٹھیری اور اگر مثل اور نظیر اس طرح پر طلب کرتے ہو کہ ایسا جلسہ مسنونہ بتاؤ جس میں چند سنتیں مثل جلسہ مولد شریف کی مجتمع ہوں تو اس کی بھی نظیر شرع میں موجود ہے مثلاً شادی عروسی کہ اس میں اجتماع ہے مومنین کا اور ذکر اللہ بھی اس میں ہو اس لئے کہ خطبہ نکاح کا جو سنت ہو جلسہ نکاح میں پڑھا جاتا ہے بعد ازاں خرما وغیرہ تقسیم کر دیا جاتا ہے یا حاضرین کے ہاتھوں لٹا دیا جاتا ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے لا بأس بنثر السکر والدراہم فی الضیافۃ وعقد النکاح اور مولوی اسحاق صاحب نے مسائل اربعین میں لکھا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھا ایجاب و قبول کیا چھوارے لٹائے اور نیز جس وقت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہؓ سے نجاشی بادشاہ حبش نے اپنے ملک حبش میں کیا تو حضرت جعفرؓ اور جمیع مہاجرین کو جمع کر کے خطبہ پڑھا ایجاب قبول کیا بعد ازاں سب کو کہا کہ ابھی بیٹھے رہو یہ سنت پیغمبروں کی ہے کہ بعد نکاح کے کچھ کھانا کھاویں تب کھانا منگا کر سب کو کھلایا یہ بھی مسائل اربعین میں ہے اب دیکھئے اگر نکاح میں عقد نکاح کا سر دفتر

ہی ہوتا ہے گو وہ نفس جز و سنت کا سنت ہی **قولہ** یہاں تک بیان تھا الخ **اقول** مؤلف کس قدر غافل ہے پھر وہی نفس ذکر کی فضیلت اس قول اولیا سے ثابت کرنے لگا اس میں کس کو کلام ہے مگر مؤلف کو لا مفر ہے اور یہ حدیث حلقہ صحابہؓ کی بھی وہی بیان مطلق ذکر و شکر میں ہے اس سے مؤلف کو سوائے تطویل کے کوئی نفع نہیں اور مانعین کے کچھ خلاف نہیں لہٰذا اس کا جواب کیا لکھا جاوے کہ یہ مسلم اہل سنت کا ہے **قولہ** اگر مثل اور نظیر اس طرح پر الخ **اقول** فی الواقع مؤلف کو اثبات مدعا میں ید طولیٰ ہے کیا عمدہ طرح اثبات قیود مولد کو کرتا ہے سننے کے قابل ہو غرض تو اس کی اثبات جواز کی ہے اور نظیر کراہت کی لکھی سنو کہ مانعین کا تو قول حسب ارشاد شارع کے یہ ہے کہ کسی جائز مطلق کے ساتھ اگر ایسے امور ضم ہو جاویں کہ وہ ممنوع ہوں تو مجموعہ ممنوع ہو جاتا ہے اور جو ایسے امور منضم ہوں کہ مباح ہیں یا مستحب ہیں تو اگر اپنے درجۂ اباحت و استحباب پر رہیں تو درست ہیں اور جو اپنے درجہ سے بڑھ جاویں تو بدعت ہو جاتے ہیں اور یہ امر تمام کتب میں مصرح ہے پس شادی نکاح میں جو امور سنت سے ثابت ہیں وہ مستحب ہیں یا مباح پس اگر شادی میں کوئی امر غیر مشروع مل گیا جب بھی وہ مجمع غیر مشروع ہو گیا اور جو ان امور کو واجب جاننے لگے یا واجب جیسا معاملہ ہونے لگے جب بھی ممنوع اور بدعت ہو کر مجمع بدعت کا ہو جاوے گا اور شرکت وہاں کی منع ہو جاوے گی پس بعینہٖ یہی حال اس مجلس مولود کا ہے بلا تفاوت ہم کو زیادہ شرح کی کیا حاجت ہے مؤلف خود ہی کہتا ہے مگر ہاں ... شادی کی بدعات میں وہ معصیت اور مواخذہ نہیں جو مولود کی بدعات میں ہے کیوں کہ وہ امر دنیا کا تھا اور یہ ذکر پاک دین کا اور سرور عالم علیہ السلام کا ذکر اس کی مناہی پر سخت باز پرس ہوتی ہے الحمد للہ کہ مؤلف کے منہ سے حق بات نکلی مگر بھول کر نکل آئی پس اگر مؤلف اجتماع امور مباحہ کو مثل مجمع شادی کے جانتا ہے تو اب تاکد کی صورت میں کیوں ان کے بدعت ہونے سے تامل کرتا ہے کلمہ پڑھ کر اقرار کر لیوے پس مومنین متبعین سنت میں داخل ہو جاوے گا اب ناظرین مؤلف کے علم کو قیاس کریں کہ ہر دفعہ اثبات قیود کے واسطے عزم کرتا ہے تو مطلق فضائل ذکر مولود کے بیان کر کے کوئی قیاس کی بات یا مجمل بات قیود میں ذکر کرتا ہے یہاں بھی اسی فکر میں یہ قیاس پیش کیا ہے جو بالکل اس کے مدعا کے خلاف ہے یہ کمال فہم ان کا ہے اور صوم عاشورا کا جواب گذر چکا کہ وہ روزہ بسبب عادہ شکر کے نہیں تھا، بلکہ با یجاب اللہ تعالیٰ تھا اور اعادہ سرور عید کی طرح عادت یہود کی تھی کہ فخر عالم نے اس کو ترک کرا دیا تھا پس یہ نظیر ہرگز نہیں ہو سکتی تھوڑے سے فہم کی حاجت ہے بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے عرض

ہ دعویٰ کہ عبارت کہ شامل کہ خدائے تعالیٰ کے واجب کرنے سے،

یہاں یعنی مجلس میلاد شریف میں اس سے کہیں زیادہ بڑی نعمت یعنی وجود باعث ایجاد عالم کا سرور ہے وہاں خطبہ میں توحید و اقرار رسالت ہے یہاں بھی وہ مضمون بتفصیل وشرح موجود وہاں تقسیم شیرینی وخرما واطعام طعام ہے یہاں بھی علی ہذا القیاس یہ باتیں موجود ہیں اور اگر سال بسال دائمی ہونے کی تمثیلیت مطلوب ہو تو محدثین صوم عاشورا کی نظر دیکھیے ہیں کہ موسی علیہ السلام کی نجات کا شکریہ سال بسال کب سے چلا آتا ہے غرضکہ میلاد شریف کی اصل بھی شرع میں موجود ہے اور نظیر اور مثل بھی بنا بریں علیہ موافق قول مولوی اسماعیل صاحب کے یہ محفل بدعت نہیں اب ایک دوسری تقریر سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ محفل سنت ہے مولوی اسماعیل صاحب تذکیر الاخوان میں مجتہد ونکی نکالی چیز کو سنت میں داخل کرتے ہیں اور مجلس میلاد اگرچہ بدیں ہیئت مجموعی کسی مجتہد مطلق نے خود ایجاد نہیں فرمائی لیکن مجتہدان مطلق نے ایسے عمدہ قاعدے کلیہ ایجاد کیے کہ مجلس ان قاعدوں میں داخل ہو گئی مثلاً حضرت امام مالکؒ حدیث کی تعلیم اس طرح کرتے تھے کہ اول غسل کرتے تھے پھر فرش چوکی ہوتا مسند بچھتی عود ولوبان وغیرہ بخور خوشبو سلگتی پھر منبر پر بیٹھکر کمال تعظیم سے بیان فرماتے لوگوں نے پوچھا یہ اہتمام کیوں کرتے ہو فرمایا تعظیم کرتا ہوں حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تب کسی نے اعتراض نہ کیا اور چپ ہو گئے امام مالکؒ خیر القرون میں تھے تابعین میں تھے اور مجتہد تھے ان کے فعل سے یہ آداب ثابت ہوئے پھر جس نے ان پر اعتراض کیا وہ ان کی دلیل معقول سن کر چپ ہوا کہ واقعی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہو پس دوسروں کا سکوت کرنا بعد اعتراض کے یہ بھی قول امام مالکؒ کو موید ہو گیا علاوہ بریں اس وقت سے آج تک جمیع کتب حنفیہ و مالکیہ و شافعیہ میں یہ دستور العمل مکتوب ہو گیا کہ حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے مکان عالی پر بیٹھنا خوشبو لگانا تعظیم مد نظر رکھنا مستحب ہے مدارج النبوۃ اور مواہب اور شرح مواہب وغیرہ سے یہ بات ظاہر ہے اور معلوم ہے سب کو یہ بات کہ محفل مولد شریف میں احادیث و معجزات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اس میں اس قسم کے آداب کیے جاتے ہیں پس یہاں تک تو محفل مولد شریف فعل خیر القرون میں داخل اور سنت میں شامل ہے باقی رہا درود وسلام ومدح کھڑے ہو کر پڑھنا تعظیماً اس کی اصل بھی مجتہدوں سے ثابت ہے

کہا کہ اگر یہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی الآیۃ ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس روز کو عید بنا لیتے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں خود اس روز کو پہلے سے حق تعالی نے عید بنا رکھا ہے اس روز دو عید تھی جو یہ آیت نازل ہوئی عرفہ اور جمعہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یوم حصول نعمت کو یہود عید بنائے تھے اور ہمارے شرع میں یہ نہیں ہے کہ کسی ان کو ولادت سے لے کر آخر تک شرح صدر اور نبوت اور معراج وغیرہا انعام اس امت پر ہوئی، مگر شارع نے کہیں کوئی عید مقرر نہ حکم دیا نہ کہیں قرون ثلثہ تک کچھ ہوا پس ایسی حالت میں اگر سرور بطور عید کرنے کو یوم ولادت فخر عالم میں تشابہ یہود کا بھی کوئی کہہ دیوے تو بجا ہے باقی رہا سرور ولادت سو وہ ہر دم لازم ایمان ہے اگر اس کا اظہار بطور مشروع کسی وقت ہو اس کو کوئی منع نہیں کرتا ہاں بدعت کی طرح پر لاریب ممنوع ہے پس مولف کے سب قیاس برہم ہو گئے محض دعوی بے مغز باقی ہے اور بس

مجلس نکاح وصوم یوم عاشورا نظیر ومثل مجلس مولد مروج نہیں ہو سکتے جیسا کہ مولف سمجھا ہے امام مالک کا عند الحدیث تعطر وتجمر تادب اہل بدعت کو مفید نہیں

قولہ اب دوسری تقریر سے ثابت کرتے ہیں الخ **اقول** خلاصہ تقریر یہ ہے کہ امام مالکؒ درس حدیث غسل و تطیب کے ساتھ کرتے تھے امام مالکؒ کا حال شرح بخاری وغیرہ میں منقول ہے، مروی عن مالک انه کان اذا اراد ان یحدث توضأ وجلس علی صدر فراشه وتمکن فی جلوسه بوقار وهیبة وحدث وروی انه کان یغتسل ویتبخر ویتطیب فتنجی لسبب طہارت نظافت وتعطر جو یہاں منقول ہو سب اذکار قرآن ونوافل وحدیث میں باتفاق مندوب

یعنی احمد بن حنبلؒ کے استاد یحییٰ بن سعید منارہ مسجد سے پشت لگا کر بیان کرنا شروع کرتے تھے اور بڑے بڑے عالم مجتہد محدث علیؒ ابن مدینی ابن خال
اور امام احمدؒ وغیرہ کھڑے رہتے تھے اور تحقیق کرتے حدیثیں اور کوئی ان کی ہیبت اور جلال سے نہ بیٹھ سکتا تھا یہ حال قیام کی بر ہنہ میں موجود
ہے ان محدثوں اور مجتہدوں کے فعل سے ثابت ہو گیا اگر کوئی شخص ذکر رسول کھڑا ہو کر کرے صحیح ہے اور حضرت حسانؓ منبر پر کھڑے ہو کر فخر بیان
کرتے تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بس اب باقی رہ گیا کھانا یا شیرینی دینا بیاں اس کا حال یہ ہے کہ جب وقت ابو سعید مظفر کے وقت میں محفل ہوئی
اور اس میں کھانا نہایت پر تکلف شاہانہ عام لوگوں کو کھلایا گیا اس وقت اگرچہ کوئی مجتہد مطلق یعنی مجتہد فی الشرع موجود نہ تھا مگر مجتہدوں کے
چند طبقے ہیں ان میں سے ایک مجتہدین فی المسائل ہوتے ہیں . قوت نظر بیان کی قوی ہوتی ہے اور اپنے امام کی اصل پر نظر کر کے مسائل غیر منصوص
میں بنظر اجتہاد حکم دیتے ہیں اس قسم کے مجتہد موجود تھے تو تاریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت جمیع علماء نے سوائے شیخ تاج الدین کے محفل مولد
شریف کی مع اطعام طعام و تعیین یوم میلاد وغیرہ جائز رکھا بس ان خصوصیات کی اسناد بھی مجتہدین تک پہنچ گئی اور مولوی اسمٰعیل صاحبؒ

ہے اور نصوص سے ثابت ہے نہ معلوم کہ مؤلف کو باوجود نص کے فعل مالک کی کیا ضرورت ہوئی مگر ظاہر ہے کہ جہل ہے اسی واسطے اتنا تکلف
کرنا پڑا اسواد اول تو چوکی منبر کا حوالہ غلط ہے شاید یہی وجہ اس فعل کے نقل کی ہوئی ہو کہ یہاں تصرف کم ظاہر ہووے گا نصوص تو خوب منصوص ہیں
اس کے تصرف کو ہر ایک معلوم کر لیوے گا پس حجت منبر کی اس سے درست نہیں مگر مؤلف کیوں تکلف کرتا ہے اس کا تو کسی نے انکار نہیں کیا مذہب تعطر کا
خود نص سے ثابت ہے مالک کے فعل سے بھی ثابت ہو اس کا وجوب ہو جانا بدعت ہو دوسرے یہ کہ مؤلف قرآن اور درود سب کچھ پڑھتا ہے کسی
کو تعطر و تبخر نہیں ہوتا خاص اسی ذکر میں مندوب پر عمل ایسا کہ ہرگز ترک نہ ہو جو کوئی لیوے تو لڑنے کو تیار اور امام مالکؒ کا فعل لکھنے کو موجودیہ تخصیص
کی وجہ کیا ہے یہ وجہ لکھنی تھی تا بدعت کے طعن سے نجات ملتی اب تو مؤلف دہی تیلی کا بیل ہو رہا ہے پھر پھرا یا اسی مرکز پر آ رہا ہے بھلا صاحب
ندب منبر کا بھی اور تطییب کا بھی ثابت ہوا مگر اس تخصیص اور تاکید کی وجہ کیا ہے جو مانعین کا اعتراض رفع ہووے واہ رے جولانی اور علم تحدیث
حدیث میں چوکی پر یا مکان مرتفع پر بیٹھنا کہیں سنت نہیں ہاں وعظ میں یا جہاں مجمع عام میں کوئی امر سنانا ہو آواز پہنچانے کو یا اور غرض صحیح
کے واسطے مندوب ہے مگر نہ کوئی تخصیص کی وجہ نہ تاکد کی دلیل اس سے نکلی اور نفس مذہب مفید مؤلف کو نہیں اور درود سلام کا بھی یہی حال ہے کھڑے
بیٹھے جس طرح چاہو پڑھو مگر خصوصیت قیام کے وقت ذکر ولادت کی پوچھی جاتی ہے کوئی مؤلف کو کہے بندہ خدا تعالیٰ کہیں تو سمجھ درود کو قیام کس نے
منع کیا ہے بالخصوص ذکر ولادت پر قیام کرنے کو پوچھتے ہیں سمجھ کر جواب دے الحاصل کلام خصوصیات میں تھی اور یہاں ذکر قیود مباحہ کی ضم مؤکد
میں مگر مؤلف کچھ سے کچھ لکھ رہا ہے جو اس درست نہیں علیٰ ہذا حسانؓ کا منبر پر چڑھ کر مفاخرت منافحت عنہا کفار کے واسطے اعلان کیواسطے
تھا غرض صحیح میں قیام تو سب درست ہے مگر مؤلف کو کیا نفع ہے مطلب سے کچھ خبر اور غرض نہیں تطویل بے سود کرتا ہے کلام خصوصیت میں
اور تاکد مباح میں ہے نہ کہ ان امور کی اباحت میں سو وہ کچھ بھی مؤلف نے ثابت نہ کیا ہمہ شب رواں صبح آنجا کہ ہست

بحث طعام محفل مولد | **قولہ** اب باقی رہ گیا کھانا الخ **اقول** کھانے شیرینی کی بحث تو چند دفعہ ہو چکی کہ اصل اس کی مباح اور تخصیص اور تاکد مروج

سے کراہت و بدعت پیدا ہوئی ہے کلام اصل میں نہیں بلکہ اس تاکید میں ہے اور ملک مظفر کے وقت کی ایجاد میں تو بحث ہی ہو رہی ہے اور
پھر مؤلف اسی کو دلیل بنا رہا ہے یہ مردود نہ معلوم کہاں سے سیکھا ہے اور بہت طویل کلام اسمیں پہلے لکھے گئے اور علامہ فاکہانی کی تحقیق اور
اس کا حق ہونا بظاہر معلوم ہو چکا اور تاویل نقل علماء کے بھی مذکور ہو چکے اور معہذا مولود مؤلف کا جائز نہ ہونا بھی ذکر ہو لیا مؤلف کی تکرار اور

لے عطر لگانا ۲ے لوبان اور اگربتی سلگانا ۳ے شامل کرنا ۴ے فخر کرنا ۵ے غصہ و غضب ۶ے تمام رات چلے صبح کو وہیں کے وہیں رہے ۷ے لفظ کو معنی غیر ظاہر پر محمول

نے مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع کی قید تو لگائی نہیں کیوں کہ ان کی غرض یہ ہے کہ کوئی فعل ایسا نہ ہو کہ عوام یا علماء کم پایہ اس کو پسند کرلیں بلکہ وہ ایسے مجتہد ہوں کہ ان کو قوت نظریہ لائق اصل و نظر پہچاننے کی ہو وے اور مولوی اسماعیلؒ صاحب تذکیر الاخوان کے باب تقلید میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ اکثر علماء دینداران متقی اس مسئلہ کو قبول کرلیں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے انتہی دیکھئے یہاں اجتہاد کی قید بلا وجہ اب ہم کہتے ہیں کہ اس محفل کو اکثر علماء دیندار متقیوں نے معتبر رکھا ہے استحباب کا فتوی دیا ہے اور ابو سعید مظفر کے عہد میں وہ علماء بڑے عالی درجہ صحیح النظر جامع فروع و اصول تھے یہاں تک کہ بعض ان میں سے اپنے اوپر تقلید ائمہ کی واجب نہ جانتے تھے خود قوت اخذ مسائل کی اپنی عقل میں سمجھتے تھے علاوہ بریں امام شافعیؒ کے قاعدہ میں تحقیق مع جمیع خصوصیات و تعینات مروجہ اہل اسلام داخل ہو وہ قاعدہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ سے بیہقی نے یہ روایت کیا ہے کہ نئی بات اگر ایسی ایجاد ہو کہ قرآن اور حدیث اور اجماع کے حکموں کو نہ مٹاتی ہو اور نہ رد کرتی ہو وہ بدعت حسنہ اور محمود ہے اس کو برا نہ کہنا چاہئے محفل میلاد اس مجتہد کے قول میں داخل ہو گئی کیوں کہ کسی حکم قرآن و حدیث و اجماع کو رد نہیں کرتی اور اگر رد کرتی ہے تو بیان کرو من ادعی فعلیہ البیان الحاصل ہر نہج سے اس کی اسناد مجتہدین تک پہنچتی ہے خواہ تصریحاً خواہ استنباطاً پس یہ محفل سنت میں داخل ہو اور بدعت نہیں موافق قاعدہ مقررہ مولوی اسماعیل صاحبؒ کے سوال تم سالکان ہندوستان حنفی المذہب ہو امام مالکؒ اور شافعیؒ سے کیوں استدلال کرتے ہو؟ جواب جو مسئلہ ہمارے امام سے تصریحاً بیان نہ ہو اور دوسرے اماموں نے اس کو تصریح کیا ہو اور وہ ہمارے قواعد کے خلاف نہ ہو پس تسلیم کیا جاتا ہو وہ ہمارے مذہب حنفی میں اس کی نظیریں ناظر کتب فقہ کو ملیں گی بالفعل ایک مثال لکھتا ہوں درمختار میں ہے واما تقبیل الخبز فجوزہ الشافعیۃ انہ بدعۃ مباحۃ وقیل حسنۃ یعنی کہا صاحب درمختار نے کہ روٹی کو چومنا یعنی بوسہ دینا جائز رکھا ہے شافعیوں نے کہ یہ بدعت مباح یا مستحب ہے یہ مذہب شافعیوں کا لکھ کر صاحب درمختار جو مذہب کا حنفی ہے لکھتا ہے کہ قواعدنا لاتاباہ یعنی ہم حنفیوں کے قاعدے کچھ اس کی مخالفت نہیں رکھتے، پس ثابت ہوا کہ غیر اماموں کے مذہب میں جو بات ایسی ہو کہ ہمارے مذہب میں اس کا ذکر نہ ہو اور ہمارے مخالف نہ ہو اس کا لے لینا درست ہے چنانچہ تقسیم بدعت حسنہ اور سیئہ کی ہمارے کتب فقہ شامی وغیرہ میں برابر مثل مذہب امام شافعی کے مندرج ہے اور اسی طرح قراءۃ حدیث میں لوبان وغیرہ سلگانا، خوشبو لگانا، اونچی جگہ پر بیٹھنا باقتدار امام مالکؒ کتب حنفیہ میں

اعادہ نے ہم کو بھی اس تقریر مہمل میں ڈالا غرض یہ نہ حجت فی الدین ہے اور نہ مؤلف کا کچھ فائدہ اس کو ہے یہ لا حاصل اور عبث کلام ہے پہلے سب کچھ لکھا گیا ہے حاجت اعادہ کی نہیں اور یہ تقریر محض لغو ہے جو مؤلف کاغذ سیاہ کرتا ہے امام شافعیؒ صاحب کے قول کے معنی بیان ہو چکے ہیں مؤلف کمال دلاوری سے یہ کہتا ہے من ادعی فعلیہ البیان اس علم و فہم پر یہ کلمہ اول رسالہ سے یہاں تک قلعی کھلتی چلی آ رہی ہے مگر ابھی مؤلف کے دماغ کا کیڑا نہیں گرا اب یہ براہین قاطعہ سب دود و عاوی ناک کے بل نکالے دیتی ہے اور مدعی کا بیان ملاحظہ ہوا جاتا ہے، ذرا جو اس دماغ کا منقیہ کر رکھو الحاصل اس ہیئت مروجہ مولود کا ناجائز ہونا ثابت ہو لیا اور مؤلف ہاتھ پاؤں مار کر پھر پھرا کر قیود کے اثبات میں سوائے اس کے کوئی حجت نہیں رکھتا کہ بہت علماء نے اس کو کیا ہے اور جائز رکھا ہے مگر یہ بھی اس کے مولود کو نافع نہیں اگر عقل ہو تو سمجھے اب اس کے بعد مؤلف نے جو سوال جواب بے محل بے سود لکھا ہے نہ اس کا کچھ محل تھا نہ یہ کسی کی مخالف، بھی اپنا علم جتانا تھا سو اس سے بھی کم مناسبت ہونا مؤلف کا فہم علم سے معلوم ہو گیا

تعیین وقت میلاد میں مؤلف کا استدلال آیت ربنا انزل علینا	**قولہ** لمولد العالم الخ **اقول** خلاصہ اعتراض یہ ہے کہ ایسا التزام کرنا اور تعیین تاریخ کرنا

ے دین کے معاملہ میں حجت ے دعوی کی جمع

موجود ہے لمعہ رابعہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر محفل کبھی کبھی کرنی جائز بھی ہو تو خیر لیکن یہ بات کہ خاص ربیع الاول کی بارہویں تاریخ میں کرنا اس کا اور وہ بھی ہر سال التزاماً کریں اس کی تو کوئی دلیل نہیں جواب دلیل اس کی یہ ہے کہ شرع شریف میں یہ مضمون پایا گیا ہے کہ جس کسی نعمتِ عظمی کا ظہور ہو اس کو عید کریں ہر سال اسی روز خوشی کیا کریں، قرآن شریف میں اس تعیین یوم کی مثال یہ ہے کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آسمان سے ہمارے لئے خوان کھانے کا اترے تب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیداً لاولنا واخرنا کہا امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں کہ اس کے یہ معنی ہیں یا اللہ اتار ایک خوان کھانے کا آسمان سے کہ ہو جائے وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید یعنی جس دن وہ مائدہ اترے اس کو ہم عید بنا لیں اور ہمارے بعد جو پیدا ہوویں وہ بھی اس کو عید بنا دیں اس دن کی تعظیم جاری رہے پس اترا مائدہ اتوار یعنی یکشنبہ کو پس بنا لیا نصاریٰ نے اس کو خوشی کا دن کہ اس میں خوشی کرتے ہیں انتہی یعنی وہ لوگ اپنی عبادت گاہ میں جمع ہوتے ہیں یکشنبہ کو مثل جمعہ اہلِ اسلام کے اور اس روز اپنے محکموں میں تعطیل کرتے ہیں، استراحت پاتے ہیں دیکھئے قرآن شریف سے اصل ثابت ہوئی کہ روزِ حصول نعمت کو ابتداً عید بنا لیا جاوے اور حدیث سے یہ سند ہے کہ ابن حجر محدثؒ نے مسلم اور بخاری کی حدیث نکالی ہے یعنی جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے یہود کو دیکھا کہ عاشوراء محرم کو روزہ رکھتے ہیں آپ نے پوچھا کیوں رکھتے ہو بولے یہ وہ دن ہے کہ اس میں ڈبو دیا اللہ تعالیٰ نے فرعون کو بچا لیا موسیٰ علیہ السلام کو پس روزہ رکھا موسیٰؑ نے شکراً فنحن نصومہ شکراً للہ تعالیٰ یعنی ہم اس دن کو روزہ واسطے شکر گذاری اللہ تعالیٰ کے رکھتے ہیں

موجب تاکد کا ہو جاوے درست نہیں مؤلف جواب دیتا ہے کہ شرع میں روزِ ظہور نعمت[۱] عظمیٰ کو عید بنانا درست ہے کیوں کہ اس کی اصل پائی گئی ہے اور دلیل اس کی آیت ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء الآیۃ لکھا ہے پس سنو کہ اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں ایک یہ بھی ہے جو مؤلف نے لکھا مگر دوسرے اقوال چونکہ مفید مدعی نہ تھے ترک کر دیئے اس کو موافق مطلب کے دیکھ کر نقل کر دیا ہے مگر اس سے بھی مؤلف کو مس[۲] اس نہیں کیوں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ یوم یکشنبہ کو نزول مائدہ تھا اس دن کو بحکم خدا تعالیٰ عید بنایا ہے تو اول تو یہ یکشنبہ کو عید کا قرار دینا بدعا عیسیٰ علیہ السلام کے ہوا اور بحکم حق تعالیٰ اس کا اقرار و اجرا ہوا ہے تو اس تعیین میں تو کلام ہی نہیں کہ شارع کی طرف سے فرض ہو جاوے تم پر جمعہ فرض ہوا ان پر یوم احد فرض ہوا فغد الیھود وبعد غد للنصاریٰ الحدیث کلام اس میں ہے کہ اپنی رائے سے کوئی عید مقرر نہیں کر سکتا اگر مؤلف کا یہی اجتہاد ہے تو پھر نصاریٰ کے شرع میں کیوں گیا جمعہ اور پنجگانہ اوقات سے ہی دلیل لائی تھی اس میں بھی نعما[۳] خفیہ بندوں پر مبذول ہیں دوسرے یہ کہ یہ شرع عیسیٰ علیہ السلام کی ہے اب وہ احکام منسوخ ہو گئے اس پر قیاس درست نہیں اس لئے کہ جب خود منسوخ پر عمل جائز نہیں اس پر قیاس بطریق اولیٰ ناجائز ہووے گا شریعت آدم میں بہن سے نکاح درست تھا تو اس پر قیاس کر کے کسی محرم سے نکاح کرنا شاید مؤلف جائز کہہ دیوے اگر کہئے کہ نکاح محرم تو ہمارے شرع میں حرام ہے تو تقیید بالرائے[۴] بھی ہمارے شرع میں ناجائز ہے، تیسرے یہ کہ شکر وجود فخر عالمؐ کا ہم پر فرض موقت بوقت نہیں بلکہ دائمی ہے پس غیر موقت مطلق کو کسی قیاس سے موقت کرنا باطل ہے اول تو محل نص میں قیاس ہی لغو ہے پھر وہ قیاس کہ مطلق کو مقید کرے اور شریعت احمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو شرع سابق منسوخ نہیں کر سکتی بلکہ وہ خود منسوخ ہے چہ جائیکہ اس پر قیاس کر کے نسخ کریں اور تقیید بھی نسخ ہی ہوتا ہے علماً[۵] ہو یا عملاً یہی وجہ ہے کہ تقیید آیۃ مطلق کی بخبر واحد منع ہے پس مطلق شکر کو موقت بتاریخ ورود نعمت کرنا بالکل ممنوع ہو گیا چوتھے یہ کہ خود معلوم

۱؎ بڑی نعمت کے ظاہر ہونے کا دن ۲؎ تعلق ۳؎ پوشیدہ نعمتیں ۴؎ ختم ۵؎ رائے سے مقید کرنا ۶؎ علم کے اعتبار سے ہو یا عمل کے اعتبار سے

حضرت نے یہ سن کر ارشاد فرمایا تمہاری بہ نسبت ہم کو زیادہ مناسبت ہے موسیٰ ؑ سے تب آپ ؐ نے روزہ عاشورا رکھا اور صحابہ ؓ کو بھی حکم دیا یہ حدیث صحیح ہے مسلم اور بخاری ؒ میں موجود ہے اب دیکھئے کہ کب فرعون ڈوبا اور کب موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی اور جب سے اب تک وہ شکریہ اس نعمت کا جاری ہے کہ جب وہ روز عاشورا محرم کا آتا ہے ہر سال اہل اسلام اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا تو ایسی بڑی نعمت ہے کہ نزول مائدہ عیسیٰ ؑ اور نجات موسیٰ علیہ السلام سے کہیں فائق اور افضل اور اکمل ہے پس یہ دن ہر سال آوے کیوں کہ اس میں فرحت و سرور ظاہر نہ کیا جاوے اور شکر الٰہی کیوں نہ ادا کیا جاوے جب روز معین کا ہر سال؟ موجب اعادہ سرور ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا تو روز میلاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو نہایت درجہ کو قابل اس کے ہے کہ اس کو یوم سرور کیا جاوے علاوہ ان دلائل کے یہ بھی حدیث صحیح درباب تعیین و قرار پانے یوم سرور بباعث ظہور نعمت علمائے محققین نے مثل مفتی سعد اللہ وغیرہ نے بیان فرمائی ہے اور یہ بات تو اس قسم کی ہے کہ ابو عبداللہ بن الحاج جن کو یہ صاحب فہرست مانعین میں لکھتے ہیں اور اپنا طرف دار شمار کرتے ہیں یعنی ان کو مانع عمل مولد شریف جانتے ہیں انہوں نے اس تخصیص افضلیت ماہ ربیع الاول کو مسلم رکھا ہے عبارت ان کی مدخل میں یہ ہے هذا الشهر العظيم الذى فضل الله تعالى وفضلنا فيه بهذا النبي الكريم الذى من الله تعالى علينا فيه بسيد الاولين والآخرين كان يجب ان يزاد فيه من العبادة والخير شكرًا للمولى على ما اولى نابه من هذه النعم العظيمة وقد اشار عليه الصلوة والسلام الى فضيلة هذا الشهر العظيم بقوله عليه السلام للسائل الذى سأله عن صوم يوم الاثنين فقال له عليه السلام ذلك يوم ولدت فيه فتشريف هذا اليوم متضمن لتشريف هذا الشهر

ہو گیا۔ با قرار مؤلف کہ یوم نزول مائدہ کو نصرانیوں نے عید بنایا اب یوم ولادت کو عید بنانے میں تشابہ نصاریٰ سے ہونے کی یہ دوسری وجہ پیدا ہوئی ہے اور ہماری شریعت میں ہرگز جائز نہیں کہ یوم ورود نعمت کو عید بنایا کریں چنانچہ بالا بیان اس کا ہو لیا پس یہ قول و دعویٰ مؤلف کا باطل ہے ہرگز ہمارے شرع میں کوئی اصل اس کی نہیں لہٰذا یہ تعیید درست نہیں سو قرآن سے تو استدلال لانا مؤلف کا باطل ہوا اب صوم عاشورا کی دلیل کو دیکھو کہ پہلے اس کی خوب تحقیق ہو چکی ہے کہ فخر عالم علیہ السلام نے یہ روزہ عادۃً اور بافتراض اللہ تعالیٰ رکھا ہے نہ شکراً للنجاۃ موسیٰ ؑ پس یہ استدلال مؤلف کا بھی باطل لا شئے ہے اور ایک تصرف مؤلف نے اس حدیث میں کیا ہے فنحن نصومہ شکراً للہ تعالیٰ یہ کسی حدیث میں نہیں یہ مؤلف نے زیادہ کی ہے حدیث فنحن نصومہ ہے فقط پس زیادۃ لفظ شکراً کی افتراء علی الحدیث ہے مگر پھر بھی کام نہیں چلے گا جیسا پہلے مذکور ہو لیا پس عید ٹھیرانا یوم سرور کو سنت ہوئی یہود کی اور سنت ہوئی نصاریٰ کی اور متروک ہے یہ اس شریعت میں پس تعیید یوم ولادت میں اپنی رائے سے تشبہ یہود و نصاریٰ کا ہوتا ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ نفرت کہ عاشورا کی عید میں فرمایا خالفوا الیہود وصوموا انتم وعن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصوم یوم السبت ویوم الاحد اکثر ما یصوم من الایام ویقول انهما یوم عید المشرکین فانا احب ان اخالفهم کہ مخالفت عید نصاریٰ اور یہود کے واسطے ان دونوں یوم کا روزہ رکھتے تھے اور مؤلف صاحب اس فعل یہود و نصاریٰ کی حجت لا کر مقیس علیہ بناتے ہیں سو یہ عین مخالفت امر شارع کی ہے یا نہیں ذرا مؤلف آنکھ کھولے ہوشیار ہووے پس ایسی ہی غلط دلائل اور خلاف شرع توجیہات سے اپنے ابتدا کو رواج دیتا ہے اور نہیں سمجھتا اور دیگر احادیث جواز تعیید کی مؤلف نے نقل نہ کی ورنہ اس کا بھی حال اس کو معلوم ہو جاتا پھر اس ثبوت پر مؤلف بے صبر کیسا خوش ہوتا ہے ماشاء اللہ

صوم یوم عاشورا کا نقش بر آب ہونا عبارت مدخل مفید تعیین وقت میلاد نہیں	قولہ ابو عبداللہ ابن الحاج الخ اقول مؤلف کو نقل عبارت

[illegible] دستر خوان کے نازل ہونے کا دن تہ عید منانا سہ فرض قرار دینا شہ پس ہم روزہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ جس پر قیاس کیا جائے،

یعنی یہ مہینہ ربیع الاول کا بزرگ ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا کہ ایسا سید الاولین والآخرین اسمیں پیدا کیا جب یہ مہینہ آیا کرے ہم کو چاہیے کہ بہت زیادہ اس میں نیکیاں کیا کریں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی بزرگی کی طرف اشارہ کر دیا کیوں کہ آپ روزہ پیر کا رکھا کرتے تھے جب کسی نے پوچھا کیوں رکھتے ہو آپ نے فرمایا اس روز پیدا ہوا ہوں پس اسی سے ثابت ہو گیا جب پیر کا دن بباعث پیدا ہونے آپ کے مشرف اور مکرم ہو گیا کل دنوں کی نسبت تو جس مہینہ میں پیدا ہوئے لابد وہ مہینہ بھی مکرم اور معظم بہ نظیر کل مہینوں ہو یہ معنی ہیں کلام ابن حاج کے اور ایک اعتراض دوسرا جو وارد ہوتا تھا کہ یہ مہینہ اگر افضل تھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیوں اس میں اظہار شکریہ وغیرہ نہ کیا اصحابات کا جواب بھی ان میں حضرت ابن حاج نے مدخل میں دے دیا والحال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یزد فیہ علی غیرہ من الشہور شیئاً من العبادات وما ذلک الا لرحمۃ صلے اللہ علیہ وسلم بامۃ ورفقا بہم لانہ علیہ السلام کان یترک العمل خشیۃ ان یفرض علی امتہ یہ عبارت پہلی عبارت سے ملی ہوئی ہے یعنی ہم کو واجب ہے ربیع الاول میں زیادہ کرنا نیک کاموں کا اگرچہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی بات زیادہ اس مہینہ میں نہیں فرمائی یہ اس واسطے تھے کہ آپ بعض کام چھوڑ دیا کرتے تھے کہ میرے سبب سے امت پر یہ کام فرض نہ ہو جائے کیا تماشا ہے کہ ایسے محقق مثبت دلائل جواز مولد شریف کو یہ لوگ منکر مولد شریف قرار دیتے ہیں حالاں کہ ان کے کلام میں خود خاص کرنا ربیع الاول کا ساتھ مزید خیرات و حسنات کے پایا جاتا ہے بباعث ولادت شریف صلی اللہ علیہ وسلم کے اور محفل مولد شریف میں کچھ نہیں سوائے خیرات و حسنات کے معجزات کا پڑھنا اطعام طعام یا تقسیم حلویات و تمر وغیرہ اور کثرت ذکر درود و سلام و تعظیم و مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پس ان کے اس محقق مسلم النبوت کا کلام اعتراض تخصیص ربیع الاول کی دفع میں کافی و وافی ہے الحمد للہ علی ذلک دوسری دلیل

مدخل سے کچھ نفع نہیں کیوں کہ اس کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شکر وسرور وجود فخر عالم علیہ السلام کا دائماً مسلمان کو لازم ہے اور اس ماہ میں زیادہ چاہیے بسبب برکت اس ماہ کے اور اس کا انکار کس کو نہیں یہ تو تعین نہ ہوا بلکہ دوام ہوا اور اس ماہ میں زیادہ ہوئی اس کو تعین نہیں کہتے جیسا ہر ماہ میں عبادت افضل ہے اور رمضان میں بہت افضل تو اس کو تعین نہیں کہتے کیوں کہ اس میں کوئی زمانہ خاص اس فعل کے واسطے نہیں کیا اور نہ کسی وضع کی قید سے بلکہ مطلق ہے جیسا تھا اور نہ کوئی ہیئت ہے نہ تشبہ کی پھر مؤلف کو اس سے کیا نفع ملا اور اس عبارت منقولہ مؤلف سے پہلے صاحب مدخل یہ لکھ چکا ہے ومن جملۃ ما احدثوہ من البدع مع اعتقادہم ان ذلک من اکبر العبادات واظہار الشعائر ما یفعلونہ من المولد وقد احتوی ذلک علی بدع ومحرمات جملۃ الخ اس عبارت میں صاف معلوم ہوا کہ مولود بسبب احتوا بدعت کے بدعت ہو جاتا ہے مؤلف کہتا تھا کہ سنت بسبب لحوق امور زائدہ سے بدعت نہیں ہوتی سنت ہی رہتی ہے پھر اس کے بعد پڑھ کر یہ بدعت منقولہ مؤلف کی مدخل میں ہے کان یجب ان یزاد فیہ من العبادات والخیر شکر اللہ تعالیٰ پس اس میں تخصیص اس ماہ کی نہیں بلکہ زیادہ ہے تاکل ورکار ہے اور مطلق خیرات مبرات کو کہتا ہے نہ کسی ہیئت خاصہ کو نہ کسی بدعت مروجہ پھر ربیع الاول کی شرافت لکھتا ہے آپ کی ولادت کے سبب اور تعین کا کچھ حکم نہیں پس یہاں تک کوئی امر خلاف رائے مانعین کے نہیں ہوا اور نہ مطلب مؤلف کا کچھ اس سے حاصل ہوا نہ معلوم کیوں اس کو استدلال ہے پھر آگے بڑھ کر وہ لکھتا ہے فان خلی منہ وعمل طعاماً فقط ونوی المولد ودعی الیہ الاخوان وسلم من کل ما تقدم ذکرہ فہو بدعۃ بنفس نیتہ فقط لان ذلک زیادۃ فی الدین ولیس من عمل السلف الماضین واتباع السلف اولی الخ پس مؤلف نے اس عبارت کو شاید ملاحظہ نہیں کیا یا حذف کر دیا مضر مطلب جان کر الحاصل صاحب مدخل تو مطلق خیرات و مبرات کو اور زیادۃ کو اس ماہ مبارک میں لکھتا ہے اس کا نام تخصیص مؤلف کی اصطلاح کم فہمی کی ہے اور مؤلف کہتا ہے کہ محفل مولد میں کچھ نہیں سوائے خیرات مبرات کے سو اس کا دعویٰ کذب پہلے تحقیق ہو چکا ہے اعادہ کی

ل مشابہت سے مشتق ہوا کہ لاحق ہونا کہ نیکیاں شے دہرانا،

اس عمل کے التزام کی الدوام یعنی ہر سال کرنے کی یہ ہے کہ حدیث صحیح میں آگیا ہے احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل یعنی اللہ کو بہت پیارا وہ عمل ہے جو سدا کو ہووے اگرچہ تھوڑا ہووے، پس جو شخص سال بھر میں ایک دو مرتبہ محفل کرے گا تو ظاہر ہے کہ تین سو ساٹھ دن میں ایک دن یا دو دن اس عمل پاک کے حصہ میں آئے پس یہ قلیل ہے جب قلیل ہوا تو اب اس کو دائمی بھی نہ کرے تو کیا اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوگا ابنا برعلیہ طالب حسنات کو لازم ہے کہ یہ عمل ہر سال کیا کرے تیسری دلیل اس کے التزام کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید میں ارشاد فرمایا ہے ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتہا یہ آیت جس طرح بدعت حسنہ کے جواز کی دلیل ہے اسی طرح اس پر بھی دلیل ہے کہ اگر کوئی نیک کام اپنی طرف سے ایجاد کرے تو اس کا نباہ اور حق ادا کرنا بھی ضرور ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اپنی نفس کشی کے واسطے اپنی طرف سے یہ ایجاد کیا کہ پہاڑوں اور جنگلوں میں اکیلے جا بیٹھتے موٹے کپڑے پہنتے، نکاح نہ کرتے لیکن انجام کار پوری حق گذاری ادا نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ انہوں نے یہ بدعتیں ہماری رضامندی کے لئے ایجاد کیں اور ہم نے حکم نہیں دیا تھا ان کا پھر ان کو نہ نباہا جس طرح چاہیے نباہنا، دیکھیے اس میں یہ دلیل پیدا ہوئی کہ بعضی بدعتیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے

حاجت نہیں، غرض دلیل اول مؤلف کی کس خوبی کی بھری ہے سبحان اللہ اور اس پر آپ تکبر کرتے ہیں فقط **قولہ** دوسری دلیل اس عمل کی الخ **اقول** پہلے محقق ہو چکا کہ دوام جائز اور واجب ہے اور التزام دوام اور وہ دوام کہ عوام کو مفضی ہے بدعت ہے اور دوام اس عمل مولد کا موجب فساد[1] عقیدہ عوام کا ہے اور پھر جو عمل موافق سنت کے ہو اس کا دوام احب الی اللہ تعالیٰ ہے نہ عمل بدعت کا کہ اس کا ایک دفعہ بھی کرنا ابغض الی اللہ تعالیٰ ہوتا ہے سو یہ مؤلف کی محض کم فہمی ہے اور غرض حدیث کی تو یہ ہے کہ ادوام احب الی اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ قلیل ہو یعنی اگر اکثر ہوگا تو بطریق اولیٰ احب ہوگا مؤلف کہتا ہے کہ یہ قلیل ہے اگر دائم بھی نہ کرے تو احب کیوں کر ہوگا اس کو مفہوم میں فساد ظاہر ہے مگر ہم کو غرض ایسی تقریر سے نہیں بہر حال اس دلیل کو مؤلف کے دعویٰ سے کوئی مناسبت نہیں

قولہ تیسری دلیل الخ **اقول** سابق معلوم ہو چکا کہ بدعت حسنہ سنت ہی ہوتی ہے اور اس کو بدعت ظہور و شیوع کہا جاتا ہے پس اس میں؛ ور سنت میں حدًا اور وصفًا اور حکمًا کوئی فرق نہیں اور سب مفسرین متفق ہیں کہ نصاریٰ پر عتاب بوجہ ترک... واجب کے تھا نہ بوجہ ترک مستحب کے کسی نے اس ابتداع کو نذر کہا جس کا شکست حرام ہے کسی نے عدم رعایت کو کفر سے تعبیر کیا کسی نے بعد ابتداع کے فرض ہو جانا قبول کیا بہر حال عدم رعایت کو ترک واجب پر حمل کیا ہے اتفاقاً، مگر مؤلف مجتہد خاص پیدا ہوا ہے اس نے ترک بدعت حسنہ پر جو سنت ہے عتاب[2] اختراع کیا ہے حالانکہ حدیث اور تمام امت کا اجماع اور قیاس سب متفق ہیں اس بات پر کہ ترک مستحب پر ہرگز عتاب نہیں خواہ وہ سنت صریحہ سے ثابت ہو خواہ دلالت سے مستحب کو بدعت حسنہ اصطلاح بعض میں بولتے ہیں اب بولو کہ یہ اجماع قطعی کے خلاف حکم مجتہد العصر جاہل کا کہ مستحب بدعت حسنہ کے ترک میں یا دوام ترک میں عتاب کا اندیشہ ہے کس حکم کے لائق اور مستوجب ہے اس سے در گذر کر کے دیکھو کہ معترض تو خود یہ کہتا ہے کہ ایسا دوام مستحب کا جو عوام کو مضر عقیدہ ہووے جیسے شرح منیہ سے لکھا گیا مکروہ ہوتا ہے بحکم شرع علیٰ ہذا تعیین تو اس کا جواب یہ دینا کہ فلاں دلیل سے دوام مکروہ نہیں نہ یہ کہ ترک کرنا عدم رعایت ہے اس میں اندیشہ عتاب ہے پس یہ کس اعتراض کا جواب مؤلف نے دیا ہے اعتراض میں کراہت کو شرع سے ثابت کیا تھا مؤلف عدم رعایت کے معنی ترک احیاناً بنا کر تفسیر بالرائے سے جواب دیتا ہے اس عقل کو خیال کرو کیوں کہ معترض تو شرع

آیت ورھبانیۃ ابتدعوھا الخ دوامی اہتمام تو در کنار سے جواز التزام محفل مولود نہیں مستخرج ہوتا

---

[1] عقیدہ عوام کے فساد کا سبب [2] پسندیدہ [3] ایجاد [4] توڑنا [5] ثابت

نے بھی ہوتی ہیں دوسرے یہ کہ اگر ایسی بدعت نکالے تو اس کا پوری طرح نباہ کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس بات پر ملامت نہ فرمائی کیونکہ انہوں نے یہ بدعتیں ایجاد کیں بلکہ اس بات پر ملامت فرمائی کہ انہوں نے نہ نباہا حق نباہنے کا جب یہ مضمون قرآن سے ثابت ہوگیا تو معلوم کرنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازِ تراویح تین رات پڑھ کر چھوڑ دی تھی نہ اس میں یہ بیان ہوا تھا کہ اول شب میں ان کو پڑھنا چاہیئے یا آخر شب میں اور تمام رمضان کی راتوں میں پڑھنا چاہیئے یا کسی رات میں پڑھ لینا کافی ہے علاوہ مقدارِ قرأت کا بیان ہوا تھا کہ ختم قرآن ہو یا نہ ہو اور نہ یہ بیان کہ اپنے گھر میں پڑھیں یا مسجد میں اور نہ کچھ اس کے لئے تمام اہتمام ... و انتظام جماعت کا ارشاد ہوا تھا اور اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کے دورہ میں بھی رہا پھر حضرت عمرؓ نے اس میں اہتمام زیادہ کیا اور حکم دیا تمیم داری کو کہ عورتوں کو تراویح پڑھادیں اور ابی بن کعبؓ کو حکم دیا کہ مردوں کو نماز تراویح پڑھادیں اور مردوں کو مسجد میں جماعتِ تراویح کا حکم دیا اور پہلے صحابہؓ اپنے اپنے گھر میں بلا جماعت پڑھتے تھے اور حضرت عمرؓ نے مسجد میں قندیل روشن کئے اور حجۃ البالغہ میں ہے کہ یہ بھی حکم دیا کہ بعد عشاء کے شروع رات میں پڑھا کرو یعنی بطور تہجد پچھلی رات کو مت پڑھو غرضیکہ حضرت عمرؓ نے اس نماز کو کہ حضرت [illegible] نے کچھ پڑھ کر چھوڑ دی تھی جاری فرمایا اور بعض خصوصیات و تعینات اس میں زائد فرمائیں تب بباعث عارض ہونے ہیئت کذائی جدیدہ کے آپ نے بزبانِ خود اس کو بدعت فرمایا لیکن تعریف کے ساتھ یعنی یہ فرمایا نعمت البدعت یعنی یہ اچھی بدعت ہے اس وقت صحابہؓ میں یہ شہرا کہ دیکھو اس نماز کو تم نے اہتمام اور جماعت اور قیود کے ساتھ خود ایجاد کیا ہے اب اس کو ترک مت کیجو اور خوب ملاومت کے ساتھ پڑھو ایسا مت کیجو جیسا بنی اسرائیل نے کچھ باتیں ایجاد کرکے پھر اس پر پورے عامل نہ ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ نے عتاب کیا فما رعوھا حق رعایتھا کہ انہوں نے نہ نباہا حق نباہنے کا یہ قصہ کشف الغمہ میں اور تفسیر روح البیان کے سورۂ حدید میں مذکور ہے وکان ابا امامہ الباھلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول احدثتم قیام رمضان ولم یکتب علیکم فدوموا علیہ فعلتم ولا تترکوہ فان اللہ عاتب بنی اسرائیل فی قولہ و رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا انتھیٰ جب معنی آیت کریمہ کے استدلال صحابہؓ اس آیت سے درباب جواز احداث بدعت حسنہ اور تاکید مداومت اس کی سن چکے تو اب مسئلہ شریف کا حال سنو کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ماہ ربیع الاول میں کوئی عمل مقرر نہیں فرمایا تھا ابن حاجؒ نے اس کا عذر بیان کیا ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ڈرتے تھے کہ مبادا میرے کرنے سے امت پر فرض ہو جاوے لیکن اشارہ اس کی فضیلت کا کر دیا کہ میں پیر کے دن اس لئے روزہ رکھتا ہوں کہ اس میں میں پیدا ہوا ہوں یعنی اس میں امت کو اشارہ نکل آیا کہ جب ہفتہ کے سات دنوں میں یہ ایک دن محل عبادت شکریہ ہوگیا [illegible]

سے خود ترک احیاناً کا بھی حق رعایت ثابت کرتا ہے اس واسطے کہ جو دوام موجب معصیت ہو وہ خود ممنوع ہے سو وہاں ترک کرنا احیاناً [illegible] ہوگا، اور یہی حق رعایت بحکم شرع ہوگا علی ہذا اصرار کرنے میں تغیر حد اللہ ہو کر معصیت ہووے گی پس ترک معصیت بھی حق رعایت بحکم شرع ہوگا اس سفسطہ کے جواب کو غور کرنا لازم ہے اور جو مراد مؤلف کی ترک مستحب احیاناً سے کمی ثواب ہے تو پھر یہ وہی دوسری دلیل ہوئی تیسری کس [illegible] ہوجائے گی اور وہ فرق دوام و اصرار کا یہاں بھی یاد کرنا ضرور ہے الحاصل مؤلف صاحب عقل و فہم کے دشمن ہیں اور تراویح کی تحقیق سنو کہ [illegible] خود فرما چکے ہیں کہ سنت لکم قیامہ الحدیث من قام ایماناً و احتساباً غفر لہ الحدیث اور اس کا فعل تبداعی کر دکھایا، ثواب فعل مطلق قول سے جس قدر امور صلوٰۃ تراویح کے ہیں سب ثابت ہو گئے [1] المطلق یجری علی اطلاقہ تو مؤلف کے وجوہ نعمت البدعت کے [illegible] اتباع سے لکھے سب لغو ہو گئے کیونکہ یہ سب امور بصریح النص ثابت ہیں مقیدات مطلق کے سب ظاہر کہلاتے ہیں بلکہ بدعت [illegible]

[1] حد الٰہی کا بدلنا [2] مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے [3] بار بار

وقوع ولادت کے پس برس دن کے بارہ مہینوں میں ایک وہ مہینہ بھی بلاشک محل عبادت شکریہ ہوگا جس میں میلاد شریف ہوا اس بنا اور اصل پر
اہل اسلام نے اس مہینہ میں مجلس شکریہ جو مشتمل چند عبادات بدنی و مالی پر ہو ایجاد کی اور اکابر علماء محدثین اور فقہا جن کا نام ہم خاتمہ میں شمار کریں گے اس
کے بانی اور مجوز اور ثنا خواں ہوئے اور اولیاء اللہ جو اہل کشف تھے انہوں نے مکاشفات اور منامات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے راضی پایا
غرضکہ علمائے طریقت اور شریعت کا اتفاق ہے یہ عمل مستحسن ٹھہرا پس صادق آیا اس پر وہی مضمون آیۂ کریمہ ابتدعوہا ما کتبنہا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ
اور مطابق ہوا اس پر قصہ صحابہ کا در باب تراویح پس اگر ہم اس عمل پاک پر مداومت نہ کریں اور ہر سال بطور لزوم اور اوقات معینہ کے التزام نہ کریں تو ہم کو
اندیشہ ہوگا مبادا ہم پر جناب باری کا وہ عتاب جو بنی اسرائیل پر ہوا تھا اور جس عتاب سے صحابہ ترک تعیینات تراویح سے ڈرتے تھے کہ مارعوہا حق رعایتہا
لمعہ خامسہ اعتراض کرتے ہیں کہ قیام بدعت سیئہ اور ضلالت بلکہ شرک ہے بچند دلائل ایک یہ کہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا محفل میں شرک ہے اس لئے
کہ یہ عبادت ہے اور خاص صورت نماز کی ہے اور کرنا عبادت کا غیر اللہ کے واسطے شرک فی العبادت ہے دوسری قباحت یہ کہ لکھا نجم الدین قنوجی
نے کہ قیام کرنے والے یوں سمجھتے ہیں گویا اسی وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر سے تشریف باہر لاتے ہیں اور یہاں حاضر ہیں یہ کفر اور
شرک ہے تیسری قباحت یہ کہ یوں سمجھتے ہیں کہ روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آیا کرتی ہے اور یہاں حاضر ہے یہ اعتقاد شرک ہے جواب ان امور
کا یہ ہے کہ ذکر اللہ اور ذکر رسول اگر کوئی کرے گا تین حالت سے خالی نہیں یا کھڑا ہو کر کرے گا یا بیٹھ کر یا لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان تینوں
حالتوں کی بہ نسبت یہ ارشاد ہوا ہے فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبکم، ولیکن لیٹ کر تو وہ اذکار ہیں جو خاص وقت سونے کے احادیث
میں وارد ہوئی ہیں، یا کوئی تھکا ہوا سستی سے پڑا ہوا ہو یا مریض ہو اس لئے کہ جب آدمی تندرست اور چاق ہوتا ہے تو ذکر اللہ اور ذکر رسول
لیٹ کر کرنا ادب نہیں سمجھتا چنانچہ نماز میں بھی قیام وقعود تو تجویز ہوا لیٹنا نہ ہوا مگر واسطے مریض کے، پس عبادت کے لئے حالت ادب دو
مقرر ہوئیں قیام اور قعود اب اس کی تین شکلیں ہیں یا کل ذکر قیام میں کرے یا کل قعود میں یا کچھ قیام میں کرے اور کچھ قعود میں یہ تینوں شکلیں

وجہ بمعنی لغوی وہ ہی ظہور و شیوع اور ما خذ دوام مثل سنن مؤکدات کے ہے اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو باتفاق ہے اگر خلاف
ہے تو بارہ میں ہے اور قاعدہ شرع سے محقق ہو گیا کہ ترک سنت مؤکدہ میں عتاب ہوتا ہے پس معنی قول ابو امامہ کے یہ ہیں کہ تم نے اس سنت
مؤکدہ کو اختیار کیا ہے تو خدا وحث سے حدوث اختیار و فعل کچھ نہ حدوث ایجاد جیسا مؤلف سمجھا کیوں کہ ایجاد تو صراحتہً اس کا فخر عالم کر چکے
تھے اور یہ امر سنت مؤکدہ ہے اس کو دائم رکھنا ورنہ خدشہ عتاب ہے پس اب دیکھو کہ مؤلف کو نہ سلیقہ فہم قرآن کا اور نہ اقوال سلف کا
خواہ مخواہ خلاف قواعد شرعیہ سلف کے اقوال کو بے معنی بناتا ہے اور ضلوا و اضلوا کا مصداق ہوتا ہے، پس اس سے بھی بدعت حسنہ
مستحبہ کا التزام و دوام نہ نکلا البتہ سنت مؤکدہ کا نکلا اب دلیل تیسری مؤلف کی ایک لغو کلام بلکہ کچھ اور ہو گئی، پس تطبیق مولود مروجہ کی اس
کے ساتھ خود بے معنی بن گئی اگرچہ اس میں بھی چند احتمال مؤلف کے ظاہر اور خطائیں باہر ہیں مگر تطویل بے سود سے کیا حاصل ہے حوصلہ علم مؤلف
کا واضح ہو گیا اور دعوی تجرد ہمہ دانی کا لائح ہو لیا **قولہ** لمعہ خامسہ اعتراض کرتے ہیں الخ **اقول** معترض نہ ذکر اللہ سے بحث کرتا ہے نہ مطلق قیام
کو مطلق اس کے نزدیک مندوب ہے بلکہ ایک فرد خاص قیام کی تعظیم غیر اللہ میں کہ جس میں شرک و بدعت لازم آجاوے اس کو منع کرتا ہے
علیٰ ہذا ذکر فخر عالم پر بحث اور نہ اس کے قیام و قعود سے استفسار مگر ایک فرد خاص میں کلام ہے، پس یہ سب تقریر مؤلف کی فضول ہے جواب
سے کسی کو تعلق نہیں لہٰذا اس کو ترک کرتا ہوں مگر مطلق میں کسی فرد کو خاص کرنا بدعت ہے خواہ ذکر اللہ تعالیٰ میں واقع ہو خواہ ذکر رسول

ملتوی کی تا بہت کہ تم نہا کہ پیدا ہونا شہ اندیشہ سے گمراہ ہوئے اور گمراہ کیا سے سب کچھ جاننا شہ سے جانا۔

مضمون کلام اللہ میں داخل ہیں ان میں ایک شغل بالکل منطبق ہے حلیہ مولد شریف پر کیوں کہ اس میں کچھ روایات و معجزات بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں اور کچھ درود و سلام یا مدح کھڑے ہو کر پس یہ ایک مضمون ہوا منجملہ تین مضامین مندرجہ آیت کریمہ کے اور ایک فرد ہوا افراد ثلثہ ثابتہ بالکتاب سے پس لفظ بدعت کا اطلاق اس پر درست نہیں بدعت وہ ہے جس کی کچھ سند نہ ہو نہ کتاب سے نہ سنت سے نہ لفظاً نہ اشارۃً جیسا کہ مولوی اسحاق صاحب نے مائۃ مسائل میں لکھا ہو ہاں ایک وجہ خاص کے سبب کہ وہ قیام اسی وقت کیا جاتا ہے کہ جب میلاد شریف کا ذکر آتا ہے نہ قبل اس کے اور نہ بعد اور نیز بباعث مداومت کے کہ دائمی قیام کیا جاتا ہے اس موقع میں اگر لفظ بدعت کا اطلاق اس پر کریں صحیح ہے لیکن بدعت موافق مذہب صحیح مفتی بہ جمہور اسلام کی دو طرح ہے سیئہ اور حسنہ سیئہ وہ جو مخالف قرآن یا حدیث یا اجماع کے ہو سو یہ بات تو اس قیام میں نہیں اصلاً کہ اگر کوئی آیت قرآن کی یا کوئی حدیث اس بات میں آئی ہوتی کہ ایسے موقع میں کھڑا ہو کر مدح اور سلام پڑھنا منع ہے یا اس بات پر علماے امت کا اجماع ہو گیا ہوتا، تب تو اس کے مخالف یہ حکم استحباب قیام کا بدعت سیئہ ہوتا اور نہی تو ہرگز وارد نہیں اور اس موقع خاص کی نہی تو کیا علی العموم قیام تعظیم کے لئے شرع میں نہی وارد نہیں ہوئی سوائے قیام مروجہ عجمیوں کے چنانچہ

صلی اللہ علیہ وسلم میں اور اگر اپنے اطلاق پر ہے تو جائز پس خاص ذکر ولادت پر ہی قیام کرنا [لزوماً][1] اور مجلس مولود میں خصوصاً معترض تو اس کو کہتا ہے اور پہلے ثابت ہو چکا اور مولف بھی مقر ہے کہ کسی فرد مطلق کو مخصوص کرنا بدعت ہے، اب مولف کے قول کو دیکھو کہتا ہے ایک شغل اس قیام کی مولد پر منطبق ہے یہ کلام کس قدر بے معنی ہے کیوں کہ کلام خصوصیت معلومہ میں ہے کہ افراد مطلق کے علی الاطلاق سب افراد جائز مگر لزوماً ایک فرد کو ایک حالت اور ایک وضع میں اختیار کرنے کا اعتراض ہے اور اس کا جواب درکار ہے مگر فہم خدا داد مولف میں نہیں کہ سمجھ کر کچھ جواب دیوے اور آخر کلام میں خود فرد خاص کی مداومت کو قبول بھی کرتا ہے کہ بدعت ہے، مگر سیئہ ہونا نہیں مانتا قولہ لیکن بدعت موافق مذہب صحیح الخ اقول یہ اول جہل مولف کا ہے کہ اس تقسیم کو مذہب مفتی بہ صحیح کہتا ہے تو مقابل اس کا غیر صحیح ہوا اور معلوم ہو چکا کہ فقط فرق لفظی و اصطلاحی ہے معنی میں کوئی فرق نہیں، پس یہ کس قدر کم فہمی ہے دوسرے کہتا ہے کہ تخصیص دائمی قیام کی میں ممانعت اور کراہت نہیں اور یہ محض غلط ہے کیوں کہ اطلاق کا مقید کرنا کسی فرد میں جب عموماً منع ثابت ہو گیا، تو جملہ افراد و کلیات میں یہ حکم ظاہر ہو گیا، مثلاً جب یہ حکم ہوا کہ قیام ذکر خیر الخلائق میں مندوب ہے تو ہر ہر فرد میں ندب قیام کا ثابت ہو گیا اب اگر کوئی احمق پوچھے کہ یہ کس نص میں آیا ہے کہ وقت ولادت کے قیام مندوب ہے تو محض جہالت ہووے گی، علیٰ ہذا جب یہ حکم ہو کہ کسی ہمارے حکم مطلق کو مقید مت کرو تو یہ بھی حکم ہو گیا کہ حکم ندب قیام کو مقید مت کرو تو یہ ثابت ہو گیا کہ ندب قیام مقید بذکر ولادت مت کرو پس ایسے موقع پر مولف کا مطالبہ نص کا کرنا سب اہل علم جان لیویں کہ علم ہے یا جہل فرد فرد کے حکم کی تصریح آج تک کسی جاہل نے بھی کہی ہو گی اور تماشا یہ کہ تخصیص فرد کو بدعت خود بھی کہتا ہے اور تعدی حد اللہ کفیر آتا ہے اور پھر یہ عذر کہ اس فرد خاص کی نہی تعیین مولف کو نظر نہیں آئی تو ممنوع نہ ہوا کیا عجب تقریر ہے کہ مضحکہ صبیان سے بھی اعلیٰ ہے پھر کہتا ہے کہ نہی تو ہرگز وارد نہیں سبحان اللہ جب تقیید کی نہی بزعم مولف اس میں وارد ہو چکی تو ہر ہر فرد کو نہی کہیں نصوصاً ہوتی ہے معاذ اللہ سو یہ ایک قاعدہ جہل مرکب کا تمام احکام کلیہ کے ہدم اور دفع کو کافی ہے تامل درکار ہے اور پھر قول مولف کا اور اس موقع خاص کی نہی تو کیا علی العموم قیام تعظیم کی نہیں کیا کلام خبط ہے کیونکہ

---

[1] لازمی طور پر۔ [2] اقرار کرنے والا۔ [3] ہمیشگی۔ [4] ہمارے۔ [5] چاروں دلائل۔ [6] حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ [7] قیام کا استحباب۔ [8] بچوں۔ [9] عام طور پر۔

شاہ ولی اللہ نے حجۃ البالغہ میں لکھا ہے پس جب کہ نہی ثابت نہ ہوئی تو موافق اصول قواعد مقررہ مسلمہ علماء فقہ کے جن کو علامہ شامی اور محقق ابن ہمام وغیرہ لکھتے ہیں کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے یہ قیام مباح امر ٹھیرا اور جب کہ اس مباح امر میں نیت کی گئی تعظیم شان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو باعث قربت ہو نے اس نیت حسنہ کے یہ قیام مستحسن اور مستحب ہو گیا، چنانچہ مولد کبیر ابن حجر اور سیرت حلبی اور تفسیر روح البیان و عقد الجواہر وغیرہ میں اس کے استحسان پر تصریح ہے اور عمل ہے اسی پر حرمین شریفین اور جمیع بلاد اسلامیہ میں جن ملکوں کا ذکر اس رسالہ میں ملا علی قاری وغیرہ کے کلام سے نقل کیا گیا ہے بھلا جو عمل باتفاق سواد اعظم مستحب اور مستحسن ہوا اس کو بدعت سیئہ اور بدعت ضلالت کہنا کسقدر آئین انصاف و تدین کے خلاف ہے اور شرک اور کفر کہنا اس کا تو محض خبط اور مالیخولیا ہے اس لئے کہ شرح عقائد نسفی میں معنی شرک کے یہ لکھے ہیں کہ شرک اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو خدائی میں شریک کریں، یعنی جیسے اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے ایسا ہی کسی دوسرے کو مستقل بالذات واجب الوجود سمجھے یا جس طرح خدا کو مستحق عبادت جانتے ہیں دوسرے کو مستحق عبادت جانے انتہی اور وقت ذکر ولادت شریف کھڑا ہو کر مدح و سلام پڑھنے میں یہ دونوں باتیں نہیں پھر شرک کیسا؟ اور اگر متقدمین یعنی عقائد نسفی کا کلام نہیں سنتے اپنے متاخرین ہی کا کلام

قیام تعظیمی کی مندوب کو تو گو یا معترض تسلیم کرتا ہے خصوص کو بھی بوجہ تخصیص بدعت کہتا ہے مگر مولف ہنوز فہم مطلب سے عاری ہے اس کی زیادہ شرح بسط فضول معلوم ہوتی ہے کہ اس کلام مخبوط کا حال اہل علم پر روشن ہی ہو چکا ہے کہ معترض کچھ کہتا ہے اور مولف اور ہی کچھ بک رہا ہے استغفر اللہ استغفر اللہ پس اب تفریع مولف کی کہ جب کہ نہی ثابت نہ ہوئی الخ بے ہودہ کلام ہو گئی کیوں کہ نہی تو کلیہ میں ثابت ہو چکی اور ہم مطلع کر چکے اب اباحت اصلیہ امر میں ہر گز مفید نہ موجود و لا حول و لا قوۃ الا باللہ ایسا کلام خبط کبھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا **قولہ** اور جب کہ اس امر مباح میں الخ **اقول** قیام مباح تو تھا مطلقاً اور تعظیم شان ذکر فخر عالم علیہ السلام کے واسطے مستحب بھی تھا مگر جہلاء کی تقیید و تخصیص اور عوام کی سنت و وجوب سے بدعت و مکروہ ہوا تھا اسے مولف کہیں تو سمجھ کیا تجھ پر ہی بلاوت ختم ہو گئی پس اصل اباحت و ندب معارض اس بدعت عارضیہ کی نہیں اور مولد کبیر وغیرہ میں جو مستحسن کہا ہے تو اصل مطلق کی فرد کی وجہ سے کہا ہے بظن غالب وہاں عروض اس قیود و تاکد کا نہ ہوا تھا، بخلاف ہمارے زمانہ کے کہ جہلاء کا حال مشاہد ہے، پس اب ہر گز وہ امر مندوب نہیں، بلکہ اب مکروہ و بدعت ہے اور اگر تقیید و تاکد کو یہ علماء مذکورہ بدعت نہیں کہتے تو ہر گز ان کا قول معتبر نہیں بلکہ بمقابلہ نصوص کے مردود ہو گا، پہلے اس کا ذکر ہو چکا مگر مولف کا فہم غلط ہے۔ علی قاری کا قول شرح حدیث ابن مسعود میں صاف دلالت کرتا ہے کہ ان کی مراد وہی ہے جو بندۂ عاجز لکھ رہا ہے اور سواد اعظم کی بحث بھی ہو چکی اب کہاں مولف بد فہم کے واسطے بار بار لکھا جاوے گا مالیخولیا کا علاج نہیں **قولہ** اور شرک اور کفر کہنا الخ **اقول** کوئی صفت خاصہ حق تعالیٰ کی کسی میں ثابت کرنا بھی شرک ہے اور کوئی کام عبادت غیر اللہ کے ساتھ کرنا بھی شرک ہوتا ہے اور شرک دونوں طرح بھی محقق ہے قال فی المسامرۃ الالوھیۃ الاتصاف بالصفات التی لاجلھا، استحق ان یکون معبوداً ای صفاتہ التی توحد بھا سبحانہ لاشریک لہ فی شیء منھا انتہی شرح مواقف میں ہے والتوحید اعتقاد عدم الشریک فی الالوھیۃ و خواصھا انتہی و فی الحدیث من حلف بغیر اللہ فقد اشرک الحدیث الریاء شرک الحدیث پس قیام دست بستہ بخشوع۔۔ چوں کہ ایک رکن نماز ہے کہ حق تعالیٰ کے روبرو دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں تو اگر اسی طرح فخر عالم کو حاضر بعلم استقلالی محفل مولد میں جان کر دست بستہ کھڑا ہو گا جیسا جہلا کا عقیدہ ہے تو بدیہی شرک ہووے گا پس معترض کا یہ کلام جہلاء کے عقیدہ پر ہے اگرچہ فہمیدہ کی نسبت شرک حقیقی نہیں مگر بدعت سے خالی

نہ نسط جس کا مطلب واضح نہ ہو سکے بے وقوفی کنندہ ہی کے لقیات عقلمند کے ساتھ۔

سنو مولوی اسماعیل صاحب تقویۃ الایمان کی فصل شرک فی العبادت میں کہتے ہیں اللہ کی سی تعظیم کسی اور کی نہ کی چاہیے اور جو کام اس کی تعظیم کے ہیں اور ونکے واسطے نہ کیجیے انتہی کلامہ اب قیام کو دیکھنا چاہیے کہ خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے یا اور کسی کے واسطے بھی ہے اور قیام دست بستہ عبادت بھی ہے یا نہیں مولوی اسماعیل صاحبؒ کے دادا پیر شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی پارہ الم میں لکھتے ہیں ،، درحقیقت چیزیکہ نماز از غیر نماز تمیز پیدا کند ہمیں دو فعل اند رکوع و سجود و قیام اختصاص بہ نماز بلکہ بعبادت ہم ندارد انتہی اور علامہ حلبی نے لکھا ہے شرح کبیر منیہ ،، والقیام لم یشرع عبادۃ وحدہ وذلک لان السجود غایۃ الخضوع حتی لو سجد لغیر اللہ یکفر بخلاف القیام ،، شاہ صاحب اور حلبی کی عبارتوں سے ظاہر ہوگیا کہ قیام خود فی نفسہ عبادت نہیں اور نہ کچھ نماز اور عبادت کے ساتھ اس کو خصوصیت پس اللہ کی خاص تعظیموں میں قیام کو شمار کرنا خود اپنے بزرگوں کے کلام کو رد کرتا ہے، خلاصہ یہ کہ نماز میں جو قیام عبادت گنا جاتا ہے سو بباعث اشتمال چند قیود کے عبادت گنا گیا ہے طہارت کاملہ اور استقبال قبلہ کا شرط ہونا اور قرارت کا واقع ہونا اور وسیلہ تکرار الرکوع والسجود ہونا اگر نماز میں ان باتوں کا خیال نہ ہوتا تو نماز میں قیام مشروع نہ

بھی نہیں کیوں کہ بدون اس عقیدہ کے بھی تخصیص مطلق تو حاصل ہی ہے پس وقت ذکر ولادت کے قیام دست بستہ بدیں[۱] عقیدہ شرک ہو اگر صفت علم خاصہ حق تعالیٰ کی فخر عالم میں ثابت کی[۲] اور استحقاق عبادت کا بسبب حصول صفت خاصہ کے ہی ہوتا ہے، پس مؤلف نے شرح عقائد تو پڑھی مگر سمجھا نہیں اگر سمجھ لیتا تو ایسے کلام نہ کرتا بہر حال قیام اس عقیدہ کی وجہ سے شرک ہوا ہے اور تقویۃ الایمان کی عبارت سے یہ امر خود واضح ہی ہے

مطلق قیام تعظیمی بدعت نہیں بلکہ اس مطلق کی تقیید ممنوع ہے ! قیام مولد کی بعض افراد شرک ہیں اور گناہ کبیرہ سے تو کسی حال خالی نہیں

قولہ اب قیام کو دیکھنا چاہیے الخ اقول قیام بھی صلوٰۃ کا رکن فرض ہے اور طاعت و عبادت ہے بقولہ تعالیٰ وقوموا للہ قانتین. پس نفس قیام اگرچہ عام ہو عبادت و غیر عبادت سے مگر قیام دست بستہ بخشوع و قنوت[۳] عبادت ہے اور تفسیر عزیزی میں یہ فرماتے ہیں کہ قیام اختصاص بعبادت نہیں رکھتا یعنی قیام بغیر عبادت کے بھی ہوتا ہے مگر قیام دست بستہ بخشوع نہیں فرماتے کیوں کہ وہ عبادت ہے کہ تذلل[۴] پر دال ہے اور اعلیٰ تذلل عبادت ہوتی ہے پس قیام عام ہے اور قیام دست بستہ بخشوع مؤلف آنکھ نہیں کھولتا کہ معترض مطلقاً قیام کو نہیں لکھتا بلکہ قیام دست بستہ بخشوع کو کہ عقیدہ حضور علم مستقل ہو اور شرح منیہ میں قیام کو عبادت مقصودہ سے نکالا ہے بقولہ لم یشرع عبادۃ وحدہ نہ عبادت ہونے سے اسی واسطے نفس قیام غیر کے واسطے جائز ہے خلاف قیام موصوف کے پس قیام موصوف کی عبادت غیر مقصودہ ہونے سے یہ لازم نہیں کہ غیر کے واسطے جائز ہو پس قیام موصوف غیر کے واسطے اگرچہ شرک حقیقی نہ ہو، مگر تشابہ تو ہے بقولہ علیہ السلام ان کدتم انفا تفعلون فعل فارس والروم یقومون علی ملوکہم وہم قعود فلا تفعلوا انتہی قال النووی فیہ النہی عن قیام الغلمان والاتباع علی راس متبوعہم الجالس بغیر حاجۃ انتہی علی قاری شرح عین العلم میں لکھتے ہیں فکما لا یجوز ان یسجد احد لاحد لا یجوز ان یرکع وکذا القیام علی ہیئۃ الوقوف فی الصلوٰۃ لحدیث من سرہ ان یتمثل لہ الرجال فلیتبوء مقعدہ فی النار انتہی، پس جب وعید بالنار اس میں ہے تو کبیرہ ہونے سے تو کسی حال خالی نہیں ہو سکتا بہر حال شرک دون شرک سے خالی کسی طرح نہ ہوا الحاصل قرآن سے قیام قنوت کا عبادت ہونا محقق ہو گیا اور حلبی نے عبادت مقصودہ ہونے کا انکار کیا نہ عبادت ہونے کا اور تفسیر عزیزیہ نفس قیام کا مختص بعبادت نہ ہونا دریافت ہوا نہ قیام مخصوص کا تو اب مؤلف ذرا فکر کرے کہ حلبی اور عزیزی خلاف قرآن شریف کے نہیں کہتے مؤلف خود نہیں سمجھا بدون سوچے استدلال لا کر شرک کو ایمان بتاتا ہے اور قرآن کو معاذ اللہ رد کرتا ہے الحاصل قیام دست

[۱] اس عقیدہ [۲] ثابت ہوتا ہے [۳] فرماں برداری عاجزی [۴] انکساری [۵] تنہا کوئی عبادت مشروع نہیں

ہوتا بخلاف سجدہ و رکوع کے کہ یہ خود عبادت اصل مقصود ہے اور خاص خدا تعالیٰ کا حق ہے اس لئے قرآن و حدیث ناطق ہیں اس پر کہ غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں اب اس سجدہ کا حال کتب معتبرہ سے سنیئے مولوی اسحاق صاحب مائۃ مسائل کے مسئلہ سی و ہشتم میں لکھتے ہیں " سجدہ کردن غیر خدا را قبر باشد یا غیر قبر حرام و کبیرہ است و اگر بجہت عبادت غیر خدا را سجدہ کند موجب کفر و شرک است انتہیٰ " اور یہی مضمون تفسیر عزیزی پارہ الم میں ہے اب دیکھئے ان کے بزرگوار تو عین سجدہ میں بھی تفریق کرتے ہیں کہ عبادت کے لئے دوسرے کو سجدہ کرنا شرک ہے اور اگر نیت عبادت کی نہیں تو حرام ہے شرک نہیں حضرت مجدد الف ثانی جلد ثانی مکتوبات کے مکتوب نود و دوم میں لکھتے ہیں " بعض از فقہاء ہر چند سجدہ تحیت لسلاطین تجویز نمودہ اند اما لائق حال سلاطین عظام آنست کہ دریں امر بحضرت حق سبحانہ تعالیٰ تواضع نمایند انتہیٰ " اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بادشاہوں کے لئے بھی بعض فقہاء نے سجدہ کرنا جائز لکھا ہے، لیکن حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ بادشاہوں

بستہ بخشوع غیر کے واسطے شرک ہوا اگرچہ وہ شرک غیر حقیقی ہی ہے عند البعض اور عوام کے حق میں کہ عقیدہ علم مستقل کا رکھتے ہیں شرک حقیقی ہوا سو معترض اس کو ہی شرک کہتا ہے اس سے نفس قیام کا شرک ہونا لازم نہیں آتا اگر مؤلف کچھ تامل کرے تو ظاہر ہے وہاں زیارت فخر عالم علیہ السلام نے ملی قاری نے دست بستہ سلام عرض کرنے کو جائز لکھا ہے سو وہاں استقبال قبلہ تو نہیں بلکہ استدبار ہے اس واسطے جائز لکھا ہے اور پھر وہ بھی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کے غیر کے واسطے درست نہیں اور یہ خلافی مسئلہ ہے در مرضیہ میں لکھا ہے هل يضع يمينه على شماله ام لا فقيه خلاف انتہیٰ قال الكرماني يضع وقال غير الاولى الارسال لئلا يشبه بالمصلي انتہیٰ كذا في نسيم الرياض شرح شفاء سو جب یہ خلافی مسئلہ ہوا اور جن کے نزدیک جائز ہے وہ خصوصیت پر حمل کرتے ہیں تو غیر زیارت میں اگر حضور ہو تو یعنی حضور بعلم مستقل کا عقیدہ ہو تو شرک ہوا اور غیر اس عقیدہ کے مشابہ بشرک ہوتا ہو اور معلوم ہو لیا کہ حکم شرک کا معترض نے علم غیب کے ساتھ جہلا پر ہی کیا ہے پس معترض پر مؤلف کا کوئی نقض نہیں اب مؤلف سجدہ کی بحث میں شروع ہوتا ہوا اپنی غرض فاسد کے اثبات کی غرض سے سجدہ تحیہ غیر اللہ کو حرام ہے **قولہ** سجدہ کا حال الخ **اقول** سجدہ اگرچہ تحیہ کا ہو حرام ہے اور مشابہت بشرک سے اس کو بھی شرک کہنا درست ہے جیسا حلف بغیر اللہ کو شرک حدیث میں فرمایا پس ایسا ہی قیام بخشوع میں ہو تو کیا بعید ہے اور تفریق سجدہ عبادت و تحیت میں بسبب شرک حقیقی کے کرتے ہیں ورنہ حرمت اور اطلاق شرک میں دونوں برابر ہیں شرح فقہ اکبر میں ملی لکھتے ہیں وفي المحيط اذا قال اهل الحرب اسجد للملك والا قتلناك فالافضل ان لا يسجد لان هذا كفر صورة والافضل ان لا ياتي بما هو كفر صورة وان كان في حالة الاكراه پس اس کو معلوم ہوا کہ کفر کی صورت بھی سخت بد ہے کہ قتل ہونے پر صورت کفر کو ترجیح دے کر اولیٰ ترک لکھا پس دست بستہ بخشوع کھڑا ہونا بھی مشابہ ہے خصوصاً علم حضور میں کہ وہ خود شرک ہے پس مؤلف کی ایسی روایات کا نقل کرنا سوائے اضلال خلق کے اور کیا کہا جاوے، جن فقہاء نے سجدہ سلاطین کو جائز لکھا وہ قول ان کا مردود ہے قرآن و حدیث کے اطلاقات سے، پس ایسے اقوال واہیہ ساقطہ سے حجت لانا اہل علم کا کام نہیں پس افسوس مؤلف کی زبان درازی اور کوتاہی فی الدین پر کہ کس طرح قرآن کے رد کرنے پر اور حدیث کی مخالفت پر اور تمام عالم کی معاندت پر ایسی بیہودہ مردود روایات سے کمر باندھے بیٹھا ہے کہ خلق کو ورطۂ استحلال حرام میں ڈالتا ہے **قولہ** وضع ہو الخ **اقول** اول تو سجدہ ملائکہ اور اخوۂ یوسف میں خلاف ہے، بعض انحنا لکھتے ہیں اور بعض وضع الجبہۃ بتاتا جو کچھ ہے وہ سب اس امت میں حرام ہو گیا خواہ کسی نیت سے ہو طلاق شرک کا اس پر ہو دے گا پس جو ایسی روایات سے استخفاف

ل بعضوں کے نزدیک ٢ ہاتھ باندھ کر انکساری کے ساتھ ٣ مخلوق کو گمراہ کرنا ٤ مجتہد ، حلال کو حرام بتانا

کو تواضع اور عاجزی چاہیئے لوگوں سے سجدہ نہ کرواویں جب عبادت مخصوصہ جو خاص خدا کا حق تھا یعنی سجدہ بغیر نیت عبادت کے شرک نہ ہوا
بلکہ بعض فقہاء نے جائز بھی رکھا افسوس ان زبان درازوں کی تعدی اور عدم مبالات پر کہ فقط قیام جو ہرگز اصل عبادت نہیں شرک اور کفر کس طرح
ہو سکتا ہو واضح ہو کہ پہلی امت میں سجدہ بھی دوسروں کو واسطے تعظیم کے جائز تھا یوسف علیہ السلام کے پاس جب ان کے باپ یعقوب علیہ السلام
اور ان کی خالہ اور سب بھائی ملک مصر میں آئے جب ملاقات یوسف علیہ السلام سے ہوئی تو اس وقت کا حال قرآن شریف میں ہے خروا لہ
سجدا یعنی حضرت یوسف کے والد اور خالہ اور بھائی یہ سب حضرت یوسف کے آگے سجدہ میں گر پڑے تعظیماً اور اسی طرح جب آدم ع
کے لئے فرشتوں کو حکم دیا سجدہ کا قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لآدم اس وقت سب فرشتوں نے سجدہ آدم ع کو سوائے شیطان ملعون کے چنانچہ قرآن
شریف میں ہے فسجدوا الا ابلیس یہ ذات شریف اس وقت غرور میں رہے سجدہ نہ کیا جہنمی بن گئے لعنت کا طوق گلے میں پڑا امام فخر الدین
رازی نے پارہ تلک الرسل میں لکھا ہے ان الملٰئکۃ امروا بالسجود لاجل ان نور محمد علیہ السلام فی جبھۃ آدم اور شاہ عبد العزیز نے
لکھا ہے کہ فرشتوں نے جو سجدہ کیا آدم علیہ السلام کو اور اخوان یوسف نے یوسف علیہ السلام کو وہ عبادت کے لئے نہ تھا ایسا سجدہ کبھی جائز
نہیں ہوا کیوں کہ یہ محرمات عقلیہ سے ہے اور محرمات عقلیہ کبھی نہیں بدلتے، بلکہ وہ سجدہ تعظیمی تھا اب اس امت میں وہ بھی حرام ہے صحیح یہی
ہے، اس مقام پر ایک لطیفہ یاد آیا یعنی منکرین اپنے رسائل میں با بیان محفل میلاد شریف کے مذہب کو لکھتے ہیں،، ایں مذہب قابل
ہمین است کہ سندش تا ابولہب رسانیدہ شود بلکہ تا ابلیس لعین انتہٰی کلامہ،، اب ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے تو جس طرح کوئی سفینہ بے عقل
بڑ ہانکتا اور بے اصل باتیں کہتا چلا جاتا ہے منہ اٹھا کر ابلیس تک ہمارے مذہب کو پہنچا دیا اور کوئی کامل ثبوت نہ دے سکے، لیکن ہم
لاریب ان منکرین کا سلسلہ بخوبی شیطان ملعون تک پہنچا کر انکھوں کے سامنے دکھاویں گے یعنی موافق قول امام رازی کے آدم کے لئے
جو حکم سجود ہوا تھا اس میں تعظیم تھی نور محمدی کی جو ان کی پیشانی میں تھا سو جمیع ملائکہ مقربین نے سجدہ ادا کیا تعظیم نبی ع بحکم الٰہی بجا لائے
پس ہم لوگ تو ملائکہ کے حال میں ہم رنگ ہیں کہ انہوں نے تعظیم رسول ع ادا کی ہم بھی کرتے ہیں فرق اتنا ہے کہ اس وقت سجدہ جائز تھا
انہوں نے سجدہ کیا ہمارے عہد میں سجدہ ممنوع ہے ہم باآداب و تعظیم کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھتے ہیں، نفس تعظیم میں ہم اور ملائکہ
مشترک رہے اور جو لوگ قیام تعظیمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں تغلیظ و تشدد اور کلام لا یعنی پیش کرتے ہیں اور نہیں کرتے قیام
تعظیمی وہ ابلیس کے ہم مذہب ہیں، علت مشترکہ تعظیم کے دونوں منکر لیکن چونکہ وہ متقدم ہے اور یہ لوگ متاخر بناءً علیہ مقدم تو امام ٹھیرا
اور تابعین متاخر اس کے مقلد پس خوب پہنچ گیا سلسلہ اس مذہب خبیث کا ابلیس لعین تک اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ ابلیس مغرور
نے یہ نہ سمجھا کہ اس قدر ملائکہ مقربین کے بڑے بندے ہوئے سجدہ میں گرے ہیں میں ایک حقیر ناچیز کیا ہوں جو سجدہ نہ کروں شدت غرور
شقاوت سے تابع جمہور نہ ہوا سجدہ تعظیمی نہ کیا صاحب تعظیم کی شان میں تو فرق نہ آیا مگر یہی کم بخت خوار و ذلیل ہو گیا اسی طرح یہ چند منکرین
قیام جو اپنے خیالات فاسدہ میں مغرور ہیں جمہور اہل اسلام کو نہیں خیال میں لاتے یہ نہیں سمجھتے کہ حرمین الشریفین و بیت المقدس روم و
شام کے تمام علمائے قدسی نفوس قیام کرتے ہیں استحباب کا فتویٰ دیتے ہیں ہم ان کے آگے کیا چیز ہیں، غرض کہ تمام عالم قیام تعظیمی کرے
یہ جرگہ مخصوصہ کبھی نہ کریں گے اس تکبر اور تفرد میں بھی ان صاحبوں کو شرکت اس لعین کے ساتھ ہے اور ہم کو اتباع جمہور میں ملائکہ

معصیت میں عوام کو مطلع کرتا ہے البتہ نیابت شیطان کی اس کو مسلم ہے کیوں کہ الا ستخفاف بالمعصیۃ کفر قاعدہ اصول کلام کا ہے

ؔ یعنی ہلکا سمجھنا گناہ کو کفر ہے ۱۲۔

ملا ر اعلیٰ کے ساتھ اتفاق ہو تیسرے یہ بات کہ تفسیر ابن مخلد میں تصریح کی ہے کہ جب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے شیطان رونے
جھینکنے لگا اور حلبی میں ہے کہ اس روز سروش غیبی بشارت دیتے پھرتے تھے کہ ولد المصطفےٰ المختار یعنی پیدا ہوئے مصطفےٰ پسند کئے ہوئے
اور چنے ہوئے اللہ کے انتہیٰ پس ہم لوگ جو خوش ہو کر تذکرہ ولادت شریف کا کرتے ہیں سروش غیبی کے ساتھ ہیں اور جو اس تذکرہ اور محفل
کرنے سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوتے ہیں وہ اس شیطان کی ملت پر ہیں اس طرح بھی ان منکرین کا سلسلہ ابلیس سے ملگیا ہر چند کہ اس عاجز
کی طرز و انداز سے یہ گفتگو نہایت بعید ہے لیکن چونکہ ابتدا ادھر سے ہے اس لئے یہ چند کلمات لکھے گئے اور وہ بھی اس جرات پر کہ جو کچھ ان کلمات
کی شامت ہے وہ سب اسی ابتدا کرنے والے کی گردن پر ہے میں بری الذمہ ہوں ہمارے مخبر صادق مصدوق صلے اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں جس کو
مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ المستبان ما قالا فعلی البادی قصہ دراز ہوا تقریر مسلسل کہیں سے کہیں پہونچی مقصد اصلی پر آ دیں. سجدہ تعظیمی اس
امت میں حرام تو ہے لیکن شرک اور کفر نہیں جب عبادت خاصہ مخصوصہ باری تعالیٰ کا یہ حال ہو پھر قیام کس طرح شرک ہو سکتا ہے اگر ہاتھ باندھ
کر کھڑا ہونا شرک ہوتا کبھی علمائے دین واسطے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جائز نہ رکھتے قبر شریف کی زیارت میں صاحب جذب القلوب لکھتے ہیں در وقت
سلام بر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وقوف دراں جناب با عظمت دست راست را بر دست چپ نہند چنانچہ در حالت نماز کرمانی کہ از علماء حنفیہ است
تصریح باین معنی کردہ انتہیٰ، اور ملا علی قاری نے بھی کرمانی سے یہ ہاتھ باندھنا مثل نماز کے نقل کیا کتاب در المصنفیہ میں اور جانیو اے خوب
جانتے ہیں کہ سلف اسی پر عمل ہے اور اس کے خلاف پر کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو منع کریں ہرگز عمل نہیں اور علامہ محمد بن سلیمان مکی شافعی نے
کتاب حاشیہ مناسک خطیب شربینی میں لکھا ہے ولا ادری لم صنع یدیہ علی صدرہ کا الصلوۃ کما اقتصر علیہ فی الحاشیۃ واقرہ ابن علان وجزم
علامہ فی الجوہر یشیر الی میل الیہ انتہیٰ اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے در باب زیارت قبر شریف ویقف کما یقف فی الصلوۃ اب دیکھیے سب
علماء شافعی و حنفی نماز کے ساتھ تشبیہ دیکر کہتے ہیں کہ جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اوسیطرح حضرت کے روضہ مبارک کے

ب لطیف کثافت طبع مولف کا جواب نظر انداز کرکے آگے چلتا ہوں،

زیارت روضہ مطہرہ کے وقت قیام دست بستہ پر قیام مولد قیاس کرنا فاسد ہے

قولہ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا شرک ہوتا الخ اقول پہلے قول میں تصریح ہوئی کہ یہ مسئلہ زیارت
کا مختلف ہے اور دونوں روایات نقل ہوئیں اور کرمانی مجتہد اس کا ہے، شیخ عبدالحق بھی اس
کے نقل کرتے ہیں اور علی قاری نے بھی یہاں اس کو اختیار کیا ہے معہذا علی قاری شرح عین العلم میں اس کو حرام لکھتے ہیں اب فرق
مجوزین ؎ کے نزدیک یہاں یہ ہے کہ اس جگہ استقبال قبلہ نہیں وہ قبلہ کہ معین اور مشخص ہو رہا ہے پشت کے پیچھے ہو جاتا ہے تو قطعاً
مخالفت ہیئت صلوٰۃ کی ہو گئی اور مظان شرک بھی نہیں کہ حیوۃ النبی موجود ہیں اور یہاں مولود میں کوئی جہت مشخص نہیں دوسرے مظان
شرک ہے کہ عوام کا عقیدہ حاضر ہونے کا ہے پس اس میں اور اس میں فرق ہو گیا معہذا اگر شرک نہیں تو مشابہ شرک کے اور عوام کے عقیدہ
کی خرابی کا باعث ہے لہذا ناجائز ہوا اور اطلاق شرک اس پر مجازاً ہوگا اور معترض کا شرک کہنا اوپر معلوم ہو چکا کہ جہلاء کی نسبت
ہے گر نیت فاسد نہ ہو تو شرک نہ ہوگا، پس تعامل حرمین زیارت میں حسب روایات اجازت کی اگر ہے تو فارق موجود ہے اور پھر خلاف
قیاس ہے دیکھو کہ صلوٰۃ جنازہ مشابہ بشرک ہو مگر اجازت ہو گئی تو اب امام صاحب غائبانہ صلوٰۃ جنازہ کو جائز نہیں کہتے اور تکرار کو
منع کرتے ہیں پس زیارت پر قیاس کرکے اس قیام کی اجازت نہیں نکل سکتی قولہ اب اس میں دو احتمال ہیں الخ اقول دونوں احتمال

؎ جائز قرار دینے والا ؎ عمل ؎ وجہ فرق

سامنے با ادب کھڑا ہو اب اس میں دو احتمال ہیں یا تو یہ علماء سمجھے ہیں کہ با ادب ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا یہ کچھ عبادت نہیں اور نہ مخصوص خدا کے ساتھ جیسا کہ کلام شاہ عبد العزیز وغیرہم سے ہم نقل کر چکے ہیں پس جب کہ مخصوص خدا کے ساتھ نہیں تو کیا مضائقہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واسطے اسی طرح کھڑے ہوں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا خاص ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو شاید یہ سمجھا ہو کہ رسول اللہ کی تعظیم میں کھڑا ہونا غیر اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ یہ گویا خود اللہ کی تعظیم ہے چنانچہ بعض آیات سے یہ مضمون مفہوم ہوتا ہو قرآن شریف میں ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی، تحقیق اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی اور دوسری جگہ فرمایا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ شاہ عبد القادر صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہو جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے انتہی اور تفسیر روح البیان میں ہو کان المقصود بالمبایعۃ منہ علیہ السلام المبایعۃ مع اللہ لانہ علیہ السلام انما ھو سفیر ومعبر عنہ تعالیٰ وبھذا الاعتبار صار وا کانھم یبایعون اللہ وبالفارسیہ . آنانکہ بیعت می کنند با تو جزیں نیست کہ بیعت می کنند با خدا چہ مقصود بیعت اوست و برائے طلب رضائی اوست انتہی کلام روح البیان اور وقت بیعت جو رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ لوگوں کے ہاتھ کے اوپر تھا اس کو قرآن شریف میں یوں فرمایا ہے ید اللہ فوق ایدیھم شاہ عبد القادر نے معنے اس کے لکھے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے اور تفسیر مدارک میں ہے یرید ان ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی تعلو ایدی المبایعین ھی ید اللہ تعالیٰ واللہ منزہ عن الجوارح وعن صفات الاجسام وانما المعنی تقریر ان عقد المیثاق مع الرسول کعقدہ مع اللہ من غیر تفاوت بینہما یعنی رسول کی بیعت گویا اللہ کی بیعت ہے کچھ فرق نہیں خلاصہ کلام یہ کہ اگر یہ قیام دست بستہ عبادت نہیں چنانچہ مذہب علماء و قول فقہا یہی ہے تو محفل مولد شریف میں کھڑا ہونا شرک اور کفر ہرگز نہ ہوا اور اگر اس کی بیان درازی سے خواہ مخواہ خلاف علماء دین کے عبادت قرار دیتے ہو تو یہی ہم جواب دیں گے کہ اگر یہ عبادت ہے تو بھی اللہ ہی کے واسطے ہے یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا ہمارے لئے بڑی نعمت ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس وقت

نہیں مولف کی خطاء فہم کا یقین ہے یہ امر خلاف قیاس ہو کر روضہ مطہرہ پر سلام عرض کرنے میں منقول ہوا ہو وہ علی قاری کہ یہاں جائز کہتے ہیں وہی اس کو اور مواقع میں حرام لکھتے ہیں صلوٰۃ جنازہ میں مردہ کو آگے رکھ کر نماز پڑھنا درست ہے حالاں کہ دوسری جگہ درست نہیں نور الانوار میں کہتا ہے ولکن لا فی صلوٰۃ الجنازۃ فی نفسہا بدعۃ متشابھۃ بعبادۃ الاصنام اور شرح مئیہ اور تفسیر عزیزی کے کلام سے کچھ ثابت نہیں پہلے گذر چکا اور تعظیم فخر عالم کے واسطے قیام درست تھا مگر یہاں مولد میں مظان[1] شرک ہو لہٰذا ناجائز ہے تو جہلا کے حق میں خود شرک ہے اور دوسرا احتمال مولف کا محض سفسطہ[2] اور اثر قلبی مولف کا ہو کیوں کہ اطاعت سفیر کی عین اطاعت امیر مرسل کی ہوتی ہو اور اس کی اہانت امیر کی اہانت کیوں کہ سفیر مبلغ ہوتا ہو اس کا قول قبول کرنا عین اطاعت و قبول قول مرسل کا ہو علی ہٰذا بیعت اصل سے ہوتی ہے اور وکیل سفیر محض واسطہ ہوتا ہے پس یہی معنی روح البیان وغیرہ کے ہیں معہٰذا تعظیم سفیر و امیر میں فرق ہے کہ تعظیم امیر کی سفیر سے زائد ہوتی ہے اور خاص تعظیم امیر کی سفیر کے ساتھ درست نہیں ہوتی اس کو ہر اہل و نا اہل جانتا ہو پس اطاعت و بیعت کو مقیس علیہ بنا کر تعظیم حق تعالیٰ کی فخر عالم کے ساتھ کرنا اور اس کا درست جاننا عین شرک ہے سجدہ کرنا آپ کو حرام ہے اتفاقاً مگر یہ قاعدہ مولف کا چاہتا ہے کہ آپ کو سجدہ بھی درست ہو جیسا مولف قیام میں کہہ رہا ہے اور یہ قول باطل و شرک ہے حدیث میں ہو کہ ایک شخص نے کہا ماشاء اللہ وشئت تو آپ نے فرمایا جعلتنی للہ ندا بل ماشاء اللہ وحدہ ایک حدیث میں ہو لا تقولوا ماشاء اللہ وشئت

---

[1] شرک کے گمان کا موقع [2] حماقت [3] بھیجنے والا۔

اس ظہور نعمت کا بیان ہوتا ہے ہم تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں بدیں معنی کہ اے اللہ تعالیٰ ہم نے تیری اس نعمت بھیجی ہوئی کو عظیم جانا و سمیں
دو باتیں حاصل ہوئیں ایک یہ کہ تعظیم نقل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کیوں کہ آپ کی تشریف آوری عالم دنیا کا ذکر سن کر بہیئت تعظیم
کھڑے ہو گئے دوسرے یہ کہ یہی تعظیم رسول اللہ علیہ وسلم بعینہٖ تعظیم ہو گئی اللہ تعالیٰ کی کیوں کہ نعمت کی تعریف خود منعم کی تعریف ہے اور
نعمت کی تعظیم سراسر منعم کی تعظیم ہے پس یہ دست بستہ کھڑا ہونا درحقیقت منعم حقیقی کے سامنے ہے شکریہ عطائے نعمت میں اب خیال
فرمایئے کہ اس معنی کو شرک اور کفر سے کیا علاقہ فماذا بعد الحق الا الضلال ایک قباحت کا جواب تو ہو چکا اب دوسری قباحت کا جواب
سنیئے کہ تمام مولد شریف پڑھنے والے اپنی زبان سے خوب تصریح و توضیح سے تعیین یوم ولادت کی شرح کرتے ہیں شاہ سلامت اللہ صاحب
کے مولد شریف میں ہے بارہویں تاریخ ربیع الاول کی صبح صادق کے وقت پیر کے دن حضرتؐ پیدا ہوئے اور مولد شریف غلام امام شہید
میں ہے بارہویں تاریخ ربیع الاول دوشنبہ کے دن وقت صبح صادق بعد چھ ہزار سات سو پچاس برس کے زمانہ آدم سے اس قسم کی عبارتیں
راحۃ القلوب وغیرہ رسائل میلادیہ اردو زبان میں ہیں اور عربی مولد برزنجی میں ہے ولما تم من حمل التسعۃ اشہر قمریۃ ولد فیہ صلی اللہ
علیہ وسلم تبلاء الاسنانہ اور علامہ عرب مدنی کے مولد میں ہے سنۃ ثانی عشر من ربیع الاول فی یوم الاثنین المفخم ذی المجد. پس مکتوب
ہونا ان رسائل میں روز و شہر و سال ولادت کا صاف اقرار ہے کہ آپؐ اس زمانہ میں پیدا ہوئے نہ یہ کہ اب محفل میں پیدا ہوئے نعوذ باللہ
منہا منکرین کے بہتان اور افترا کا جواب سوا اس کے کہ خدا قیامت میں جھوٹوں کا منہ کالا کرے اور کچھ نہیں ایک آیت کلام مجید اور
فرقان حمید کی اس مقام میں بس کرتی ہے انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون اب تیسری قباحت جو یہ لوگ قیام میں پیدا کرتے ہیں کہ
روح نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو کہ یہ لوگ حاضر ناظر جانتے ہیں یہ شرک ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ روح انبیاءؑ کا چلنا پھرنا فقہ اور حدیث

لکی قولی ما شاء اللہ ثم شاء محمد. اس سے شرک دون شرک بھی ثابت ہوا اور مشابہ بہ شرک کی ممانعت بھی نکلی اور مماثلت
تعظیم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کی تعظیم کیساتھ بھی رد ہو گئی اور مؤلف کا احتمال شرکیہ بھی باطل ہو گیا اور قاعدہ مؤلف
بھی مردود ہو گیا بہر حال عبادۃ اللہ کا رسول ﷺ کو کرنا بہر حال شرک ہے اور اطاعت اور بیعت کو اس سے کچھ مناسبت نہیں مؤلف
کی بے فہمی محض ہے اب مؤلف کی جراءت بیانی اور بے باکی سب ناظرین ملاحظہ کر کے لاحول پڑھیں اور اس کی چربزبان تقریر دیکھیں
قولہ اب دوسری قباحت الخ اقول معترض کے کلام مؤلف نہیں سمجھا وہ صراحۃً کہتا ہے کہ گویا اب پیدا ہوئے یعنی جو علین پیدائش کا
معاملہ قیام تعظیم کا معتاد اب کرتے ہیں اور دوسرا امر علم حضور مجلس اور اس میں ہوتا ہے تو شرک امر ثانی کی وجہ سے کہتا ہے اور پہلے امر
کو مشابہ بہ فعل ہنود کے فرضی امر کرنے میں ہی کہتا ہے معترض یہ نہیں کہتا کہ اس وقت پیدا ہونا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ
معتقد گویا لکھ رہا ہے پس یہ مؤلف کا جواب اس کے اعتراض کا جواب نہیں قولہ کیوں کہ ہم صراحۃً نام تاریخ اور سن کا لیتے ہیں
یہ عقیدہ نہیں ہیں الخ اقول سو یہ اعتراض سے کیا مناسبت رکھتا ہے وہ اعتراض یہ کرتا ہے کہ فرضی امر کو اصلی جیسا بنا کر اصلی کا
معاملہ کرتے ہیں مؤلف کچھ اور ہی جواب دے رہا ہے پس ناظرین اس فہم مؤلف پر تحسین کہیں اور انصاف کریں کہ مفتری کون
ہے قولہ تیسری قباحت الخ اقول اس بات کو خوب یاد کر لینا ضروری ہے کہ عقیدہ سب کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں
ہیں اور عالم غیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہٖ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں

بے کار ۲؎ تہمت لگانے والا۔

سے ثابت ہو معراج کی حدیثوں میں وارد ہے کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے تئیں انبیاء کی جماعت میں دیکھا یہ موسیٰ ؑ
نماز پڑھتے ہیں، یہ عیسیٰ ؑ پڑھتے ہیں یہ ابراہیم ؑ پڑھتے ہیں فحانت الصلوٰۃ فاممتہم یعنی اتنے میں نماز کا وقت آگیا میں ان کا امام
ہوا روایت کیا اس کو مسلم نے اور قرطبی نے ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ بیت المقدس میں اللہ تعالیٰ نے آدم ؑ سے لے کر کل انبیاء کو
جمع کر دیا سات جماعتیں حضرت کے پیچھے تھیں اور فتاویٰ سراجیہ کے باب مسائل متفرقہ میں ہے امامتہ النبی علیہ السلام لیلۃ المعراج
لارواح الانبیاء علیہم السلام کانت فی النافلۃ ان روایات فقہ و حدیث سے ثابت ہوا کہ سب پیغمبروں کی روحیں اپنے اپنے مقامات
سے بمشکل بیت المقدس میں حاضر ہو گئیں اور نماز یہاں آکر پڑھی اور مشکوٰۃ میں مسلم سے روایت ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے جاتے تھے مکہ اور مدینہ کے بیچ میں جب ایک جنگل میں گذرے پوچھا حضرت نے یہ کونسا جنگل ہے
صحابہؓ نے کہا یہ وادی الازرق ہے فرمایا حضرتؐ نے گویا میں دیکھتا ہوں موسیٰ علیہ السلام کو پھر حضرتؐ نے ان کا رنگ اور بالوں کا حال بیان
فرمایا اور فرمایا موسیٰ ؑ رکھے ہوئے ہیں دونوں کانوں میں انگلیاں یعنی جس طرح اذان میں اور آواز بلند ہے ان کی ساتھ لبیک کے
گذرے چلے جاتے ہیں اسی جنگل سے کہا ابن عباسؓ نے کہ ہم آگے چلے تو ایک پہاڑ کی گھاٹی پر پہنچے، پوچھا حضرتؐ نے یہ کونسی گھاٹی
کون سا پہاڑ ہے صحابہؓ نے کہا یہ پہاڑ ہرشا ہے یا لفت ہے آپ نے فرمایا گویا میں دیکھتا ہوں یونس علیہ السلام کو سرخ اونٹنی
پر سوار پشمینہ کا جبہ پہنے ہوئے اور ان کی اونٹنی کی مہار پوست خرما کی ہے اسی جنگل میں چلا جاتا ہے حج کے لئے لبیک کہتا ہوا روایت کی
یہ حدیث مسلم نے کہا شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے کہ چوں اتفاق است بر حیات انبیاء علیہم السلام بحیات حقیقی و دنیاوی لیکن
محجوب انداز نظر عوام پس بحقیقت نمود ایشاں را بحبیب خود صلے اللہ علیہ وسلم بے ستام و بے مثال و بے اشتباہ و بے اشکال الخ

اور صلوٰۃ و سلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت آپ پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت حق تعالیٰ چاہے دنیا کے احوال کشف[۱]
ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالفت نہیں مگر یہ کہ ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صورت دندار اور عرض
حالات دنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدون اعلام[۲] حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے اور یہ کہ سب اشیاء کا علم حق تعالیٰ نے
آپ کو دیا ہے اس کو بھی قبول نہیں کرتے بلکہ جس قدر علم دیا جاتا ہے اس قدر کو جانتے ہیں اور ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں
ثم اعلم ان الانبیاء علیہم السلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما علمہم اللہ تعالیٰ احیانا وذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر
باعتقاد ان النبی یعلم الغیب انتہیٰ پس معترض کی تیسری قباحت یہ ہے کہ یہ سمجھے ہیں کہ روح آپ کی یہاں آیا کرتی ہے اور یہاں حاضر ہے
تو معترض دوام تشریف آوری کہتا ہے یعنی فعلیت کا دوام نہ امکان و وقوع احیانا[۳] پس مؤلف اگر اس امر کو ثابت کر دیوے کہ آیا
کرتے ہیں دائما تو اس کا جواب ہووے گا ورنہ امکان حضور سے کچھ فائدہ مؤلف کو نہ ہووے گا اور سب نقول اس کی فضول
ہوویں گی قولہ ارواح انبیاءؑ کا چلنا پھرنا تھا اور حدیث سے الخ اقول ان روایات معراج سے ارواح کا بیت المقدس میں جمع
ہونا اور آسمانوں پر جانا باذنہ تعالیٰ[۴] ثابت ہے مگر مولود کی مجلس میں آنا مبحوث[۵] ہے نفس حرکت و تقلب[۶] پر خاص تشریف آوری
نہیں ہو سکتی اور قیاس کا محل نہیں باب عقائد قیاس سے خارج ہے حدیث مسلم ہم کو استدلال مؤلف کا اس ہو باطل ہوا اور مشکوٰۃ کی
حدیث سفر حج کی کہ وادی ارزق میں دیکھنا حضرت موسیٰ ؑ کا اور ہرشا پر حضرت یونس ؑ کا سو یہ تو ظاہر ہے کہ آپ نے اس وقت نہیں

[۱] ظاہر [۲] خبردار کرنا [۳] کبھی کبھی [۴] اللہ تعالیٰ کی اجازت سے [۵] موضوع بحث [۶] پھرنا

قسطلانی نے بھی مواہب میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے وقیل ھو علی الحقیقۃ لان الانبیاء احیاء عند ربھم یرزقون فلا مانع ان یحجوا فی ھذہ الحالۃ کما فی صحیح مسلم عن انس انہ صلی اللہ علیہ وسلم رای موسیٰ قائما فی قبرہ یصلی قال القرطبی حبب الیھم العبادۃ فھم یتعبدون بما یجدونہ ان احادیث اور عبارات محدثین سے معلوم ہوا کہ ارواح انبیاء حج اور نماز وغیرہ عبادتیں کرتی پھرتی ہیں جوان کے دل میں آوے اور مشکوۃ کے باب المعراج میں بخاری اور مسلم کی حدیث سب کو یاد ہو گی کہ اس میں بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو پہلے آسمان پر حضرت آدم ملے دوسرے پر حضرت یحییٰ عم اور عیسیٰ تیسرے میں حضرت یوسف چوتھے میں حضرت ادریس پانچویں میں حضرت ہارون چھٹے میں حضرت موسیٰ ساتویں میں حضرت ابراہیم اب دیکھئے آسمان پر جانے سے پہلے حضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم کو تمام ارواح کل انبیاء کی بیت المقدس میں ملی تھیں اور نماز حضرت کے پیچھے پڑھی تھی اب یہ ارواح انبیاء ع آسمانوں پر ملیں یہ کسقدر حرکت ہوئی ہر آسمان اسقدر موٹا ہے جسقدر پانسو برس کا رستہ ہو اور زمین سے آسمان تک اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانسو برس کا رستہ ہے پس اس تحقیق کے موافق ایک ذراع عرصہ میں آدم علیہ السلام کی روح ایک ہزار برس کا رستہ اور عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی روحیں دو ہزار برس کا رستہ علیٰ ہذا القیاس ابراہیم کی روح سات ہزار برس کا رستہ طے کر گئے اس سرعت سیر کو یاد رکھو عنقریب ہم کچھ فائدہ اس پر مرتب کریں گے اور لکھا شرح مواہب لدنیہ میں خاتمۃ المحدثین علامہ زرقانی نے لا یمتنع رؤیتہ ذاتہ علیہ السلام یقظۃ بروحہ وذلک لانہ وسائر الانبیاء صلی اللہ علیہم وسلم ردت الیہم ارواحہم بعد ما قبضوا واذن لہم فی الخروج من قبورہم للتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی نقل کی یہ کلام زرقانی نے تنویر الحلک تصنیف جلال الدین سیوطی سے کہ شاہ ولی اللہ کے سلسلہ اساتذہ مشائخ میں ہیں اور خود شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں ورایتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اکثر الاحوال یتجلی فی صورتہ الکریمۃ التی کان علیہا مرۃ بعد مرۃ تنقطعت ان لہ خاصیۃ من تقویم روحہ بصورۃ جسد علیہ السلام ہی التی اشار الیہ بقولہ ان الانبیاء لا یموتون وانہم یصلون فی قبورہم ویحجون وانہم احیاء اور حضرت مجدد الف ثانی جلد اول مکتوبات کے مکتوب دو سو بیسٹھ و دو دوم میں لکھتے ہیں، امروز در حلقہ طلبہ اور

یمجھا تھا بلکہ آپ حکایت کرتے تھے دیکھنے ماضی کی کیوں کر فرماتے ہیں، "کانی انظر" گویا دیکھ رہا ہوں اور نہ فرمایا، "فانی انظر" پس غالب اور راجح اس میں یہ ہے کہ معاملہ رؤیا کا ہو اور اگر یقظہ کا ہو تاہم حرج نہیں معترض تقلب ارواح کو باذن اللہ قبول کرتا ہو کلام یہ ہے کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ ہر مجلس میں آیا کرتے ہیں اور نصوص سے جو چلنا پھرنا محقق ہو گا اس میں کچھ عذر نہیں یہاں قیاس کا باب مسدود ہو رہا ہے اس کو کچھ ثبوت مدعا نہیں ہوتا علی ہذا شیخ محقق کا قول اور مواہب کا حج کرنے کو جانا اور معراج کی شب میں آسمانوں پر جانا مولف کو مفید نہیں اور باب نزاع پر کچھ دلالت اس کو نہیں اور زرقانی کی عبارت جو تنویر الحلک سیوطی سے نقل کی اس میں بھی صریح ہے کہ خروج عن القبور باذن اللہ تعالیٰ ہے بقولہ واذن لہم الخ مگر تنویر الحلک کی عبارت میں ایک قلیل تصرف مولف کا ہوا ہے اس کی عبارت یوں ہے واذن لہم فی الخروج من قبورہم والتصرف فی الملکوت الخ واو عاطف ہے نہ لام جارہ اور تصرف کے معنی بھی چلنا پھرنا ہے فی القاموس صرفہ تصریفا فتصرف قلبہ فتقلب واصطرف تصرف فی طلب الکسب انتہی مولف نے لام جارہ لکھا اور تصرف کے معنی عربی اردو کے بتلائے ہیں مگر تاہم اس سے مدعا کو مفید نہیں چلنے پھرنے سے عالم علوی سفلی میں تشریف آوری مجلس مولود کی لازم نہیں آتی خصوصاً یہ مجالس بدع و مکروہات اور پھر بیان مشہور سے کسی حدیث سے کام چلے گا نہ ایسے قول کو اور عبارت فیوض الحرمین میں سے بھی وہی مضمون نکلا جو حدیث مسلم میں تھا جیسا حج کرنا اور اپنے اپنے شکل مبارک کا دکھنا کہ مدینہ طیبہ میں مرقد مبارک پر حاضری کا قصہ ہی جو وہاں کا ہوتا جب بھی کوئی مطلب مولف کا نہیں نکلتا جیسا آگے آتا ہے حضرت مجدد کی دونوں عبارتوں میں تعلق روحانی ہے اس میں انتقال کی ضرورت نہیں اور متجدد ہونا اور انتقال کرنا بھی ہو تو بھی غرض مولف اس سے حاصل نہیں ہوتی اور پھر ان مکاشفات کو قبول کرنا احکام شرعیہ میں معتمد نہیں کہ ان سے حکم ثابت ہو مولف کا ایسے موقع استدلال میں

ب قریب سکے داری سکے ارواح کا پھرنا تکہ بند

می بینیم کہ حضرت الیاس و حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بصورت روحانیاں حاضر شدند و بے تکلفی روحانی حضرت خضر فرمودند کہ ما از عالم ارواحیم حضرت سبحانہٗ تعالیٰ ارواح مارا قدرت کاملہ عطا فرمودہ است کہ بصورت اجسام متمثل شدہ کارہائے کہ از اجسام بوقوع می آید از ارواح ما صدور می یابد ،، اور اسی جلد اول مکتوب شصت و ہشتم میں ہے ،، در ایام اثنا عنایت خداوندی دررسید و حقیقت معاملہ اکما ینبغی وا نمود روحانیت حضرت رسالت خاتمیت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ رحمت عالمیانست دریں وقت حضور ارزانی فرمود و تسلی خاطر حزیں نمودہ اور سیوطی انتباہ الاذکیا میں احادیث و آثار صحابہؓ سے لکھتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اطراف و زمین میں کی مدد و رفت برکت کے ساتھ فرماتے ہیں اور انبیاءؑ کا مرجانا یہی ہے کہ وہ ہماری نظر سے چھپ گئے ، مثل فرشتوں کے نظر نہیں آتے مگر جس ولی اللہ کو دکھائے انتہی ، و امام غزالی گفتہ کہ ارباب قلوب مشاہدہ می کنند در یقظہ ملائکہ و ارواح انبیاء کذا فی اشعۃ اللمعات فی کتاب الرؤیا ور اسی جگہ لکھا ہے شیخ عبد الحق نے نقل از شیخ ابو المسعود کہ مصافحہ میکرد آں حضرت را بعد از ہر نماز ، اور اسی جگہ لکھا ہے شیخ نے قصہ غوث پاک کا کہ روزے غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ بر کرسی نشستہ بود و عظ می فرمود قریب بدہ ہزار کس پایہ وعظ دے حاضر بود شیخ علی بن ہیتی در زیر پایہ کرسی شیخ نشستہ ناگاہ شیخ علی ہیتی را خوابے برد پس شیخ عبد القادر قوم را فرمود اسکتوا پس ہمہ ساکت شدند تا آں کہ جز انفاس ایشاں شنیدہ نمی شد پس فرمود و آمد شیخ از کرسی و بایستاد با ادب پیش علی مذکور و می نگریست در وے پس بیدار شد شیخ علی و گفت شیخ عبد القادر بادے کہ دیدی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را گفت نعم فرمود ازیں جہت ادب و رزیدم با تو و ایستادم در پیش تو فرمود بچہ وصیت کرد ترا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفت بملازمت من مجلس ترا پس شیخ علی گفت آنچہ من در خواب دیدم شیخ عبد القادر در بیداری دید و روایت کردہ اند کہ ہفت کس از مردان راہ درآں روز از عالم رفتند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ،، اس سے تین باتیں ثابت ہوئیں ایک تو روح پاک مصطفیٰؐ کا مجلس خیر میں آنا دوسرے تعظیم روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت غوث اعظم سے پیر دستگیر کا کھڑا ہو جانا یہ سند ہوئی استحباب قیام کے واسطے تشریف آوری ارباب فضل و اکرم کے تیسرے حضرت غوث پاک کی علو شان اور قوت ادراک دوسرا آدمی خواب میں دیکھیں آپ نے بیداری میں دیکھا قصہ مختصر

نقل کرنا ان حکایات و مکاشفات کا خالی نا واقفیت قواعد دین سے نہیں چنانچہ یہ مصرح ہو کہ الہام و کشف اولیاء کا مفید علم اور حجت قطعی نہیں ہوتا امام غزالی مشاہدہ کو فرماتے ہیں سو مشاہد کے واسطے ارواح کا مشاہد کے گھر میں آنا ضرور نہیں قلب منور بعید دیکھتا ہے مثل قریب کے باذن اللہ تعالیٰ جس وقت چاہے حق تعالیٰ علیٰ ہذا مصافحہ کرنا علیٰ ہذا قصہ شیخ عبد القادر گیلانی کا کشف روحی اور رؤیا روحی ہے اس میں تدلی اور تنزل کی کچھ حاجت نہیں اور وقت انکشاف کے جب حضور ہو گیا تو ادب ضروری ہو گا پس مؤلف کا یہ کہنا کہ روح مصطفیٰؐ کا مجلس میں آنا محض ناواقفیت معاملہ کشفی سے ہے اگر کوئی خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے تو مؤلف حکم کرے گا کہ آپ اس کے گھر تشریف لائے اب عقل مؤلف کو دیکھنا چاہیے اور استحباب قیام کرنے والے کیواسطے ثابت ہو معترض نے کب انکار کیا ہو مؤلف کی عقل پر غشاوہ ہے اب شہود کے وقت مثل حیٰوۃ کے معاملہ ہونا چاہیے کلام اس میں نہیں مؤلف کو اصل مطلب فہمی ہو کام ہی نہیں اگر اہل محفل میلاد کو زیارت فخر عالمؐ کی ہو تو قیام کو کون منع کرتا ہے اور معترض لفظ آیا کرتی ہے پر شبہ کرتا ہے غرض اعتراض کچھ اور دلائل مؤلف کے کچھ اور عجب قصہ ہے قولہ اور اگر کوئی یہ سمجھے الخ اقول مؤلف نے آپ کا اعتراض بنایا کہ آپ مستغرق مشاہدہ میں ہیں تو جہ اہل الدنیا کیوں کر ہو سکتی ہے اور آپ ہی جواب دیا کہ آپ کی وسعت علم کو یہ مانع نہیں اور تفسیر عزیزی و زرقانی سے حجت لایا مگر عجب ہے کہ اس کا نہ معترض مانع تھا اور نہ مؤلف کو کچھ فائدہ عبث اوراق سیاہ کرتا ہے معترض دوام تشریف آوری روح پاک کا اور مجالس میں انکار کرتا ہے مؤلف امکان علم و حضور ثابت کر رہا ہے نہ گھر کی خبر نہ اپنے ہوش اور حضرت عزرائیل کی مثال دے بیہودہ

ط غیر کے مقابلہ میں دلیل ٹ مشاہدہ کرنے والا ٹ پردہ ،

کہ روح نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر آمد ورفت فرماتی ہے اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی حضوری میں مستغرق ان کو دنیا کی طرف کب توجہ ہوتی ہوگی جواب اس کا یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں والقمر اذا اتسق کی تفسیر میں "و بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد" جب اولیاء اللہ کا یہ حال ہے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال تو بدرجہا اس سے فائق ہوگا چنانچہ خاتمۃ المحدثین زرقانی صفحہ ۲۰۳ مقصد عاشر میں لکھتے ہیں ولاریب ان حالہ صلی اللہ علیہ وسلم فی البرزخ افضل واکمل من حال الملائکۃ ھذا سیدنا عزرائیل علیہ السلام یقبض الف مائۃ روح ا واذین فی وقت واحد ولایشغلہ قبض عن قبض وھو مع ذلک مشغول بعبادۃ اللہ تعالیٰ مقبل علی التسبیح والتقدیس فنبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی ویصوم ویشاھد ولا یزال فی حضرۃ اقترابہ ای فی منزل ذا بسماع خطابہ ولکن الان شانہ وعادتہ فی الدنیا یفیض علی متوسم من سجال الوحی الالٰہی مما افاضہ اللہ ولایشغلہ ھذا الشان وھو شان افاضۃ الانوار القدسیۃ علی امتہ عن شغلہ بالحضرۃ الالٰہیۃ یعنی آپ کا قبر میں بھی حال ہے اور دنیا میں بھی یہی تھا کہ امت پر فیضان جاری رہتا تھا اور خدا سے ملے رہتے تھے ادھر کی مشغولیت سے ادھر کی مشغولی میں فرق نہ آتا تھا ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل۔ خواص اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا، یہاں ادھر توسع ادراک علم وقوت استعداد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ظاہر ادھر روساء انبیاء کی سرعت سیر معلوم کہ حضرت ابراہیم معراج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات بیت المقدس سے ساتویں آسمان پر سات ہزار برس کا رستہ طے کرکے ادنیٰ فرصت میں پہنچ گئے چنانچہ ہم روایت اس کی بیان کر چکے پھر کیا اشکال فی بال جان ہو سارے منکرین کو کہ صرف چند محافل میلاد جو چند شہر متعددہ میں منعقد ہوتی ہیں ان میں بسرعت سیر حاضر ہو جانے کی قدرت روح پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہیں مانتے وہ پیغمبر سید المرسلین جو ابراہیم خلیل اللہ سے بھی افضل بالاتفاق ہیں مفضول تو سات ہزار برس کی راہ طے کرے ایک دم میں اور افضل چند مقامات کی سیر نہ کر سکے کمال کم فہمی کی بات ہے اور اس پر طرہ یہ کہ جو ایسا اعتقاد کرے اس کو مشرک قرار دیں سبحان اللہ شرک کے معنی بھی یہ حضرات خوب سمجھے واضح ہو کہ بہت مقامات میں حاضر ہو جانا ایک زمانہ میں روح مبارک کا جس کو یہ لوگ شرک کہتے ہیں اس کی تشریح اس رسالہ میں گذر چکی جہاں چاند سورج اور ملک الموت کی تمثیل ہے اور کتاب دافع الاوہام میں کلام محققین مستندین سے ثابت کیا گیا کہ روح کاملین کی آن واحد میں مقامات متعددہ میں جا سکتی ہے جس کو دیکھنا ہو وہاں دیکھے اب ہم تماشے کی بات سناتے ہیں ہٹ دھرمی اسی کا نام ہے مولوی اسماعیل صاحب اپنے پیر کیواسطے کتاب صراط مستقیم میں روح خواجہ عالیشان اور روح غوث پاک کو بغداد و بخارا سے مہینہ بھر تک آنا بیان فرماویں وہ تو آمنا اور صدقنا اور دوسروں کے واسطے تعالیٰ

پہلے جواب اس کا ہو چکا کہ حق تعالیٰ نے حضرت عزرائیل کو ایسی قوت وعلم دیا ہے اور ان کے متعلق یہ خدمت کی ہے کہ اگر فخر عالم کو اس سے صدہا گونہ زائد ہو تو کیا عجب ہے مگر کلام فعلیت میں ہے کہ یہ ہوتا ہے یا نہیں اب خلاصہ و نتیجہ دلائل و جواب مؤلف کا دیکھو قولہ یہاں ادھر توسع ادراک علم الخ اقول سبحان اللہ فہم مؤلف پر عجب ہے نہ توسع ادراک کا ذکر نہ سرعت سیر کا انکار کلام فعلیت حضور میں اور تشریف آوری دائمی میں ہے اور قیاس عقلی مؤلف کا امکان میں حالاں کہ عقائد کا ثبوت نص قطعی سے ہوتا ہے چند اقوال وہ بھی خارج مبحث ذکر کرکے آنکھ بند کرکے ایک ڈھکوسلا لکھ دیا کچھ تو شرم کرنی تھی کہ عقائد کا مسئلہ اور اعتراض کے خلاف کیا اثبات کرتا ہوں اور کیا کہتا ہوں اور کیا واجب تھا اب باقی کلام لایعنی کا جواب حضور نہیں چاند سورج ملک الموت کا جواب سب مذکور ہو چکا اور سید صاحب کے قصہ کے عدم فہمی کی بھی اطلاع ہو چکی

ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور۔

بنا بریں کھولا جاتا ہے کہ من تمثل من الارواح المشائخ حاضر تھے نقل ہوتا ہے کہ اس جلسہ میں اور جمعیت پر کمال افسوس سوال حاضر ہو جانا روح کا ممکن الوقوع تو ہے لیکن امکان وقوع کو وقوع لازم نہیں ہے پھر کس طرح معلوم ہوا کہ ان محفلوں میں آجاتی ہے جواب ارواح کا آنا کوئی امر حسی آنکھوں سے دیکھنے کا نہیں کہ ہر کوئی دیکھ کر بتا سکے بلکہ امر باطنی قسم عالم امر سے ہے اس کا ثبوت ارباب مکاشفہ کو ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کا قلب صاف اور نفس ان کا کدورت سے پاک اور نظر باطنی ان کی عمیق ہے بس اس قسم کے آدمیوں کے منامات میں بھی بشارت ہوئی کہ حضور کا گذر مولد شریف میں ہوتا ہے اور بعض صلحا مجلس میلاد میں مشرف بزیارت بھی ہوئے محمد بن یحییٰ جو کہ معظم میں مذہب حنبلی کے مفتی تھے علما اعلام و مقتدایان دین اسلام سے نقل کرتے ہیں کہ عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یحضر روحانیتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسی طرح علامہ زین العابدین برزنجی جن کا مولد شریف منظوم دیار عرب کی محافل میں پڑھا جاتا ہے وہ مقام قیام میں لکھتے ہیں بیت قد سن اهل العلم والفضل والتقی: قیاما علی الاقدام مع حسن امعان: بتشخیص ذات المصطفیٰ وهو حاضر: بای مقام فیه یذکر بل دان۔ اور شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ میں تین مقام پر ایک جگہ موقع سلام میں دوسری جگہ خصائص میں تیسری جگہ تعلیم آداب تصور جمال ذی مبارک میں تصریح کی ہے ساتھ حاضر ہونے روحانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بھی یہ ذکر فرمایا ہے جس کے دیدہ بینا ہوں ڈھونڈ کر نکال لے یہ دونوں کتابیں کثرت سے موجود ہیں حاصل مسئلہ

اگرچہ انبیا علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور سنتے بھی ہیں مگر ہر وقت یہ بات ضروری نہیں۔ کشف کی حقیقت اور یہ کہ کشف سے احکام ثابت نہیں ہوتے

قولہ دال حاضر ہو جانا روح کا ممکن الوقوع الخ **اقول** مؤلف نے سب عبارات نقل کیں اور فی الحقیقت اصل مدعا کو اس سے کچھ مساس نہ تھا یہ بھی ایک فریب دہی تھی کہ عوام تو جان جاتے ہیں کہ بہت سی روایات سے یہ مدعا ثابت کیا ہے مگر اہل علم سمجھ جاویں گے کہ یہ محض تطویل بے سود ہے لہذا بندہ نے ہر عبارت پر اشارہ کر دیا ہے کہ اس کو مدعا سے علاقہ نہیں آخر مؤلف کو خود ہوش آئی تو سوال جواب کر کے اس کو دفع کرنا چاہتا ہے خلاصہ سوال تو ظاہر ہے کہ سب روایات سے تقلب ارواح[۱] کا معلوم ہوتا ہے مگر مجلس مولد میں آنا کس طرح معلوم ہو کیوں کہ معلوم ہونے کے طریق معتبر دین میں تین ہیں یا حواس سو وہ تو یہاں نہیں دوسری عقل سو ظاہر ہے وہ یہاں مفقود ہے کیوں کہ یہ امر عقل سے ثابت نہیں ہو سکتا، تیسری خبر رسول ہو بھی اس باب میں غیر موجود پس مدعا پر دلیل کس طرح ہو سکتی ہے اب مؤلف کا جواب قابل سننے کے ہے کہ کہتا ہے کہ یہاں آنکھوں سے علم ہو سکتا ہی نہیں یعنی حواس کا کام نہیں کہ اس کو دریافت کرے اور اخبار متواترہ[۲] خبر رسول کی جو قطعی ہوں وہ بھی مفقود مگر ارباب مکاشفہ سے ثبوت ہو سکتا ہے الغرض مؤلف نے اقرار کیا کہ ہر سہ امر طریق علم کے جو معتبر شرع میں ہیں یہاں نہیں پائے جاتے اب باب مکاشفہ کی خبر معاملہ سے اور رویا[۳] سے ثابت ہوتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ مؤلف نے اس قدر تطویل بے سود کر کے کہا تو یہ کہا کہ خواب میں اور مکاشفہ میں لوگوں کو معلوم ہوا ہے اور خود محقق ہے کہ دین میں علی الخصوص اعتقاد میں رویا اور کشف کا اعتبار نہیں اور اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا خصوصاً مسئلہ عقائد تو اب سب ارباب عقل غور کریں کہ فقط مدار عقیدہ مؤلف کا خوابوں اور مکاشفات پر ہے پھر اس قدر روایات بے سود نقل کرنا اگر فریب دہی نہیں تھا تو کیا تھا اول ہی لکھ دینا تھا کہ خواب سے یہ معلوم ہوتا ہے جو آخر کہا اول سے کہتا پس اب ہم کو جواب میں یہ کافی تھا کہ یہی کہہ دیتے کہ شرعاً یہ سب غیر معتبر ہیں خدا تعالیٰ مؤلف کو ہدایت کرے کہ گوشت ما خورد و حلق خود بدرید، اور مآل کار اس کا یہی اپنی اصل پر آ گیا اشارہ و نا رویا اور دعویٰ کو دلیل سے مناسبت نہیں اور جواب کو اعتراض سے علاقہ نہیں توبہ توبہ اور شیخ عبد الحق نے مدارج النبوۃ میں بعض حکایات اولیا کی نقل کر کے یہ آخر میں لکھ دیا ہے کہ "بالجملہ دیدن آنحضرت بعد موت مثال است چنانچہ در نوم مرئی شود در یقظہ نیز می نماید و آں شخص شریف

---

[۱] ارواح کا پھرنا [۲] وہ احادیث جن کی سند صحت کو پہنچی ہو [۳] خواب۔

کی زنگ بوزدخود کلام شاہ ولی اللہ صاحب میں موجود ہے فیوض الحرمین میں اپنے مشاہدہ کے بیان میں جو مدینہ طیبہ میں جاکر حاصل ہوئے فرماتے ہیں ودائیتہ مستقلا

کی الہ ناحق متوجہا الی الخلق ذنبا باس عظمت فاذا توجہ الیہ الانسان یحصل الاوایہ الانسان الوالی الھمۃ فتطبق کل نسی کبد یشتاق الی شیٔ

دیتوجہ الیہ بقصدہ وشوقہ فانہ لیتبدی الیہ فرائیتہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عبارت میں صاف بیان ہے کہ حضرت کا خوب دل کھلا ہے خوشی سے اس کی طرف

جو مدح پڑھے حضرتؐ کی اور درود وسلام بھیجے اور جب کوئی مشتاق عشق دلی سے ہمت لگاتا ہے اور متوجہ ہوتا ہے حضرت کی طرف تو آپؐ اترآتے ہیں اس کے پاس

یہ خلاصہ مضمون شاہ ولی اللہ صاحب کا بعینہٖ ان کے الفاظ میں ہے اور جو کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو اصل کتاب فیوض الحرمین کی طرف رجوع کرے پاوے گا اسمیں

زیادہ تر تشریح اور توضیح اس مطلب کی سوال ، روح مبارک کا حاضر ہوجانا تو خیال بعید نہیں لیکن حاضر جب ہوسکتی ہے کہ یہ خبر ہو کہ کہاں

کہاں مجلس ہے اور غیب کی خبر کسی کو نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ نمل میں قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ اور نیز حکم

کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سورہ اعراف میں کہہ اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں سے ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر

وما مسنی السوء اگر جانتا میں علم غیب کو بہت حاصل کرتا میں منفعت اور نہ پہنچتا مجکو نقصان جواب اس کا یہ ہے کہ اگر آپ صاحبوں کو ان آیتوں پر

ایمان ہے تو بہت اچھی بات ہے لیکن آدمی کل قرآن پر ایمان لانے سے مسلمان ہوتا ہے ایسا تو نہ چاہیے کہ کسی آیت پر ایمان ہو اور کسی سے انکار ہو جیسا فرمایا

اللہ تعالیٰ نے افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض پس تم کو چاہیے کہ دوسری آیتوں کو بھی دیکھ جاؤ سورہ آل عمران میں ہے وما کان اللہ لیطلعکم علی

الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء یعنی اللہ ایسا نہیں کرتا کہ تم کو خبر دیدے غیب کی لیکن اللہ تعالیٰ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے

اور سورہ جن میں ہے عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول یعنی اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اپنی غیب کی بات کسی کو نہیں کھولتا

مگر جو پسند کرلیا کوئی رسولؐ ان چاروں آیتوں کے ملانے سے اہل سنت والجماعت کا جو مسئلہ اعتقادی ہے وہ کھلجاتا ہے یعنی اصل عالم الغیب اور علام

الغیوب اللہ تعالیٰ ہے زمین وآسمان میں کوئی ایسا نہیں جو یقینی طور پر کسی بات کو بلا تعلیم والہام حق جان لے ہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے برگزیدہ

رسولؐ کو جس کو چاہے خبریں غیب کی بتادیتا ہے پس جو شخص یوں کہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کچھ بھی غیب کی بات نہیں جانتے وہ منکر ہوا

کہ در مدینہ آسودہ وی است ہمان متمثل می گردد در یک آن خواص را در یقظہ عوام را در منام انتہیٰ پس جو کچھ حقیقت انکشاف کی ہے کہ ارباب قلوب

ھانی کے مخیلہ میں تمثیل ہوتا ہے اور خود آپ بجائے خود ہیں اور تشریف آوری اور حضور کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ان وقائع سے مولف تشریف

آوری ثابت کرتا ہے اور ناواقفیت حقیقت کشف سے ہے خود شیخ اس کے معتمد نے مولف کے سب دلائل رد کردیئے مولف محض خواب خیال پر اپنی

عقائد اپنی اور خلق کے برباد کررہا ہے۔ افسوس، علی ہذا شاہ ولی اللہ صاحب جو شخص قبر مبارک پر متوجہ ہوتا ہے اس کا حال فرماتے ہیں اور اگر دور سے یہ امر

ہے تو بھی یہی تمثل ہے اور پھر یہ قصہ کشف والہام کا ہے جو شرع کی دلیل نہیں اور مدح وصلوٰۃ وسلام میں خود وارد ہے فان صلٰوتکم معروضۃ علی

الحدیث اور احادیث میں تبلیغ ملائکہ کی موجود ہے پس مولف نے بغیر حقیقت کشف اور منام کے مطلع ہوکے بے فہم ناتمام سے تراش لیا کہ خود روح

مبارک ہی صاحب کشف کے گھر آجاتی ہے اور محبت بنا کر لکھدی کچھ غیرت نہ کی معاذ اللہ۔ وائے دردین چنی رخنہ گری پیدا شد، اور کشف الغطا

میں لکھا ہے کہ یہ سب منام و یقظہ دیکھنا مشاہدہ تمثال ہے نہ عین حقیقت آپ کی پس سب تقرر مولف کی بے دلیل باطل ہوگئی قولہ سوال روح مبارک

کا حاضر الخ **اقول** یہ سب جواب محض تطویل اور کم فہمی ہے یہ کوئی نہیں کہتا اور اس اطلاع سے جو مولف نے لکھی حضور روح مبارک کا ہرگز

ثابت نہیں ہوتا ایک لغو تقریر ہے بذریعہ ملائکہ کے درود وسلام کا پہنچنا اور کشف واطلاع باذنہ تعالیٰ سب کچھ درست مگر اصل مدعی کا حال

۱؎ اس لئے کہ تمہاری نماز میرے سامنے پیش کی گئی ۲؎ معاذ اللہ نبی کے دین میں اس طرح رخنہ ڈالتے ہیں ۳؎ ڈینگ۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے چھانٹ لیتا ہے واسطے اخبار غیبی کے جس کو چاہے اور نیز منکر ہوا وہ حدیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا کہ مشکوٰۃ کے باب المعجزات میں روایت ہے عمرو بن اخطب انصاری سے کہ نماز جماعت پڑھائی ہم کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی اور منبر پر چڑھے ہم کو نصیحت فرمائی یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا تب اترے منبر سے اور نماز پڑھی پھر چڑھے منبر پر فرماتے رہے نصیحت پھر عصر کا وقت آگیا پھر اترے اور نماز پڑھی پھر چڑھے منبر پر یہاں تک کہ چھپ گیا سورج اس دن بتا دیا ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ ہونے والا قیامت تک اب ہم میں زیادہ عالم وہ ہے جس کو اس وقت کی زیادہ باتیں یاد ہیں روایت کی یہ حدیث مسلم نے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بہت خبریں غیب کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہیں علاوہ اس کے بہت حدیثیں اس باب میں وارد ہیں بباعث طول کے اعراض کر کے شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے کلام پر اعتماد کرتا ہوں شروع سیقول میں فرماتے ہیں کہ جو کچھ حضرت نے خبر دی ہیں حاضر غائب کی سب پر اعتقاد واجب ہے اور یہ بھی لکھا ہے اسی جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہر امتی کو جانتے ہیں کہ وہ کس درجہ کا آدمی ہے فرشتے حضرت کو خبر پہنچاتے رہتے ہیں اور نور نبوت سے حضرت پہنچانتے ہیں سب امتیوں کو یہ عبارت ہم نقل کر چکے ہیں نور اول کی لمعۂ ثانیہ میں اور نقل کر چکے اسی مضمون کی روایتیں بزاز و زرقانی و قسطلانی وغیرہ سے اسی مقام میں جب یہ باتیں ثابت ہو چکیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہو جانا محافل میلاد کا کون بڑی بات ہے علاوہ اس کے محفل میلاد شریف میں مدح اور کثرت سے درود و سلام پڑھا جاتا ہے جب یہ کثرت سے جلسہ کا درود و سلام فرشتے حضرت کو پہنچاتے ہوں گے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے پھر کیوں نہیں خبر ہوتی ہو گی اس جلسہ کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور شاہ ولی اللہ کا کلام فیوض الحرمین میں سے ہم نقل کر چکے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم متوجہ ہیں خلق کی طرف اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص کو توجہ ہوتی ہے وہ ادنی چیز پہنچنے میں جھک جاتا ہے اس کی طرف اور یہ بھی انہوں نے لکھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوتے ہیں اس سے جو ان پر درود و سلام اور مدح اور نعت پڑھتے ہیں پس خبر پا لینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس طرح بخوبی ہو سکتا ہے نہ اہل سنت والجماعت پر یہ دھبہ لگتا ہے کہ یہ لوگ رسول مقبول کو عالم الغیب جانتے ہیں اور نہ یہ کہ ہر جگہ ان کو حاضر و ناظر جانتے ہیں اب فکر کرنا چاہیے ان حدیثوں میں جن کو علامہ زرقانی اور اسماعیل آفندی وغیرہما علماء حدیث و تفسیر نقل کرتے ہیں اس طرح کہ سب پیغمبروں کو ان کی امت کے اعمال پر اور والدین کو ان کی اولاد کے اعمال پر ہر جمعہ میں مطلع کرتے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبار اطلاع کرتے ہیں ایک روز جمعہ اجمالاً جس طرح اور سب پیغمبروں کو امتوں کے حالات پر مطلع کرتے ہیں اور دوسرے ہر روزہ صبح و شام بطور تفصیل دو بار آپ کے آگے اعمال امت پیش کرتے ہیں گویا یہ درجہ حضرت کا دوسرے پیغمبروں پر زائد ہوا کہ آپ کو بروز جمعہ اجمالاً مطلع کیا اور نیز دو بار تفصیلاً ہر روز پس جو کوئی محفل کرتا ہے اکثر تو یہ ہے کہ ایک دو دن پہلے سے اس کی اطلاع ہوتی ہے اور اس کے سامان شروع ہوتے ہیں ورنہ یہ تو ضرور ہوتا ہے کہ اگر شام کو محفل ہو تو صبح سے کچھ انتظام شیرینی یا کھانے وغیرہ کا ہونے لگتا ہے اور اگر صبح کو محفل ہے تو شام کو شروع ہو جاتا ہے اور اطلاع آدمیوں کو شروع ہو جاتی ہے تو سمجھنا چاہیے جب کہ ہر روز دو مرتبہ صبح و شام حضرت کو خبر اعمال امت کی پہنچائی جاتی ہے جس کے گھر میں شام کو محفل ہو گی جو کچھ اس نے صبح کو سامان کیا ہو گا یا کسی کو خبر

اوپر کے قول سے معلوم ہو چکا کہ محض بنا بر منام و کشف پر ہے اور پھر وہ بھی محض قیاس عقل کا تمام مؤلف کا اور یہ حجت شرعیہ نہیں کتب عقائد میں مذکور ہے اور یہ امر مشہور ہے مخفی نہیں گو مؤلف کو علم نہیں سو اس کی فضول طویل کلام خود لغو ہو گئی مطلب کچھ علاوہ اس کا نہیں ظن و تخمین کا عقیدہ مؤلف کا ہوا آپ ہی ایک دفعہ کہتا ہے بقولہ حضور بھی احسان و نوازش فرماتے ہوں گے اور پھر آپ ہی کہتا ہے بقولہ جلوہ فرماتے

ہو گی وعلی صبح کو حضرت کے پاس فرشتوں نے اسی وقت پہنچا دیا ہوگا پس حضرت کو پہلے ہی خبر پہنچ گئی کہ شام کو محفل ہمارے فلاں امتی کے گھر ہو گی اور اگر اس کے گھر صبح کو محفل ہونے والی ہے اور شام کو اس شخص نے اسباب فراہم کیا ہوگا یا کسی کے سامنے منہ سے نکالا ہوگا کہ میں صبح محفل کروں گا اس کی بھی خبر اس قدر قبل انعقاد حضرت کو فرشتوں نے پہنچا دی ہو گی پس حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جان گئے کہ علی الصبح محفل ہو گی علاوہ اس کے تیسرا طریق اور چوتھا طریق حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خبردار ہونے کا اور بھی ہے لیکن وہ دونوں دقیق ہیں عام فہم نہیں ہیں اس لئے ان سے سکوت کر کے ان ہی دو طریق پر اکتفا کیا، اب جاننا چاہیئے جب کہ خبر ہو گئی ان وسائط سے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور حضرت خود متوجہ امت کی طرف ہیں موافق قول شاہ ولی اللہ صاحب کے اور نیز آپ کی تعریف قرآن مجید میں ہے بالمومنین رؤف الرحیم تو ہرگز حضور صلہ رحمی سے محروم نہ رکھیں گے اور احادیث میں آیا ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کیا تھے یہ قرآن آپ کا اخلاق تھا اور ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں یہ لفظ موجود کہ ھل جزآء الاحسان الا الاحسان تو یہ لابد اس آیت کی تعمیل بھی آپ کے اخلاق میں ہو گی اس مدح خوانی اور درود سلام وتعظیم وآداب کے مقابل میں حضور بھی احسان ونوازش فرماتے ہوں گے چنانچہ ارباب مکاشفہ نے ان خیرات وبرکات کی خبر دی ہے ان اصل آیات واحادیث واقوال علماء سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ انعقاد محافل میلاد کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر بعض واسطوں سے پہنچ جاتی ہے اور نیز روح مبارک ارباب محفل پر براہ عنایت وکرم جلوہ فرما ہو جاتے ہیں اب دیکھئے اس بیان کو حقیقت کفر وشرک سے شمہ بھی لگاؤ نہیں ہے اور طرفہ تر یہ ہے کہ بانیان محفل میلاد علی العموم یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ روح مبارک ہر جگہ موجود ہو جاتی ہے خواہ اس محفل میں قاری مولد کوئی مرد دین دار محب رسول ہو یا کیسا ہی آدمی ہو سامعین مہذب بآداب ظاہر و باطن ہوں یا نہ ہوں روایات اس میں صحیح طور پر بیان کیجاتی ہوں یا موضوع جھوٹی باتیں شاعرانہ گھڑی ہوئی پڑھتے ہوں کھاتے اور شیرینی اور عطر میں مال زہد اور محنت کا کمایا ہوا ہو، یا رشوت اور سود اور غضب کا مارا ہوا ہو، دلوں کو اچھی طرح اشتیاق کے ساتھ حضور کے تصور میں لگا رکھا ہو یا نہیں حاضرین جلسہ خوش اعتقاد ہوں یا نہیں ہم نے بہتیری مجالس میں دیکھا ہو گا کسی کسی وجہ سے بعض منکرین بد طینت وبد اعتقاد بھی آجاتے ہیں حالاں کہ ایسے شخصوں کا حاضر ہونا ایک

ہیں سو ایسے تردد کا عقیدہ مؤلف کو مبارک ہو۔

تشریف آوری روح نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں مؤلف کی غلطیاں

قولہ طرفہ تر یہ کہ بانیان الخ **اقول** کیا طرفہ تماشا ہو کہ معترض تو خود یہ کہتا تھا کہ اہل مولود کا یہ اعتقاد ہے کہ روح مبارک محفل میں آیا کرتی ہے اور حاضر ہے اس پر مؤلف بہت گرما گرمی وزور شور سے روایات پیش کر کے سر ہوئے اور ناچار ہو کر منامات[1] مکاشفات پر تنزل کیا جب اس سے بھی کام چلتا نہ دیکھا تو اور کچھ غیب شپ مار کے ظن وتخمین پر آیا اور کہا کہ آیہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان لابد آپکے اخلاق میں ہو گی معاذ اللہ مؤلف کو کچھ تردد بھی ہو کہ فخر عالم علیہ السلام اس آیت پر عامل ہیں یا نہیں کہ بلفظ ہو گی بیان کرتا ہے استغفر اللہ پھر قطعی حکم لگایا کہ جلوہ فرماتے ہیں پس یک دفعہ پلٹی کھائی تو کیا کہتا ہے کہ جس کا خلاصہ ہے کہ اس زمانہ کی مجالس میں ہرگز نہیں تشریف لاتے، سبحان کسقدر تعجب انگیز اور حیرت خیز تقریر ہے کہ جس کے مسلسل ہونے کا مؤلف بھی دم بھرتا ہے اور ناظرین کو تو طرب ہوتا ہی ہے، گہی بر طارم اعلیٰ نشینم ؎ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم ؎ ایک ثبوت ایک مسئلہ اس قدر اقوال سمجھو پس سنو کہ مؤلف دعویٰ کرتا ہے کہ قاری اگر دین دار محب ہو گا تو روح پاک آوے گی اور سامعین مہذب بآداب ظاہر و باطن نہ ہوں گے تو بھی نہ آوے گی یا موضوع روایت، یا شاعری کا مضمون ہو یا شبہ کے مال کی شیرینی وغیرہ ہو یا آنحضرت علیہ السلام کے تصور میں دل نہ

[1] خواب سے اترانا ۱۲

قسم کی کدورت محفل پاک میں پیدا کرتا ہے نماز استسقاء میں جو طلب رحمت الٰہی کے واسطے ہوتی ہے فقہا شرط کرتے ہیں کہ عین نماز میں جب اہل
اسلام ایک خستہ اور شکستہ حال کے ساتھ روتی ہوئی اور عجز و نیاز کرتے ہوئے نکلیں کوئی کافر اہل کتاب وغیرہ اپنے ساتھ نہ لیویں کیوں کہ وہ لوگ
مستحق غضب الٰہی ہیں ان کو نزول رحمت کی موقع میں ساتھ لینا اپنا نقصان کرنا ہے چنانچہ یہ مضمون ہدایہ کی عبارت سے صاف واضح ہے ولا
یحضر اھل الذمۃ الاستسقاء لانہ لاستنزال الرحمۃ وانما تنزل علیھم اللعنۃ بھلا جب محفل میں آداب ضروریہ جن کا ہم ذکر کر چکے مدنظر نہ
ہوں گے اور ہر قسم کے آدمی منکر و غیر منکر داخل ہوں گے یہ شکلیں روح مبارک حضرت رحمۃ للعالمین کی تشریف آوری کی نہیں علاوہ بریں
تقویٰ اور اخلاص پر بھی مدار ہے زمانہ سلف میں جو محفلیں ہوتی تھیں ان میں لکھا ہے یحضر فیہ اعیان العلماء و مشائخ الطریقۃ ویکون فیہ اجتماع
الصالحین اور اس زمانہ میں آدمیوں کی صلاحیت اور عشق الٰہی اور تقویٰ اور اجتناب مناہی کا حال معلوم اور عمل کا ثواب باعتبار درجات قوت تقویٰ کے مختلف
ہوتا ہے قاضی ثناء اللہ صاحب آخر کتاب مالابد میں لکھتے ہیں "چوں قلب اخلاص بہم رساند دو رکعت او بہتر از ایک رکعت دیگراں باشد ہم چنیں صوم
وصدقہ او رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود کہ اگر شما مثل کوہ احد زر در راہ خدا خرچ کنید برابر یک سیر یا نیم سیر جو نباشد کہ صحابہ در راہ خدا دادہ
اند این از جہت قوت ایمان و اخلاص شاں است انتہی کلامہ اور اسی طرح نماز کے باب میں وارد ہوا ہے حدیث شریف میں ان العبد اذا قام الی الصلوٰۃ
رفع اللہ تعالیٰ الحجاب بینہ وبینہ وواجھہ بوجھہ الکریم یعنی جب بندہ نماز پر کھڑا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اٹھا دیتا ہے حجاب اپنے اور اس کے بیچ میں سے
اور سامنے اس کے کر دیتا ہے اپنا وجہ کریم اور دوسری حدیث میں ہے کہ جب مسلمان وضو کرتا ہے شیطان اس کے دور ہو جاتا ہے زمین کے کناروں
تک بھاگ جاتا ہے اس ڈر سے کہ یہ بندہ اپنے بادشاہ کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے جب وہ وضو کر کے کہتا ہے اللہ اکبر چھپ جاتا ہے ابلیس،
اور اللہ جل شانہٗ اس بندہ کے سامنے ہو جاتا ہے اور ایک اور حدیث میں آیا ہے اپنے اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے خلاصہ
کہ یہی نماز ہم غافل لوگ پڑھتے ہیں ہم کو نماز میں کچھ بھی نظر نہیں آتا اور ایک اولیاء اللہ کی نماز ہے کہ ان کو نماز میں مشاہدہ ربانی حاصل ہوتا ہے
اور مقامات عطا ہوتے ہیں اسی طرح مقبولیت محافل میلاد کے درجات ہیں ؎ دانہ بخیر شجر نام ہر میوہ ؛ نہ ہر نخل زیبدہ دست ہر میوہ۔ روح مبارک کا
تشریف لانا اعلیٰ درجہ کی بات ہے پس ہر محفل میں کہ خواہ وہ کیسی ہی وضع سے مرتب ہو تشریف آوری کا دعویٰ کون کرتا ہے اگر مدخوش اعتقاد و سامان
پاکیزہ اور مال اپنے زور بازو کا کمایا ہوا صرف کرے اور روایات صحیحہ اور اشعار جائزہ بالحان خوش و نیت نیک اعتقاد درست و ہیبت
ادب و تعظیم شوق و ذوق کیساتھ پڑھے اور سامعین مشتاق قلب خاص کر متوجہ ہوں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت مدنظر ہو دل کو اسی
طرف لگا دیں تو کیا مضائقہ ہے کہ جس طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے فانہ ینتدلی الیہ کا مضمون یعنی ع من آیم بجان گر تو آئی بہ تن

نہ ٹکا ہو یا حاضرین خوش عقیدہ نہ ہوں تو کبھی ورود روح مبارک کا نہیں ہونے کا۔ پس ایسی محفل ہندوستان میں تو شاید کہیں ہو کہ ان سب امور سے
خالی ہو خود مؤلف صدر الصدور کی محفل میں بھی فساق و مبتدع ہر روز ہوتے ہیں عرب کی اور شام و مصر وغیرہ کی بھی محافل میں قطعاً یہ بات
نہیں، تو اب کہو کہ مؤلف نے قطعاً انکار حضور روح پاک کا کر دیا اور ان محافل کو محل نزول ہونے سے بھی خارج بنا دیا تو اب یہ عقیدہ بیان کرنا
اور تعقید حضور سے بستہ ہونا شرک ہوا یا نہ ہوا مؤلف کے منہ میں جلیبی دینی چاہیے، کہ بڑی محنت و جانکاہی کر کے اور تمام عالم کا دور
اور تلاش کر کے مدعیٰ ثابت کر کے تھک کر پڑے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ بریں عقل و دانش ببایدگریست وہ کونسی محفل ہو کہ آداب ظاہری
و باطنی سب ملحوظ اور سب حاضرین ایسے ہوں ہاں اولیاء و اقطاب اس دور کے جمع ہو کر کریں تو ممکن ہے پس جب نہیں تو حسب زعم مؤلف کے

لے نیک بختوں کے اہل بدعت کے ہاتھ باندھ لینا ہے تعصب کی جمع

ظہور فرمائے، سابقاً جو بعض اولیاء کو منامات اور واقعات میں حال تشریف آوری روح مبارک کا ظاہر ہونا اور عبارت محمد بن یحییٰ اور زین العابدین کا ذکر ہم کر چکے ہیں وہ محمول اسی طرح کی محافل مقدسہ مہذبہ کے لیے ہے اور مگر یہ باتیں حاصل نہیں تو یہ دعویٰ روح مبارک کے آنے کا ہر محفل کے لیے نہیں لیکن یہ بات کل کیواسطے کہی جاوے گی جو کوئی یہ محفل کرے گا بلاؤں سے نجات اور حصول مرادات کا ثمرہ پاوے گا بشرط اخلاص کے موافق یعنی عامی عام طور پر اور خواص خاص طور پر نفع اٹھائیں گے اور یہ خوب سمجھنا چاہیے کہ قیام کرنا وقت ذکر ولادت موقوف روح کے تشریف لانے پر نہیں، عالم الامۃ مقتدا الائمہ امام تقی الدین سبکیؒ اور ان کی مجلس میں اکابر علماء تھے ایک شعر مدح کا سن کر کھڑے ہو گئے چنانچہ سیرت حلبی میں مذکور ہے اس میں روح کا آنا کچھ بھی مذکور نہیں بلکہ یہ ہے قام الامام السبکی رحمۃ اللہ وجمیع من فی المجلس فحصل انس کبیر اھ اسی طرح نقل کیا اسماعیل آفندی نے تفسیر روح البیان میں اور سیرت شامی میں ہے جرت عادۃ کثیر من المحبین اذا سمعوا بذکر وضعہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یقوموا تعظیماً لہ یعنی کہ محبین رسول صلے اللہ علیہ وسلم جب سنتے ہیں ذکر ولادت شریف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں یہ نہیں لکھا کہ روح مبارک کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور رسالہ عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر میں امام برزنجی نے لکھا ہے قد استحسن القیام عند ذکر ولادتہ الشریفۃ ائمۃ ذوو روایۃ ودرایۃ اور یہ نہیں فرمایا استحسن القیام عند رؤیۃ روحہ او عند قدوم روحہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلاصہ یہ کہ یہ قیام مختص واسطے قدوم روح مبارک کے نہیں اگر یہ ہوتا تو جس کو روح مبارک نظر آتی وہ کھڑا ہوتا جس کو نظر نہ آتی نہ کھڑا ہوتا حالانکہ عمل جمیع بلاد اسلامیہ کا عرب و عجم مشرق و مغرب میں اسی بات پر ہے کہ بلا روح پر فتوح بمجرد سماع ذکر ولادت شریف جمیع اہل محافل کھڑے ہو جاتے ہیں اگر کوئی یہ کہے اگر روح مبارک تشریف نہیں لاتی پھر تعظیم کس بات کی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ قیام فقط تعظیم تشریف آوری کے لیے نہیں بلکہ شرع شریف میں چند مقامات پر قیام پایا گیا ہے ایک آنے والے کی تعظیم میں جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وقت تشریف لانے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام فرمایا کرتی تھیں کذا فی المشکوٰۃ دوسرا وضو کا بچا ہوا پانی پینے کے لیے کھڑا ہونا ترمذی نے روایت کیا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ وضو کر چکے بچا ہوا پانی پیا کھڑے ہو کر اور یہ کہا مجھ کو پسند آیا کہ دکھاؤں تم کو کس طرح وضو کرتے تھے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہیٰ اس سے معلوم ہوا کہ آپ بھی کھڑے ہو کر پیتے ہوں گے

بھی ان امور سے کوئی محفل خالی نہیں رہتا نعین تو حسب روایت شارح منیہ اس کو کراہت و بدعت سے خالی جانتے ہی نہیں لہٰذا معترض کا اعتراض مقبول و مسلم مؤلف کے نزدیک ہوا قصہ طے ہوا اب مؤلف کی کج فہمی کا کیا بیان کروں اور اس کے ذیل کی روایات استغفار اور اخلاص کا ہم کو کیا تعاقب کرنا ہے کہ وہ ان روایات سے اپنا ہی گھر برباد کرتا ہے

جواز قیام مولود میں مؤلف کے قیاسات کا رد

قولہ لیکن یہ بات کل کے واسطے الخ **اقول** یہ کلام محض لغو غلط ہے جب وہ محل نزول روح مبارک کا نہیں تو بالضرور ملوث بمعاصی ہے وہاں حصول ثمرات کہاں وہ تو موجب سیئات ہے وہاں جانا شریک ہونا ناجائز ہے بقولہ تعالیٰ فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین چنانچہ سابقاً ذکر ہو چکا تو یہ فقرہ مؤلف کا بالکل مخالف نص قطعی کے ہے سوائے عدم رضا حق تعالیٰ کے ایسی مجالس کا ثمرہ ہرگز کچھ نہیں اور مجمع مولود کے معاصی و منکرات کا مشاہدہ سب کو حاصل ہے پس معصیت و منکر کے درخت کو عصیان کا ثمر لگے گا خیر الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے مدعا مانعین کا مؤلف کے منہ سے ثابت کرا دیا وکفی اللہ المؤمنین القتال **قولہ** اور یہ خوب سمجھنا چاہیے الخ **اقول** مؤلف نے ناچار قول معترض کا قبول کیا اب پھر لا علاج اثبات قیام کا کرنا طمع بیانی سے چاہتا ہے مگر سخت سطحی ہے اور فہم سے بیگانہ جس موقع پر قیام مستحسن ہے کوئی بھی اس کو منع اور انکار نہیں کرتا اور یہاں جو منع ہے تو اول تعیین و تقیید مطلق کی وجہ سے مکروہ کہا تھا پھر

ل بیچا کرنا ۲ گناہوں سے آلودہ ،

نتیسرے، زمزم کا پانی کھڑا ہو کر پینا بخاری اور مسلم میں روایت ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں پلایا میں نے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پانی زمزم کا
پس پیا آپ نے کھڑے ہو کر الحاصل فقہاء رحمہم اللہ ان دونوں پانیوں کو قبلہ رو کھڑا ہو کر پینا مستحب اور مندوب لکھتے ہیں اس لفظ سے صاف
تعظیم معلوم ہوتی ہے اور بعضوں نے یہ مسئلہ ان الفاظ سے لکھا ہے پانی کھڑے ہو کر پینا مکروہ نہیں اس سے بھی قیام تعظیمی ثابت ہو گیا یعنی کھڑے
ہو کر پینے کی جو کراہت شرع میں تھی وہ بباعث عظمت ان دونوں پانیوں کے ساقط ہو گئی اس لئے کہ زمزم کا پانی حصول شفا کا سبب ہے
اور اسی طرح وضو کا پانی بچا ہوا موجب شفا ہے شامی نے لکھا ہے کہ میرے بزرگ عبدالغنی نابلسی جب مریض ہوتے تھے وضو کا باقی پانی بارادۂ
حصول شفا پیتے تھے موافق فرمان سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پس آرام ہو جاتا تھا ان کو انتہی کلامہ الشامی۔ یہاں ایک بات اور بھی
حاصل ہوئی یعنی کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے شرع میں لیکن جب آب زمزم اور آب بقیہ وضو کی عظمت پر خیال کر کے کھڑا ہو کر پیئے تو قصد
تعظیم کے سبب کراہت جاتی رہتی ہے پس بفرض محال اگر قیام تعظیمی مکروہ بھی ہوتا تب بھی جو لوگ بارادۂ تعظیم شان مصطفائی کھڑے ہوتے ہیں
چاہیے اللہ کے لئے درست ہو جاوے مکروہ یا شرک یا حرام ہونے کے کیا معنی ہے چوتھا کھڑا ہونا جس وقت عمامہ باندھے بعض فقہا اس کو
مستحسن کہتے ہیں پانچویں کھڑا ہونا وقت سماع اذان کے درمختار میں ہے ویندب القیام عند سماع الاذان، و در فتاویٰ برہنہ آورده
چوں آواز اذان برآید کہ باید کہ ماشی بایستد و نشستہ زانو زند برجہ تعظیم نزدیک ترکند چھٹا کھڑا ہونا واسطے تعظیم مطلق ذکر کے تفسیر کشاف
میں ابن عمر اور عروہ بن زبیر اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ وہ سب نکلے اور گئے عید گاہ میں پھر وہ ذکر اللہ کرنے لگے ان میں سے بعضوں
نے یہ کہا کیا فرمایا نہیں اللہ تعالیٰ نے یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً تب وہ سب کھڑے ہو گئے اور ذکر اللہ کرنے لگے کھڑے ہو کر ساتواں
کھڑا ہو کر مدح اور مفاخر رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پڑھنی صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت حسانؓ منبر پر کھڑے ہو کر اشعار فخریہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کے پڑھتے تھے آٹھواں کھڑا ہونا دست بستہ وقت زیارت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے روضۂ مطہرہ کے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ
والسلام الیٰ یوم القیام جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے نواں جب کوئی اپنا پیشوا مجلس سے اٹھے اس کی معیت میں تعظیماً کھڑے ہو جانا چنانچہ
مشکوٰۃ میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں ہم کو حدیث سناتے تھے جب آپ اٹھتے ہم بھی سب کھڑے
ہو جاتے تھے اور جس وقت تک آپ گھر میں داخل نہ ہو جاتے ہم کھڑے رہتے تھے علاوہ ان آٹھ مقامات کے اور بھی مواضع میں قیام
آیا ہے جس کی نظر فتاویٰ اور احادیث پر ہو گی وہ دیکھ لے گا الحاصل ان تمثیلات سے یہ ثابت ہو گیا کہ قیام مخصوص فقط تعظیم آنیوالے
کے لئے نہیں بلکہ اور بھی مقامات میں قیام پایا گیا ہے اور قدر مشترک سب میں یہ مضمون ہے کہ قیام جس امر میں کیا جاتا ہے اس امر کی تعظیم کا فائدہ دیتا

بسبب فساد عقیدہ عوام کے شرک تک کی نوبت پہنچی سو علامہ سبکی کا شوق میں کھڑا ہو جانا محل انکار نہیں اور اس خصوصیت مبحوثہ قیام پر
کچھ اس سے ثبوت واستدلال نہیں اگرچہ یہ قیام مولود بوجہ تشریف آوری روح مبارک کے نہ ہو تو خصوصیت کی کراہت تو موجود ہے مگر
مؤلف کی کوتاہ فہمی غضب ہے اب حضور ہی کو پلہ باندھ لیا اور سب امور سے عراض اور نسیان ہو گیا اور استحسان قیام میں خصوصیت
ہے تو اصل منکر ہوتی ہے مگر مؤلف سے کسی اعتراض اور کسی مسئلہ کا جواب اولاً ذریعہ سے نہیں دیا جاتا وہی ایک داب ہے کہ علماء نے یوں
کہا ہے یوں کیا ہے سو اس کا جواب بھی چند دفعہ ہو لیا کہ دلیل شرعی کے مقابلہ میں کسی کا قول لائق التفات کے نہیں اگرچہ صد ہزار ہوں مگر
حسن ظن سے ہم ان کے فعل کو محمل حسن پر حمل کرتے ہیں جیسا مذکور ہو چکا کیا بار بار تکرار کیا جاوے مؤلف کا تو یہی تمسک نظیر اہر حجت

ا؎ فراموشی ۲؎ جا بعلت ملا کل ۳؎ عمدہ معنی ۴؎ دلیل

اسی واسطے بزرگانِ دین طرح طرح کے مواقع تعظیم میں پایا گیا از انجملہ احمد ابن حنبلؒ و علی بن مدینی وغیرہ جلسہ تعظیم حدیث میں کھڑے رہتے تھے چنانچہ ہم یہ روایت سابقاً لکھ چکے از انجملہ بہاء الدین ملک ظاہر کا وزیر قصیدہ بردہ کو برہنہ پا اور برہنہ سر کھڑا ہو کر سنا کرتا تھا اور اس کے گھر میں بہت خیر و برکت دین و دنیا کی اس سے حاصل ہوئی، کشف الظنون میں درباب قصیدہ بردہ لکھا ہے وبلغت الصاحب بہاء الدین وزیر الملک الظاہر استنشدہا و نذر ان لا یسمعہا الا حافیا واقفا مکشوف الراس و کان یتبرک بہا ھو واھل بیتہ وراوا من برکاتہ امورا عظیمۃ فی دینہم ودنیاہم از انجملہ کھڑا ہونا ہمارے شیخ الطریقت امام الشریعت خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا واسطے تعظیم روضہ مرشد کے شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ اپنے پیر قطب صاحب کے ملفوظات مسموعہ مسمی بہ فوائد السالکین میں لکھتے ہیں کہ ایکبار خواجہ معین الدین قدس سرہ درباب سلوک وعظ فرما رہے تھے جب داہنی طرف نظر پڑتی تھی کھڑے ہو جاتے تھے ایک سو بار کھڑے ہوئے لوگ حیرت میں تھے بعد اختتام جلسہ ایک بے تکلف آدمی نے یہ عرض کی کہ آپ کیوں بار بار کھڑے ہوتے تھے فرمایا جب میری نظر پیر مرشد خواجہ عثمان ہارونی کے روضہ پر پڑتی تھی میں کھڑا ہو جاتا تھا اس لئے کہ پیر کی تعظیم حالت حیات و ممات میں برابر واجب ہے بلکہ بعد موت کے زیادہ انتہی کلامہ از انجملہ جس وقت کسی صاحب معرفت کو عشق الٰہی میں وجد صادق ظاہر ہو تو جمیع حاضرین کو کھڑا ہو جانا چاہیئے، ذکر کیا یہ مسئلہ امام حجۃ الاسلام غزالی نے احیاء العلوم میں مرد منصف حق مطلب کو مجموع ان احادیث و اثر صحابہؓ اور فعل مشائخ طریقت و مشائخ حدیث سے جو کچھ ہم نے یہاں تک لکھا خوب واضح ہو جاوے گا کہ بیشک قیام تعظیمی مخصوص کسی کے آنے کے ساتھ نہیں بلکہ اور امور کی تعظیم میں بھی قیام پایا گیا ہے پھر کیا ضرور ہے کہ قیام مروجہ محفل میلاد شریف کو تعظیم قدوم روح فیض لزوم کی وجہ سے کیا جاوے بلکہ اس میں محض تعظیم شان رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نظر رکھی جاوے اور بیان اس کا یہ ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج میں ومن یعظم شعائر اللّٰہ فانہا من تقوی القلوب یعنی جو کوئی تعظیم کرے نشانیوں اللہ تعالیٰ کی یہ دلوں کی پرہیزگاری ہے، جو مولوی اسمٰعیل صاحب نے اولیاء اللہ کی محبت کو تعمیل اس آیت اور تعظیم شعائر اللہ میں شامل کیا ہے عبارت ان کی صراط مستقیم مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۳۱ میں یہ ہے ”اگرچہ تأمل کنی دریابی کہ محبت امثال ایں کرام خود شعار ایمان محب و علامت تقوی اوست وذلک من تعظیم شعائر اللّٰہ فانہا من تقوی القلوب انتہی کلامہ جب اولیاء اللہ شعائر اللہ ہوئے تو رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم معظم شعائر اللہ ہوئے چنانچہ حجۃ اللہ میں شاہ ولی اللہ نے بھی صفحہ ۷۱ مطبوعہ بریلی میں آپ کو معظم شعائر اللہ میں شمار کیا ہے، جب آپ معظم شعائر اللہ ہوئے تو پیدا ہونا آپ کا گویا ظہور ہے اعظم شعائر اللہ کا اور ہم کو

ہر جگہ وہی مستنزاد بڑھتا ہے پس کسی نے نہیں کہا کہ رویت مقدم روح پر قیام منحصر ہے، محض مؤلف کی سوء فہمی ہی نہیں ہر ہر قسم قیام میں کسی فرد کی تخصیص دائمی پر کراہت و بدعت کا دعویٰ اور اثبات ہے مگر مؤلف کم فہم کے فہم کی کوتاہی ہے بعد اس کے مؤلف نے مواقع قیام شمار کئے ہیں ہم کو ان کے رد و قدح کی ضرورت نہیں کیونکہ یا ان مواقع میں نص ہے یا ادب استحسان مشائخ کا کہ مستنبط علماء نص سے ہے اور وہ مواقع مندوب اس محل سے مناسبت نہیں رکھتے کلام تخصیص میں ہے اگر کسی فرد قیام کی قیام منصوص و مندوب میں بھی تخصیص ہووے مثلاً کسی فرد و صورت میں خصوصاً تو وہ بھی مکروہ ہو وے گا، جیسا تخصیص سورۃ کی صلوٰۃ میں بحث ہو چکی پس یہ کلام محض لغو ہے اور مسلم ہے کہ قیام حضور و قدوم میں حصر نہیں مگر تخصیص فرد کی تو سب انواع قیام

تعظیم نام اور کلام اور دیار واجب نہیں اور جب آپ کی تعظیم دل میں ہوئی تو آپ کے نام اور بیان اور ذکر کی تعظیم بھی ہو گئی تو یہ ذکر کی تعظیم بھی بعینہٖ آپ کی تعظیم ہے۔

چاہیے کہ اعظم شعائر اللہ کی عظمت دل میں پیدا کریں اور اس نعمت عظمیٰ کو بہت عظیم سمجھیں، جس کو فرمایا اللہ تعالیٰ نے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اور احسان رکھا اللہ تعالیٰ نے ہماری گردنوں پر ان کے وجود باجود کا حیث قال تبارک وتعالیٰ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا الآیۃ پس جو وقت تذکرہ آپ کا باآداب وتعظیم اور ظہور جاہ وجلال جو وقت ولادت باسعادت آفاق عالم میں وہ انوار وآثار جلوہ گر تھے بیان ہوتا ہے دل کے رگ وریشہ میں اس وقت کا جلوہ سما جاتا ہے اور آنکھوں کے آگے نقشہ حضور ملائکہ وحور عین کا جو وقت میلاد شریف کا سماں بندھ جاتا ہے لابد دل بھر جاتا ہے عظمت شان حضور سے اور پیدا ہوتی ہو دل میں تعظیم عظیم اس وقت کھڑے ہو جاتے ہیں سب باآداب وتعظیم اور بدلتے ہیں ہیئت جلوس کو قیام سے چنانچہ شرع شریف میں ظاہر کو عنوان باطن قرار دیا ہے اگر قلب میں توحید اور رسالت کی تصدیق ہے تو اقرار باللسان اس کی تطبیق ہے اسی طرح اگر دل میں اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی خواہش اور حاجت ہو تو دعا میں دونوں ہاتھ بھیک مانگنے والوں کی طرح پھیلا دینا سنت ہے تاکہ نقشہ ظاہر و باطن کا ایک ہو جاوے اسی طرح جو پائے غور مثل کو بہت مثالیں شرع شریف سے مل جاویں گی انا نجملہ چند مثالیں دافع الاوہام میں در باب زینت محفل مذکور ہیں خلاصہ یہ کہ اس وقت اظہار عظمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے جو کہ دل میں بھری ہوئی ہو قیام کیا جاتا ہے تاکہ ظاہر و باطن دونوں ایک ہو جاویں جس طرح دل کے اندر حضور کی عظمت ہے اور اسی طرح قیام باآداب وتعظیم اس عظمت کا نقشہ اور صورت ہو اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مجلس میں حاضر نہ ہوں لیکن آپ کا ذکر ظہور تو موجود اور ظاہر ہے ذکر ظہور کی تعظیم بعینہٖ آپ کی تعظیم ہے اور آپ کی تعظیم خدا کی تعظیم ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے صفحہ ۲ حجۃ اللہ میں لکھا ہے حتیٰ صار تعظیمھا عندھم تعظیما للّٰہ یعنی ان شعائر کی تعظیم اللہ ہی کی تعظیم ہے ان کے نزدیک اور موافق اس مضمون کے ہم آیتیں بھی لکھ چکے ہیں ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ، ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ سوال جب قیام واسطے تعظیم ذکر کے ہوا تو ذکر اول سے آخر تک آپ ہی کا ہے یہ شروع میں یا تمامی یا کسی وقت میں قیام ہو جایا کرے خصوصیت وقت ذکر ولادت شریف کی کیا ہے؟ جواب جس سبب سے اس محفل کا نام محفل مولد شریف ہوا ہے وہ یہی ذکر ولادت باسعادت ہے کیونکہ مولد میں معنی ولادت کے موجود ہیں یہ ذکر نہ ہو اور تمام جہاد اور بہادری اور معراج وغیرہ کا حال پڑھ دیا کریں اس کو عرف

میں بدعت ومکروہ ہے۔ معلوم کہ اس بحث سے کیا فائدہ اور کیا حاصل سوائے تطویل کے حاصل ہو پس یہی جواب سب کا ہے کہ جس قدر انواع مؤلف نے شمار کی ہر ایک نوع میں اگر تخصیص کسی فرد کی ہووے گی مکروہ ہوگا اور قیام ذکر ولادت کا اگرچہ بلا عقیدہ حضور کے شرک نہیں مگر تعیین کی بدعت سے بھی خالی نہیں ہو سکتا پس ساری طویل تقریر مؤلف کی محض تکرار بے سود ہے اور اس قیام تعظیم کا جس کو وہ ثابت کرتا ہو کوئی منکر نہیں[1] قولہ سوال جب قیام واسطے الخ اقول مؤلف نے اپنے فہم رسا کے دھندے میں بہت کچھ سر مارا مگر کراہت تخصیص رفع نہ ہوئی[2]، سو یہ سوالات ثلثہ لکھ کر اس کو رلانا ملانا چاہتا ہو مگر سوائے حرمان کے اور ظہور خوبی فہم عالی کے کوئی ثمرہ نہیں، مؤلف جواب اول تعیین کا یہ دیتا ہے کہ یہ مجلس اس کے نام کی مسمیٰ ہوئی اور ذکر ولادت کے واسطے ہی منعقد ہوئی تو غرض موضوع لہ مجلس کا ذکر ولادت ہے اور وجہ تسمیہ بھی یہی ہے اس واسطے مقصود اصلی پر قیام کی تخصیص ہوتی ہے جواب کوئی مؤلف کے منہ میں شکر ڈالے کہ موضوع لہ اور مسمیٰ ہونے سے خصوصیت کا ہونا بھی تو وہی تخصیص مطلق کی ہے اس تخصیص کی کیا دلیل ہو موضوع لہ وجہ تسمیہ محفل کا ہونا تو دلیل شرعی نہیں پس یہ تو عین تقیید[3] نص بالرائے واصطلاح ٹھہری اور یہ خود حرام ہے اور جو اس پر کوئی حجت ہے تو پیش کرے سبحان اللہ کیا عجیب عذر ہے اس کو بھی کہتے ہیں کہ عذر[4] گناہ بدتر از گناہ کہ تعظیم مطلق ذکر کے واسطے قیام مندوب تھا مگر موضوع لہ محفل کا ولادت کا ذکر ہونا مخصص ہو گیا اور جس سے بھاگتا تھا وہی طوق

۱؎ فروعی ۲؎ نتیجہ ۳؎ دلیل قطعی کی رائے سے مقید کرنا ۴؎ گناہ کا عذر گناہ سے بدتر ہے

میں محفل مولد شریف کوئی نہیں کہے گا اور جو کوئی کہے گا تو اسم مطابق مسمّیٰ کے نہ ہوگا اور دوسری وجہ یہ کہ ایجاد اس محفل کا بھی اسی بنا پر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں کہ اس نے پیدا کر دیا ہمارے لئے ایسا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جیسا کہ علامہ ابو شامہ استاد نووی نے فرمایا۔ ان دو وجہ کے سبب جو موقع اسی ذکر خاص یعنی ولادت کا ہوتا ہے اسی وقت اظہار سرور فرحت اور تقبیل آداب عظمت زیادہ تر کیجاتی ہے کیونکہ اصل منشاء محفل کا یہی ذکر خاص ہے باقی اور فضائل کا بیان اول و آخر تبعاً ہوتا ہے **سوال** نام حضرت کا اذان وغیرہ بہت موقع میں آتا ہے وہاں نہیں کھڑے ہوتے **جواب** الزامی یہ ہے کہ ایسے معترضوں کو یہ کہا جاوے کہ اچھا اگر ہم ہر بار جب ذکر حضرت کا آوے اور کہیں آوے کھڑے ہونے لگیں تم قائل ہو جاؤ گے اور ہمارے ساتھ ہر دفعہ تم بھی کھڑے ہوا کرو گے یا نہیں اگر وہ کہیں کہ ہم تو جب بھی نہیں کھڑے ہوں گے تو جواب ان کو دیا جاوے کہ تم پھر کچی محبت کیوں کرتے ہو تم تو ایمان لانے والے ہی نہیں پھر خواہی نخواہی معترض ہی اور سمع خراشی سے کیا حاصل اور اگر وہ کہیں کہ ہاں اگر تم ہر بار کھڑے ہوا کرو گے تو ہم بھی کھڑے ہوا کریں گے تو جواب دیا جاوے کہ جس دلیل سے تم ہر بار کھڑا ہونا جائز سمجھو گے وہی اس محفل کے قیام میں بھی دلیل جاری کرو اور جواب تحقیقی وہ ہے جو اوپر گذرا اور بالتفصیل جواب دافع الاوہام میں ہے **سوال** اگر یہ قیام واسطے ذکر ولادت شریف کے خاص ہوا کہ اس میں معنیٰ قدوم کے ہیں تو بہت وقتوں میں ذکر مقدم شریف احادیث وغیرہ میں ہوتا ہے مثلاً قرآن شریف میں ہے لقد جاءکم رسول اور حدیث ہے ولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مختوناً اس وقت کیوں نہیں کھڑے ہوتے علاوہ بریں بہت مستحسن آپ کی ولادت شریف کا مضمون کسی شعر میں یا فقرہ سطر میں چلتے پھرتے زبان پر آجاتا ہے وہاں بھی کوئی نہیں کھڑا ہوتا؟ **جواب** بنی آدم پر غفلت طاری ہے اللہ تعالیٰ کے نام کسی خاص موقع میں جب دل راغب الی اللہ ہوتا ہو وہاں تو شوق ذوق سے کہتے ہیں جل جلالہٗ جل شانہٗ وعم نوالہٗ باقی اکثر اوقات بیدل اس کے جلال سے بے خبر ہوتا ہے سیکڑوں باتوں میں اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے جل جلالہٗ وغیرہ

تعین مطلق کا گلے میں پڑ گیا۔ گویا جواب اعتراض کا خود اعتراض ہی کو بتاتا ہے اس فہم کو غور کرنا لازم ہے دوسرا سوال بھی بعینہٖ پہلا ہی سوال ہے وہاں سارے ذکر فخر عالم میں سے ایک ذکر ولادت کی تخصیص تھی یہاں مطلق ذکر نام فخر عالم میں سے ذکر ولادت کی تخصیص ہے مطلب وہی تخصیص فرد کی ہے مگر مؤلف عوام کے نزدیک اور اپنے زعم میں اپنا وسعت ذہن و علم جتلاتا ہے اور علماء کو ہنساتا ہے اور اظہار اپنی کم مائگی اور جہل کا کر کے تماشا دکھاتا ہے تو اب اس جواب کو غور کرنا کہ اگر مانعین ہر دفعہ کے قیام کو قبول کریں تو دلیل جواز قیام مخصوص کی ہو جاوے گی دیکھو اس کم فہمی کو کہ مانعین ہر دفعہ کے قیام کو مندوب کہتے ہیں اور تخصیص کو مکروہ تو ہر دفعہ کا قیام دلیل تخصیص کی کس طرح ہو سکتی ہے وہ تو دلیل کراہت تخصیص کی ہے مطلق قیام علی الذکر تو ذکر ولادۃ کے قیام کی دلیل بے شک ہے کیونکہ مطلق کا جواز دلیل ہر ہر فرد مقید کے جواز کی ہوتا ہے مگر جواز مطلق کا تو تخصیص فرد کی کراہت کی دلیل ہے نہ دلیل جواز کی مؤلف کی کچھ فہم و عدم علمیت کی حجت کس قدر ہویدا ہے عالم ہے پھر اس پر دعویٰ افراخ علمی کا، دوسری شق کہ اگر تم ہر دفعہ نہیں اٹھتے تو کیوں معترض کرتے ہو یہ بھی نادانی مؤلف کی ہے کیونکہ مانعین اگر مندوب پر دوام عمل نہ کریں تو بدعت تخصیص کو منع بھی نہ کریں یہ کون سا قاعدہ دین کا ہے کہ یا تو تم اس مندوب پر التزام کرو ورنہ ہم کو بدعت تخصیص پرست زجر کرو، سبحان اللہ کیا مؤلف کا علم ہے مندوب تو مندوب ہی ہے واجب نہیں پس مؤلف کے نزدیک تارک مندوب اگر نہی عن المنکر کرے تو بیجا کرتا ہے اور عاصی کو یہ جواب پہنچتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ، مؤلف کا فہم خبط ہو گیا ہے

---

۱ ظاہر ۲ وسعت ۳ ہمیشہ ۴ ڈانٹ ڈپٹ ۵ ممنوع سے روک

الفاظ تعظیم کچھ بھی زبان پر نہیں لاتے بس اسی طرح حال قیام ہے کہ بعض حالات میں نام رسول آتا ہے دل کو ذہول اور غفلت ہوتی ہے برخلاف مجلس کے کہ یہاں تو ہر قسم کے سامان آداب و تعظیم موجود ہیں خواہی نخواہی ہر عاصی کی بھی آنکھیں کھلجاتی ہیں تعظیم بجالاتے ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم قیام کو فرض یا واجب کہتے تب یہ اعتراض پڑتا کہ کسی موقع میں بھی ترک جائز جب فرض نہیں بلکہ مستحب اور

تیسرا سوال بھی وہی سوال اول ہے کہ ذکر ولادت محفل کو مطلق ذکر ولادت سے کیوں مخصص بقیام کیا اور وہ بھی تخصیص مطلق کی یہاں بھی ہے تو اس کا جواب مؤلف نے نہایت عجب علم و فہم کے ساتھ دیا کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو ناگا ذہول دائما ہوتا ہے مجلس ہی یاد آجاتا ہے پس اول تو وجہ تخصیص قیام کی ذکر فخر عالم میں .. کیا ہے ذکر اللہ تعالی احق تھا پھر ذکر فخر عالم میں ذکر ولادت کی کیا تخصیص ہے کوئی کسی طرح کا ذکر ہو اس میں قیام ہووے پھر ولادت میں بھی مجلس ہی کی کیا وجہ تقید ہے کسی وقت ہو اور پھر مجلس میں بھی خاص اسی وقت میں کہ ذکر کیفیت ولادت کا آوے ان سب خصوصیات کو حذف اور پس پشت ڈال کر ایک خصوصیت کا ذکر کرتا ہے اور یہ غفلت تمام عالم خاص و عام پر ایسی کہ کبھی ہرگز آنکھ نہیں کھلتی کیسا ہی آپ کے نام و احوال مذکور ہوں سوائے وقت مخصوص کے ہوش نہیں آتی اور ذکر حالات میں بھی جو ذکر ولادت ہو جاوے جب بھی خبر نہ ہو خاص کیفیت مخصوصہ کے وقت غفلت رفع ہو یہ کسقدر کذب محض ہے اور معہذا شان فخر عالم کے کسقدر اظہار اپنی غفلت کا ہے اور اس معصیت کے بیان میں کیسی جرارت ہے اور پھر دعوی اتباع اور محبت کا معاذ اللہ اور حق تعالی کے نام پاک پر تو کبھی رات دن میں ایک آدھ دفعہ جل شانہ یا کوئی کلمہ نکل بھی جاتا ہوگا، مگر فخر عالم کے نام یا ذکر حالات ولادت پر تو قیام کبھی یاد آتا ہی نہیں اور قیام حق تعالی کے نام پر تو گویا مشروع رہا ہی نہیں خلاص فخر عالم کی ولادت اور ولادت بھی خاص ایک وقت و کیفیت سے ہو گیا ہے کیسا کذب محض اور کیا جرارت ہے گویا تمام دنیا میں غفلت کا ابر چھا گیا معاذ اللہ نہیں بلکہ یہ سب معاصی ... اپنے اوپر لینا اور تمام دنیا کو غافل بنانا محض اپنی بدعت عذر کذب کے واسطے ہے اور بس مؤلف کو شرم نہیں آتی کیسے عجیب ... گستاخ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسے لوازم تعظیم دیکھ کر خواہی نخواہی ہر عاصی کی بھی آنکھیں کھلجاتی ہیں سو اول تو خواہی نہ خواہی اسی وقت آنکھ کھلتی اس شوخ چشمی کو دیکھو دوسری کی عام تو کیا مؤلف اور جملہ خواص کی بھی خواہی نخواہی اسی وقت آنکھ کھلتی ہے اور باقی تمام عمر غافل تعظیم سے رہتے ہیں اور جو یہ کہے کہ اور تعظیم درود وسلام کی کرتے ہیں قیام کی نسبت یہ ہے تو اگر قیام تعظیم ضروری ہے تو پھر وہی تخصیص کا اعتراض رہا اور جو بدون اس کے تعظیم ہو سکتی ہے تو بھی اس کی یہاں خصوصیت مناقشہ طلب رہی جواب ہی کیا خاص مؤلف نے اپنے منہ میں بھر ایسا شوخ کلام بھی کیا شان فخر عالم سے اپنی غفلت و بے پروائی بھی بیان کی اور پھر کچھ بھی نہ ہوا اور کیسی غفلت کہ کوئی مذکر ہی اس کا نہیں سوائے سامان عشرت اور اختلاط بدعت کے لاحول ولا قوۃ الا باللہ لہذا اس خواہی نخواہی قیام تعظیم کو بدعت ضلالہ مانعین کہتے ہیں، جس کے بیان تخصیص میں مؤلف چکر کھا رہا ہے اور اپنے دین و دنیا کو خراب کر رہا ہے اور ق پر بلاوجہ نقص گستاخی کا کرتا ہے اور اپنی شوخی و گستاخی کو خیال بھی نہیں کرتا جو حق و واقعی ہے استغفر اللہ اور دوسرا جواب کہ قیام فرض نہیں کہ ہر دفعہ کرنا ضرور ہو جہاں سب اسباب تعظیم ہیں اسے بھی کرتے ہیں تکمیل کے واسطے ورنہ جہاں کوئی نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو تو کیا حرج ہے استغفر اللہ یہ جواب کس قدر مانع اور بے ادب ہے کیوں کہ مانعین کب فرض کہتے تھے وہ سب جگہ اس کو مندوب ہی کہتے ہیں کہ سب جگہ تو ایسا مندوب کہ بالکل متروک ہی ہے اور یہاں یہ مندوب ہے [۳] مجلس میں تکمیل آداب کے واسطے کرتے

ان غفلت [۲] نظرانداز [۳] گناہ [۴] اعتراض

[۳] ایسا مفروض کہ مذہب کا درجہ ہی اُسکو نہ رہا

مستحسن کہتے ہیں تو موقع محفل میں ہے کہ وہاں جمیع امور استحسان و آداب موجود و مہیا ہیں قیام بھی کرتے ہیں تاکہ لوازم اکرام بتمامہ مکمل ہو جاویں اور جہاں جمیع لوازم آداب منتفی ہیں وہاں یہ بھی نہ ہوا تو کیا حرج ہے خالی قیام کیا پکار کرے گا باقی رہی یہ بات کہ تلاوت قرآن شریف و قرأت حدیث میں جو یہ ذکر آوے وہاں کیوں نہیں کھڑے ہوتے جواب اس کا یہ ہے کہ ہر عمل کی ایک خصائص ہوتی ہے کہ وہ سب جگہ نہیں کئے جاتے اس وقت ایک مثال کہی جاتی ہے اور مثالیں اس کی بہت ہیں شاہ ولی اللہ صاحب قول جمیل میں لکھتے ہیں، جب کوئی کسی زبردست سے ڈرتا ہو جس وقت اس کے سامنے جاوے پڑھے کہیعص کیفیت اور ہر حرف پر ایک انگلی داہنے ہاتھ کی بند کرتا جاوے پھر پڑھے حمعسق حمیت اور ہر حرف حرف پر ایک انگلی بائیں ہاتھ کی بند کرتا جاوے پھر اس حاکم کے سامنے دونوں مٹھی کو کھول دے انتہی اب سمجھنا چاہیئے کہ یہ مٹھی کا بند کرنا اور

ہیں اور جگہ نہ ہوا تو کیا حرج ہے وہی اعتراض کو تسلیم کر لیا تو گویا کہا کہ ہاں بدعت ہے تو کرتے ہیں کیونکہ یہاں تکمیل کے واسطے ہر روز اگا ہوتا ہے تو مثل واجب کے ہوا اور جب کہ نہ ہونے میں کچھ حرج نہیں تو کبھی ہوتا ہی نہیں یہی تو بدعت تھا یہی تو معترض کہتا تھا اس کو ہی مولف تسلیم کر رہا ہے بھلا اس عقل کو دیکھنا چاہیئے اس سے بڑھ کر یہ کہتا ہے کہ جہاں سب اسباب تعظیم مرتفع ہوں تو یہ بھی نہ ہو تو حرج نہیں یہ کیسی سخت گستاخی ہے کیونکہ تعظیم آپ کی ہر دفعہ واجب ہے گو ایک مجلس میں تداخل کا مذہب ہے مگر ہر جلسہ میں ایک دفعہ آپ کے نام و ذکر پر تعظیم ضروری ہے جب سب اسباب تعظیم مرتفع ہوں تو قیام ہی کرنا چاہیئے تاکہ عظمت سے خالی نہ رہے یہ کہتا ہے کہ کوئی امر تعظیم ہو تو قیام بھی نہ ہو تو حرج نہیں تو تمام اوقات میں سوائے وقت خاص کے تعظیم کی اگر کوئی فرد بھی نہ ہو تو مولف کم عقل کے نزدیک حرج نہیں الٰہی توبہ الٰہی توبہ کبرت کلمۃ تخرج من افواههم ان یقولون الا کذبا اور پھر کہتا ہے کہ خالی قیام کیا پکارے گا تو معلوم ہوا کہ قیام تعظیم کی فرد کچھ معتدبہ نہیں لغو ہے کہ تنہا کچھ بکار نہیں کرتی ایک گل دیگر شگفت [1]، اگر مولف کے نزدیک یہ قیام کچھ تعظیم کی پکار نہیں کرتا تھا تو کیوں اس قدر اوراق اپنے سیاہ کئے اور ایسی حرکت لغو کے اثبات میں وقت ضائع کیا افسوس انہماک بدعت نے مولف کو ایسا خوار کیا کہ شان فخر عالم میں بھی گستاخ کلامی کرائی اور فہم کلام غیر سے تو عاری تھا ہی اپنے کلام کا حاصل و مآل نہیں سمجھا اگر چہ یہ کہے کہ قیام تکمیل تعظیم ہے خود امر تعظیم نہیں تو قطع نظر اس قول کے غلط فاحش ہونے کے پھر وہی نقض ہوگا کہ تکمیل تعظیم سوائے ذکر ولادت کے کیوں نہیں ہوتی یہاں کیوں مثل واجب ٹھیری اور دوسری جگہ کیوں مثل مکروہات کے متروک بنی غرض یہ کیسی واہی بے معنیٰ اور گستاخ کلام ہے کہ العظمۃ للہ تعالیٰ اب زیادہ کیا لکھوں مگر تعجب ہے کہ اول اولیاء و علماء پر زبان درازی کی تھی اب رفتہ رفتہ فخر عالم کی شان میں بھی زبان چل گئی گو قصد گستاخی نہ ہو مگر زبان جس امر کی معتاد ہوتی ہے اور جو کچھ قلب میں بھرا ہوتا ہے وہی نکلتا ہے الاناء یترشح بما فیہ، دعویٰ علم کا اور کبر و خود پسندی کا اپنا ظہور سب جگہ کرتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ قولہ باقی رہی یہ بات کہ تلاوت الخ اقول خصوصیۃ اعمال اخروی و عبادت کی شارع کے ارشاد سے معلوم ہوتی ہے عقل کو دخل نہیں ثواب و عقاب اور حدود و تعظیم اور محال توقیر کما کیفا سب خلاف قیاس ہیں شارع کے امر بغیر معلوم ہرگز نہیں ہو سکتے اگر چہ صحابی ہی ہو عقل سے نہیں کہہ سکتے پس یہ خصوصیت قیام خاص میں کس نص سے معلوم ہوئی مولف بتا دے تمام نصوص تو اس تخصیص کو بدعت بتلاتے ہیں، مگر ہاں مولف نے عمل آخرت کو عمل دنیا جیسا ہی جانا ہے کہ مثال عمل قول جمیل کی دیتا ہے یہ قول جمیل کا عمل امور دنیا کا ہے اس میں کوئی ثواب عقاب کی بات نہیں عقل سے یہ امور نکالے ہیں دنیاوی امور ہیں امور آخرت تو ایسے نہیں ہوتے ذرا ہوش کرے مولود تو مولف کے نزدیک نجات آخرت کے واسطے تمام اعمال سے بڑھا ہوا ہے گیا اب اس تقریر

---

[1] ختم شد دوسرا گل کھلا ہے ذلیل،

کھونا خاصہ اس عمل کا ہو تو اب اگر کوئی اس کو کہنے لگے کہ یہ تو قرآن شریف کے حروف ہیں جب کوئی قرآن میں کہیعص، حمعسق پڑھا کرے وہاں بھی انگلیاں بند کیا کرے اور کھولا کرے سب عاقل کہیں گے کہ اے بھائی وہ تو خاصہ اس عمل کا ہے اسی عمل کے ساتھ مخصوص رکھنا چاہیے جب قرآن پڑھیں تب قرآن کے اداب ملحوظ رکھنا چاہییں پس اسی طرح مولد شریف ایک عمل ہے واسطے حصول خیر و برکت وغیرہ کے چنانچہ ابوسعید برانی و سخاوی و علی قاری وغیرہم نے اس عمل کرنے سے برکات کثیرہ کا حاصل ہونا بیان کیا ہے کہ حصولِ منافعِ دینی و دنیوی کے لئے اس عمل کو بہت اہلِ اسلام بلادِ اسلامیہ میں کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کسی سے مخفی نہیں کہ مشائخ عظام اور علماء کرام نے اس عمل میں خاصۃً نزدیک ذکر ولادت کے قیام کیا ہے پس خاصہ ٹھہر گیا یہ قیام اس عمل کا اس موقع میں بنا بر علیہ جاری نہ کیا جاوے گا یہ قیام جمیع مواقع خارجی میں مثل تلاوت قرآن اور حدیث کے پس قرآن شریف پڑھنے میں جو کچھ وعظ یا تلاوت قرآن کے آداب معینہ ہیں وہ بجا لاویں گے اور اس عمل میں خصائص اس عمل کے اور جواب اس اعتراض کا دافع الاوہام میں دوسری تقریر سے مذکور ہے طالبِ حق کو چاہیے اس کو بھی دیکھ لے واضح ہو کہ پیش کیا تھا اس عاجز پر ایک عالم منطقی نے یہ اعتراض جس وقت پایا مجھ سے یہ جواب ساکت ہوا اور باقی اعتراضات متفرقہ درباب قیام و مجلس میلاد لمعہ سابعہ میں آویں گے **لمعہ سادسہ** یہ اعتراض کہ محفل مولد شریف میں اشعار مخاطب حاضر کے پڑھتے ہیں بہ نسبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حالانکہ آپ غائب ہیں نظر سے یہ شرع میں جائز نہیں بلکہ کفر ہے **جواب** اس کا یہ ہے کہ یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ عالم الغیب بالذات وہی ایک ہے جل جلالہ آسمان و زمین میں کوئی نہیں جو بغیر اللہ کے الہام و کشف کر دینے کے خود بخود یقینی طور پر امور غیبیہ کو جان لے اور یہ بھی کہ کوئی ایسا نہیں جو عرش سے لے کر تا تحت الثریٰ

بدعت کے چکر میں اگر بھول گیا یہ عمل تو ابولہب کا فر نجس کو بھی تخفیف[1] دینے والا ہے پس اس کی خصوصیات رائے سے کس طرح ثابت ہو دیں گی بالآخر جب کچھ کام نہ چلا تو مؤلف پایہ بندی تجویز اس قیام میں کہتا ہے کہ یہ عمل ہے خیر و برکت کا پس اگر محض دنیا کی زیادہ کا عمل ہو تو قصہ طے ہوا اور رجوم کب ہے تو پھر بوجہ آخرت کے عمل ہونے کے خصوصیت کے واسطے نص واجب ہو الحاصل خبط کلامی مؤلف پر تمام ہوا اللہ سوء فہم کا اس پر خاتمہ ہے ایک گھر بناتا ہے دس گھر گراتا ہے آگے پیچھے کی کچھ تمیز نہیں اور نہ فہم سے کچھ تعلق محض الفاظ کی تطویل مد نظر ہے اور پھر آخر میں مؤلف نے علماء کرام کو اپنی کم فہمی کا شریک بنایا اور وہ ہی فعل علماء کی حجت لایا کہ بدون اس کے کوئی چارہ و مفر اس کو نہیں ملتا اور نہ کوئی اس کے پاس دلیل سوائے اس کے ہے اور اس کا حال بھی لکھا گیا کہ ان علماء کے فعل کو مؤلف نہیں سمجھتا پس اب طالبین حق کا تو دل مؤلف کی ہی تقریر سے سیر ہو گیا اور سب حب فخر عالم کی اور اتباع اور دیانت اور علم و فہم اس کا وا شگاف ہو گیا اب دافع الاوہام بھی مؤلف صاحب ہی تالیف و نتیجہ انکار والا ہے اس کو دیکھ کر سن کر کیوں کان کے کیڑے جھاڑیں گے اور کسی طفل جاہل کو شاید آپ نے یہ جواب دیا ہو گا ورنہ عالم تو اس تقریر سے کیا ساکت ہوتا ہاں اگر مؤلف کو لا یعقل جان کر ساکت ہو گیا ہو تو کیا عجب ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ

قولہ لمعہ سادسہ یہ اعتراض کہ محفل مولود میں الخ **اقول** چونکہ مؤلف کی عادت ہے کہ سائل کے سوال کو ناتمام سمجھ کر نقل کرتا ہے لہذا اصل تقریر کرتا ہوں کہ	ندا و خطاب غائب کی کون سی قسم ناجائز ہے اور اس کے جواز میں مؤلف کے دلائل بے اصل ہیں

ناظرین اس کو خیال رکھیں یہ عقیدہ اتفاقی ہے کہ ندا و خطاب اگر فخر عالم کو اس عقیدہ سے کرے کہ آپ بلا واسطہ استقلالاً سنتے ہیں شرک ہے خواہ بضمن صلوٰۃ ہو خواہ بغیر اس کے کسی وجہ سے ہو اور جو عقیدہ نہیں بلکہ یہ عقیدہ ہے کہ جب حق تعالیٰ چاہے جس شے کو چاہے آپ پر

---

[1] سہولت [2] طرافت [3] ظاہر [4] بے وقوف۔

ہر مکان ہر زمان ہر آن میں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہو لیکن یہ معلوم نہیں ان لوگوں پر کون سی کتاب نازل ہوئی ہے جس میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ غائب کی بہ نسبت الفاظ حاضر بولنے کفر ہیں ہم اس بات میں جزئی خاص پیش کرتے ہیں قسطلانی و زرقانی وغیرہ محدثین لکھتے ہیں آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے ومنہا ان المصلی یخاطبہ بقولہ السلام علیک ایہا النبی والصلوٰۃ صحیحۃ ولا یخاطب غیرہ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ نمازی عین نماز میں خطاب کرتا ہے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور حاضر کا لفظ بولتا ہے کہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یعنی التحیات میں کہتا ہے سلام ہو تم پر اے نبیؐ اور اس خطاب کرنے میں نماز صحیح ہے اور دوسرے کو نماز میں خطاب نہیں کر سکتا یعنی اگر کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے انتہیٰ اور بعضے آدمی جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو نقل نکالتے ہیں قصہ معراج کی اس میں خطاب حضرت کا مراد نہیں سو رد ہو گیا اس کا قول اس عبارت سے جو ہم نے نقل کی کہ اس میں صریح لفظ یخاطبہ موجود ہے علاوہ ازیں شامی نے بھی رد کیا ہے کہ لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج اور درمختار میں بھی رد کیا ہے ویقصد بالفاظ التشہد الانشاء کانہ یسلم علی نبیہ اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے السلام علیک ایہا النبی کی اس طرح شرح کی ہے کتاب تنبیہ میں یعنی یا محمد علیک السلام غرضکہ جمیع معتبرین فقہاء و محدثین اس قول کو رد کرتے ہیں اور تحقیق یہی ہے کہ اس میں ارادہ کرے خطاب نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ سلام ہو آپ پر یا نبی اللہ اور اگر حکایت قصہ معراج کا ارادہ کرے گا تو کم نصیب محروم رہے گا تعمیل امر الٰہی سے جو لفظ سلموا قرآن میں وارد ہے اس لئے کہ قرآن میں سلام اس شخص سے خود مطلوب تھا اس نے اپنی طرف سے سلام نہ کیا بلکہ نقل حکایت کا ارادہ کیا الحاصل یہ دیکھئے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نظر سے غائب ہیں پھر بھی آپؐ کو خطاب حاضر ہو رہا ہے نماز میں بعض کہتے ہیں یہ امر تعبدی ہے منقول اسی طرح ہوا ہے جواب یہ کلام تعبدی کی

منکشف کر دیوے اور ملائکہ درود اور سلام پہنچاتے ہیں اور اعمال امت کے بھی آپ پر پیش ہوتے ہیں تو درست ہے اور جو محض شوق میں یہ کلمات بدون اس عقیدہ سابق و لاحق کے وہ بھی جائز اور یہی مؤلف بھی کہتا ہے اس عقیدہ میں مؤلف خلاف مانعین کے نہیں پس معترض کہتا ہے اگر بعلم استقلال بخبر عالم کے ندا و خطاب ہے تو شرک ہے اور جو بدون اس عقیدہ کے ہے تو عوام کے فساد عقیدہ کی تائید ہے کہ عوام کا یہی عقیدہ علم مستقل کا ہے اور اس مجمع میں ہر قسم کا مبتدع و فساق موجود ہوتے ہیں لہٰذا اگر عقیدہ قاری کا درست ہو مگر عوام کی وجہ سے مکروہ ناجائز ہے اور بوجہ فساد عوام کے شرح منیہ سے نقل ہو چکا کہ صلوٰۃ رغائب براۃ مکروہ ہوئی ہے درمختار میں ہے وکرہ بحق رسلک اس کی شرح میں توجیہات جواز کی لکھ کر لکھا ہے ومجرد ایہام اللفظ ما لا یجوز کان فی المنع کما قدمناہ انتہیٰ اور ردالمحتار نے تحقیق لفظ معقد العز من عرشک میں لکھا ہے ان مجرد ایہام اللفظ المعنی المحال کان فی المنع من التلفظ بھذا الکلام وان احتمل معنی صحیحا ولذا عاب المشائخ بقولہم لانہ یوہم ونظیرہ ما قالوا فی انا مؤمن ان شاء اللہ تعالیٰ فانہم کرھوا ذلک وان قصد التبرک وورد التعلیق لما فیہ من الایہام کما قررہ التفتازانی وابن الہمام انتہیٰ اب دیکھو کہ ایسا لفظ موہم معنی ناجائز کا بولنا مکروہ ہوا پس خلاصہ اعتراض یہ ہوا کہ عوام کا عقیدہ شرک کا ہے ایسے مجمع میں خواص کو صالح عقیدہ سے بھی بولنا ایسے کلمہ کا ناجائز ہے پس اب مؤلف کے جواب کو ملاحظہ کرنا چاہیے کہ اس اعتراض کا جواب ندارد ہے بلکہ اعتراف عقیدہ معترض کا ہے مگر خواہ مخواہ ایک جزو لکھ ڈالا کہ جس کو اعتراض کے جواب سے کوئی مناسبت نہیں **قولہ** لیکن یہ معلوم نہیں ان لوگوں پر الخ **اقول** مانعین پر کتاب اللہ نازل ہوئی ہے کہ جس میں علم غیب مطلق خاصہ حق تعالیٰ کا لکھا ہے اور مؤلف بھی مقر ہے پس اس عقیدہ کا خطاب شرک ہے باعتراف مؤلف اور معترض بھی اس کو ہی شرک کہتا ہے اور بدون اس عقیدہ کے بسبب ایہام شرک کے مکروہ کہتا ہے چنانچہ درمختار سے نقل ہوا اور جو کچھ مؤلف

ہونے سے کام تمہارا نہیں چلتا اس لئے مگر خطاب جائز کہنے کی روایت تو موجود ہے اب یہ بتاؤ کہ غائب کو خطاب کا لفظ بولنے کی حرمت اور
کراہت پر کونسی آیت یا حدیث سے پیش کرو عقلی گھڑی ہوئی باتوں کو الگ کرو اور یہ سمجھو کہ جب عبادت میں شریک کرنے کا حکم نہیں اور خاص
اسی نماز میں خطاب آپؐ کا شریک کیا گیا تو باہر منع ہونے کی کیا دلیل اب ہم سے جواز کی روایت سنو شاہ ولی اللہ صاحب واسطے پڑھنے
درود فتحیہ کے انتباہ میں لکھتے ہیں۔ "فریضہ نماز بامداد گزارد و چوں سلام دہد باورادِ فتحیہ خواندن مشغول شود کہ از برکاتِ انفاس شریفہ چہار
صد ولی کامل شدہ است الخ حالانکہ اس درود فتحیہ میں جس کا دل چاہے شمار کرلے سترہ بار ندائے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان الفاظ سے
ہے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا خلیل اللہ الی آخرہ علاوہ اس کے خود مولوی اسحاق صاحب مائۃ مسائل
میں لکھتے ہیں۔ "اگر کسی یا رسول اللہ بگوید برائے رسانیدن درود یا سلام جائز است انتہٰی، یہ دیکھئے علماء باہر نماز کے بھی خطاب کرنا رسول اللہ
کا جائز لکھتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب تو خود امر کرتے ہیں لیکن ابھی تک مانعین کو گنجائش ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خطاب تو درود و سلام
کے ساتھ ہے اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں اس لئے ہم ایسی نظیر پیش کرتے ہیں جسمیں درود و سلام کے پہنچانے کی نیت کو خطاب نہیں بلکہ وسیلہ
پکڑنا ہے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کشف حاجت میں ابن ماجہ قزوینی باب صلوٰۃ الحاجت میں روایت کرتے ہیں عثمان بن حنیف انصاری
صحابیؓ سے کہ ایک اندھا آدمی رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا کہ میری آنکھوں کے لئے دعا کیجئے آپؐ نے فرمایا اگر تو چاہے اسی طرح
رہنے دے یہ تجھ کو اچھا ہے اور اگر چاہے دعا کروں تو دعا کروں اس نے کہا دعا فرمایئے آپؐ نے حکم دیا اچھی طرح وضو کرو دو رکعت نماز
پڑھو اور یہ دعا پڑھو اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی قد توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی
اللھم فشفعہ۔ یعنی یا اللہ میں اپنی حاجت مانگتا ہوں تجھ سے اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف وسیلہ پکڑ کے حضرت محمدؐ کا جو نبی رحمت ہیں یا
محمد میں متوجہ ہوتا ہوں اپنے پروردگار کی طرف آپؐ کا وسیلہ پکڑکے اپنی اس حاجت میں تاکہ روا کی جاوے حاجت یا اللہ حضرتؐ کی شفاعت

نے زرقانی سے نقل کیا ہے حاصل یہ ہیں یہ عقیدہ شرکیہ ہے اور نہ بسبب واجب ہونے تشہد کے ایہام[1] کی کراہت ہو سکتی ہے کیونکہ فرائض
وواجبات میں ایسے امور کا لحاظ درست نہیں کہ واجب من اللہ تعالیٰ ہو چکا ہے مگر مدح خوانی مجمع جہلاء عوام میں کونسی حدیث
سے ایسے خطابات واجب ہیں مؤلف اس کو بتا دے تاکہ یہ بھی درست ہو جاوے اور منع ایہام کا رفع ہووے اور پھر تشہد اخفاء
سے بھی ہے خلاف اشعار مدح کے ہاں اگر تشہد میں بھی کسی کا عقیدہ علم غیب کا بالاستقلال ہووے گا وہ بھی شرک ہو جاوے گا اس
میں کیا کلام ہے اطلاقات نصوص[2] قطعیہ اس کی شاہد ہیں پس ناظرین دیکھیں کہ مؤلف کا جواب کس اعتراض کا جواب ہے خواہ مخواہ روایت
نقل کردی ہر بس حکایت کی تقریر کی ضرورت نہ امر تعبدی[3] کہنے کی حاجت خواہ مخواہ ایک طویل کلام کرتا ہے معترض کا مطلب آیہ قرآن
شریف سے ہے اور روایت فقہ سے ثابت ہو لیا کوئی عقلی بات نہیں کہی البتہ مؤلف کی عادت ہے کہ عقل نا تمام کے تکلے گھڑا کرتا ہے جیسا
چہلم وغیرہ میں اور مولود میں لکھتا ہے قولہ اب ہم سے جواز کی روایت الخ **اقول** اوراد فتحیہ میں سب جگہ صلوٰۃ سلام میں خطاب ہے
جیسا تشہد میں تھا علیٰ ہذا مولوی محمد اسحاق صاحب کے کلام میں درود و سلام میں سو بھی جواز ندا و خطاب کا ہے اور یہ بوجہ ایصال
ملائکہ کے ہے چنانچہ مسلم وغیرہ کی حدیث میں مصرح ہے اگر اس میں بھی عقیدہ شرکیہ ہو ویگا حرام ہو جاوے گا بلا خلاف پس جواب
معترض کا اس سے بھی حاصل نہیں ہوا قولہ ابن ماجہ قزوینی الخ **اقول** اس وقت میں تو خود فخر عالم زندہ اس عالم میں تھے اور آپ

[1] وہم میں ڈالنا [2] دلائل کا مطلق ۔۔ ہونا [3] وہ امر جو من جانب اللہ ۔۔ ہے پر عائد ہوا اور اس میں غلطی کا کچھ دخل نہ ہو سکے تصریح شدہ

شفاعت قبول کیجئے میرے حق میں انتہی، اب دیکھئے یہ نماز حل مشکلات کے لئے حضرت نے تعلیم فرمائی اور اس میں اپنا خطاب یعنی یا محمد کہنا
تعلیم فرمایا ہے اس مقام میں ایک تماشا ہوا ہے یعنی ایک بڑے عالم مشہور و معروف نے اس حدیث میں اعتراض کیا اور لکھدیا کہ اس کی اسناد
میں ایک راوی عثمان بن خالد بن عمر آیا ہے اور تقریب میں اس کو متروک الحدیث لکھا ہے اس عاجز نے ابن ماجہ اور ترمذی میں یہ حدیث نکال کر
اس کی اسناد نکالی تو ان دونوں محدثوں کی اسناد میں عثمان بن عمر نکلا اس کو تقریب میں متروک الحدیث نہیں کہا اور عثمان بن خالد بن عمر کو
بیشک متروک الحدیث لکھا لیکن وہ اور آدمی ہے والحمد للہ علی ذٰلک اور یہ حدیث تو محدثوں کی پڑتالی ہوئی ہے یہ کس طرح ضعیف اور غیر معتبر
ہو سکتی ہے لکھا ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح اور نیز صحیح کہا اس کو بیہقی نے کذا فی شرح المواہب اور نیز لکھا ابن ماجہ نے قال ابو اسحٰق
ہذا حدیث صحیح اور روایت کیا اس حدیث کو آٹھ ائمہ حدیث نے، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی، حاکم، بیہقی، طبرانی۔ ابو نعیم نے اور بخاری نے
اپنی تاریخ میں بھلا ایسی حدیث میں زبان درازی کرکے اگر کوئی مغالطہ دینے لگے تو کب ہو سکتا ہے خلاصہ یہ کہ جب اس اندھے نے
نماز پڑھ کر یہ دعا مانگی تو بخاری اور بیہقی کی روایت میں ہے فقام وقد ابصر یعنی وہ اندھا اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی روشن ہو گئی اور روایت
کی طبرانی نے کان لم یکن بہ ضر یعنی ایسی روشن ہو گئی گویا اس میں کچھ خلل ہی نہیں ہوا تھا واضح ہو کہ یہ دعا اور نماز اور خطاب یعنی یا محمدؐ
کہنا آپ کے زمانہ مبارک میں خاص آپؐ کی تعلیم سے ہوا اور شرح ابن ماجہ میں اور نیز جذب القلوب میں ہے کہ یہ عمل عہد صحابہؓ میں بعد وفات
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بھی کیا گیا ہے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی ہے کہ ایک آدمی کو حضرت عثمان ابن عفانؓ سے ایک حاجت
تھی بار بار جاتا حضرت عثمانؓ اس کی طرف التفات نہ فرماتے اس آدمی نے عثمان بن حنیف انصاری صحابیؓ سے شکایت کی عثمانؓ بن حنیف نے
کہا وضو کرکے مسجد میں آ دو رکعتیں پڑھ پھر دعا پڑھ اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد انی
اتوجہ بک الی ربی فتقضی حاجتی اور یہ دعا پڑھ کے تو اپنی حاجت کو عرض کیجیو، غرضکہ وہ آدمی موافق تعلیم عثمان ابن حنیف کے گیا اور
وضو نماز دعا جس طرح اس نے بتائی تھی پڑھی، بعد ازاں حضرت عثمان ابن عفانؓ کے در دولت پر حاضر ہوا اس وقت دربان نے اس
شخص کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا حضرت عثمانؓ نے اس کو اپنی مسند خاص پر پاس بٹھلایا اور پوچھا کیا حاجت ہے اس نے بیان کی
آپ نے پوری کردی اور یہ فرمادیا اب جو کچھ مشکل یا حاجت پیش آیا کرے مجھ سے آکر بیان کیا کر وہ آدمی بہت خوشحال حضرت عثمانؓ
کے پاس سے نکلا اور عثمانؓ ابن حنیف کے پاس شکریہ ادا کرنے کو گیا اور کہا جزاک اللہ خیرا میری طرف عثمانؓ نظر بھی نہیں فرماتے تھے
اب شاید تم نے ان سے کچھ میری سفارش کی ہے عثمان ابن حنیف صحابیؓ نے جواب دیا قسم اللہ تعالیٰ کی میں نے حضرت عثمانؓ سے کچھ نہیں
کہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں ایکبار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا ایک اندھا آیا اس نے فریاد کی یا رسول اللہ میری آنکھ
جاتی رہی آپ نے فرمایا صبر کر وہ بولا کوئی میرا ہاتھ لاٹھی پکڑ کر لیجانے والا نہیں مجھ پر بڑی مصیبت ہے تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز
اس کو اور یہ دعا تعلیم کی تھی وہی قصہ جو ترمذی اور ابن ماجہ والا جو ہم اوپر بیان کرچکے عثمانؓ بن حنیف نے بیان کیا الحاصل بعد وفات
صلی اللہ وسلم کے عہد صحابہؓ میں بھی اس خطاب یعنی یا محمدؐ کہنے پر عمل ہوا اس وقت سے اب تک یہ نماز تعلیم ہوتی چلی آتی ہے دین

کے ہی حکم سے یہ عمل ہوا تھا آپؐ کی خدمت میں ہی حاضر تھے تو اس وقت میں تو کوئی ضرورت جواب و توجیہ کی نہیں اور بعد آپؐ کی
جو معمول ہے تو اسی طرح سمجھ کرے کہ آپؐ کی خدمت میں تبلیغ ہوتی ہے ملائکہ پہنچاتے ہیں علم استقلالی اس میں ہرگز نہ اس عقیدہ سے پڑھنا۔

جزری رحمۃ اللہ علیہ کتاب حصن حصین میں فرماتے ہیں من کانت لہ ضرورۃ الی آخرہ یعنی جس کسی کو ضرورت اور حاجت مشکل آپڑے پڑھے نماز حاجت اور یہ دعا پڑھے اور کتب فقہ حنفیہ میں بھی اس کی تعلیم ہے ابراہیم حلبیؒ نے شرح کبیر منیہ میں جو نوافل تعلیم کئے ہیں ان میں صلوٰۃ الحاجت دو لکھی ہیں ایک کو بیان کیا اور لکھا کہ یہ ضعیف ہے اور دوسری یہ نماز لکھی جو عثمان بن حنیف کی روایت سے ہم ذکر کر چکے ہیں حلبی نے اس کو لکھ کر اس کی قوت بیان کی کہ قال الترمذی حسن صحیح الحاصل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور صحابہؓ کی تلقین اور محدثین کی تعمیل اور فقہاء کی اقتداء اور تصحیح سے اب تک یہ خطاب یا محمدؐ ہی جاری ہے علاوہ بریں اور بھی خطاب کے صیغے ہم نقل کرتے ہیں اشعار وغیرہ میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی صفیہؓ نے بعد وفات آپؐ کے بہت اشعار غم میں پڑھے ان میں سے یہ ہیں ؎ الا یا رسول اللہ کنت رجاءنا ؛ وکنت بنا برًّا ولم تک جافیا ؛ فلو ان رب الناس ابقی محمدًا ؛ سررنا ولکن امرہ کان ماضیا اور حضرت حسان صحابیؓ نے آپؐ کی وفات کی غم میں یہ پڑھا ؎ کنت السواد لناظری ؛ فعمی علیک الناظر ؛ من شاء بعدک فلیمت ؛ فعلیک کنت احاذر اسی طرح اور بھی صحابہؓ کے اشعار پائے گئے ہیں جس میں خطاب ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور قاضی عیاضؒ نے کتاب شفا کے باب لزوم محبت میں روایت کی ہے کہ ایکبار پاؤں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا سو گیا یعنی سنسنانے لگا اور بے حس و حرکت ہو گیا کسی نے کہا ایسے آدمی کو یاد کرو جو تم کو بہت پیارا ہو تب وہ چلا کر پکار اٹھے یا محمداہ اسی وقت ان کا پاؤں درست ہو گیا اور قوت آگئی انتہی یہ عبد اللہ ابن عمرؓ کیسے جلیل القدر صحابی اتباع سنت میں نہایت عالی دیکھئے حالت غیبوبت میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلفظ حاضر یا محمداہ خطاب کرتے ہیں اور فتوح الشام میں صفحہ ۲۹۵ میں ہے جب کہ ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے قنسرین سے کعب بن ضمرہ کو بارادہ حلب روانہ کیا ایک ہزار سوار دیکر اور کعب بن ضمرہ کی لڑائی یوقنا سے پڑی اس کی پانچہزار سیاہ تھی اور یہ لڑائی ہو رہی تھی کہ پانچہزار سیاہ سیاہ یوقنا کی اور دوسری طرف سے مسلمانوں پر آپڑی غرضکہ دس ہزار کا مقابلہ ٹھیر گیا اس وقت مسلمان جاں بازیاں کر رہے تھے اور کعب بن ضمرہ نہایت بے آرام اور بے چین گرد آواز دیتے تھے اور پکارتے تھے یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے تھے یا معاشر المسلمین اثبتوا انما ھی ساعۃ وانتم الاعلون یہ ایک نظیر ہے خطاب کی حالت غیبت میں اور یہ کعب بن ضمرہؓ بھی صحابہ میں ہیں رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو کر بھی انہوں نے جہاد کئے تھے غرضکہ صحابہؓ کے وقت سے یہ خطاب اور ندا رسول اللہ باوجود غیبت کے جاری رہی علامہ شرف الدین بوصیریؒ متوفی سنہ ۶۹۴ھ جو مقبولین روزگار سے تھے ان کا قصیدۂ بردہ اوراد مشائخ میں داخل نہایت مقبول بابرکت ہے اور بہاء الدین وزیر کا حال ہم نقل کر چکے کہ وہ کمال تعظیم سے برہنہ سر برہنہ پا کھڑا ہو کر اس قصیدۂ مقبولہ کو سنا کرتا تھا اور حلبی اور نی اور قسطلانی سب صاحب بردہ کے مدح ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس قصیدہ کو پڑھا اور اسناد حاصل کی رسالہ انتباہ میں لکھتے ہیں واما قصیدۃ البردۃ فاخبرنا بھا ابو طاہر عن شیخ احمد النخلی عن محمد بن العلاء البابلی الی ان قال عن ناظمہا شرف الدین محمد بن سعید بن حماد البوصیری رحمۃ اللہ علیہ انتہی الحاصل اس مقبول قصیدہ میں خطاب حاضر ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جا بجا ہے ازاں جملہ دو مقام میں تو خاص ندا بطور فریاد اور دادخواہی کے موجود ہے ؎ یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ ؛ سواک عند حلول الحادث العمم ؛ رسول صلی اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ندا کرتے ہیں کہ اے بزرگ ترین خلائق کوئی میرا نہیں جس کی پناہ

درست تو ایسی حالت میں یہ بھی شرک ہو جاوے گا ورنہ اس میں کچھ عوام کا خدشہ کیوں کہ جیسے کہ اس کو پڑھتے ہیں نہیں پس اعتراض بحال خود اور یہ صلوٰۃ موکلف کو غیر مفید ہے علیٰ ہذا اشعار حضرت صفیہؓ کے اور حسانؓ کے اور دیگر صحابہؓ کے اور معاملہ پاؤں سونے کا ابن عمرؓ کا اور قصہ فتوح الشام کا اور دیگر تمام قصص اور

پکڑوں سو آپ کے وقت اترنے بلائے عام دوسرا شعر یہ ہے ؎ ولن یضیق رسول اللہ جاہک بی ۔ اذا الکریم تجلی باسم منتقم
اس میں رسول اللہ منادیٰ اور ندا محذوف بقاعدہ عربیت یعنی کچھ کم نہ ہوگی شان آپکی یا رسول اللہ ہماری شفاعت کرنے سے جس وقت اللہ
تعالیٰ ظہور فرمادیگا صفت انتقام سے انتہیٰ اور اسی معنی کے ہیں شیخ شرف الدین مصلح المعروف بسعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ جو واصلین طریقت
اور کاملین شریعت سے تھے حضرت خضر سے ملاقات کی ساتوں ولایت پھرے بارہا پیادہ حج کیا یہ عالم فاضل الی کا ل خطاب حاضر کے ساتھ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں شعر لکھتے ہیں ؎ چو کم گردد اے صدر فرخندہ پے ۔ ز قدر رفعت بدرگاہ حے ۔ کہ باشند مشتے
گدایان خیل ۔ بمہمان دار السلامت طفیل ۔ چہ وصفت کند سعدی ناتمام ۔ علیک الصلوٰۃ اے نبی والسلام ۔ اور نیز مولانا احمد تھانیسری کہ امیر تیمور
کے عہد میں بڑے فاضل کامل مشہور تھے صاحب ہدایہ کے نبیرہ شیخ الاسلام سے جب ایک موقع میں انکی گفتگو ہوئی امیر تیمور نے جو دیکھا کہ شیخ الاسلام
کو دبایا اس کی عظمت کیلئے یہ کہا کہ یہ نبیرہ ہیں صاحب ہدایہ کے مولانا نہ ڈرے اور یہ کہا کہ ان کے دادا نے ہدایہ میں چند محل پر خطا کھائی اگر انھوں
نے اسوقت ایک خطا کھائی کیا ڈر ہے، غرضکہ یہ بڑے عالم فاضل اور عارف کامل تھے قلعہ کالپی میں انکا مزار ہے، بہت لوگ زیارت کو آتے ہیں
انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے اسمیں سے دو تین شعر لکھتا ہوں ؎ یا حیوتی ویا روحی ویا جسدی ۔
ویا فوادی ویا ظہری ویا عضدی ۔ مالی الیک تقطع البعید من قبل ۔ ولیس لی باصطبار عنک من مدد ۔ دیکھئے اس میں بھی ہندوستان سے خطاب
حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہورہا ہے اور نیز مولانا نظامی متوفی ۵۹۲ھ علم معقول و منقول میں فاضل کامل تارک الدنیا عارف صاحب
دل سلاطین روزگار ان سے برکت چاہتے وہ کسی کے در پر نہ جاتے غرضکہ یہ جامع شریعت و طریقت بھی اشعار میں خطاب حاضر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کرتے ہیں ؎ من از کمترین استان خاک تو ۔ بدیں لاغری صید فتراک تو ۔ نظامی کہ در گنجہ شد پائے بند ۔
مباد از سلام تو نا بہرہ مند ۔ گنجہ شہر ہے ایران میں، وہاں سے یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہو رہا ہے اور مولانا عبد الرحمٰن ابن احمد
جامی متوفی ۸۹۸ھ جنکا فضل و کمال کسی سے مخفی نہیں، شرح ملا اور شرح فصوص الحکم اور شرح نقایہ و شرح لمعات وغیرہ کتب مصنفہ ان کی
مشہور ہیں اپنے اشعار میں حضرت کو خطاب حاضر کرتے ہیں ؎ ز مہجوری برآمد جان عالم ۔ ترحم یا نبی اللہ ترحم ۔ نہ آخر رحمۃ للعالمینی ۔ ز محروماں
چرا غافل نشینی ۔ ملک خراسان میں ایک ولایت جام ہے جو وطن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبت
میں وہاں سے ہو رہا ہے اور یہ بھی نہیں کہ مثل اہل کشف کے روئے مبارک حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت مناجات کے ان کے سامنے
تھا اس لئے کہ یہ شعر بھی انکا انہیں اشعار کے ساتھ ہے ؎ شب اندوہ مارا روز گرداں ۔ ز روئیت روز ما فیروز گرداں ۔ تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے
کنی برحال لب خشکاں نگاہے ۔ از انجملہ مولانا عبد الحق محدث دہلوی صوفی صافی مشرب، محدث فقیہ حنفی مشرب جن کی ایک سو تیس کتابیں
فارسی اور عربی میں تصنیف ہیں، تاریخ ولادت انکی شیخ اولیا ۹۵۸ اور تاریخ وفات فخر العالم ۱۰۵۲ ہے، اپنے قصیدہ میں جو کہ اخبار الاخیار
کے آخر میں مطبوع ہے لکھتے ہیں ؎ بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما ۔ بلطف خود سر و ساماں جمع بے سر و پا کن ۔ محب آل و اصحاب
تو را کار من حیراں ۔ بلطف خویش ہم امروز ہم در روز فردا کن ۔ اور حضرت شاہ ابو المعالی صاحب فرماتے ہیں ؎ اگر نبودے یا رسول اللہ ذات پاک تو
کے پیغمبر نبردے دولت پیغمبری ۔ اب اس دورۂ آخری میں بھی جو علماء و صلحاء اہل سنت والجماعت ہیں وہ خطاب حاضر یا رسول اللہ کہنا

خطابات قصیدہ بردہ کے اور سعدی کے اور مولانا احمد تھانیسری کے اور مولانا نظامی اور مولانا جامی اور شیخ عبد الحق دہلوی اور شاہ ابو المعالی کے
ہیں کہ سب میں منادائے شوق ہے ہرگز عقیدہ حضور کسی کا نہیں پس مؤلف کے ان نقول سے نہ معلوم کونسا فائدہ اس کا ہوا اور معترض کا اعتراض کس طرح

جائز رکھتے ہیں چنانچہ حاجی امداد اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی محمد قاسم صاحب مصنف تحذیر الناس اور مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی مدرس دیوبند وغیرہم چند علماء کے پیر مرشد ہیں اپنی کتاب ضیاء القلوب مطبوعہ مطبع مجتبائی کے صفحہ ۴۹ میں واسطے حصول زیارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھتے ہیں، بدیں عبارت کہ بعد نماز عشاء باطہارت کامل وجامہ نو واستعمال خوشبو باادب تمام روئے بسوئے مدینہ منورہ بنشیند و التجی از جناب قدس حقیقت محمدی برائے حصول زیارت جمال مبارک صلی اللہ علیہ وسلم شود و دل از جمیع خطرات خالی کردہ صورت آنحضرت صلعم بلباس بسیار سفید و عمامہ سبز و چہرہ منور مثل بدر بر کرسی نور تصور کند والصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ راست والصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ چپ والصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ در دل خود ضرب کند الیٰ آخرہ، اور نیز انہی حاجی صاحب سلمہ اللہ نے ایک قصیدہ اردو زبان میں لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎ ذرا چہرہ سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ :: مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ، اس قصیدہ کے چند اشعار لمعہ خامسہ نور دوم میں ہم نقل کر چکے ہیں اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے اشعار بھی وہاں نقل کئے گئے ہیں جن میں یا نبی اللہ وغیرہ الفاظ خطاب موجود ہیں **توجیہات جواز خطاب یا رسول** واضح ہو کہ بعض محبین درجہ عشق کو پہنچے ہوئے ایسے ہوتے ہیں کہ جیسے حضرت ابو الحسن شاذلی وغیرہ کہ ان سے ایک دم مشاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فوت نہ ہوتا تھا، ایسے آدمی اگر خطاب کریں تو ان کے نزدیک تو وہ خود حاضر ناظر ہیں حاضر کے معنی موجود اور ناظر کے معنی دیکھنے والا جب موجود ہوئے تو دیکھنے والے بھی ہوئے ایسے شخصوں کے حق میں تو خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ محل کلام ہی نہیں باقی رہے دوسری طرح کے آدمی کہ ان کو حضوری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاصل نہیں ان کے حق میں بھی خطاب کرنا درست ہے، قطب ربانی امام شعرانی میزان میں لکھتے ہیں کہ محمد بن زین ایک مداح رسول تھا اکثر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت بیداری میں زیارت کرتا تھا ایک بار اس سے ایک آدمی نے اپنے واسطے سفارش حاکم سے چاہی یہ گئے اور حاکم نے انکو اپنی مسند پر بٹھلایا اسی دن سے دیکھنا منقطع ہو گیا اس مقام میں خاص عبارت میزان کی یہ ہے، فلم یزل یتطلب من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرویۃ حتی ترآء لہ شعراً فتراء یٰ لہ من بعید فقال تطلب رویتی مع جلوسک علیٰ بساط الظلمۃ فلم یبلغنا انہ راٰہ بعد ذلک حتی مات یعنی پھر ہمیشہ وہ مداح سوال کرتا رہا حضرت سے کہ اپنا دیدار مبارک دکھا دیجئے یہاں تک کہ ایک دفعہ شعر پڑھا تب حضرت صلعم دور سے کچھ دکھائی دیئے اور فرمایا تو دیدار کا سوال کرتا ہے اور بیٹھتا ہے ظالموں کے فرش پر پھر ہم کو خبر نہیں ملی کہ انکو حضرت صلعم پھر نظر آئے یہاں تک کہ وہ مر گیا انتہی، اب دیکھئے کہ محمد بن زین مداح باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نظر سے غائب تھے اور نظر نہیں آتے تھے وہ اس حالت غیبت میں بھی حضرت سے سوال کیا کرتا تھا کہ صورت مبارک دکھا دیجئے، انتہی، پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر وہ آدمی جنکو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہیں آتے وہ بھی درخواست کریں اور کہیں ؎ ذرا چہرہ سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ :: مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ، تو صحیح اور جائز ہے اگرچہ ملا تقویۃ الایمان اسکو شرک بتا دے اور یہ کہے کہ تم رسول اللہ کو عالم الغیب جانتے ہو کہ وہ کر اصل عالم الغیب بالذات اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غیب کی خبر دیدیتا ہے تو انکو خبر ہو جاتی ہے حضرت شاہ عبد العزیز کا کلام جو انکی تفسیر میں ہے یاد رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر امتی کے درجے کو پہچانتے ہیں

رفع ہوا علی ہذا نقل شغل ضیاء القلوب جس میں ندا و خطاب صیغہ صلوٰۃ و سلام میں ہے اور قصیدہ کے اشعار شوقیہ میں ہیں بعد اس کے جس قدر نقول یا مؤلف نے چند اوراق لکھے کوئی اصل اعتراض کو نہیں اٹھاتا اعتراض بحال خود ہے اور مؤلف لکھ لکھ کر

کہ اس کا ایمان کس درجہ پر ہے اور فرشتے سب اُمت کے اعمال حضرت کے پاس پہنچاتے ہیں انتہی کلامہ، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہرقل بادشاہ روم کو نامہ رقم فرمایا تھا بروایت بخاری اس کے الفاظ یہ ہیں اما بعد فانی ادعوک بدعایة الاسلام اسلم تسلم اس میں خطاب حاضر کا ہے بادشاہ روم کو حالانکہ آپ ملک عرب میں تھے اور وہ روم میں تھا اور وہ اصحاب کشف سے نہ تھا کہ حضرت کا خطاب وہاں سے معلوم کر لیتا لیکن چونکہ یہ بات تھی کہ قاصد اس خط کو لیجا کر اس کے ہاتھ میں دیدیگا یہ خط اس کی نظر کے سامنے گذریگا خطاب صحیح ہو جاویگا، اسی طرح ابتک رسم جاری ہے کہ ہم خط میں مکتوب الیہ کو الفاظ خطاب کے لکھدیتے ہیں کہ فلاں چیز بھیجدو اور تاکید جانو فقط اسی اعتماد پر کہ جب قاصد یہ خط انکو دیدیگا تو ہمارا خطاب حاضر لکھنا صحیح ہو جاویگا جب قاصد ڈاک کی تیتھی رسانی کے اعتماد پر یہ خطاب حالت غیبوبت میں جائز ہو ملائکہ جو ہرگز اللہ کا عصیان نہیں کرتے اور جانکو خدمت سپرد ہوتی ہے ممکن نہیں کہ ان سے تخلف ہو جاوے انکے اعتماد پر کس طرح خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز نہ ہو جب بواسطہ ملائکہ ہمارا قول انکو صبح و شام پہنچتا ہے تو وہ مثل حاضر کے ہیں اگرچہ ہماری آنکھوں کے سامنے جمال مبارک نہیں ہیں پس خطاب حاضر کرنا جائز ہے اور اگر ضعیف الایمان آدمی اس تقریر پر بھی راضی نہوں تو تیسری توجیہ اور بھی ہے یعنی جس کو کسی کا عشق ہوتا ہے اس کا نقشہ آنکھوں میں پھرا کرتا ہے اُس اعتبار سے بھی حاضر جانکر خطاب کر دیتے ہیں اشعار عرب میں یہ بات کثرت سے ہے از انجملہ دو شعر عبد السلام ابن یوسف کے جذب القلب سے نقل کرتا ہوں ؎ علی ساکنی ابطح العقیق سلام ٭ وان اسهرونی بالفراق وناموا ٭ خطرتم علی النوم وهو محلل ٭ وحللتم التعذیب وهو حرام ۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بی بی زلیخا کا حال جو مولوی جامی نے لکھا ہے وہ سب کو یاد ہوگا کہ شروع عشق میں جبتک نکاح نہ ہوا تھا کس طرح تصورات میں باتیں کیا کرتی تھی از انجملہ اس مقام کے دو شعر لکھتا ہوں ؎ خیال یار پیش دیدہ بنشاند ٭ ہم از دیدہ ہم از لب گوہر افشاند ٭ کہ اے پاکیزہ گوہر از چہ کانی ٭ کہ از تو دارم ایں گوہر فشانی ٭ دلم بردی و نام خود نہ گفتی ٭ نشانے از مقام خود نہ گفتی ۔ یہ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے غیبوبت میں خطاب کر رہی ہیں نہ یہ شرک ہے نہ کفر پھر اسی طرح سمجھ لو کہ جو اشعار شوقیہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بطریق خطاب حاضر کے ہیں وہ اسی لئے ہیں چونکہ تصور آپکا دل میں بندھا ہوا ہے غلبہ اشتیاق میں خطاب حاضر بباعث تصور فی الذہن کے کرتے ہیں لیکن چونکہ تم لوگوں کو ایسا تصور اور ایسا خیال بندھا ہوا نہیں تمہاری سمجھ میں یہ بھی نہیں آئیگا بل بما لم یحیطوا بعلمہ کلام الٰہی بجا ہے اب ہم چوتھی توجیہ خطاب کی اور بتادیں قرآن شریف میں وارد ہے یاحسرة علی العباد یہاں لفظ یا حرف ندا ہے جس سے مخاطب حاضر کو پکارا کرتے ہیں یہ لفظ یا داخل ہوا ہے حسرت پر اور حسرت ایسی چیز بے ادراک و شعور ہے کہ اسکو قیامت تک کبھی خبر نہو گی کہ مجھ کو کوئی پکارتا ہے امام رازی کا کلام اس مقام میں یہ ہے المقصود من ذلک وقت الحسرة فان الندا مجاز والمراد الاخبار غرضکہ سب مفسرین اس مقام میں لکھتے ہیں کہ یہ ندا کلام عرب میں شایع ہے اور مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ یہ وقت حسرت کا ہے یعنی یہ نہیں کہ حسرت کو پکارتے ہیں اور بلاتے ہیں اس مقام پر ندا مجاز ہے جب یہ بات ثابت ہوئی کہ کہیں ندا مجاز ہوتی ہے اور مراد اس سے خبر دینا ہوتی ہے پھر اسی طرح اس مقام میں سمجھ لو کہ جو کوئی کہتا ہے ؎ تمہارے نام پہ قربان یا رسول اللہ ٭ فدا ہو تم پہ میری جان یا رسول اللہ ٭ اسکا اصل مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہو مراد اسکی جملہ خبریہ ہو گو کہ اس نے لفظ ندائیہ بولا ہے یہ کیا ضرور

متعلق ہوتا ہی یکو لفظ لفظ کا جواب کی تحریر مناسب ہوئی اور چند خطا جو اس تقریر میں مؤلف سے ہوئی چونکہ تطویل بے سود ہے اور ہمارا مقصود کے کچھ خلاف نہیں اور مؤلف کا علم سب ظاہری ہو چکا ہے ان چند خطا پر موقوف نہیں اور جو کچھ زبان درازی نسبت مانعین بدعت کے کی ہے اس کا

؎ غیر مفید تفصیل ۲

ہے کہ یوں کہو یہ شخص خدا کی طرح حاضر ناظر جانکر پکارتا ہے ہاں البتہ یہ تم خود معنی شرک اور کفر کے لوگونکی ذہن میں جماتے ہو یہ کہکر کہ لفظ یا نہیں ہو تا مگر واسطے حاضر کے اور خطاب نہیں کیا جاتا مگر حاضر کو حالانکہ یہ قاعدہ غلط ہے کلام صحابہ میں غائب کو خطاب اور ندا موجود ہے روایت ہے کہ حضرت علیؓ جب وقت خلافت حضرت عثمان میں ایک رات مسجد کی طرف آئے دیکھا چراغ مسجد میں کثرت سے روشن ہیں تو حضرت عمرؓ کو دعا دی اس دعا کے الفاظ سیرت حلبی جلد ثانی صفحہ ۳۲۵ میں یہ ہیں نورت مساجدنا نور اللّٰہ قبرک یا ابن الخطاب یعنی تم نے روشن کیا تو نے ہماری مسجد کو اللّٰہ روشن کرے تیری قبر کو اے بیٹے خطاب کے، دیکھئے یہاں حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ خطاب فرماتے ہیں بعد وفات عمرؓ اور یہاں حضرت عمر کو پکار کر اپنی طرف متوجہ کرنا یا بلانا جو فائدہ ندا کا ہوتا ہے مقصود نہیں غرض انکی دعا دینی ہے یعنی اللّٰہ روشن کرے عمرؓ کی قبر کو چنانچہ بعض راویوں نے جو روایت بالمعنی کرتے ہیں معنی مقصود کو قالب دعا میں ڈھالکر روایت کر دیا ہے نور اللّٰہ قبر عمر کما نور مساجدنا اب ایک مسئلہ فقہ کا بھی لکھتا ہوں درمختار اور قہستانی وغیرہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جس وقت اذان میں موذن کہے الصلوۃ خیر من النوم یعنی نماز پڑھنا اچھا ہے سونے سے اسوقت چاہئے سامعین جواب اسکا اس طرح دیں صدقت وبررت یعنی تو نے سچ کہا اور بھلا کہا لکھا فقیہہ شامی نے کہ یہ جواب بنا حدیث میں آیا ہے واضح ہو کہ یہ جواب دینا کتب فقہ میں ہرگز مقید اس بات کے ساتھ نہیں کہ موذن کے پاس آکر جواب دیں وہ کہے نہ پڑھیں لیکن اسی واسطے یہ دستور ہے کہ جس وقت صبح صادق کو موذن اذان کہتا ہے اور آدمی اکثر اس وقت اپنی اپنی منازل و مکانات میں ہوتے ہیں نہ انکو موذن وہاں نظر آتا ہے غائب ہے نظر سے اور نہ موذن خود ان کے جواب اور ان کے خطاب کو سن سکتا ہے باینہمہ اس حالت غیبوبت میں جہاں موذن نے کہا الصلوۃ خیر من النوم سب مسلمان آدمی جواب دیتے ہیں صدقت وبررت یعنی تو نے سچ کہا اور بھلا کہا یہ غائب کے خطاب حاضر کا ہوتا ہے پس چاہئے ان فقہاء آخر الزمان کے نزدیک سب جواب دینے والے کافر ہوں حالانکہ وہ مستحق ثواب ہوتے ہیں اگرچہ انہوں نے خطاب کیا لیکن مراد انکی یہ تھی کہ موذن نے سچ بات کہی پس اسی طرح جو شخص کہتا ہے ؎ ماسوائے تو یارسول اللّٰہ ٭ از برائے تو یارسول اللّٰہ ٭ اگرچہ خطاب کیا ہے لیکن مراد یہ ہے کہ ہر مخلوق کو اللّٰہ تعالیٰ نے رسول اللّٰہ کے واسطے یعنی انکے سبب پیدا کیا ہے اور جو کوئی فقط یہ لفظ کہے کہ یارسول اللّٰہ اسکی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ شرح ملا اور غایۃ التحقیق وغیرہ میں ہے کہ لفظ یا بمعنی ادعوا ہے اور ادعوا کے معنی ہیں ہندی میں کہ میں پکارتا ہوں پس جسنے کہا یارسول اللّٰہ اسکے معنی قاعدہ عربی سے یہ ہوئے کہ پکارتا ہوں رسول اللّٰہ کو یعنی انکو یاد کرتا ہوں انکا نام لیتا ہوں کہو اس میں کیا شرک کیا کفر ہو گیا اللّٰہ پناہ دے کج فہمی معاندین سے الحاصل ہم خطاب کو چند توجیہات سے ثابت کر چکے اور نیز ثبوت کامل دیکھئے عہد رسالت سے اسوقت تک آنحضرت کو بالفاظ خطاب بصیغہ حاضر یاد کرنا نماز میں اور خارج نماز دعا اور غیر دعا میں نظم و نثر میں صحابہ رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین و اولیاء و علماء و صلحا و مقبولین سے اب دیکھنا چاہئے کہ یہ سب مقبولین باوجود حالت غیبوبت کے خطاب کرنے والے رسول صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے معاذ اللّٰہ منکرین کے نزدیک کافر ہیں یا خود وہی کافر ہیں جو انکو کافر قرار دیں ہمارے سچے رسول صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے من دعا رجلا بالکفر او قال عدو اللّٰہ ولیس کذلک الا حار علیہ متفق علیہ یعنی صحیح مسلم اور بخاری میں ہے جو شخص کسی کو کافر یا دشمن کہیگا حالانکہ وہ ایسا نہیں تو وہ کفر اور لعنت اسی کہنے والے پر الٹ آتی ہے اب چاہئے کہ مانعین اپنا ایمان کی خیر منا دیں ایسا نہ ہو پرائی بد شگونی میں اپنی ناک کٹے **لمعہ سابعہ**

اعتراضات متفرقہ کہتے ہیں کہ جب مولد شریف پڑھتے ہیں منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور قرآن شریف ہمیشہ نیچے بیٹھے پڑھتی

بھی جواب لکھنا ضروری نہیں لہذا ختم کرتا ہوں ناظرین کو حال سخن فہمی مؤلف کا معلوم ہو لیا اور سلیقہ جواب نویسی روشن ہو گیا مؤلف انوار ساطعہ میاں منشی صاحب اور بعد شرح سوال میں بھی اسکی بحث گذر چکی ہے کہ

منبر کے بارے میں مانعین کے اعتراض کا ذکر

قولہ لمعہ سابعہ اعتراضات متفرقہ کہتے ہیں جب مولد شریف پڑھتے ہیں

اقول چوکی منبر کی اصل غرض صحیح کیواسطے جائز ہے معترض یہ کہتا ہے کہ یہ مجلس مولود میں اگرچہ قلیل آدمی ہوں کہ حاجت بلند مکان پر ہو قاری مولود کی نہ ہو جب

کتاب مولد شریف کا درجہ قرآن سے بھی زیادہ کر دیا جواب تحقیقی اس کا یہ ہے کہ درجہ قرآن نہایت عظیم ہے قرآن کو ہاتھ لگانا بے وضو جائز نہیں اور کتاب مولد شریف کو اگر کوئی بغیر وضو ہاتھ میں لیلے تو اس کو گنہگار نہیں کہا جاویگا یہ دلیل صریح ہے کہ ہم کلام اللہ کو بڑا سمجھتے ہیں اور منبر چوکی پر بیٹھ کر پڑھنا ایک سبب ہے تاکہ قاری مولد سب اہل مجمع کو نظر آوے اور سب اسکو نظر آویں اور اوپر بیٹھنے سے آواز اپنی حالت پر بلندی کی ہر طرف پہنچتی ہے نیچے بیٹھنے سے آواز کسی قدر دب جاتی ہے اور تلاوت قرآن میں یہ باتیں مقصود نہیں ہاں اگر کوئی موقع ایسا ہو کہ قرآن اعلان سے لوگوں کو سنایا جاوے تب اس کیلئے بھی منبر مناسب ہوگا اور جواب لزامی یہ ہے کہ یہ عذر مجلس وعظ پر کیوں نہیں جاری کرتے ہیں مولوی عبدالرب صاحب وغیرہ کے وعظ میں جا کر دیکھو کہ ان کے وعظ میں قرآن شریف کی آیتیں کس قدر پڑھی گئیں اور قصے حکایتیں کس قدر اور طعن مقابلین پر کس قدر اور پھبتی اور ضلع بازی کس قدر اور شعر کس قدر پھر ان صاحبوں کا حال یہ ہے کہ اس قسم کا وعظ تو سب اوپر بلند جگہ پر بیٹھ کر کہتے ہیں اور خالص قرآن شریف کو نیچے پڑھتے ہیں جو جواب اس کا ہو وہی ہمارا

اعتراض جب قرآن پڑھتے ہیں نہ فرش بچھا دیں نہ خوشبو لگا دیں نہ کچھ سامان کریں مولد شریف میں کیا کیا سامان کیا جاتا ہے

جواب عیدین کی نماز کیلئے جو فرض نہیں ہے نہانا کپڑے عمدہ بدلنا خوشبو لگانا طرح طرح کے تکلفات ہوتے ہیں پانچوں وقت کی نماز جو فرض قطعی ہے اس کیلئے کچھ بھی نہیں سوائے وضو اور استنجا کے وجہ اسکی یہی ہے کہ وہ برس دن میں دوبار یہ ایک ایک دن میں پانچ بار عید

بھی اہتمام سے چوکی منبر کی تدبیر ہوتی ہے اور اسی واسطے مثل لوازم ضروریہ مجلس کے ہو گیا ہے اور اگر قرآن کسی حافظ قاری کو سنیں تو باوجود کثرت کے بھی اسکا انتظام نہیں ہوتا جیسا اور انتظام کا حال ہے کہ اس مجلس کیواسطے سب طرح کا اہتمام لباس فرش تعطر سب کچھ قصداً ضروری ہوتا ہے خلاف قرآن کے پس سوچیے معترض کہتا ہے کہ بوجہ اس اہتمام کے اس مجلس میں اور عدم اہتمام کے قرآن میں ایہام تفضیل مولود کا قرآن پر ہوتا ہے بلکہ عوام کا اعتقاد بھی یہ ہو گیا ہے اور یہ مکروہ اور بدعت ہے پس مؤلف کا جواب دیکھو کیا خوب کہتا ہے کہ آواز پہنچانے کے واسطے اور دیکھنے دکھانے کیواسطے اوپر بیٹھتے ہیں سبحان اللہ معترض تو تصریح کرتا ہے کہ اگر ایسی حالت ہو کہ بدون چوکی کے بھی آواز پہنچے اور تراأی متحقق ہو جب بھی اہتمام اس کا ضروری ہوتا ہے اور دیگر عوام کا ضروری جاننا اور ایسے اہتمامات سے مولود کا افضل قرآن سے اعتقاد کرنا موجود ہے مگر مؤلف کچھ نہیں سمجھتا اور کہدیا کہ رفع صوت اور تراأی کیواسطے ہے اور کراہت التزام و فساد عقیدۂ عوام کا نہ جواب فہم اور خود جو سمجھے اس کے بھی آئین قائلین محض اعتراض کا اقرار اور مس بلا وضو کرنے سے اپنا عقیدۂ افضلیت قرآن کا لکھ دیا حالانکہ معترض اس معاملہ کی وجہ سے اعتراض کرتا ہی نہیں دیکھو کہ جواب کو سوال سے کچھ بھی علاقہ نہیں عجب جواب ہے سو یہ تو تحقیقی جواب تھا استغفر اللہ الزامی تو کیا کہنا اگر وعظ میں ایسا ہی حال ہو جاوے تو معترض اس کو کب جائز کہتا ہے اس کے نزدیک یہ وعظ موصوف اور ایسی حالت کی چوکی منبر بھی مکروہ اور بدعت ہے یہ الزام جب ہو کہ معترض اس کی تصویب کرتا ہو

قولہ اعتراض جب قرآن پڑھتے ہیں نہ فرش الخ **اقول** تقریر سوال تو پہلے اعتراض میں ہو چکی کہ غرض سائل کی وجہ اہتمام سے ایہام تفضیل بلکہ خود تفضیل عوام کے نزدیک مولود کی قرآن پر ہے مگر مؤلف کا جواب عجب قابل غور کے ہے سنو کہ عیدین میں بحکم شارع علیہ السلام کے احسن لباس اور غسل اور تطییب وغیرہ بوجہ عید اسلام ہونے کے مستحب ہے کہ یہ لوازم سرور سے ہے اور طبع بھی ایسی حالت میں مائل حسن لباس و ہیئت کے ہوتی ہے اور صلوۃ خمسہ میں عید نہیں لہذا وہاں حکم استحباب

(حاشیہ: خوشبو و دیگر سامان مولد پر مانعین کا اعتراض)

۱؎ عطر و خوشبو ۲؎ آواز کی بلندی ۳؎ درست قرار دینا ۴؎ عمدہ لباس ۵؎ خوشی کے لوازم

کی طرح سے سامان کرنے میں حرج ہے اور حرج کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اٹھا دیا ما جعل اللّٰہ فی دینکم من حرج پس یہی سمجھ لو قرآن شریف کا پڑھنا روزمرہ ہے مولد شریف ایک آدمی برس دن میں ایک دو بار یعنی کبھی کبھی کرتا ہے اور جو بات کبھی کبھی کرنے میں ہو سکا کرتی ہے وہ روزمرہ میں نہیں ہو سکتی **اعتراض** حضرت کا نام سن کے کھڑے ہو جاویں اور اللہ تعالیٰ کے نام پر کھڑے نہیں ہوتے حضرت کو اللہ تعالیٰ سے بھی فوقیت دیدی **جواب** یہ کمال کم فہمی ہے اول تو یہ کہ حضرت کے نام پر ہر جگہ تو کھڑے نہیں ہوتے محض وقت ذکر ولادت شریف کے کھڑے ہوتے ہیں اس میں مناسب یہ ہے کہ ولادت کے معنی یہ ہیں کہ آپ عالم بطون سے عالم ظہور میں آئے اور آنیوالے کی تعظیم کو کھڑا ہو جانا مستحب ہے پس چونکہ حضرت کی شان عظیم ہے تو جیسے بادشاہ یا امیر کی عین قدوم میں تعظیم دیجاتی ہے وہ آپکے ذکر ورود قدوم وجودی میں دیجاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی نسبت تو ایسے قدوم کا ذکر نہیں کیا جاتا کیونکہ اسکی شان مقدس یہ ہے کہ لم یلد ولم یولد پھر قیام

احسن لباس کا نہ ہو ایسی دونوں میں فرق ظاہر ہے اور یہ امر کہ عیدین بعد سال کے ہیں اور صلوات پانچ بار اس میں حرج ہے یہ بھی درست ہے مگر قرآن اور مولود دونوں ایک حال میں ہے بایں وجہ کہ ذکر میں نظافت[1] و تطییب[2] مستحب ہے اور جملہ صلوات اور اذکار اس میں مشترک ہیں اور لباس حسن نہ مولود میں مستحب ہے اور نہ قرآن وغیرہ میں اور جو ہے تو سب جگہ برابر پس مثل عید کے مولود میں سامان ہوا اور قرآن اور صلوات و اذکار میں نہ ہوا **عیدین کے احکام پر مولود کو قیاس نہیں کرسکتے** یہ وجہ اعتراض کی تھی نہ تو مولود میں عید ہے اور نہ خصوصاً حکم شارع کا ہے پس وجہ تخصیص کی مکروہ ہوئی اور یہی وجہ عوام کے فساد عقیدہ کی ہو گی اور یہ فرق مولف کا کہ مولود سال میں ایک دو دفعہ ہوتا ہے اول تو قرآن کا مجمع بھی کبھی سال میں ہی ہوتا ہے نہ ہر روز جس کی وجہ سے عوام کو شبہ ہوا اور معترض کی غرض ایسے مجمع کی قرآن کی ہی ہے دوسرے یہ کہ اگر ایک شخص سال میں دو بار مولود کراتا ہے تو مجموع جماعت مولودیوں کی تو دو دفعہ اگر کریں تو ہر روز ہی ہو جاتا ہے آج کسی کے کل کسی کے علی ہذا سال کے سال ہر روز ہوتا رہتا ہے پس اس مجمع کیواسطے تو ہر روز بھی لباس و ہیئت میں حرج نہ ہوا اور قرآن کے واسطے سال بھر میں ایکبار بھی حرج ہے غرض یہ عذر محض غلط ہے اور بہرحال تطہر تطییب[3] سب جگہ برابر اور قرآن میں احق ہے سو اس میں نہ ہوا اور مولود میں لازم ہو گیا اور مجمع کا قرآن تو گاہ گاہ اور مولود مجموعاً کل اکثر پھر قرآن میں نہ ہوا اور مولود میں ہو یہ اعتراض تھا مولف نے ایک سفسطہ[4] جواب دیا کہ عیدین اور صلوٰۃ خمسہ پر قیاس کیا حالانکہ وہاں فارق موجود ہے بخلاف یہاں کے پس اس علم و فہم کو دیکھنا چاہیے اور جو علت جمع کی قائم کی ہے وہ بھی بیجا اور دھوکا ہی کیونکہ مولود ایک شخص کا مراد لیا اور قرآن ہر شخص پڑھنا ٹھہرا لیا حالانکہ معترض کی مراد مجموعہ ناس کی مجالس مولود کی ہی کہ ہر روز در کسر روز واقع ہوتی رہتی ہے اور مجمع کا قرآن جو کبھی ہو جاتا ہے پس غور کرنا چاہیے کہ کیسا عجب جواب مولف دیتا ہے الغرض ان توجیہات رکیکہ[5] سے یہانتک نوبت پہنچی کہ عموماً عوام کے قلب میں قرآن شریف کی عظمت نہ رہی اور مولود کو قرآن اور صلوات سے بھی افضل جان گئے اور کیا قصور عوام کا ہے جب نام کے مولوی ایسا اہتمام کریں کہ جو کچھ مولود کے واسطے ہر روز سہل ہے قرآن شریف اور صلوٰۃ کے واسطے برس دن میں بھی آسان نہ ہوا اسی واسطے شارع نے سب کچھ انتظام فرمائے تھے انکے نام کے مولویوں نے اس کو توڑا اور مشاقہ امر شارع کی اور خلق کو خوار کیا

ترک قیام کے دلائل پر مؤلف کی بے بنیاد جرح **قوله اعتراض** حضرت کا نام سن کر کھڑے ہو جاویں الخ **اقول** معترض مخالفت کرتا ہے کہ قیام تعظیم ذکر اللہ میں بھی مستحب ہے جیسا ذکر فخر عالم میں پس خصوصاً ذکر ولادت فخر عالم میں تو کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کی تعظیم اور ذکر اللہ کی احق ہے یہاں قیام کبھی نہ ہو اور ذکر ولادت فخر عالم دائماً ہو ایسیں ترجیح ہے تعظیم فخر عالم کو حق تعالیٰ کی تعظیم پر اسکا جواب مولف نے دیا مگر کمال علم و فہم ظاہر کیا اول کہتا ہے کہ ذکر فخر عالم

---

[1] پاکی [2] خوشبو لگانا [3] پنج وقتہ نمازیں [4] کسی لفظ معنی ظاہری کے علاوہ کسی معنی پر محمول کرنا [5] کمزور ۱۲

مع الفارق کا اعتراض کیسی نادانی ہے اور خداوند کریم کی شان ہمارے سب کے نزدیک رسول اللہ سے بڑی ہے وہ خود ہمارے افعال سے دیکھ لو کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کو ہر روز نماز فرض واجب و نوافل میں ساٹھ ستر سے زیادہ سجدے کرتے ہیں یہ کیسی بڑی تعظیم ہوئی کہ ماتھا زمین پر رگڑتے ہیں ہر دم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیواسطے صرف اس قدر کہ ذکر ولادت شریف پر تعظیماً لظہورہ تعظیم کھڑے ہو جاتے ہیں اب خیال کرو کہ تعظیم رسول خدا کی زیادہ کہاں ہوئی اعتراض مطبع ہاشمی میں جو چند ورق ممانعت مولود شریف کے چوبیس صفحہ پر چھپے ہیں ایکے صفحہ ۲۱ میں ایک عالم نے تحریر فرمایا ہے یا یہ وجہ ہے کہ روح پاک علیہ السلام کی جو عالم ارواح سے عالم شہادت میں تشریف لائی اس کی تعظیم کو قیام ہے تو یہ بھی محض حماقت ہے کیونکہ اس وجہ میں قیام کرنا وقت وقوع ولادت شریفہ کے ہونا چاہیے اب ہر روز کون کی ولادت مکرر ہوتی ہے الی ان قال اس امر کی شرع میں کہیں نظیر نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جاوے بلکہ یہ شرع میں

میں ہر جگہ تو ہم کھڑے نہیں ہوتے فقط ذکر ولادت پر کھڑے ہوتے ہیں پس اس قول مؤلف کو دیکھو کہ یہ تخصیص تو خود بدعت ہے اور یہ اعتراض تخصیص کا بھی یہاں ہے اس واسطے کہ مؤلف استحباب قیام کو مطلق ذکر اللہ میں قبول کر چکا ہے اور مناقب و مفاخر فخر عالم میں بھی ذکر کر چکا ہے پھر منشا اعتراض تو یہی ہے کہ تخصیص بعض ذکر کی کیوں اپنی رائے سے کی گئی چنانچہ چند دفعہ لکھا گیا پس تعظیم اللہ میں قیام کا ایسا ترک کہ کہیں بھی اور کبھی نہ کیا جاوے اور ولادت میں خاصۃً التزام کرنا ہے ترک نہ ہو اور بقول مؤلف تکمیل تعظیم کے واسطے ضروری ہو اور حق تعالیٰ کی تکمیل تعظیم کی حاجت نہ ہو یہ تقصیر شان تعظیم حق تعالیٰ کی ظاہر ہے بہر حال اس تخصیص سے اور اس تاکید سے یہ قیام بدعت ضلالہ ہو گیا چنانچہ نظائر[1] تقیید مطلق کی پہلے چند بار لکھی گئیں تو یہ فقرہ جواب مؤلف کا کس قدر بے معنی ہوا اور خلاف عقل و شرع کے ٹھہرا گویا اعتراض کو ہی جواب میں ذکر کر آیا پھر مؤلف وجہ تخصیص کی لکھتا ہے کہ مناسبت یہ ہے کہ اس میں معنی قدوم کے ہیں پس اس مناسبت کو دیکھو کہ کیسی لچر[2] بیانی ہے اول تو ولادت قدوم نہیں بلکہ بمعنی قدوم ہے پس اصل قدوم کے ذکر میں تو قیام ہرگز کبھی نہیں ہوتا حالانکہ تعظیم قدوم میں قیام کو خود مستحب لکھتا ہے اور جو اس کے معنی میں ہے اس کے ذکر میں ایسا التزام قیام کا ہوا کہ مثل واجب کے ہو گیا دوسرے یہ کہ تعظیم قیام کی قدوم محکی[3] کیواسطے ہوتی ہے اور حکایت کو حکم محکی کا کہیں شرع میں نہیں دیا گیا یہ قاعدہ شرع میں جدید مؤلف نے خلاف امر شارع کے وضع کیا ہے اور وہی تعیین مطلق اور تعدی[4] حکم اللہ پھر بھی رہی اور جو حکایت کو ذکر محکی کا کہتا ہے تو ذکر ذکر سب یکساں ہیں سب میں استحباب قیام کا ہے اور ذکر اللہ احق ہے وہ ہی ترجیح[5] اور تخصیص پھر لازم آئی پھر مؤلف کہتا ہے کہ حق تعالیٰ قدوم وجودی سے پاک ہے لم یلد ولم[6] یولد ہے سو وہاں یہ تعظیم کیونکر ہو سکے پس اس فقرہ کو مؤلف کے دیکھو کہ تعظیم قیام کو حصر کرتا ہے ولادت کے قدوم میں تو گویا جو ولادت کر وجود میں آئے اس وقت اس کے واسطے تو قیام ہو یا اس کی حکایت میں ہو ورنہ نہیں اول تو یہ خود اپنی تحریر کے خلاف لکھتا ہے کہ مطلق ذکر اللہ اور ذکر فخر عالم میں تعظیم قیام مستحب لکھ آیا ہے دوسرے پھر وہی تعیین بالرائے اور تقیید مطلق ہوئی اور زیادت تعظیم فخر عالم کی حق تعالیٰ پر لازم آئی کیونکہ یہ فرد تعظیم فخر عالم میں تو ایک ذکر خاص پر پائی جاتی ہے لزوماً اور حق تعالیٰ کے واسطے کہیں بھی کبھی نہیں ہوتی وہی محذور پھر لازم آیا اور پھر اپنی تعظیم کو جتلاتا ہے کہ ہم حق تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں فخر عالم کو نہیں کرتے سو یہ بھی کم فہمی ہے معترض کب کہتا ہے کہ فخر عالم کو من کل الوجوہ اعلیٰ حق تعالیٰ سے بنا دیا ہے وہ تو اس تعظیم کی وجہ سے کہتا ہے کہ اس تعظیم خاص میں فوقیت دیتے ہیں غرض مؤلف صاحب کے فہم کے قربان ان کے اتباع کے کوئی بھی بات سیدھی نہیں بولتے اصل اعتراض کا جواب کچھ نہیں اس کا اعتراف

[1] نظیر کی جمع معنی مثال ۱۲ [2] کمزور غلط [3] جس کی حکایت بیان کیجائے ۱۲ [4] حکم الٰہی سے تجاوز کرنا ۱۲ [5] راجح قرار دینا ۱۲ [6] نہ جنتا ہے نہ جنا گیا ۱۲

حرام ہے لہٰذا اس وجہ سے یہ قیام حرام ہوا ہذا کلامہ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں الحمد للہ آپ کی زبان سے اتنا تو نکلا کہ قیام کرنا وقت ذکر ولادت شریفہ کے ہونا چاہیے خیر اس قدر آپ کا تسلیم کر لینا بھی بس ہے ع عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است ، بعد اس کے یہ فرمانا آپ کا کہ ہر روز کون سی ولادت مکرر ہوتی ہے نعوذ باللہ منہا یہ بڑی بیباکی ہے اور اس کے بعد جو خرافات فرضی اور کنھیا کا سانگ وغیرہ الفاظ لکھے ہیں وہ تو نہایت درجہ کی بے ادبی اور گستاخی ہے یہ خیال نہ کیا کہ کس عالیجناب کا ذکر ہے آدمی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہوشیار رہو کر الفاظ سوچ کر منہ سے نکالے ع ہشدار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را۔

اور دوسرا اعتراض ذمہ پر رکھ لیا اور پہلے لکھے کا خیال نہیں اور اس کے مخالف قاعدہ گھڑ لیا سبحان اللہ

جواز قیام کی کوئی وجہ موجود ہی نہیں پائی جاتی قولہ اعتراض مطبع ہاشمی میں الخ اقول اس فتوی کی نقل اول نو جلد میں کی گئی پس سائل نے اس قیام مخصوص کو پوچھا تھا مجیب نے اس کے جواب میں سب شقوق قیام کو لکھ کر ایک ایک شق کا حکم شرعی لکھ دیا مگر یہ کہ مطلق ذکر فخر عالم میں قیام مندوب ہے بلا قیود تخصیص یہ نہیں لکھا کہ سوال سائل میں استفسار[1] نہ تھا پس اس ایک شق کا یہ جواب لکھا ہے کہ اگر قدوم[2] روح مبارک کی وجہ سے یہ قیام ہے کہ وہ ظہور مبنی قدوم کے ہے اور قدوم پر تعظیم مندوب ہے تو یہاں اس وقت قدوم نہیں بلکہ ذکر قدوم معنوی کا ہے کیونکہ ولادت مکرر نہیں ہوتی ایک دفعہ ہو چکی اور اب اگر ذہن میں ولادت فرض کر کے قیام کرتے ہیں تو اس کی کوئی نظیر شرع میں نہیں بلکہ فرضی امر کیساتھ معاملہ اصلی شے کا کیا جاتا تو مؤلف کہتا ہے کہ قولہ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں الخ اقول مؤلف کو فہم مطالب تو بونگ[3] بعید ہی ہے کہتا ہے کہ الحمد للہ آپ کے منہ سے یہ بات نکلی یہ فقرہ مؤلف کا محض نادانی ہے کیونکہ یہ اس وقت لائق تھا کہ اول یہ ثابت کر دیتا کہ قیام تعظیم قادم کو مجیب منع کرتے ہیں اور ہر گاہ کہ یہ امر ثابت نہیں تو پھر یہ کلمہ تعجب کا خود مؤلف کے فہم متعجب کا ثمرہ ہے مؤلف مقر ہو چکا ہے کہ حکم مقید کا بوجہ قید کے ہوتا ہے پس یہ قول مجیب کا الی اصل قیام وقت ذکر ولادت کے الخ خود دلالت کرتا ہے کہ یہ قیام مخصوص بوجہ خصوصیت کے مورد تقسیم احکام کا ہے قیام مطلق اس سے خارج ہے پس ایسے مسلم قول کے خلاف کہنا کس قدر تعجب اور دیانت سے دور ہے معہذا صریح اس فتوی میں مذکور ہے کہ یہ بات کہ خود جناب علیہ الصلوٰۃ کے واسطے کوئی کھڑا ہوا خارج بحث ہے الخ مگر مؤلف کے چشم حق بیں کہاں ہے کہ دیکھے پس ہر گاہ کہ مجیب کا یہ مذہب ہے کہ جس مقام میں قیام تعظیم شرعاً ثابت ہے وہاں مندوب ہے اور جہاں کوئی وجہ منع کی ہے ممنوع اور قادم[4] کیواسطے بشرط عدم مانع کے اور ذکر اللہ تعالیٰ اور ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیواسطے مندوب مگر تخصیص مطلق کی بدون نص کے بدعت ہے تو پھر گنجائش اعتراض کی مؤلف کو کہاں ہے بلکہ یہ محض عناد[5] ہے قولہ بعد اس کے یہ فرمانا آپ کا الخ اقول مؤلف کو فہم مطلب سے تو کہیں کام نہیں ہوتا بے سوچے جو چاہا کہہ دیا نہ شرم نہ اندیشہ آخرت بھلا مؤلف جو ایسا سر پھلا کر تعجب کرتا ہے اور گستاخی کا بہتان لگاتا ہے وہ کونسی گستاخی ہے مجیب نے یہ کہا کہ یہ قیام مخصوص اگر بوجہ تشریف آوری روح پاک عالم غیب سے عالم شہادت میں ہے تو یہ قیام وقت ولادت شریفہ کے ہوتا اب جو اہل بدعت کرتے ہیں تو کیا اس وقت ولادت مکررہ ہوتی ہے پس یہ فقرہ استفہام انکاری کا ہے کہ ولادت مکررہ نہیں اس میں کون سی گستاخی ہے یہ امر صحیح اور درست ہے پھر مجیب نے کہا پس یہ ہر روز اعادہ ولادت الخ یعنی ہر گاہ کہ تعظیم تو ولادت کی ہے اور ولادت یہاں کہیں موجود نہیں تو اہل بدعت گستاخ اعادہ ولادت فرضاً کرتے ہیں یہ معنی کہ معدوم ماضی کو موجود فرض کر لیا اور فرضی موجود کو حقیقی تصور کر لیا جیسا ہنود کرتے ہیں پس ایسا کام کرنا سخت گستاخی اور زبون[6] حرکت ہے معاذ اللہ تو شان فخر عالم میں کس نے گستاخی کی مجیب نے ہرگز نہیں کی وہ اس فرضی ولادت کو گستاخی کہتے ہیں اور منع کرتے ہیں تو گستاخی کرنے والے

[1] دریافت [2] تشریف آوری [3] اختلاف [4] آنیوالا [5] سرکشی [6] بری ۱۲

لیکن خیر جب آپ زبان پر لائے تو جواب اسکا دینا ضرور ہوا اے حضرت جس چیز کا ذکر آدمی بیدار دلی سے کرتا ہے اسکا تصور بالضرور ہوتا ہے اسوقت دو نظیریں لکھتا ہوں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو قبل احرام باندھنے کے خوشبو لگائی تھی جب حضرت عائشہ نے بعد مدت اس حال کو ایک موقع میں روایت کیا تو فرماتی ہیں کانی انظر الی وبیص الطیب فی مفارق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی گویا میں دیکھ رہی ہوں چمک خوشبو کی سر مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ حدیث صحیحین میں ہے اور ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سرخ حلہ پہنے ہوئے تھے کانی انظر الی بریق ساقیہ یعنی گویا میں دیکھ رہا ہوں چمک پنڈلیوں نورانی کی یہ حدیث جامع ترمذی کی باب الاذان میں ہے ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جنکو محبت ہوتی ہے انکو وقت ذکر محبوب کے وہی شان جمال محبوبی پیش نظر ہوتی ہے پس قول آپکا کہ اب کونسی ہر روز ولادت

مولودی ہیں نہ عجیب اور جو اس ذکر پر قیام کو تشبیہ دینا گستاخی ہے بزعم مؤلف کے تو بھی بیجا ہے کیونکہ اس وجہ خصوصہ پر تو قیام مشابہ فعل ہنود کے ہی ہے کہ وقت ولادت کنھیا کے ہنود بھی ولادت فرض کر کے ایسی تعظیم کرتے ہیں گویا اب پیدا ہوا ہے سو یہ قیام خود ممنوع ہے تو اس فعل منع کو تشبیہ دینا کس طرح گستاخی ہوئی مؤلف کو فہم نہیں معذور ہے **قولہ** تو جواب اس کا دینا ضرور ہوا الخ **اقول** مؤلف نے دو روایتیں نقل کیں دونوں میں تصور حلیہ فخر عالم کا ہے اور کانی کا لفظ مذکور ہے پس مؤلف ہوش کر کے سن لے کہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ آدمی جب کسی گذشتہ امر کو حکایت کرتا ہے تو وہ محکی[1] ذہن میں پیش نظر ذہن کے ہوجاتا ہے تو صحابہ جب حالات فخر عالم کے بیان کرتے تھے تو وہ محکی پاک نظر میں آجاتا تھا خواہ وہ حلیہ ہوتا خواہ اور کوئی قصہ ہوتا اور اس کی یاد پر سرور یا رقت[2] یا کوئی حال مناسب آتا تھا اور یہ اب بھی سب انسان میں بدیہی ہے اور احادیث میں بکثرت موجود ہے پس یہ امر تو دونوں روایت سے معلوم اور مسلم ہے مگر یہ تو دیکھو کہ اس حکایت اور صورت ذہنیہ کے ساتھ معاملہ خود محکی کا ہو ہو یہ ان دونوں روایتوں سے ہرگز کچھ ثابت نہیں ہوتا اگر کسی روایت میں یہ معاملہ ثابت ہوا ہو تو مؤلف اور اسکے معتقدیان[3] نشان دیویں کہ ولادت کے ذکر میں یا گھر سے باہر تشریف لانے کے ذکر میں یا غزوات سے آنے کے ذکر میں کسی نے وقت اس ذکر کے قیام کیا ہو یا مصافحہ کیا ہو یا سلام علیک یا کچھ اور معاملہ محکی کا ذکر حکایت سے کہیں ہوا ہو پس ان دونوں روایت میں لفظ یہ مذکور ہونا کہ گویا میری نظر میں ہے مؤلف کے مدعی کو کیا مفید ہوا اثبات تو اس بات کا کہ حکایت سے معاملہ محکی کا ہو مؤلف پر واجب ہے اور مجیب نے یہ انکار نہیں کیا کہ وقت حکایت کے محکی ذہن حاکی میں نہیں آتا تاکہ مؤلف ان دونوں روایت سے اسکا اثبات کرے بلکہ اس تصور کے ساتھ معاملہ تعظیم محکی کا نہیں ہوتا یہ لکھتے ہیں سو یہ ان دونوں روایت سے ہرگز ثابت نہیں ہوا ذرا مؤلف ہوش کرے دو روایت مؤلف نے اپنی عادت کے موافق دعوی کا دہی کو نقل کر کے اپنی عقل کے تیر چلانے لگا کہ بے شک محبوب کی شان پیش نظر ہوتی ہے مگر اس شان پیش نظر کے ساتھ شرع سے یہ ثابت کرنا واجب ہے کہ محبوب کا سا معاملہ اسکے ساتھ شرع میں ثابت ہو یا عقل میں درست ہو اگر عاشق زلیخا اور مجنون ہو جاوے وہ قاعدہ شرع وعقل سے خارج ہے اسکا ذکر ہی نہیں پس مؤلف کا قول کہ اگر ولادت مکرر نہیں ذکر ولادت تو مکرر ہے کس قدر بے معنی ولغو ہے کیونکہ ذکر ولادت کے مکرر ہونے سے قیام کا ثبوت کس طرح ہو جاویگا نہ مؤلف کی دو نظیر سے ثابت نہ کسی حدیث سے نہ عقل کا تقاضا کہ حکایت کو قائم مقام محکی کا کر کے محکی کا معاملہ کرے اس ہی حماقت نے راہ بت پرستاں کا مارا ہے اور صورت حاصلہ[4] فی الذہن علم کو کہتے ہیں علم شی کا خود شی معلوم ہو کر معظم ومکرم خارجی اعضاء سے مثل معلوم خارجی کے ہونے لگے یہ درجہ تو مشرکوں سے بھی بڑھ گیا انہوں نے تو خارج میں ایک تصویر قائم مقام بھی کر دی تھی یہاں وہ بھی نہیں معاذ اللہ عن ہذا الفہم الردی[5] الحاصل

---

۱ مضمون حکایت ۲ خوف وزاری کی حالت ۳ جن کی پیروی کیجائے ۴ وہ صورت جو ذہن میں حاصل ہو ۵ اس خراب عقل وسمجھ سے خدا کی پناہ ۱۲

ہوتی ہے اے حضرت اگر ولادت مکرر نہیں ہوتی ذکر ولادت باسعادت تو مکرر ہوتا ہے اور اس وقت جو ظہور انوار و برکات و عجائب حالات ہوا تھا وہ تو مکرر مذکور ہوتا ہے اور وہ نقشہ جاہ و جلال اور حسن و جمال کا تو ہر بار گفتگوئے تازہ سے دل میں تازہ ہوتا ہے اور آپ فرما چکے کہ قیام کرنا وقت وقوع ولادت کے ہونا چاہیے تو جب تذکرہ کر لیجیے پھر وہی تعظیم محبان رسول کے قلب میں طاری و ساری ہو گئی اور قیام کر دیا فرمایئے کون سی دلیل شرعی اس کے منع پر قائم ہے اور یہ جو آپ نے تحریر فرمایا کہ اس امر کی شرع میں کہیں نظیر نہیں کہ امر فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اسکے ساتھ کیا جاوے، اے حضرت ذکر ولادت شریف تو کوئی امر فرضی نہیں یہ تذکرہ تو امر حسی موجود فی الخارج ہے زبانوں پر اس کے الفاظ جاری کانوں میں اسکی صورت طاری دلوں میں اس کا ذوق ساری پس اسوقت میں اگر اصل حقیقت کی طرح تعظیم دی جاوے اس کی نظیریں تو انشاء اللہ تعالیٰ شرع شریف میں مل جاویں گی از انجملہ صوم عاشورا ہی کہاں

ذکر مبارک آپکا لاریب موجب کمال سرور مومن کا ہے مگر اس ذکر کے وقت صورت حاصلہ فی الذہن سے معاملہ خود ذات مبارک کا معلوم ہونے لگے یہ ہرگز جائز نہیں ہاں کوئی عشق و وجد[۱] میں کھڑا ہو جاوے یا لوٹ جاوے یا بے اختیاری میں کچھ کرے وہ اس بحث سے خارج ہے جیسا علامہ شبلی کا قصہ ہے۔ اور کچھ امر ولادت پر ہی منحصر نہیں سب آپکے حالات میں ہی ہم نے اہل وجد میں اسکو ملاحظہ کیا ہے اب مؤلف ذرا غور کرے کہ ان دو حدیث سے اور دلیل عقلی سے مدعا اسکا ہرگز نہیں نکلتا اس قیام کا ثبوت شرع سے کہیں نہیں ہو یگا اگر ساری عمر سر مار یگا اسکا جواب کوئی نہیں ہو گا کہ صورت حاصلہ ذہن کے ساتھ معاملہ معلوم خارجی کا ہووے ہوش کرے اور اس قیام کی کراہت پر دلیل شرعی تو خود بارہا دی گئی مگر مؤلف کے ذہن پر غشاوہ[۲] ہے بلکہ یقین مطلق خود دلیل کراہت کی ہے اور تشابہ کفار دلیل کراہت کی ہے اور خلاف سلف کے ہونا دلیل کراہت کی ہے اور کیا چاہتا ہے **قولہ** اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ امر فرضی الخ **اقول** لاحول ولا قوۃ الا باللہ مؤلف کس قدر کند ذہن آدمی ہے ہرگز نہیں سمجھا ارے مرد آدمی ولادت خارجی واقعی تو محکی[۳] ہے اور ولادت کا تصور جو وقت ذکر ولادت کے ہو وہ اسکی صورت ذہنی اور حکایت ذہنی ہے اور جو تذکرہ لسانی ہے وہ حکایت زبانی ہے پس ولادت حقیقی تو وہ ہے جو گذر چکی اور ولادت فرضیہ یہ ہے کہ اسوقت اسکی صورت ذہن میں لیکر یا حکایت زبانی کو قائم مقام اصلی کے کرتے ہیں اور اس تصور یا الفاظ کی حکایت کو ولادت فرض کرتے ہیں کہ گویا یہ ہی ہے پھر اس کے ساتھ تعظیم عین ولادت جیسی کرتے ہیں محکی کو فرضی نہیں کہا اور نہ حکایت کو فرضی کہا بلکہ حکایت کو فرضی کہا ہے بایں معنی کہ مثل محکی کے حکایت کو بنا دیں اور حکایت کو محکی فرض کریں اور معاملہ اصل کا اسکے ساتھ کریں ولادت اور ذکر ولادت میں فرق بدیہی ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ دو ہوتے ہیں ایک نہیں ہوتا پس ذکر ولادت خود ولادت نہیں لہذا مضاف الیہ کا معاملہ مضاف کے ساتھ شرع سے ثابت نہیں اور یہ بھی سفسطہ[۴] ہے کہ مضاف کو بمقام مضاف الیہ کے رکھکر معاملہ مضاف الیہ کا کریں ہنود کو یہی دھوکا ہوا ہے کہ ذکر ولادت کو عین ولادت جانکر معاملہ ولادت کا کرنے لگے یہ امر بدیہی ہے اگر عقل ہو تو مؤلف تمام مضاف و مضاف الیہ کو اور حکایت و محکی کو ذہن میں لیکر عقل کو کام فرماوے اور سمجھے از انجملہ صوم عاشورا و تغیر تشخص سے حکایت کے ساتھ محکی عنہ کا سا معاملہ کرنا ثابت نہیں **قولہ** از انجملہ صوم عاشورا ہے الخ **اقول** پہلے خوب تحقیق ہو چکا کہ فخر عالم علیہ السلام نے صوم عاشورا بافتراض حق تعالیٰ اور حسب عادت قدیمہ کے رکھا تھا اور ہرگز باتباع یہود کے یا بوجہ شکر نجات حضرت موسیٰؑ کے نہیں رکھا اس تحقیق کا اعادہ نہیں کیا جاتا وہاں دیکھ لیویں ابن حجر نے اس صوم کو اعادہ سرور کا اصل ٹھہرایا تھا کہ جیسا شکر نجات بتجدد[۵] امثال ہر سال عود کرتا ہے شکر ولادت بھی ہر سال اس تاریخ میں اگر عود[۶] کرے تو اس کی

۱ حال و سرور کی کیفیت ۲ پردہ ۳ موضوع حکایت ۴ حماقت ۵ مثالوں کی تبدیلی کے ساتھ ۶ واپس آئے ۱۲

فرعون کا ڈوبنا اور موسیٰ علیہ السلام کا نجات پانا اور انکے شکریہ میں موسیٰ علیہ السلام کا روزہ رکھنا اور کہاں یہ ہمارا زمانہ کہ اتنک وہ روزہ چلا جاتا ہے حالانکہ
حقیقتِ وقوعِ واقعہ غرقِ فرعون ونجات موسیٰ تو اُسی دور میں ہوئی تھی اب وہ اصل حقیقت موجود نہیں ہیں جبکہ آپ قائل ہوئے کہ وقوعِ ولادت میں
قیام ہونا چاہیے تو اگرچہ وہ حقیقت اب موجود نہیں لیکن ہمیشہ تعظیم کا جاری رہنا بعد انقضائے اصل واقعہ کے نظیر صوم عاشورا سے ثابت ہو گیا
اور دوسری نظیر ایک اور بھی ہے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینے مکہ تشریف لائے تو مدینہ میں بخار کی بیماری تھی مشرکوں نے کہا کہ
ان لوگوں کو مدینہ کے بخار نے سست زار و نزار کر دیا ان سے طواف بھی نہ ہو سکے گا یہ کہا اور مقام حجر کی طرف کو مشرک لوگ ان کا تماشہ

مناسبت اسمیں ہے مگر فی الواقع یہ دونوں متغائر ہیں چنانچہ سب تحقیق ہو چکی مگر بہر حال مناسبت ظاہر میں تھی گو واقع میں فرق ہے
لیکن مؤلف نے یہ غضب کر دیئے کہ بالکل کوئی مناسبت ہی نہیں تھی اور پھر اصل بنا دیا یہ محض خیال فاسد ہی ہے اس واسطے کہ وہاں اعادہ
سرور ولادت کا مثل یوم ولادت میں تھا جیسا کہ سرور عاشورا مثل یوم نجات میں ہے غرض ہر دو یوم تو مناسب ہیں اور یہاں تو محض مؤلف کا امر
فرضی ہی ہے اور فرضی امر ٹھہر کر جسکا کہیں خارج میں وجود نہیں معاملہ اسکا کرتا ہی اور مجیب نے اس کو ہی رد کیا ہے کہ جسوقت چاہے ذہن میں تصور ولادت
کا کر لیا اور زبان سے حکایت اس ولادت کی کر دی اور اس تصور ذہنی یا الفاظ حکایت کی تعظیم مثل عین ولادت کے کرنے لگے تو یہاں مؤلف کو
واجب تھا کہ اپنے مدعا کے اثبات میں ایسی نظیر دیتا کہ زبان سے حکایت کر کے اس حکایت کے ساتھ تعظیم محکی عنہ کی ہو یا ذہن میں تصور جما کر اس
صورت ذہنیہ کی تعظیم قیام خارجی سے کیجاوے تاکہ مدعیٰ اسکا ثابت ہوتا ورنہ اس نظیر سے اسکو کیا نفع ہے اب نہ معلوم کہ مؤلف کے نزدیک
ولادتِ حقیقیہ ماضیہ کے قائم مقام فقط تصور ذہنی ہے یا حکایت لفظ لسانی ہے یا دونوں ہیں جسکے واسطے قیام تعظیم ہوتا ہے بہر حال اس فرضی
تصور یا حکایتِ واقعہ کی تعظیم جو فرضاً محکی ہوا ہے اس نظیرِ صوم عاشورا سے کچھ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ یوم عاشورا بجدہٖ و امثال ہر سال عود کرتا
ہے گو غرقِ فرعون ونجات بنی اسرائیل عود نہ کریں سو تعظیم یہود اس یوم کی کرتے تھے اور عید مناتے تھے نہ یہ کہ تصور غرق ونجات کا کر کے عید کرتے
ہوں یا ذکر غرق ونجات کا پڑھ کر عید مناتے ہوں بخلاف مؤلف کے کہ وہ محض تصور اور الفاظ حکایت وذکر کو مقام عین ولادت کی کرتا ہے اور
تعظیم اسکی مثل تعظیم عین ولادت کے ہوتی ہے دیکھو کہ فعل یہود میں اور فعل مؤلف میں زمین آسمان کا فرق ہے یہود کے فعل کو تو کچھ مناسبت
بھی کہ زمانہ زمانہ متماثل ہے مگر مؤلف کے فعل میں کچھ بھی مناسبت نہیں محض مغائرت ہے اور یہود جیسا فرضی معاملہ ہے اور خیال پرستی
کا قصہ ہے معاذ اللہ کیا سوء فہم ہے کہ بیدل سوچے سمجھے جو چاہے لکھدیوے اور شرم نہ کرے شکر نجات حضرت موسیٰ کا دائمی تھا اور مثل
یوم واقعہ کو شکر کیلئے مقرر کر دیا عید منانا تھا ایسا ہی شکر ولادت فخر عالم علیہ السلام کا دائمی ہے اور اسکے یوم ولادت کو ٹھہرا دیا عید منانا
ہے اس مناسبت سے ابن حجر نے یوم عاشورا کو نظیر سرور یوم ولادت لکھی تھی گو اصل میں یہ اصل بنانا بے اصل تھا کیونکہ صوم فخر عالم اسوجہ سے
ہرگز نہیں تھا اور سرور و تعید کو آپ نے رد ہی کر دیا تھا لیکن صورت غرق فرعون ونجات موسیٰ کو ذہن میں ٹھہرا کر یا ذکر غرق ونجات
کا کر کے اور اصل واقعہ کے قائم مقام فرض کر کے تو عید نہیں بنایا تھا جیسا کہ مؤلف بیاد حکایت واقعہ ولادت کے کھڑا ہونا لکھتا ہے
یہ تو نہ ابن حجر کو سوجھی تھی نہ یہود نے یہ فرضی کام کیا تھا مؤلف نے ذرا شرما کر اپنی اصل بے اصل کو خیال کرے کہ شرع محمدی میں تصور
ولادت وحکایت ولادت کو مقام عین ولادت کے قائم فرض کر کے خیال و لفظ پرستی کرتا ہے حالانکہ شرع میں یہ محض بے اصل امر ہے
اور توبہ کرے **قولہ** اور دوسری نظیر الخ **اقول** رمل میں قوت دکھانا کفار کو تھا مگر دوسری علت کا ہونا کہاں سے محقق ہوا کہ سوائے اس کے
کوئی علت نہیں تھی ایک شئی کی کئی کئی علل بھی ہوتی ہیں پس بعد فتح مکہ کے اگرچہ یہ علت مرتفع ہوئی مگر دیگر علل کا رفع ہونا کیونکر

ا موضوع حکایت ۲ زبانی ۳ شانو کی تبدیلی کے ساتھ ۴ مشابہ ۵ مخالفت ۶ ختم ۷ علت کی جمع ۱۲

دیکھنے لگے تب حضرت نے صحابہؓ کو فرمایا کہ ان مشرکوں کے سامنے طواف کے وقت رمل کرو انہوں نے رمل کیا یعنی جس طرح پہلوان لوگ وقت لڑائی کے کودتے ہوئے اور مونڈھوں کو ہلاتے ہوئے بہادرانہ چال چلتے ہیں اسی طرح صحابہ اُن مشرکوں کے سامنے چلتے تھے اور کفار یوں بول اٹھے یہ تو ہرن کیطرح چوکڑیاں بھرتے ہیں یہ روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں خلاصہ یہ کہ رمل یعنی کود اور اچھل کر مونڈھو ہلا کر چلنا اسوقت تو واسطے دکھانے کفار کے کیا گیا تھا لیکن پھر بعد اس زمانہ کے جو حجۃ الوداع واقع ہوا اُسوقت بھی وہ قوت رفتار رمل کے طور پر وقوع میں آئی حالانکہ اسوقت کوئی مشرک وہاں نہ تھا قطعاً اور قائم رکھا اسوقت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رفتار تجبر کو اور پھر قائم رکھا بعد آپکے خلفاء راشدین نے پھر تابعین نے یہانتک کہ ابتک بھی وہی پہلوانوں کی چال کود اچھل کر وقت طواف کیجاتی ہے اب دیکھئے یہ معاملہ حقیقت کا سا بعد منقضی ہوجانے اصل حقیقت کے کیا جاتا ہے الی یومنا ہذا اور جاری رہے گا الی یوم القیامۃ حالانکہ اصل علت موجود نہیں یعنی اب حرم شریف میں ایک بھی کافر نہیں جسکو اپنی طاقت اور بہادری اور جوانمردی کی چال دکھلائے چنانچہ صاحب ہدایہ اسی معنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں ثم بقی الحکم بعد زوال السبب فی زمن النبی علیہ السلام وبعدہٗ اور شیخ دہلوی نے شرح سفر السعادت میں لکھا ہے معلوم شد کہ بعد از زوال علت نیز ایں حکم باقی ست تو حضرت صاحب اصل حقیقت کا سا معاملہ بعد انقضائے حقیقت بھی کرنے کی نظیریں شرع میں موجود ہیں اور جس چیز کی نظیر پائی جاوے وہ موافق قاعدہ مولوی اسماعیل صاحب کے بدعت نہیں بحق الاصل جب آپ قائل ہوچکے کہ اصل حقیقت یعنی وقوع ولادت شریف میں قیام ہونا چاہئے اور ہم کہتے ہیں کہ واقعی آپ اس امر میں حق پر ہیں چنانچہ بعض روایات موالید میں آیا ہے کہ اس وقت ملائکہ اور حوریں کھڑی ہوئی تھیں آدمی کا تو وہاں گذر نہ تھا اور جسکا گذر

معلوم ہوا پس اولاً یہ جزم کہ دوسری علت نہیں تھی صحیح نہیں بلکہ یہاں دوسری علت کا احتمال بلکہ قرینہ وجود اس کا ہے جس کا ذکر آتا ہے نہایت یہ کہ ایک علت کو شارع نے بیان کیا دوسری علت کو مجتہدین کے استنباط پر رکھا جیسا اکثر نصوص میں بیان علت نہیں فرمایا اگر ہم تسلیم کریں[1] کہ دوسری علت نہیں تھی تو حجۃ الوداع میں آپ کا رمل[2] کرنا اور کرانا یہ بھی علت ہے کہ باتباع آپکے فعل کے ہوا اور آپنے تقریر فرمائی پس یہ علت نہایت قوی ہے تو نص علتِ رمل کی موجود ہے ہرچند اس میں بھی استخراج علت کا ممکن ہو مگر مسلمنا[3] کہ یہ نص خلافِ قیاس کے ہے کہ نقہاء کے فہم میں اسکی علت نہ آئی پس جو نص خلاف قیاس ہوتی ہے وہ اصل کسی شئی کی نہیں ہوتی اور مقیس علیہ[4] نہیں بنائی جاتی تعدی حکم اس سے ناجائز ہے اور حکم اسکا مقصور بمحل نص ہی رہتا ہے پس رمل سے قیاس مؤلف کا محل نزاع میں باطل ہوا اور نظیر اسکی لکھنی لغو ہوئی اب دیکھو علی قاری شرح مناسک میں کیا لکھتے ہیں لا یقال الاصل فی الحکم ان یزول بزوال العلۃ فانا نقول قد فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد زوال المشروعیۃ تذکرا للنعمۃ بعد الخوف الاَمن یشکر علیہا فہذہ علۃ اخری والحکم قد یثبت بعلل متبادلۃ او انتفاع شخص علۃ لا یوثر فی انتفاء نوع الحکم ولئن سلم فالحکم ہہنا مع عدم العلۃ فہو غیر معقول المعنی الخ انتہی اور قول صاحب ہدایہ کا جو نقل مؤلف نے کیا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ بعد زوال اس سبب کے جو اس وقت آپ نے اظہار فرمایا تھا نہ مطلق اسباب رمل کی کیونکہ اگر کوئی سبب نہیں تو فعل شارع کا تو خود علت حکم کی موجود ہے کہ اصل علت نص ہی ہوتی ہے مگر مؤلف کس کا ذہن لاوے جو سمجھے پھر سنو کہ یہ نظیر بھی محض[5] سفسطہ ہے کیونکہ طواف کی مثل طواف ہے من کل الوجوہ[6] طواف طواف سب ایک ہیں یہاں بھی اعادہ سبب کا موجود ہے کوئی فرضی امر نہیں اعنی یہ نہیں کہ ذکر اظہار قوت کا ہو

---

[1] سینہ تان کر چلنا [2] ہم نے تسلیم کیا [3] جس پر کسی شے کو قیاس کیا جائے [4] بیہودہ لغو [5] ہر اعتبار سے ۱۲

تھا وہ حالت قیام میں تھا تو اب بھی جب ذکر آوے تو وہی قیام امت میں جاری رہے تعظیماً تو ہرگز مخالف اصل شرعی کے نہیں ہو سکتا
اور تماشہ یہ کہ آپ یعنی حضرت معترض صوفی بھی ہیں اور آپکے یہاں تصور شیخ کا قاعدہ بھی چلا آتا ہے آپکے بزرگوار فرماتے ہیں والرکن
الاعظم ربط القلب بالشیخ علی وصف المحبۃ والتعظیم وملاحظۃ صورتہ انتہی اور شاہ ولی اللہ صاحب رسالہ انتباہ میں لکھتے
ہیں فینبغی ان تجعل صورۃ الشیخ علی کتفک الایمن اور شاہ ولی اللہ صاحب کے خلیفہ محمد عاشق پھلتی جنہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب
نے بعد وفات والد اپنے کے تکمیل سلوک کی ہے اپنی کتاب سبیل الرشاد میں مرشد کا تعلیم کیا ہوا طریقہ لکھتے ہیں اگر وقت دوری شیخ کے استفاضہ
خواہد طریق است آن است کہ فارغ دل وضو ساختہ نماز گذاردہ بجانب نشستہ صورت شخصیکہ ازوے فیض می جوید مجمع ہمت ودفع خطرات ملاحظہ نماید
الی آخرہ اور امام ربانی جلد ثانی مکتوب کی مکتوب سی ام میں کثرت تصور شیخ کیلئے لکھتے ہیں این قسم دولت سعادتمنداں رامیسر است تا در جمیع احوال
صاحب رابطہ را متوسط خود دانند و در جمیع اوقات متوجہ او باشند اور حاجی امداد اللہ صاحب ضیاء القلوب مطبوعہ کے صفحہ میں اس طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ
اگر در حالت ذکر خطرہ در آید بمشاہدہ جمال مرشد آن خطرہ را دفع سازند و باز بذکر مشغول شوند اور مولوی اسحٰق صاحب نے بھی مائۃ مسائل میں اس بات کو محدود
کر دیا کہ پیر کو عالم الغیب جانے لیکن تصور بطور رابطہ قلبی کے ذکر کیا اور اسکو منع نہ فرمایا یہ صریح علامت جواز کی ہے عبارت ان کی یہ ہے

اور رد حل کیا ہو یا تذکرہ صورت ذہنیہ واقعہ کی کرکے رد حل کیا ہو اصل معترض کا اعتراض اور رد کرنا تو فرض شے کا ہے نہ مثل شی پر پس یہاں
اس نظیر میں نہ صورت علمیہ فرضیہ پر عمل ہوا نہ حکایات لفظیہ پر ہوا جیسا ذکر ولادت پر ہوتا ہے اگر مؤلف کو ہوش نہ ہو تو کوئی کیا کرے
نہ مؤلف مغز سخن کسی کو سمجھے نہ اپنے جواب کی کیفیت سے مطلع ہو الحاصل دونوں نظیر میں مثل موجود ہے مگر مؤلف کے قیام ولادت میں کوئی
مثل ولادت نہیں محض صورت ذہنیہ و حکایت ہے کہ ان دونوں کو یا ایک کو عین ولادت فرض کرکے قیام اسکی تعظیم کا کرتا ہے پس فرق کس
قدر ہویدا ہے ؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم، چشمۂ آفتاب راچہ گناہ، پس ہرگاہ تمرہ مؤلف کا معلوم ہو چکا تو صاف تحقیق ہو گیا کہ مؤلف خیال
پرستی میں ہے اور یہ امر ہرگز نہ شرع میں ثابت اور نہ عقل میں جائز اور نہ ہرگز یہ وجہ قیام کی درست ہے اور نہ ہو سکتی ہے شرعاً فقط قولہ اور آپ
کے یہاں تصور شیخ الخ اقول بدیہی امر ہے کہ اگر کوئی اپنے دوست محبوب کا تصور کریگا تو اس صورت ذہنیہ کے ساتھ حب لازم ہو وے گی اور دشمن
کے تصور میں بغض لازم ہوویگا اور معظم کے ساتھ تعظیم، اسمیں کسی عاقل کو تامل نہیں پس جب کوئی اپنے شیخ مربی کا تصور مثلاً کریگا تو بالضرور
محبت و عظمت اس صورت ذہنیہ کو لازم ہو وے گی طبعاً پھر وہ اس صورت علمیہ کو خواہ مواجہ خیال کرے یا ذہنی یہ حب و تعظیم اسکو لازم مگر یہ تعظیم قلبی تو
یہاں مبحوث عنہ نہیں کیونکہ حب و تعظیم فخر عالم علیہ السلام کی لازم قلب مومن کو ہے ہر دم و ہر لحظہ یہاں کلام افعال تعظیم کی جوارح سے اس صورت
کے ساتھ بجالانے میں ہے اور خاص قیام تعظیم اس میں کرنے میں سو یہ کسی اہل طریقہ نے نہیں لکھا اور نہ کسی کا معمول ہے کہ اس صورت کے ساتھ
معاملہ متصور کا کرنا چاہیے پس اس رابطہ کی حجت سے اگر مراد مؤلف کی یہ ہے کہ تعظیم تصور کی کرتے ہیں ولادت کی بھی تعظیم لازم آئی تو یہ محض
تعجب ہے اس واسطے کہ ابھی بیان ہوا کہ تصور معظم کے ساتھ تعظیم لازم ہوتی ہے سو ولادت کے تصور کے ساتھ بھی تعظیم لازم ہوویگی مگر اس تعظیم قلبی
سے تعظیم بجوارح و قیام تو نہیں لازم آتی جسکے اثبات میں مؤلف چکر کھا رہا ہے ہاں جو منکر حب و تعظیم قلبی تصور ولادت کا ہو اس پر یہ حجت
ہوویگی سو ایسا کوئی مومن نہیں چنانچہ توجیہ اسکی بالا ہوئی یہاں تعظیم قیام و جوارح کا انکار ہے سو یہ نہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے
ثابت اور نہ صوفیہ کا معمول اور نہ امر معقول محض ایک جہل قواعد شرع سے ہے پس قول جمیل و انتباہ و سبیل الرشاد و مکتوبات

۱؎ قریب ۲؎ تربیت کرنے والا ۳؎ ظاہر ۴؎ موضوع بحث ۵؎ اعضائے ظاہری ۶؎ جس کی تعظیم کی جائے ۱۲

واگر تصور صورت شیخ بطور رابطہ باشد پس معمول بعض مشائخ است خلاصہ یہ کہ جیسے مرید طالب اپنے پیر کے سامنے مؤدب بیٹھتے ہیں اور تعظیم مد نظر رکھتے ہیں اس سے دو فائدے پیدا ہوئے ایک جب تصور شیخ سے مرید کو فلاح و خیر حاصل ہوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہادی سُبل اور مرشد کامل ہیں انکا تصور غلبہ محبت کے ساتھ کیونکر نفع نہ دیگا دوسرا فائدہ یہ کہ جب تعظیم مرشد حالت تصور میں بھی ہے تو یہ حقیقت کاملہ عدم موجودگی حقیقت میں کیا جاتا ہے پس قائم ہوئی معترض پر یہ حجت ہماری از روئے طریقت اور قائم ہوئیں وہ حجتیں صوم عاشورا اور رمل کے ساتھ چلنا حالت طواف میں از روئے شریعت اور وہ جو معترض نے شدت غیظ قلبی سے اس بات کو محض حماقت اور حرام اور تشبہ کفار اور جنم کنھیا اور سانگ قرار دیا ہے اسکا جواب ہم کچھ نہیں دیتے ہاں یہ دعا کرتے ہیں کہ خداوند کریم جاہلوں کی زبان کو ایسے کلمات گندہ اور الفاظ غلیظ سے آلودہ نہ کرے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم **اعتراض** کہتے ہیں کہ شامی جو مجوزین عمل مولد شریف میں شمار کیا جاتا ہے وہ خود قیام کو بدعت لا اصل لہا لکھتا ہے تو یہ قیام بدعت سیئہ ضلالت ہوا اور عبارت اس کی سیرت شامی میں یہ ہے جرت عادۃ کثیر من المحبین اذا سمعوا ذکر وضعہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوموا تعظیما له صلی اللہ علیہ وسلم وهذا القیام بدعة لا اصل لها **جواب** اسکا یہ ہے کہ اس عبارت سے جو یہ لوگ ضلالت اور سیئہ

وضیاء القلوب ماتہ مسائل سے جو کچھ مؤلف نے نقل کیا ہے محض بے سود و بے محل نقل جہلات سے. دو امر واضح ہوئے ایک یہ کہ جیسا تصور شیخ اور جملہ محبوب میں محبت قلبی لازمی ہے تصور فخر عالم اور آپ کے حالات ... میں بھی وہ حب و تعظیم لازم ہوتی ہے اور جیسا ان محبان کی کے تصور میں قیام وغیرہ امور جوارح کی تعظیم منقول نہیں فخر عالم کے تصور میں بھی نہیں ہونا چاہئے خصوصاً جہاں تشبہ کفر کا لازم آوے جیسا تصور ولادت میں اور کسی کو نہ دیکھا سنا ہوگا کہ حالت عقل میں تصور زوجہ کے ساتھ بوس و کنار کرے یا تصور قدوم والدین میں قیام مثلاً دوسرے یہ کہ جیسا حب قلبی فخر عالم اور ان کے احوال کے موجب قوت ایمان ہے ایسا ہی امور غیر مشروعہ کو ایسی حالت ذکر و تصور میں بجالانا تشبہ کفار کے ساتھ باعث ہتک حرمت آپکا ہے اور موجب نقصان ایمان فاعل پس ہر دو حجت مؤلف کی منقلب اس پر سبب پشیمانی اس کی ہو گئی اور جو کچھ کلمات تشبیہہ کے عدم فہم کی وجہ سے اس نے لکھے اسکا جواب لکھنا ضرور نہیں مگر اول لکھا گیا کہ جب صحابہ نے ایک امر مباح کے واسطے عرض کیا تھا کہ ہمارے واسطے بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیں تو آپ نے یہ تشبیہہ فرمائی تھی اجعل لنا الها کما لهم آلهة کہ یہ کلمہ شرک کا تھا پس مباح کی طلب فعل میں آپنے تشبیہہ کلمہ کفر کی فرمائی اور حدیث ماشاء اللہ وشئت میں ہرگز قائل کی نیت میں شرک نہ تھا معنی درست تھے مگر بظاہر جو موہم لفظ شرک کو تھا تو آپ نے فرمایا جعلتنی للہ ندا تو یہ ہی معنی تھے کہ مجھ کو تو نے خدا کا شریک بنایا یعنی مشرکین جیسا کلمہ کہا کہ ظاہر میں شرک کی بو دیتا ہے اور حالت قیام کو صلوٰۃ فرض قدیم میں فرمایا ان کدتم انفا لتفعلون فعل فارس والروم اور فارس اور روم کا فعل حرام غیر مرضی ہی تو تھا کہ قیام صلوٰۃ مشروع کو بوجہ مشابہت کے تشبہ حرام قیام سے فرمائی اب مؤلف ہر سہ نظیر میں دیکھ لیوے کہ بوجہ مشابہت کے فخر عالم نے افعال مباح و مشروع کو تشبیہہ شرک حرام سے دی ایسا ہی یہاں بھی حالت ذکر فخر عالم میں جو مندوب تھا اس فعل قیام کو جو مشابہ ہنود کے تھا تشبیہہ فعل ہنود سے کیا تھا تو کون سی وجہ اشکال کی آگئی خود مؤلف کو تو مسجد کو مندر سے تشبیہہ دینا جائز ہوا اور فخر عالم کا ہتک بقول کر اگر سب اسباب تعظیم کے نہ ہونے میں قیام کی تعظیم بھی نہ ہو تو کیا حرج ہے ایسے کلام گستاخ کرنا درست رکھا اور دوسروں پر یہ کم فہمی کے کلام حق تعالیٰ مؤلف کو ہدایت کرے کہ مومن ہے گو ظلمات بدعت میں محصور ہے مؤلف کا سیرت شامی سے قیام مولد ثابت کرنا بے اصل ہے **قولہ اعتراض** لکھتے ہیں کہ شامی لکھا **اقول** جبکہ محدث کی قرون ثلثہ میں اصل نہ ہو صراحتہً و دلالتہً وہ بدعت ضلالہ ہے اور عجب تقسیم بدعۃ کے وہ سیئہ ہی

---

١ اعضاء ظاہری ٢ تشریف آوری ٣ بے عزتی ٤ وہم میں مبتلا کرنے والا ٥ کیا تم نے مجھے خدا کا شریک قرار دیدیا ٦ بدعت کی تقسیم

ہونا قیام کا نکالتے ہیں کمال بوالعجبی ہے اس لئے کہ بدعت ہونا اسکا تو مسلم کیونکہ رسول وصحابہ کے دورہ میں اسکا رواج نہ تھا لیکن اس وقت
رائج نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضلالت ہو تقسیم بدعت طرف حسنہ اور سیئہ کے مجتہدین اور محدثین کے قول سے ثابت ہے چنانچہ نور دوم کے
لمعۂ ثانیہ میں ہم نقل کر چکے اور سیرت حلبی میں ہے وقد قال ابن حجر الہیثمی والحاصل ان البدعۃ الحسنۃ متفق علی ندبہا وعمل المولد واجتماع
الناس لہ کذلک ای بدعۃ حسنۃ انتہی اور یہ ابن حجر قائل جواز اس قیام مروجہ کے ہیں چنانچہ ان کے مولد کبیر کی عبارت جواز قیام میں
عثمان حسن دمیاطی شافعی نے نقل فرمائی ہے پس جبکہ یہ عمل مولد بہیئت مروجہ مع القیام بدعت حسنہ ٹھہرا بالاتفاق اس لئے کہ اشارہ لفظ کذلک
کا طرف متفق علی ندبہا کے بھی ہے جس طرح بدعۃ حسنۃ کیطرف ہے کما لا یخفی تو استدلال مانعین اوپر بدعت سیئہ ہونے قیام کے جو سیرت شامی سے کرتے
ہیں اس تقریر سے ساقط ہو گئی اور اگر لفظ لا اصل لہا پر مانعین کو کچھ غرہ ہے کہ اس نے لا اصل لہا جو لکھا ہے اس سے سیئہ ہونا ثابت ہے تو جواب اسکا
یہ ہے کہ یہ بات ضروری نہیں جہاں لفظ لا اصل لہا آیا کرے وہاں بدعت سیئہ مکروہہ یا محرمہ مراد ہوا کرے اس بات پر دو عبارتیں دلیل گذارتا
ہوں مجمع البحار کے خاتمہ جلد ثالث صفحہ ۵۱۲ مطبوعہ نولکشوری میں ہے کہ صاحب مجمع نے اپنے شیخ سے مسئلہ پوچھا تھا کہ پھول یا خوشبو
سونگھتے وقت درود پڑھنا کیسا ہے تو جواب اسکا یہ لکھا ہے اما الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند ذلک ونحوہ فلا اصل لہا ومع ذلک
فلا کراہۃ فی ذلک عندنا الخ اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ لا اصل لہا ہونے کو یہ ضروری نہیں کہ وہ ناجائز ہو گئے اور مولوی محمد اسحٰق
مسائل اربعین کے مسئلہ چہاردہم میں کہ نوشہ کو بطریق سلامی کچھ دینا اور دلہن کو منہ دکھائی میں کچھ دینا کیسا ہے تحریر فرماتے ہیں جواب در شریعت
محمدی اصل ایں چیز ہا یافتہ نمی شود مگر ظاہر حال ایں چیز ہا کہ دادن سلامی و رونمائی ہست مباح باشد الی آخرہ ان عبارتوں سے معلوم ہو کہ کسی
چیز کے بدعت ہونے اور شریعت محمدیہ میں اصل نہ پائے جانے سے حرمت وکراہت لازم نہیں آتی پس سیرۃ شامی میں بدعۃ لا اصل لہا

کہلاتی ہے چنانچہ اسکی تحقیق گذر چکی پس جب صاحب سیرت شامی نے لا اصل لہا کہا بدعۃ ضلالۃ اسکے نزدیک ہو چکی اور بدعت ضلالہ ہونا اسکا
اس رسالہ سے بھی محقق ہو لیا اور توجیہات رکیکہ واہیہ مؤلف کا جواب اثبات قیام میں بھی لکھا گیا پس جب احادیث واجماع سے ضلالہ ہونا
ثابت ہو گیا اب ابن حجر ہیثمی یا کسی عالم کا قول معتبر نہیں اور خود مجلس مروجہ کا ممنوع ہونا بھی سابقاً محقق ہو لیا اور اقوال پہلے علماء اور اعمال
کی توجیہہ بھی کر دی گئی کہ حسن ظن اپنا ان کے ساتھ ہے مگر مؤلف کے نہ ماننے پر تنزل کا جواب دیا جاتا ہے پس حجج مؤلف کی بالکل بے سود
لا طائل ہیں بدعت سیئہ ہونا اس کا مقرر ہے **قولہ** اور اگر لفظ لا اصل لہ الخ **اقول** مؤلف کے ہوش وفہم کا قصور ہے ہوش کر کے سنئے
کہ جہاں بدعت کے ساتھ لا اصل لہ ہوتا ہے وہاں بدعۃ سیئہ مراد ہوتی ہے اور جو بغیر لفظ بدعت کے لا اصل لہ بولتے ہیں تو وہاں دوسرا
احتمال بھی ہو سکتا ہے پس یہاں سیرۃ شامی میں بدعت لا اصل لہا کہا ہے پس یہ بالضرور سیئہ ہی ہے اور مجمع کی عبارت میں بدعت کا لفظ
نہیں فقط لا اصل لہ ہے اور قرینہ مابعد کا موجود ہے کہ اصل سے مراد حدیث یا اثر صریح ہے نہ مطلق اصل کیونکہ کہتا ہے فلا کراہۃ
فی ذلک عندنا فقد قال الحلیمی من ائمتنا الشافعیۃ واما الصلوۃ علی النبی عند التعجب من الشئ کما یقول الانسان حینئذ سبحان
اللہ لا الہ الا اللہ ای لا یأتی بالنادر الا اللہ تعالی فلا کراہۃ فیہ انتہی پس دیکھو کہ اصل صلوۃ کے وقت امر تعجب کے حلیمی کے قول
سے ثابت کرتا ہے تو قیاس اور قول فقیہہ تو اصل موجود ہے جس پر قیاس رجحان کو کیا مگر حدیث واثر نہیں پس اصل سے مراد یہاں حدیث
واثر ہے نہ یہ کہ کوئی دلیل صراحۃً ودلالۃً بھی نہیں لہذا لفظ لا اصل لہ کہ مطلق قرینہ سے ہو خصوصاً جب بدعت کا بھی ذکر ہو وہاں
ضلالہ ہی مراد ہوتا ہے تو شامیہ میں بدعت سے مراد سیئہ ہی ہے علی ہذا اربعین مسائل میں اصل سے مراد نص صریح ہے وہ اصل

ـــــــــــــــــــــــــــ

لہ گزر دورہ ۲ صفحہ ۲ جز صفحہ ۱۲

کہنے سے قیام کا ضلالت اور سیئہ ہونا ثابت نہوا اور جبکہ ٹوٹ گئی دلیل مانعین کی تو اب پیش کریں ہم وہ قرائن و دلائل کلام شامی کہ جو قیام کے بدعت حسنہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس نے یہ لفظ لکھے ہیں جرت عادۃ کثیر من المحبین اول تو لفظ اجرائے عادت ایک قسم کے مستند ہونے پر دلیل ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے باب الاحرام میں لکھا و بنی هٰذا جرت العادۃ الفاشیۃ وھی من احسن حجۃ تو عادت فاشیہ یعنی ظاہرہ اگر عہد صحابہؓ سے ہو تو کمال درجہ کی قوی حجت ہے اور اگر مابعد کی عادت ہے تو بھی ایک طرح کی سند ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ما راٰہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ حسن اور مسلموں سے صحابہ مراد رکھنا غیر مسموع ہے اس لئے کہ مخالف ہے دو فتاوی اور شرح ہدایہ وغیرہ کے جو بہت اکابر مفتیان دین نے اس روایت کو سند پکڑی ہے استحسان امور مروجہ مابعد پر جنکو علمائے دین نے مستحسن رکھا ہے اور نیز مفتیان دین جابجا الفاظ فتوی میں لکھتے ہیں علیہ العمل وعلیہ المسلمون وبہ جری التعامل وھو المتوارث امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ قیام کی تحقیق میں جلد دوم احیاء العلوم میں لکھتے ہیں ولکن اذا لم یثبت فیہ نہی عام فلا نری بہ باساً فی البلاد التی جرت العادۃ فیہ باکرام الاخ بالقیام دوسرا قرینہ یہ شامی نے عادت لکھی تو کثیر کی عادت لکھی اور گروہ کثیر اہل اسلام کا ایک عمل پر قائم ہو جانا یہ بھی ایک سند ہے شامی شارح درمختار نے لکھا ہے والاعتماد علی ما علیہ الجم الکثیر اور حدیث شریف میں ہے اتبعوا السواد الاعظم پس عمل سواد اعظم کا ہونا یہ بھی ایک دلیل اتحاد کی ہے تیسرا قرینہ

کلی عطار و ہبہ کی نصوص میں موجود ہے تہادوا تحابوا الحدیث وغیرہ اور یہاں بھی لفظ بدعت کا مذکور نہیں اور عاقل جانتا ہے کہ احسان وصلہ مندوب ہے پس لا اصل لہ کے معنی جو مؤلف نے سمجھا کس طرح درست ہوتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس جزئیہ خاص میں نص صریح نہیں گو اصل کا وجود ہے پس ہر دو حجت[1] مؤلف کی محض کم فہمی تھی سو رد ہوئی اور شامی کا قول ضلالہ[2] ہونے پر نص نہ ہوا قولہ اب پیش کریں ہم قرائن الخ اقول عادت فاشیہ کے یہ معنی ہیں کہ کسی قرن میں اسکا تعامل بلا نکیر ہوا ہو سو قرون ثلثہ میں اگر شیوع[4] ہوا تو دلیل شرعی[3] ہے ورنہ نہیں چنانچہ تحقیق بدعت میں مذکور ہوا اور جو بعد قرون ثلثہ کے شیوع ہو تو شرط اسکی یہ ہے کہ کوئی عالم بھی اسکا خلاف کرے اور کوئی حجت شرعیہ بھی اسکے خلاف نہ ہو سو ایسی عادت فاشیہ[5] کے حجت ہونے کی دلیل عینی نے یہ حدیث ما راٰہ المسلمون حسناً الخ لکھی ہے سو یہ عادت فاشیہ اجماع ہے اور اجماع میں انفراد ایک کا بھی قاطع اجماع کا ہے پس مؤلف کی خوش فہمی قابل تحسین ہے کہ اول تو قیام مروج پر نص سے منع و نہی وارد ہے کہ تعین مطلق نص کا کرنا ہے اور تشبیہ کفار کا حرام ہونا جو پہلے محقق ہو چکا دوسرے ہر زمانہ میں علماء اس مجلس مروجہ اور قیام پر انکار کرتے رہے ہیں پس اس حالت میں عادت فاشیہ کہاں ہے جو مؤلف ناز کر کے ذکر کرتا ہے اور یہ روایت جنایات الاحرام کی ہے پس جرت کے لفظ سے استدلال مؤلف کا باطل ہوا اور شرح حدیث ما راٰہ المسلمون کی پہلے لکھی گئی ہے جس سے یہ سب تقریر مؤلف کی لغو ہے کیونکہ اس حدیث میں ہر قرن کا اجماع مراد ہے بشرطیکہ خلاف نص کے نہ ہو اور کوئی ایک بھی مخالف نہ ہو اور یہی معنی علیہ العمل وعلیہ المسلمون وجری التعامل وھو المتوارث کی ہیں اگر فہم و علم ہو تو ظاہر ہے اور احیاء العلوم میں خود بعد نفی نہی کے کہتا ہے اور بلاد کا جریان تعارف اعتبار کرتا ہے اس واسطے کہ اصل قیام تو درست ہی ہے شبہ تخصیص کا تعارف بلاد سے رفع کر دیا مگر فہم درکار ہے قولہ دوسرا قرینہ الخ اقول واضح ہو چکا کہ خلاف نص کے کثیر کیا تمام دنیا کا بھی تعارف معتبر نہیں اور سواد اعظم[6] سے مراد اہل سنت ہیں اور جم غفیر کا جب قول معتمد ہوتا ہے کہ فریقین کے پاس کوئی دلیل نہیں محض رائے ہے تو اکثر کا قول معتبر جانتے ہیں اور نص کے ہوتے جو موافق نص کے کہے اگرچہ دو تین ہی ہوں لاکھوں کے مقابلے میں تو یہ دو جم غفیر اور سواد اعظم ہوگا پہلے بھی اس کو واضح لکھا ہے قولہ تیسرا قرینہ الخ اقول اگرچہ کسی اور

[1] دلیل [2] گمراہی [3] دلیل قطعی [4] رواج [5] عام [6] کثیر جماعت

یہ کہ وہ کثیر جن کا عمل ہے وہ کون ہیں محبین اور یہ بات ظاہر ہے احادیث صحیحہ سے کہ اہل ایمان میں بڑے کامل وہی ہیں جنکو محبت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین پس جبکہ ایمان کامل انہیں کا ہوا جو اہل محبت ہیں اور اہل محبت کا عمل اس قیام پر ہوا تو بڑی نادانی کی بات ہے جو فعل ایسے مومنین کاملین کے گروہ کا ضلالت یا سیئہ قرار دیں چوتھا قرینہ یہ کہ شامی نے وجہ ان کے قیام کی لکھدی کہ کوئی غرض نفسانی یا ہوائے شیطانی کیلئے قیام نہیں کرتے بلکہ خاص واسطے تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہے اور یہ بات سب اہل اسلام جانتے ہونگے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم شرع میں مطلوب ہے یا نہیں اور یہ کہ بہ نیت ادب کھڑا ہونا مفید تعظیم ہے یا نہیں پھر جبکہ قیام انکا مبنی ہوا تعظیم پر تو بالضرور مستحب اور مستحسن ہوگیا، پانچواں قرینہ یہ کہ اگر محدث شامی کو منع کرنا قیام کا منظور ہوتا تو وہ اُس قسم کے الفاظ لکھتا جو منکرین قیام نے لکھے ہیں، جیسا جونپوری صاحب فرماتے ہیں مایفعل العوام عند ذکر جمیع خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام لیس بشیٔ بل مکروہ اور، گجراتی صاحب لکھتے ہیں تداحث بعض جہال المشائخ امور کثیرۃ لانجد لہا اصلا ولا اسما فی کتاب لاسنۃ منہا القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پس یہ مانعین جنکو اس فعل پر انکار ہے وہ تو قیام کرنیوالوں کو محبین رسول نہیں کہتے بلکہ شدت غیظ وغضب سے انکو عوام اور جہال وغیرہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں، الحاصل یہ قرائن خاص ہی ایک فقرہ کے قطع نظر قرائن عبارت ماقبل ومابعد شامی اور قطع نظر انتظام سیاق و سباق اس کی سے دلالت صریح کرتے ہیں کہ مراد محدث شامی کی یہ ہے کہ اصل اس قیام کی فعل صحابہ سے تو نہیں پائی گئی لیکن جماعت

بدعت اور مضموم کو محبین بھی کریں وہ بھی بدعت ہے اور جب شامی نے بدعت لااصل لہا کہدیا تو کسطرح جائز ہوگیا اور فعل محبین کا حجت ٹھہر گیا محبین سے خطا کا کوئی اگر امر سرزد ہوتا ہے پس وہ خطا صواب نہیں بنجاتی صحابہؓ سے لیکر آج تک یہ تعامل ہے، مگر مؤلف کا یہ عقیدہ کہ محب سے خطا بھی بدعت نہیں ہوتی مردود ہے، نصوص قطعیہ سے **قولہ** چوتھا قرینہ الخ **اقول** تعظیم قابل اعتبار کے ہے کہ موافق قاعدہ شرعیہ کے ہو ورنہ مردود ہوگی اگرچہ حب فخر عالم میں کریں اس میں وجہ جواز کی حسب اجازت شرع کے کرنا ہے نہ غرض تعظیم وحب فخر عالم کا ہونا اور غرض نفسانی مرتفع ہونا حضرت معاذ صحابیؓ نے محض حب وتعظیم فخر عالم کی وجہ سے سجدہ آپکو کرنے کی اجازت چاہی، آپ نے رد کردیا اور بہت دلائل اس کی احادیث میں موجود ہیں پس یہ قرینہ محض خطا واضلال ہے باقی رہا قولہ کہ یہ بات سب اہل اسلام جانتے ہوں گے الخ تو یہ کلمہ محض محب احمق کا ہے کہ تمام عالم کی طرف سے اس علم میں مؤلف کو تردد ہے خود آپ ہی عالم ہے اور آپ ہی محب ہے، اور جواب قیام تعظیم کی جواز اور اس قیام کے خاص عدم جواز کا خوب محقق ہوچکا سو یہ قیاس مؤلف کا فاسد ہے کیا حاجت اعادہ جواب کی ہے **قولہ** پانچواں قرینہ الخ **اقول** لفظ بدعۃ لااصل لہا سے زیادہ بڑھکر کون سا کلمہ ہجو کا ہوگا کہ خود فخر عالم ﷺ فرماتے ہیں کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار اور شامی کا تعبیر اہل قیام کو بلفظ محبین یا بوجہ دعویٰ ان کے ہے یا واقعی یا حسن ظن سے ان کو محب جانتا ہے اور خطاء سے مبتلا اس فعل کو سمجھتا ہے سو یہ قرینہ محض سوء فہم ہے **قولہ** الحاصل الخ **اقول** یہ سب قرائن مؤلف کے معلوم ہوا کہ محض جہل تھا اور سوء فہم معنی کا اور بدعۃ لا اصل لہا کے معنی تمام اہل علم ودیانت کے نزدیک بدعت سیئہ کے ہوتے ہیں پس کلام علماء کے سمجھنے کو علم کا مادہ اور نقل کرنے کو دیانت کا ہونا ضرور ہے، جو دونوں سے عاری ہو وہ کیا کسی اہل علم کے کلام کو سمجھے گا اور جو خود خائن ہو وہ کیا کسی اہل دیانت کو ستدین پہچانے کا مشق کیونکر تصور کرے گا اور مادہ علمی وفہم مؤلف کا اس رسالہ سے بخوبی واضح ہوچکا اور خیانت مؤلف کی بھی نقل عبارت تذکیر الاخوان میں اور اختصار روایت ردالمحتار میں محقق ہوچکی اور جو کچھ مؤلف بزبانی

۱؎ پسند کرنیوالے ۔ ۲؎ جس کی کوئی اصل نہیں ۳؎ گمراہ کرنا ۴؎ لوٹانا ۵؎ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام آگ ہے ۶؎ خالی

کثیر اہل اسلام کی کہ جو محبین ہیں وہ تعظیماً قیام کرتے ہیں پس یہ الفاظ تو فی الحقیقت ترغیب دیتے ہیں اہل ایمان کو کہ جس کے دل میں محبت بادو تعظیم رسول مدنظر ہو تو قیام کرے مطلب سمجھنے کیلئے ایک تو مادہ علمی درکار ہے دوسرے ہدایت من عند اللہ کہ قلب مومن میں القا ہوتا ہے جہاں دونوں مفقود ہوں وہاں کیا کیجئے ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور اب دیکھئے اسی عبارت شامی کے لفظ لا اصل کو محدثین بیدار دل کس طرح شرح کرتے ہیں، علامہ نور الدین حلبی نے یہ عبارت شامی کی لکھ کر آگے اس کے لکھا ہے" اے لکن ہی بدعۃ حسنۃ لانہ لیس کل بدعۃ مذموم چنانچہ یہ عبارت سیرت حلبی مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۲۳ میں موجود ہے اور علامہ حلبی نے اپنے اصطلاح دیباچہ میں لکھی ہے کہ جس جگہ میں نے سیرت الشمس کی کوئی عبارت لی ہے اس کے شروع میں لفظ ای لایا ہوں تو سیرت شامی کے لفظ بدعۃ لا اصل لہا کو جو ساتھ بدعت حسنہ کے تفسیر کی ہے اسکو بھی حلبی لفظ ای سے لایا ہے، اگر تو معلوم ہو گیا اتفاق ان دونوں محدثوں کا یعنی صاحب سیرت الشمس اور صاحب سیرت حلبی کا اس تغیر پر اور بعض رسائل میں اس عاجز نے دیکھا ہے کہ محدث شامی کے خلف الصدق ابو نصر عبد الوہاب نے بھی اپنے باپ کے کلام کو تفسیر ساتھ بدعت حسنہ کے کیا ہے اور ہرگز شک نہیں اس میں کہ عمل امت کا شرقاً و غرباً علی العموم بلاد اہل اسلام میں اس قیام کے استحسان پر ہے اسی واسطے لکھا ہے علامہ شیخ عبد اللہ سراج مفتی عرب رحمۃ اللہ علیہ اما القیام اذا جاء ذکر ولادتہ عند قراءۃ المولد الشریف توارثہ الائمۃ الاعلام واقرہ الائمۃ الحکام اور شیخ عبد الرحمن سراج مفتی مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً در باب محفل مولد شریف مع القیام تحریر فرماتے ہیں وعلماء العرب والمصر والشام والروم الامن لیس کلہم رواہ حسناً من زمان السلف الی الآن الخ **اعتراض** حضرت کی حالت حیات میں

اور بے لگامی عمدۃ المحدثین خیر المعاصرین مولانا احمد علی سہارنپوری قدس سرہ کی شان میں کرتا ہے لاریب اس کا مورد و مستوجب وہی ہے اور خود ہی درظلم[1] ضلالت و ظلمات بدعۃ میں پڑا ہوا سب کو جاہل اور غیر متدین[2] بتاتا ہے چنانچہ یہ رسالہ اس کا شاہد ہے ومن کان فی ھذہٖ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا **قولہ** علامہ نور الدین حلبی نے یہ الخ **اقول** مؤلف بیدار دل کو ابتک خبر نہیں کہ یہ قول حلبی کا شرح ہے، یا روبس اب بیدار مغزی کو کام میں لا کر سنئے کہ سیرت حلبی اپنی عادت کے موافق ای کا لفظ لایا سیرت شمس کی عبارت نقل کرنے کو اور سیرت شمس لکن کے لفظ سے استدراک کرتا ہے گویہ بدعت لا اصل لہ نہیں بلکہ بدعت حسنہ ہے بدعت ہونے کو قبول کیا اور لا اصل لہ پر تعاقب کیا اور دلیل عدم سنیہ[3] کی بیان کردی، مؤلف سمجھنے کا تو تصدی نہیں کرتا پس سیرت شمس اور سیرت حلبی دونوں اس قیام کو حسنہ کہتے ہیں اور شامی سیئہ کہتا ہے، یہ قول شرح کی مراد سے نہیں کیونکہ لکن کا لفظ شرح کے واسطے نہیں اور ای حرف تفسیر ہے مگر اصطلاح حلبی میں سیرت شمس کی عبارت کی نقل کا نشان ہے کہ وہ بمنزلہ تغیر کے ہے واقع ہو جاتی ہے پس دل جواب تو دہی ہے کہ شامی کا قول منصوص ہے، مخالفت کسی کی اس کو مضر نہیں، مخالفت نص کی خود رد کیجاتی ہے مگر تاویل حلبی کی یہ ہے کہ وہ ذکر مطلق کے فرد کی وجہ سے قیام کرتے تھے اور تقیید مطلق کا درجہ اس قیام میں نہیں تھا اور نہ عوام کا اندیشہ تھا لہذا جائز جانتے تھے، اب وہ امر نہیں رہا مگر وہ ہو گیا اور جواب اس توارث ائمہ کا و علماء عرب و مصر وغیرہما کا جو عبد اللہ سراج اور عبد الرحمن ابن عبد اللہ سراج کے فتوے سے نقل کیا ہے چند بار پہلے گذرا، غرض مؤلف کو سوائے حرمان[4] اور کوئی حاصل نہیں **قولہ** اعتراض حضرت کی حالت حیوۃ الخ **اقول** مؤلف نے یہ فقرہ فتویٰ مولوی احمد علی صاحب محدث کے کہ اس میں بطور ترقی کے مذکور تھا جدا کر کے مستقل اعتراض

---

[1] گمراہی اور تاریکی کا ظلمہ [2] بے دین [3] برا سمجھنا [4] برا نہ ہونا [5] محرومی ۱۲

صحابہ واسطے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام نہیں کرتے تھے جیسا کہ ترمذی میں ہے پھر اب قیام کس طرح ہو **جواب** واقعی قیام نہیں
کرتے تھے لیکن اسطرح کا قیام جیسا سلاطین عجم میں تھا کہ جب رعایا اپنے بادشاہ کو آتا دیکھتی اسی وقت سے کھڑی ہو جاتی اور جب تک وہ بیٹھا
رہتا تخت پر اس وقت تک سب اس کے آگے بحال تواضع کھڑے رہتے، ایسا قیام فی الواقع ممنوع شرعی ہے جبکہ وہ بادشاہ یا امیر حکم کرے اور
پسند کرے اس قیام کو اور محفل میلاد شریف میں یہ بات تو نہیں کہ اس محفل میں منبر یا چوکی یا تخت پر کوئی بادشاہ بیٹھا ہو اہے اور سب لوگ
اس کے آگے کھڑے ہیں یا یہ کہ بادشاہ حکم کر رہا ہے کہ تم میرے آگے قیام کرو، یہاں تو یہ بات ہے کہ قاری مولود منبر پر کھڑا ہوا درود وسلام و اشعار

بنایا ہے یا خیانت ہے یا عدم فہم اصل عبارت یہ ہے وقیام عند ذکر ولادت ثبوت آں بزمان صحابہ وتابعین وتبع تابعین
ائمہ مجتہدین اصلا نہ شدہ ودر زمان حیاۃ آں سرور مخلوقات صحابہ برائے آنحضرتؐ قیام نمی کردند بوجہ آنکہ حضرت زانخوش نمی آمد بعد وفات
آنحضرتؐ وجود قیام وقت ذکر ولادت در قرون ثلثہ ثابت نیست الخ پس اس عبارت میں یہ مضمون کہ صحابہؓ آپکے واسطے قیام نہیں کرتے تھے
بطور ترقی کے ہے کہ ذکر ولادت پر قیام کیا ہوتا خود آپؐ کے مقدم پر بھی نہیں ہوتا تھا مؤلف اپنی کارروائی سے یہ سمجھا کہ یہ قیام منع جانتے تھے لاحول
ولا قوۃ الا باللہ وہ قیام کہ بطور عجم کے ہے وہ تو حرام ہی ہو چکا تھا اور یہ قیام منقول از حدیث ترمذی قیام تعظیم کا ہے کہ خود حدیث میں صریح
ہے کہ لم یقوموا اذا راوہ لما یعلمون من کراھتہ لذلک کیا صحابہؓ ممنوع قیام کو کرتے تھے معاذ اللہ نہیں بلکہ اس قیام تعظیم کو حلال
جانتے تھے اور بسبب خوشی حضرت کے ترک کرتے تھے کیونکہ وہاں ارضاء خاطر محبوب[1] کا منظور ہوتا نہ اپنی ہوائے نفس کا اتباع جیسا
اب اس زمانہ میں ہے الغرض حدیث ترمذی کا ترجمہ مؤلف نے بالکل غلط کیا اب حدیث میں بھی مؤلف اپنے نفس کی رغبت سے تصرف
کرنے لگا اس کی شرح طیبی کرتا ہے قال الطیبی لعل الکراھۃ للمحبۃ والاتحاد الموجب رفع التکلیف والحشمۃ یدل علیہ قولہ لم یکن
شخص احب الیھم من رسول اللہ علیہ السلام انتھی پس دیکھو کہ طیبی نے اس قیام کو تعظیم کا قیام لکھا ہے جو مباح و مندوب ہے اسی واسطے
توجیہ کرتا ہے اور خود حدیث میں دلیل ہے بقولہ لم یکن شخص الخ وبقولہ اذا راوہ کے لفظ میں مگر مؤلف محض اپنے جہل سے معنی حدیث کو غلط
بناتا ہے اور وہ قائم رہتا تو خود حرام ہو چکا تھا اس کے کف[2] کے واسطے یہ اعتذار[3] عدم قیام کا کیا موقع کلام تھا فہم درکار ہے کیونکہ مقام مدح
صحابہؓ میں یہ ذکر ہے کہ رضا فخر عالم کیواسطے باوجود واجب ہونے کے یہ قیام مستحب بھی نہیں کرتے تھے اگر یہاں وہ قیام حرام ہوتا تو کیا مدح
تھی کہ باوجود واجب ہونے کے بھی حرام کام نہیں کرتے تھے اس کو تو کوئی عاقل بھی نہیں قبول کریگا کیونکہ حرام کام تو ایذا دہی[4] آپکی تھی
اسکا ترک خود فرض تھا سو یہ کون عاقل کہہ سکتا ہے مقام مدح میں کہ صحابہؓ ایسے محبؐ تھے کہ رسول اللہؐ کو حرام کے کام کو نہیں کرتے تھے یہ کیا
مدح ہے، الحاصل یہ قیام تعظیم جائز ہے اور اسکو فخر عالمؐ اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے بوجہ بے تکلفی کے اور جہاں معلوم ہوتا تھا کہ آپ راضی ہیں تو
کرتے بھی تھے جیسا حضرت فاطمہؓ نے کیا اور خود آپؐ نے ہی کیا اور وہ جو کھڑا رہنا مثل اعاجم[5] کے ہے وہ حرام ہی ہے وہ کسی حال درست
نہیں پس مؤلف ہرگز نہیں سمجھا اور غلط توجیہ حدیث کی کرتا ہے اور پھر وہ ایک اپنے فرضی معنی حدیث کے ٹھیرا کر جواب دیتا ہے کہ محفل میلاد
میں تو قیام حرام نہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ محفل میلاد مؤلف میں وہ قیام ہے کہ قرون ثلثہ میں نہ تھا پیچھے حادث ہوا مؤلف خود قبول کرتا ہے
اور بدعت حسنہ اسکو کہتا ہے اور یہ قیام محدث بسبب مشابہت ہنود کے اور تعین مطلق کے محظور ہو گیا اس کی تحقیق گوش گذار مؤلف

---

[1] محبوب کی دل رضامندی [2] روکنا [3] عذر بیان کرنا [4] تکلیف دینا [5] پسند کرنیوالے [6] عجمی کی جمع

نعت و مدح پڑھ رہا ہے یہ خود فعل صحابہؓ سے ثابت ہے، صحیح بخاری میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع لحسان منبرا فی المسجد یقوم علیہ قائما یفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان کے واسطے منبر رکھتے تھے مسجد میں اور اس پر حسان کھڑے ہو کر فخر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان کرتے تھے پس محفل میلاد شریف میں بھی قاری مولد منبر پر کھڑا ہو کر فخر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتا ہے غرض کہ اس قیام میں اور ترمذی کی روایت کے قیام میں جس کو مانعین سند لاتے ہیں بہت فرق ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ صحابہؓ کسی طرح کا قیام نہیں کرتے تھے نہ وقت مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور نہ وقت تشریف آوری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ بالکل غلط ہے اسکو ہم مسلم نہیں رکھتے حضرت حسان کا قیام وقت بیان فخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بروایت بخاری ابھی بیان ہو چکا اور وقت تشریف آوری صلی اللہ علیہ وسلم کے بی بی فاطمہؓ کھڑی ہوتی تھیں اور نیز کھڑے ہوئے صحابہؓ واسطے آپؐ کے اور نیز کھڑے ہوئے آپؐ واسطے دائی حلیمہ سعدیہؓ کے اور نیز وقت آنے پدر رضاعی اپنے کے یہ سات روایتیں دافع الاوہام میں بتوضیح و حوالہ کتب مذکور ہیں۔

کے پہلے ہو چکی ہے غور کرکے دیکھے بھلا مولوی صاحب نے کب منع کیا کہ منبر پر کھڑے ہو کر مدح پڑھنی جائز نہیں اگر حاجت منبر کی ہو تو حدیث ترمذی میں کہاں یہ معنی ہیں جو مؤلف نے وضع کئے مقصود شارع علیہ السلام کا حرام کرنا قیام اعاجم کا ہے اور اباحت قیام تعظیم کی تو بے تکلفی میں اپنے واسطے پسند نہیں کرتے تھے اگرچہ مندوب ہے مؤلف اپنی کج فہمی کہیں کہیں جا بجا جواب استدلال جواز قیام پر مؤلف کا دیکھو

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہو کر اشعار پڑھنے سے جواز قیام مولود کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا **قولہ صحیح بخاری میں ہے کان الخ اقول**

استدلال جواز قیام کو دیکھنا لازم ہے اس قصہ میں خود فخر عالم اور جملہ اصحاب قاعد ہوتے تھے اور ایک حسان قائم اشعار پڑھتے تھے اور یہ قیام اور صعود منبر کا اعلاء صوت کے واسطے تھا نہ تعظیم کیواسطے کہ خود فخر عالم زمین پر ہوتے تھے اور حسان منبر پر چڑھے ہوتے تھے اگر تعظیم کا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر کس طرح ہوتے اور حسانؓ منبر پر کیونکر چڑھتے پس یہ قیام نہ تعظیم فخر عالم کا تھا نہ تعظیم مدح فخر عالم کیواسطے تھا اور نہ قدوم فخر عالم کے واسطے تھا غرض جس قدر وجوہ قیام مولود میں ہیں سب کے خلاف تھا کیونکہ اگر تعظیم رسول اللہؐ کو ہوتا تو آپ زمین پر بیٹھتے تھے حسان منبر پر کس واسطے چڑھتے اور سب صحابہؓ کس واسطے بیٹھے رہتے اور اگر قدوم کا ہوتا تو وہاں قدوم کسی وجہ سے نہیں تھا نہ حقیقی نہ معنوی اور جو تعظیم ذکر و مدح کو ہوتا تو سب صحابہؓ کیوں بیٹھتے، نہیں بلکہ فقط مثل خطیب کے اعلاء صوت کیواسطے تھا پس ایسے قیام سے قیام مولود کا اثبات یا قیام تعظیم کا جواز مؤلف جیسے عاقل ہی کا کام ہے کسی اہل علم سے تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، البتہ اگر مولود خواں منبر پر کھڑے ہو کر سارا مولود پڑھے اور تمام سامعین بیٹھے رہیں تو یہ ہیئت اس حدیث سے جائز نکلتی ہے مگر اس قیام کا نہ کسی کو انکار اور نہ یہ قیام قیام مؤلف کو کچھ مفید نہ اس سے خود قیام تعظیم ثابت ہو جسکو مؤلف عقلمند ثابت کرتا ہے مگر فہم کی کوتاہی ہے آسمان زمین میں کچھ تمیز نہیں نہایت تعجب ہے اس فہم پر مؤلف علماء کے جواب میں کتاب لکھتا ہے اور تعظیم قادم کو نہ مولوی صاحب نے منع لکھا اور نہ کوئی مانع بدعت منع کیسے خود مؤلف ہی کوتاہ فہمی سے سمجھ گیا پس حضرت فاطمہؓ کا قیام مسلم ہے مگر اس حدیث ترمذی کا اس میں ہرگز معارضہ نہیں کیونکہ یہ امر مباح ہے کسی وقت امتزاج طبع کے وقت جائز رکھتے تھے اکثر وقت پسند نہیں کرتے تھے نہ بوجہ کراہت شرعی کے بلکہ بوجہ کراہت طبعی کے اور یہی شان مباح کی بلکہ مندوب کی ہے الغرض ایسا اعتراض کا خود مؤلف کے ذہن کی خرابی تھی اور جواب بھی کمال بلاہت مؤلف کی ہے اور کیا کہا جاوے فہم حدیث در مطابقت

ؔ عجمی کی جمع ؔ چڑھنا ؔ آواز کا بلند کرنا ؔ مولود پڑھنے والا ؔ مخالفت ؔ طبعیت کی خوشی ؔ بیوقوفی ۱۲

اعتراض بانیانِ محفل میلاد شریف منکرین قیام پر ایسی ملامت کرتے ہیں جیسے تارکِ فرض و واجب پر جواب جو لوگ قیام نہیں
کرتے اکثر ان میں سے ایسے ہیں کہ ان کے عقائد وہابیہ نجدیہ کے طور پر ہیں اور وہ قیام کو کفر و شرک اعتقاد کرتے ہیں پس ایک تو یہ بات
ہوئی کہ اس شخص کے نزدیک فاعلین قیام مشرک اور کافر ٹھیرتے ہیں اگر کسی کو اس بات پر غیظ آجاوے ہاتھ یا زبان سے کچھ سرزد ہو تو کچھ بعید
نہیں، دوسری یہ بات کہ اس ایک حرکت سے اس کے دوسرے عقائدِ خبیثہ کا بھی خیال آجاتا ہے، تیسری یہ بات کہ اس فریق کو دیکھے
ہیں کہ یہ سیکڑوں باتیں خوراک پوشاک اور معاملات میں خلاف صحابہ و خلاف قرون ثلثہ کرتے ہیں اور فقط قیام کرنے اور مولد شریف کی محفل
میں یہ گفتگو کہ قرون ثلثہ میں نہیں ہوئی کرتے ہیں اور باہم عناد و فساد پیدا کرتے ہیں اس وجہ سے بھی محبین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان مفسدوں
پر غیظ آجاتا ہے ہاں اگر معلوم ہو جاوے کہ اس شخص کے سب عقائد عمدہ ہیں اور قیام کرنے والوں کو بھی برا نہیں جانتا تو اس شخص کو ہرگز کوئی
آدمی کا زجر و توبیخ نہ کریگا ہاں البتہ یہ تو کہیں گے کہ آداب محفل کا مقتضا یہ تھا کہ سب کے ساتھ آپ بھی قیام کرتے تو بہتر ہوتا چنانچہ امام غزالی نے

سوال جواب کی کبھی کسی نے ایسی ذرہ بھی نہ سنی ہوگی اور کیوں نہ ہو مؤلف نے جن سے پڑھا ان پر ہی اعتراض اور انکی ہی خدمت میں گستاخی جیا کا
نام نہیں لیں مشتے نمونہ از خروارے جیسا اس انوار ساطعہ میں برعکس نام نہند زنگی کافور ظلمات بعضہا فوق بعض مکنوز ہیں ویسا ہی دافع
الاوہام مخزن شکوک و اوہام واقع ہوگی پس اس کے مطالعہ کی کس کو ہوس ہے مؤلف ہی کو یہ علم نامبارک مبارک رہے **قولہ** اعتراض
بانیان محفل الخ **اقول** مؤلف نے اس اعتراض کو تو قبول کیا کہ مولوی منکر قیام پر مثل تارک فرض کے ملامت کرتے ہیں اور اس کا ہی نام
مندوب کو واجب بنانا ہے جس کو شرع میں تغیر حکم اور بدعت کہتے ہیں پس اعتراض بدعت ہونے قیام کا تو ہو لیا مگر علت ملامت کی کچھ
تحقیق کرتا ہے سننا چاہیے کہتا ہے اکثر منکر قیام عقیدہ وہابیہ کا رکھتے ہیں اور قیام کو شرک اور قیام کرنیوالوں کو مشرک جانتے ہیں دوسرے
ان کی حرکت سے انکے دیگر عقائد کا خیال آجاتا ہے اس سے طبع بھڑک جاتی ہے، تیسرے یہ کہ وہ بہت امور خلاف صحابہؓ کے کرتے ہیں
اور ایک قیام و محفل مولود میں کلام کرتے ہیں یہ تین سبب غیظ کے ہیں پس مؤلف نے ملامت اور سب و شتم کو تو تارک قیام پر مسلّم کیا مگر سبب
اس کا یہ تین امر قرار دیا ہے اور غرض مؤلف کی یہ ہے کہ ہم قیام کو واجب جاننے کے سبب ملامت نہیں کرتے قیام مستحب ہی ہے مگر یہ تین امر سبب
و باعث ملامت کے ہوتے ہیں پس یہ تقریر مؤلف کی محض کذب ہے اس واسطے کہ اگر یہ امور باعث وحشت و گریباں ہونے کے ہیں تو اہل بدعت
سے اور فساق و فجار و ظالموں سے اور رشوت خواروں سے جو اہل سنت کو کافر جانتے ہیں اور مخالفت حدود اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں اور خلق
اللہ کو سخت اذیت دیتے ہیں ان سے کبھی مؤلف ناراض نہ ہوا بلکہ محبت سے ہر روز اور الفت سے ملتا رہا اور ہم پیالہ و ہم نوالہ کبھی حمیت
دین اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ آئی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو فرض عین ہر بشر پر ہے کبھی منہ سے نہ نکلا بلکہ مدح و ثنا کر
مورد اذا مدح الفاسق اهتز عرش الرحمن و غضب الرب کا ہوتا رہا اور اتخذوا اشاہم کا مصداق بنتا رہا اگر یہ امور نہی مثل ان معاصی کے ہے تو
کیا خصوصیت اسکی ہے بالفرض زیادہ موکد ہو نیکا عقیدہ ہوگا اور نہیں تو یہ محض کذب ہے ہاں اگر دیگر اہل بدعت کہ ان کے عقائد شرک تک پہنچے ہوئے ہیں اور فساق فجار کہ بھی الیسا
کرتا تو یہ عذر بیاں بھی معتبر ہوتا ورنہ محض جان چھڑانی اور دفع الوقتی ہے کہ قابل اعتبار کے نہیں فی الحقیقت معاملہ اس مستحب کا مثل واجب کے ہی ہے منکر اس مستحب کے مثل تارک
واجب فرض کے جاتے ہیں مگر مؤلف کو شاید یہ وجہ ہو تو دیگر ہم مشرب اسکو کا قطعاً ہی عقیدہ اور یہی معاملہ ہے اور محض تحکم بدیہی ہے کما لا یخفی **قولہ** ہاں اگر معلوم ہو جاوے الخ **اقول**

زنگی کا نام کافور اسکی بدصورتی کا برعکس کافور رکھتے ہیں ۱۲ منہ شدہ تاریکی ۱۲ منہ پوشیدہ یعنی شکوک و شبہات کا خزانہ ۱۲ منہ رسوائی کا سبب ۱۲ منہ معصیت کی جمع گناہ ۱۲ منہ ذلت ۱۲ منہ

لکھا ہے باب سماع میں کہ یہ بات آداب حقوق صحبت کے خلاف ہے کہ کھڑا ہونے میں موافقت نہ کرے پس اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ غصہ آجانا تارک
قیام پر اور سبب ہوتا ہے نہ اس سبب سے کہ فاعلین قیام فرض و واجب جانتے ہیں قیام کو یہ تو بالاتفاق فتاوی میں مفتیان دین تصریح فرما
چکے ہیں کہ یہ کھڑا ہونا فرض واجب نہیں بلکہ مستحسن اور تعظیم ادب کی بات ہے اور غور سے دیکھئے تو بعض اوقات میں یہ تارک قیام نص قرآنی کا
مخالف بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یا ایہا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم واذا قیل
انشزوا فانشزوا یعنی اے ایمان والو جب تم کو کہا جاوے کہ کھل بیٹھو مجلسوں میں تو کھل بیٹھا کرو اور جب کہا جاوے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو کرو
اب معلوم کرنا چاہیے کہ جب قاری مولد نے پڑھا اس اٹھو ذکر میلاد حضرت ہے اب ؛ یا اسی طرح پڑھا چاہیے آداب کرنا قیام ؛ یا یہ کہ اس وقت کھڑے

مؤلف کی بیدار مغزی دیکھنے کے قابل ہے کہ جناب مولوی احمد علی صاحب نے اپنے جواب میں یہ افادہ فرمایا تھا کہ تارک شد ابد تراز تارک جماعت داند[1]
اس میں مؤلف نے یہ اعتراض نکالا ہے مگر چونکہ مؤلف قیام کے استحباب کا قائل ہوتا ہے گو معاملہ واجبات جیسا کرتا ہے تو سوچا کہ اگر تارک پر ملامت کا
اقرار کرونگا تو بات خلاف دعویٰ ہو جائیگی تو تقریر اعتراض میں بجائے تارک کے منکر بنایا اور پھر نفس انکار مستحب کو بھی باعثِ لوم[2] نہ جانا تو یہ
عذرات کذب پیدا کئے تھے جو مذکور ہوئے آخر دروغ گو را حافظہ نباشد اس قول میں اپنی اصل پر آ گیا کہ وہاں جو معلوم ہو جاوے کہ ہمارے عقیدہ کے
موافق ہے اور پھر ترک قیام کرے تو توبیخ[3] نہیں کرتے مگر موافقت کی فہمائش اور تعلیم ادب کرتے ہیں پھر جب اس میں بھی خدشہ نظر آیا تو آیت سے
استدلال پیدا کیا کہ جس سے بادی الرای[4] میں تاکد بلکہ وجوب مفہوم ہو سکے یہ تقریر مسلسل قابل تحسین مؤلف کے اور عجب ہے سو پہلے انکی بناوٹ کذب کی
تبلیغ تو ظاہر ہو چکی کہ کوئی رفض و خروج مثل انکار قیام مولود کے نہیں سمجھے دوستی و مداہنت[5] کے ساتھ معاملہ ہے مگر تارک قیام کے ساتھ زجر و
توبیخ سے پیش آتے ہیں اس کو سنو کہ مسجد میں لوگ نوافل پڑھیں اور ایک آدمی نہ پڑھے تو اس کو موافقت ادائے مستحب پر ادب نہیں سکھاتے
تراویح کی ادا میں سب قائم ہو ویں ایک شخص قاعدا پڑھے محض کاہلی سے اس کو استحباب کا حکم نہیں ہوتا علیٰ ہذا صدہا امور میں بلکہ مکروہات
کے ارتکاب پر بھی حکم موافقت کا بترک مکروہات نہیں ہوتا مگر یہاں یہ حکم کرنا موافقت کا بادائے مستحب اور ترک کرنا مخالفت کا بترک مستحب
ایسی ضروری ہے کہ ضرور اس میں ادب کی تلقین ہوتی ہے یہی نفس کی چوری ہے کہ سب مستحبات میں سے اس پر زیادہ اصرار اور در پردہ وجوب
کا معاملہ ہوتا ہے مگر مؤلف داشتہ داشتہ کہتا ہے تاکہ کوئی متنبہ اصل مدعا پر نہ ہو جاوے اور امام محمد غزالی کا قول باب سماع کا حجت
مل گیا دیوانہ را ہوئے بس است حالانکہ وہ ایک امر مباح میں موافقت طلب کرتے ہیں اور مؤلف امر مکروہ میں موافقت چاہتا ہے
اور فتاویٰ میں قیام تعظیمی کو جائز لکھا ہے، معترض بھی انکار نہیں کرتا مگر یہ اس وقت جائز ہے کہ کوئی محظور شرعی نہ ہو ورنہ ناجائز ہے
مگر بہر حال اس ادب و مستحب ہونے قیام سے مؤلف کو خدشہ ہوا کہ اب عوام بے پروائی کر کے چھوڑ دیویں گے تو انتظام بگڑا اور خواہش
نفسانی کے خلاف ہوا تو کہتا ہے **قولہ** اور غور سے دیکھئے تو الخ **اقول** جب غور سے دیکھا تو مؤلف کی چالاکی معلوم ہوئی کہ صیغہ
فانشزوا امر کا صیغہ ہے اور موجب اس کا وجوب ہوتا ہے تو اس آیت سے ایجاب قیام ثابت کرنا مد نظر ہے اور یہ خوب محقق ہو گیا
کہ مؤلف کو ہرگز فہم نہیں اس آیت میں یہ حکم ہے کہ جب تم کو حکم ہو کہ کھڑے ہو جاؤ تو وسعت مکان کے واسطے یا خدمت نحر عالم سے
چلے جاؤ یا جہاد و صلوٰۃ کی طرف چلو یا کسی امر مامور کی طرف تو اجابۃ کیا کرو تو اس میں امر مشترک یہ ہے کہ مامور کی طرف اٹھا کرو اور

۱؎ اس مجلس کے چھوڑنے والے تارک جماعت سے بھی بدتر سمجھتے ہیں ۲؎ سبب ملامت ۳؎ ڈانٹ ڈپٹ ۴؎ بظاہر رائے ۵؎ لب پوت ۶؎ فریب

ہونے والوں نے اس آدمی کو اشارہ کیا کہ اٹھ کھڑا ہو اور اس نے نہ کیا کہ کھڑا ہو جاتا نہ یہ کیا کہ اٹھ کے باہر نکل جاتا تو دیکھئے وہ اس وقت میں مخالف امر خداوندی کا ہو گیا کیونکہ نزول اس آیت کا منشا یہی ہوا تھا کہ لوگوں کو وہ بات تعلیم کیجو کہ آپس میں محبت پیدا ہو بغض و عناد و حشت نہ ہو چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اسی آیت مذکورۃ الصدر کے شروع میں لکھا ہے اعلم انہ تعالی لما نھی عباد المومنین عما یکون سببا للتباغض والتنافر امرھم الان بما یصیر سببا لزیادۃ المحبۃ والمودۃ اب سب ارباب انصاف خیال فرماویں کہ اگر وہ شخص کھڑا ہو جاتا تو اتحاد و موانست باہمی کا سبب ہو جاتا اور کھڑا نہ ہونا بغض اور نفرت کا سبب ہو گیا تو یہ فعل اس کا کس قدر منشا حکم خداوندی سے بعید جا ٹھیرا فاعتبروا یا اولی الابصار **اعتراض** قیام کرنیوالوں کو اگر اس بات کی تعظیم منظور ہوتی کہ حضرت کے قدوم کی تعظیم کی جاوے تو فقط وقت ولادت کے کیا خصوصیت تھی چاہیے تھا کہ جب ذکر سنتے کہ فلاں وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں یا مجلس میں تشریف لائے یا حج یا جہاد کرکے پھر آئے ہر قدوم کا ذکر سن کے کھڑے ہو جایا کرتے **جواب** ان قدومات میں اور قدوم وجودی یعنی ولادت شریف میں بڑا فرق ہے یہ سب قدوم جزئی ہیں مثلاً گھر سے جب مسجد یا مجلس میں تشریف لائے تو وہ دولت مخصوص اسی جماعت کے واسطے ہوئی دوسرے

جیسا مامور ایسا ہی اس کے واسطے قیام و نشوز[1] فرض کا فرض مندوب کا مندوب پس اگر یہ قیام مؤلف کا مندوب ہی ہوتا اور عروض عوارض[2] سے مکروہ نہ ہوتا جب بھی وہی استحباب نکلتا تھا اور مؤلف کی مراد حاصل نہ ہوتی تھی چہ جائیکہ شرع سے اس قیام مخصوص کا بوجہ مخصوص بدعت ہونا اور کراہت ثابت ہو گیا پھر کس طرح یہ قیام اس آیت میں داخل رہ سکتا ہے اول اس کو مندوب ثابت کرنا تھا بعد اس کے یہ آیت پڑھنی تھی مگر مؤلف کا فہم معلوم لیکن ہاں یہ معنی ہیں کہ جب وقت یہ امر بدعت کیا جاوے تو تم وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ کیونکہ معصیت[3] کے مجمع سے اٹھ کر چلا جانا بھی مامور اس آیت سے ہے اب تفسیر کبیر کی عبارت جو مؤلف سمجھا ہے اسکی حقیقت سننے کے قابل ہے یہ عبارت اعلم انہ تعالی لما نھی الخ جو مؤلف نقل کرتا ہے کبیر نے پہلے اس آیت سے ربط کیواسطے لکھی ہے کیونکہ پہلے آیت مناجات و سرگوشی کے احکام میں تھی یہاں سے اس پر حکم شروع ہوا یا یھا الذین امنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا الایۃ تو یہ کہتا ہے کہ سرگوشی کرنا جو پہلے مذکور ہوا موجب تھا تباغض[4] کا اس کی نہی فرما کر وہ امر ارشاد کیا کہ جس سے اتحاد ہو وہ یہ کہ ہر ایک دوسرے کے واسطے فسحت[5] کرے اور شریک خیر و راحت کا ہو کہ موجب زیادہ حب کا ہے اور نشوز جو یہاں ہے ایک معنی پر توسع مجلس کے واسطے بھی مراد لیا گیا ہے تو وہ موجب حب کا ہے تو اس کو اس قیام پر حمل کرنا سوء فہم ہے کیونکہ یہ اگر مندوب ہوتا حسب زعم مؤلف کے تو اس میں کسی کی اعانت یا راحت متصور نہیں ہر شخص اپنے عمل میں مشتغل ہے تو اس آیت سے اس کو کیا علاقہ ہے کوئی مجلس وعظ و درس میں مربع[6] بیٹھے اور سب دو زانو بیٹھیں تو یہ ترک ادب موجب کسی کے ملال کا نہیں اور نہ باعث تکلیف کا پس یہ تفسیر محض خیالی مؤلف کا ہے کیونکہ اس کے خیال میں وجوب قیام ہی ہے اور البتہ ترک واجب میں مخالفت ہوتی ہے پس دیکھو کہ مؤلف نے کیسا ناکام کام کیا کہ نہ تفسیر کبیر کی مراد سمجھا اور نہ قرآن کو مفسرین کے موافق تفسیر کیا اپنی رائے سے تفسیر کی اور پھر بھی مدعا حاصل نہ ہوا فاعتبروا یا اولی الابصار قولہ اعتراض قیام کرنے والوں کو الخ **اقول** خلاصہ جواب مؤلف کا یہ ہے کہ قدوم ولادت کا تمام عالم کیواسطے ہے اور دیگر قدومات خاص صحابہؓ کے واسطے تھے لہذا اس قدوم ولادت کو دیگر قدومات پر زیادہ شرف ہے اس واسطے ولادت پر واجب قیام کا ہوا مگر یہ جواب نہایت بے معنی ہے اول تو معترض کی غرض یہ ہے کہ آپ کے سب قدوم لائق

---

[1] اٹھنا [2] عارض کی جمع [3] گناہ [4] بغض رکھنا [5] کشادگی [6] چارزانو ۱۲

اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس الآیۃ سے [illegible]

لوگوں کا اس میں کیا حصہ ہے بر خلاف قدوم وجودی کے کہ وہ قدوم کلی ہے یعنی آپ کا عالم وجود میں آنا رحمت ہے تمام عالم پر جو کوئی اس وقت دنیا میں موجود ہے یا نہیں اور جو کوئی قیامت تک پیدا ہوتا چلا جائیگا اور جو چیز ثریٰ سے عرش تک ہے کل کیلئے آپ کا پیدا ہونا رحمت ہے کہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین پس اس قدوم اور قدومات مذکورہ میں بڑا فرق ہے اس لئے قیام کرنا اس اعلیٰ درجہ کے قدوم میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رائج ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسی قدوم کا احسان اہل اسلام پر ظاہر فرمایا ہے لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا اور مسجد میں

تعظیم کے ہیں شریف و اشرف کا فرق نہیں دیکھو کہ حضرت فاطمہؓ اور بعض صحابہؓ نے ان ہی قدومات پر قیام کیا تھا اور قدوم ولادۃ میں وقوع قیام بظاہر ہوا ہی نہیں پس اگرچہ ولادت اعلیٰ ہی ہو تاہم دیگر قدومات لائق تعظیم کے ہیں اور نص سے قابل تعظیم ہونا انکا معلوم ہوا ہے پس جیسے قدوم ولادت کی تعظیم میں قیام ہے قدومات دیگر میں بھی چاہئے تو اس کا جواب مؤلف دیتا ہے کہ ولادۃ اعلیٰ ہے پس یہ کس قدر بے موقع جواب ہے کہ سوال کچھ جواب کچھ، معترض کہتا ہے سب قدوم اعلیٰ اور ادنیٰ لائق تعظیم ہیں مؤلف جواب دیتا ہے کہ قدوم ولادت اعلیٰ ہے اب بولو کہ یہ مؤلف کا جواب ہے یا کچھ اور ہے ہاں اگر یہ ثابت کرتا کہ سوائے ولادت کے دیگر قدوم لائق تعظیم قیام کے نہیں تو البتہ جواب تھا گو غلط ہے مگر جواب تھا دوسرے یہ کہ آپ کے ان قدومات کی مخصوص بصحابہؓ ہونے سے کیا مراد ہے اگر یہ ہے کہ نفع زیارت وصحبت کا اس جماعت کو تھا تو ولادت کے قدوم کی بھی یہ دولت بابی وجہ صحابہؓ ہی کو تھی سو ولادت کی تعمیم کچھ نہ رہی اور اگر نفع بعثۃ کا کہ علم اور دین کی اصلاح ہی مراد ہے تو وہ آج تک چلا جاتا ہے کہ صحابہؓ نے آپ سے حاصل کر کے ہم تک پہنچایا ورنہ کیونکر آتا پس معلوم کہ مؤلف نے کیا مراد رکھا ہے کیونکہ زیارت وصحبت تو ولادت و وجود کے باعث صحابہؓ کو ہی تھی مثل دیگر قدومات کے اور نفع مطلق دارین کا سوائے صحبت کے قیامت تک سب کو ہے سب قدومات کا مثل وجود کے سو ایسی بے معنی توجیہ سے کیا نفع مؤلف کو ہے سوائے ضحکہ ہونے کے تیسرے یہ کہ مؤلف ان قدومات پر قیام تعظیم کو آپ ہی بڑے شد و مد سے ثابت کر کے اس کو مقیس علیہ قیام ذکر ولادت کا بنا چکا ہے اب اسکو ادنیٰ غیر قابل تعظیم ہونا لکھنے لگا تو گویا فعل صحابہؓ سے جو قیام تعظیم ثابت ہوا وہ چنداں معتبر نہ تھا اس کا ذکر بھی قابل تعظیم قیام کے نہیں ولادت کا ذکر جو مقیس ہے وہ زیادہ قوی اور قابل تعظیم قیام کے ہے اور قدوم شریف میں قیام لائق نہیں قدوم اشرف میں لائق واحق ہے سو یہ بات رائے ناقص مؤلف کی خلاف نص کے ہے سو اسکو نص سے ثابت کرنا واجب ہے ورنہ ہرگز قابل التفات نہیں جو تھے جو کلی جزئی جو مؤلف لکھتا ہے اگر باعتبار نفع عام وخاص کے ہے تو دونوں کا نفع عام معلوم ہو چکا اور جو باعتبار مقصود کے ہے تو اصل مقصود رسالت کا یہ ہے قدومات میں جن میں تلقین تعلیم دین کی فرماتے تھے اور وجود شرط وموقوف علیہ رسالت کا ہے اور شرط وموقوف علیہ اصل مقصود نہیں ہوتا مقصود ہی اعلیٰ ہوتا ہے شرط سے پانچویں مؤلف دلیل شرافت ولادت میں جو آیہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین ذکر کرتا ہے اور آیت لقد من اللہ علی المؤمنین ان دونوں آیت میں مبعوث کرنے اور رسول بنانے کا احسان اور فضیلت ہے یہ دونوں امر منت کے بعد ولادت کے چالیس سال بعد ہوئے فضل ولادۃ میں آیات سے حجت لانا نہایت جہل نفت اور مراد حق تعالیٰ سے ہے اور مقصود رسالت و بعثت ہے وہ ہی ثمرات ونتائج قدومات جزئیہ کے ہیں اور وجود کی شرافت پر اس کی دلیل بواسطہ ہے پس یہ استدلال اور یہ جواب محض بلاہت ہے اور جو موقوف بعثت کا ہونے کی وجہ سے فضیلت ہے تو جو موقوف علیہ اقرب الی المقصود ہوتا ہے وہ اعلیٰ ہوتا ہے تو شرح صدر مثلاً اعلیٰ ولادت سے

[illegible]

لہ تشریف آوری ته معنی که زور و شور که جس پر قیاس کیا جائے ه جسکو قیاس کیا جائے ه مدار ه زبان کو ناواقفیت ه بیوقوفی ه مقصود سے دور

تشریف لانے کی بابت نہیں فرمایا من اللّٰہ علی المومنین اذا خرج رسولا من بیتہٖ الی المسجد یا اس لئے کہ یہ تشریف آوری دولت خانہ سے مسجد تک مخصوص انہی چند صاحبوں کے حق میں تھی جو رقبہ احاطہ مسجد میں تھی پس منت اس کی اللہ تعالیٰ کل آدمیوں پر کس طرح ظاہر فرماتا بخلاف پیدائش حضورؐ کے کہ وہ کل کے لئے ہے اس لئے اس کی منت کل پر ظاہر فرمائی اس لئے کل کا دستور ٹھہر گیا کہ جب اس قدوم کلی کا ذکر آتا ہے اسی وقت قیام کرتے ہیں بخلاف اور قدومات کے کہ وہ جزئیہ ہیں اعتراض قیام وقت ذکر ولادت نہایت الامر یہ ہے کہ اگر کوئی عرق ریزی کرے تو جواز و اباحت تک نوبت آوے گی مگر مباح کو سنت و واجب جاننے سے پھر بدعت و منکر ہو جاوے گا جواب جو شخص کہ از روئے دلیل اس کی اباحت ثابت کرے گا پس طرح عقل میں آوے کہ وہ خود مباح کہکر واجب جاننے لگے یہ تو کوئی ذی شعور مسلم نہ رکھے گا باقی

ہونا چاہیئے اور یہ نکتہ فہمی مؤلف کی کہ حق تعالیٰ نے آیت میں خروج عن البیت کو نہیں فرمایا سبحان اللہ کیا علم ہے یہ نہ سمجھا کہ حق تعالیٰ نے لقد من اللّٰہ علی المومنین اذ دخل بھی تو نہیں فرمایا جس سے ولادت کا فضل نکلتا بعثت تو نبوت کے معنی ہیں نہ ولادت کے پس ان جزئیات کو اس واسطے نہیں فرمایا کہ یہ سب افراد رسالت و بعثت کے ہیں اور آپ کا ہر ہر خروج و دخول حرکت و انقلاب سبب اثبات شریعت و احکام دین کرنا تھا لہٰذا عام جامع کلمہ فرمایا سبحان اللہ مؤلف دعویٰ قرآن فہمی کا بھی رکھتا ہے بایں علم و فہم المحاصل سب ذکر فخر عالم میں قیام مندوب تھا اگر مؤلف نے ذکر قدوم میں بوجہ مناسبت حصر کیا تھا اب ولادت میں خاص کر دیا اور سب پہلی تحریرات کو بھول گیا اور اپنے گھر تک نے گو منہدم کر دیا اور یہ کلمہ گستاخ اس کا کہ آپ کے گھر سے تشریف لانے اور غزوات سے سالم قدوم مبارک میں اور آپ کی تبلیغ وغیرہ میں سوائے صحابہؓ کے کسی کو کیا نفع ہوا ہے جو اس کے تحرائش کلام سے نکلا صریح بے ادبی ظاہر اور مخالف نص قرآن شریف کی ہے حق تعالیٰ تو اس کلمہ مطلقہ عامہ میں اذ بعث فیہم رسولاً ومآ ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین تمام ذرہ ذرہ آپ کے افعال اقوال کو نعمت بتاتا ہے نعمۃ عامۃ الی یوم القیٰمۃ اور مؤلف سوائے صحابہؓ کو سب کو محروم ٹھہراتا ہے سوائے نفع ولادت کے سب منافع رسالت کے عموم اور ابدیت سے انکار کرتا ہے گو نہیں سمجھتا اور لائق احسان کے نہیں جانتا معاذ اللہ ناظرین اس شوخ کلامی اور کوتاہ فہمی اور ناعاقبت اندیشی کو غور فرما دیں کہ اپنی بدعت تخصیص قیام کے جواز میں کیا کیا تکلیف دور از دین و دانش اختیار کر کے دین کو برباد کرتا ہے بس زیادہ کیا کہوں،

قولہ اعتراض. اگر نہایت عرق ریزی کوئی کرے الخ **اقول** مراد معترض کی یہ ہے کہ قیام مطلقاً ذکر فخر عالم پر مندوب ہے اور تخصیص ذکر ولادت کی بدعت ہے اور اگر کوئی محنت کر کے بالفرض اباحت تخصیص اس قیام کی ثابت کر دیوے تو پھر بھی جب عوام اس کو واجب جاننے لگے تو ان کے حق میں بدعت ہوا اور خواص کو اس کا کرنا مکروہ ہوا کہ موجب افساد عقیدہ عوام کا ہے تو مؤلف کیا خوب سمجھا جواب دیتا ہے کہ اگر کوئی اباحت ثابت کرے گا وہ واجب کس طرح جانے گا سبحان اللہ معترض کب کہتا ہے کہ خود مستدل واجب جانے گا معترض یہ کہتا ہے کہ ہر چند کوئی اس کی اباحت ثابت کرے مگر تاہم جو عوام اس کو اصرار و دوام کے سبب واجب جان رہے ہیں ان کے حق میں بدعت ہی ہووے گا اور مفید جواز کو نہ ہوگا مگر مؤلف عام فہم مطلب سے اوپر کو ہی اڑتے ہیں پس مؤلف کا یہ قول محض بے معنی ہے پس سنو کہ مستحب کے واجب جاننا بدعت ہے اور جس دوام فعل خواص سے عوام کو یہ امر پیدا ہو وہ دوام خواص کو اعلان و دوام سے کرنا مکروہ ہوتا ہے کیونکہ سبب مذموم کا مذموم ہے قال الطیبی

اگر امر مباح یا مستحب کی ملاومت موہم وجوب ہو تو ترک ضروری ہے

ے تخصیص کا مباح ہونا تھ قابل مذمت،

ل سب کو جمع کرنے والا تھ ڈھا دینا تھ مضمون کلام تھ جبکہ بھیجا گیا ان میں رسول اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر شہ ہمیشگی

رہی یہ بات کہ مبادا اور آدمیوں کو واجب ہونے کا دھوکہ لگے سو صورت اس کی یہ ہے کہ یہ معنیٰ تو بدعت کے نہیں کہ کوئی شخص فعل مباح یا
مستحب کرتا ہو اور دوسرا آدمی اس کو اپنے خیال میں واجب سمجھ جاوے تو اصل فاعل کے حق میں وہ امر بدعت ہو جاوے ہاں بعض فقہاء کے
کلام سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعض مسائل میں ڈرا کرتے تھے کہ ہم کس کس کو کہتے پھریں گے مبادا عوام لوگ اس کو فرض خیال کریں سو
اس مسئلہ خاص میں یہ علت مفقود ہے کیوں کہ علماء عرب کے فتوی چھپ چکے تفسیر روح البیان اور سیرت حلبی چھپ چکی اور علماء فرنگی محل
علماء کلکتہ والہ آباد و دہلی وغیرہ بلاد عظیمہ عرب و عجم کے رسالے اور فتاویٰ چھپ چکے کتنی کتنی صدیاں گذر گئیں یہ اعلان کرتے ہوئے کہ مجلس
پاک اور قیام کرنا مستحسن ہے پس اس قدر اعلان اور اشتہار کرنے کے بعد وہ علت جاتی رہی اور اشتباہ کا محل نہ رہا تو اس قیام کی التزام دائمی
میں جو صورت کراہت عند البعض لاشتہار متصور تھی وہ بھی نہ رہی اور بدعت ضلالت ہونا تو کسی طرح ثبوت ہی نہیں رکھتا اور اعتراض آئندہ میں بھی
اس کا دفعیہ کریں گے **اعتراض** یہ لوگ اگر قیام کو مباح یا مستحسن جانتے ہیں تو واجب کی طرح دائمی بالتزام کیوں کرتے ہیں حالاں کہ امر مستحب اعلان

فی وجہ کراہتہ صلوٰۃ الرغائب ومنہا ان العامۃ یعتقدونہا سنۃ فیکون فعلہا سببًا لکذبہم علیہ صلی اللہ علیہ وسلم پس ظاہر ہو گیا کہ فعل خواص
کا جو عوام کی خرابی کا باعث ہو وہ مکروہ ہوتا ہے مؤلف اس امر کو بعض علماء کی طرف نسبت کرتا ہے حالاں کہ جملہ امت کا اتفاق اس پر ہے مگر مؤلف
دبا دیا کہتا ہے نہ اصل مراد معترض سے خبردار اور نہ قواعد دینیہ سے واقف نہ فہم سے علاقہ جو چاہا منہ سے نکال دیا اور یہ قول مؤلف کا کہ عام علماء نے
استحباب کو طبع کرا دیا ہے اس وجہ سے علت کراہت رفع ہو گئی یہ قول کس قدر دور از فہم ہے کیوں کہ صلوٰۃ رغائب کی کراہت اور بدعت ہونا
علماء نے تحریر و تقریر سے تمام عالم میں اشتہار کیا مگر تس پر بھی عوام جہلاء نے نہ چھوڑا اور کسی عالم نے نہ کہا کہ اب اشتہار عدم سنیت اس کا ہو چکا اب
خواص کو مکروہ نہیں دوسرے یہ کہ جب خواص زبان سے تو کہیں کہ مؤکد نہیں مگر عملاً مدام اس التزام سے کریں کہ ترک اس کا مثل سنت مؤکدہ کے زبوں
جانیں تو عوام کو زبانی کہنا کیا نافع ہو گا اور تحریر فتاویٰ اور طبع اس کا عوام کو کیا مفید ہے کہ نہ پڑھ سکیں اور نہ سمجھیں اور نہ ان کو ان امور
کا خیال اور نہ تحقیق کا فکر کہ رسائل خرید کر پڑھیں سو یہ اشتہار طبع کس قدر عذر غیر معقول المعنی[1] ہے، تعیین سورۃ کا مسئلہ دیکھو کہ باوصف
شہرت کرا اور تحریر کتب کے اب بھی علماء اس کو مکروہ ہی کہہ رہے ہیں چنانچہ پہلے اس کی تحقیق ہو چکی اور سوا دیگر مسائل بس ایسے جز بوجہ عقیدت
سے مؤلف کو شرم نہیں آتی افسوس کہ خلاف کتب دینیہ کے کس طرح اس کا قلم ایسے کلام لا یعنی پر چلتا ہے الحاصل ہر روز فقہاء ایسی حالت
میں تحریر اور اشتہار پر قناعت نہیں کرتے بلکہ دوام کو مکروہ ہی کہتے رہے ہیں بلکہ چاہیے کہ گاہ گاہ ترک بھی کر دیا کرے تاکہ عوام کو یہ خدشہ نہ
ہو مگر مؤلف ہر روز جدید قاعدہ خلاف امت کے شرع میں نکالتا ہے کیوں کہ شرع نے تو اس صورت کو مکروہ ٹھہرایا تھا اس واسطے کہ فعل علماء
خواص کو ہر عام دیکھتا ہے پس اس کے دوام سے خود عوام واجب جان لیویں گے اور تحریر کا یہ حال ہے کہ لاکھوں میں ہزاروں پڑھے ہوئے
ہوتے ہیں اور ہزاروں میں صدہا غافل بے پرواہ اور صدہا میں عدد یکے[2] آدمی فہمیدہ ہوتے ہیں پس تحریر سے نفع نہیں ہوتا مگر مؤلف اس کو اپنی
رائے سے نافع کہہ رہا ہے اور نفع قواعد فقہاء کا وہ سمجھے کہ فہم من اللہ تعالیٰ اس کو عطا ہو ہر عامی کا کام نہیں کہ اپنی رائے سے قواعد فقہاء کو رد
اور اپنی رائے ناقص سے ایجاد کیا کرے پس یہ قول مؤلف کا بالکل غلط خلاف عقل اور نقل کے ہے کہ اس طبع اور اشتہار سے علت کراہت رفع
ہو گئی **قولہ** اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ قیام کو مباح الخ **اقول** اول اس امر کو ملحوظ رکھنا ضرور ہے کہ مؤلف کو ہنوز دوام اور اصرار میں
بھی تمیز نہیں سنو کہ دوام مستحب کا شرع میں محمود[3] ہے بشرطیکہ اس کے ادا سے کوئی محظور شرعی[4] لازم نہ آ جاوے اور عوام عبادت ہی

۱؎ جس کے معنی معقول نہ ہوں ۲؎ چند سے ۳؎ تعریف کیا ہوا ۴؎ شرعی رکاوٹ

کرنے سے مکروہ ہو جاتا ہے جواب التزام امور مستحبہ کا مکروہ نہیں ہے علی العموم بلکہ بعض صور خاصہ میں بعض فقہاء تحریر فرماتے ہیں وہ ہمارے
فوائد کلام سے سمجھ لیجو، تحقیق اصل مسئلہ قیام کی یہ ہے کہ ہم اس کو مستحسنات میں سمجھتے ہیں مذہب جمہور یہی ہے اور اسی پر عمل ہے تمام بلاد اسلام
میں اور منکرین میں ایک فرقہ ایسا ہے کہ اس قیام کو حرام کہتے ہیں اور بعضے ان میں کے بدعت مطلقہ اور بعضے ان میں کے بدعت ضلالہ اور
بعضے ان میں کے شرک قرار دیتے ہیں پس اس صورت میں مجوزین قیام بھی اگر ترک کرنے لگیں تو سب کے دلوں میں سما جاوے یہ بات کہ یہ قیام
بلاشک ممنوع ہے کہ انہوں نے بھی ترک کر دیا تو اس صورت میں بدل جاوے گا حکم شرعی اور ثابت کر چکے ہم دلائل شرعیہ سے اس کتاب میں

ہر روز کرنے سے اور اصرار کہتے ہیں کسی امر پر بندھ جانا اور اڑ نا ایسا کہ ترک کرنا اس کا دشوار ہو مثل ترک ضروریات کے پس اصرار مندوب
کا شرع میں مذموم ہے بقولہ علیہ السلام ان اللّٰہ یحب ان یوتی رخصہ کما یحب ان یوتی عزائمہ اور مصر علی المندوب گویا محرم رخصۃ کا ہوتا ہے
اور اس کا ہی نام تعدی حدود اللّٰہ تعالیٰ ہے اور مدیم چونکہ مصر نہیں ترک بھی کر سکتا ہے لہٰذا وہ محرم جانب مقابل کا نہیں، پس اصرار مستحب کا
مکروہ ہوا کہ تعدی حدود اللّٰہ کی ہے اور اداامۃ مکروہ نہ ہوئی بشرطیکہ عوام کو مضرت نہ ہو اب سنو کہ معترض اصرار قیام کہتا ہے یہ معنی کہ مطلق
قیام جو مستحب تھا اس پر ایک فرد میں ایسا التزام و اصرار کہ ترک اس کا مثل واجب کے گوار جانتے ہیں اور یہ تعدی حد اللّٰہ تعالیٰ ہے نہ کرنی
چاہیئے، پس پہلے اعتراض میں تو بوجہ خرابی عقیدہ عوام کے اعتراض تھا اور اس میں خود مرتکب کے اصرار کی وجہ سے اعتراض ہے اور دونوں
میں فرق واضح ہے اس کا خیال رہے قولہ جواب التزام امور مستحبہ کا مکروہ نہیں الخ اقول جب امر مستحب میں التزام و اصرار پیدا ہو جاوے گا
وہ مکروہ ہو جاوے گا البتہ دوام محض مکروہ نہیں بشرط عدم مانع مگر چونکہ مؤلف کو دوام و اصرار میں تمیز نہیں تو کم فہمی سے خیر العمل مادیم علیہ
کو پیش نظر کر کے یہ لکھ دیا ہے حالانکہ اس کو اور اس کو بہت فرق ہے جیسا واضح ہوا پس قول اس کا کہ التزام علی العموم مکروہ نہیں محض غلط ہے
یہ کم فہمی سے صادر ہوا ہے حالانکہ بروایت مجمع واستنبط منہ ان المندوب ینقلب مکروہا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ اور عبارت طیبی کی
فیہا من اصر علی امر مندوب وجعل عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال دونوں عام ہیں کیونکہ ان میں
اصرار ہے اور حدیث میں دوام ہے پس نہ معارضہ نہ مخالفت پس اب قول مؤلف کا کہ اصرار علی العموم مکروہ نہیں غلط ہے اصرار مندوب کا علی العموم
مکروہ ہے جیسا کہ مجمع اور طیبی سے ثابت ہو گیا اور دوام محمود ہے جب تک کہ دوام سے عوام کو مضرت نہ ہوا اور قیام میں مولودیوں کو اصرار ہے
جیسا کہ تحریر مؤلف سے خود معلوم ہوتا ہے قولہ ہم اس کو مستحبات میں الخ اقول مطلق ذکر اللّٰہ و ذکر رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم میں نفس
قیام جائز ہے کوئی اس کا منکر نہیں مگر ہاں جب تخصیص مطلق یا تشبہ یا اصرار عارض ہو جاوے یا عقیدہ حضور روح فخر عالم کا
بعلم استقلال ہو تو اس وقت اس کو مکروہ و بدعت و شرک کہتے ہیں ورنہ نفس قیام میں خلاف نہیں مؤلف کو تاہ فہمی سے جو
چاہے سمجھ لیوے قولہ پس اس صورت میں الخ اقول اس کلام سے واضح ہوا کہ مؤلف مصر علی القیام ہے کیونکہ ترک قیام میں جب
وہ تعدی حد اللّٰہ کا قائل ہے تو ترک قیام حرام ہوا اور قیام واجب ٹھیرا تا کہ تعدی نہ ہو پس اصرار علی القیام لاریب
ثابت ہوا اور مستحب کا واجب ہونا محقق ہو گیا پس اصرار علی المستحب ہی ہوا کیونکہ قیام درجہ استحباب سے تو نکلا ہی نہیں
اور مستحب کو واجب کرنا بھی پایا گیا فقد کرہما فی عنہ پس مؤلف نے یہ اقرار حق اپنے اور سب مولودیوں کے اوپر کر لیا
اور قول طیبی کا فقد اصاب منہ الشیطان اور قولہ تعالیٰ ومن یتعد حدود اللّٰہ فاولٰئک ہم الظلمون الایۃ

اباحت و استحسان قیام پس جبکہ امر مباح و مستحسن کو لوگ شرک اور کفر یا حرام سمجھنے لگیں تو اس سے زیادہ تعدی حدود اللہ میں کیا ہوگی
جس طرح مندوب کو واجب سمجھنے میں تغیر شرع ہے اسی طرح مباح کو حرام اور شرک قرار دینے میں تبدیل احکام اللہ اور تغیر دین ہے بناءً علیہ
مناسب سمجھا گیا کہ نہ ترک کیا کریں اس قیام کو واسطے اس مصلحت کے ہاں اگر یہ قیام ایسا ہوتا کہ کسی کو اس کے استحباب میں کلام نہ ہوتا تو
اس صورت میں التزام و اہتمام اس کا بقول ان بعضے فقہاء کے نہ کیا جاتا کیونکہ ایسا امر جو سب کے نزدیک محمود بالاتفاق ہو اور کوئی اس میں انکار نہ

باقرار مؤلف ان پر صادق آگیا سبحان اللہ مؤلف کے فہم پر ہزار آفرین اب اس کج فہمی کی حقیقت سنو کہ معترض نے اعتراض بوجہ اصرار علی المستحب کے
کے کیا تھا اس کا جواب مؤلف اپنی کج فہمی سے عوام کے تبدیل عقائد کا دینے لگا غور نہیں کیا کہ اصل منشا اعتراض کا کیا ہے یہ بولا کہ مجوزین کے
ترک میں عوام کا عقیدہ فاسد ہوتا ہے کہ وہ اس مستحب کو مکروہ و ممنوع عقیدہ کر لیویں گے سو دیکھو کہ اصرار مستحب جو اصل اعتراض تھا اس کا کچھ جواب
و انکار نہیں دوسری بات فساد عقیدہ عوام کا اثبات ہونے لگا اور اپنے اوپر اصرار کو اس ضرورت سے قبول کر لیا اور عوام کی حفاظت کے واسطے
آپ عاصی بن گیا دوسری خرابی یہ کہ اس سے پہلے اعتراض کے جواب میں مؤلف نے لکھا ہے کہ فتاویٰ علماء عرب و عجم بکثرت طبع ہو گئے ہیں
کہ سب کو مستحب ہونا اس قیام کا روشن ہو گیا ہے تو اب التزام قیام میں خدشہ فساد عقیدہ عوام کا نہیں کہ علت کراہت کی دفع ہو گئی
اور اس جواب میں کہتا ہے کہ ان فتاویٰ کا اثر بالکل بھی دنیا میں نہیں ہوا وہ بالکل لغو ہو گئے ناچار التزام سے استحباب ثابت کرنا پڑا ورنہ
کراہت ہو جاتی کیونکہ اگر فتاویٰ کثیرہ بزعم مؤلف عوام کو استحباب کا اثبات کر دیتے جیسا پہلے کہتا تھا تو اب کسی کے حرام و بدعت کہنے سے
کیوں عوام بہکتے پھر کیا اندیشہ عوام ہوتا وہ تو بے التزام مجوزین سے خراب ہوتے نہ فتویٰ تحریم مانعین سے بگڑتے پس اس کا وبال کیوں مؤلف کے
ذمہ پڑتا کہ اصرار مستحب اور تعدی حد اللہ اپنے سر پر رکھی گئی بزعم مؤلف بہر حال یہ تہافت اقوال غور طلب ہے کہ وہاں تو فتاویٰ مغنی بزعم مؤلف
کہ دوام فعل سے عوام کو کچھ حرج نہیں تھا اور یہاں غیر کافی ہو گئے شاید ایک ساعت میں پرانی ہو کر قوت زائل ہو گئی اور وہاں باوجود
فتاویٰ کے التزام کا مؤثر نہ ہونا مصرح تھا اور یہاں بدون التزام کے صورت نجات کی ہی نہیں فتاویٰ میں اثر ہی نہیں یا جو کچھ اثر ہے
دوام میں ہی ہے مؤلف کو کچھ ہوش نہیں کہ کتاب میں کیا کیا قلم درج کر رہا ہے اپنے جہل مرکب کے نشہ میں سرشار ہے تیسرے یہ کہ مؤلف
مستحب کو واجب جاننا خود داخل تعدی حد اللہ کرتا ہے خواہ عوام کو پیش آوے خواہ خواص کو پس جس تعدی سے عوام کو بچایا ہے وہی تعدی
اپنے اوپر لازم کرتا ہے چنانچہ اس کے کلام سے واضح ہو لیا حالانکہ اگر اس قیام کو گاہ گاہ ترک کر دیتا تو عوام کا حرام جاننا بھی دفع ہو جاتا
اور خود بھی گناہ تعدی اور اصرار مستحب سے پاک رہتا کیونکہ اگر فعل مجوزین قیام کا عند العوام معتبر ہے تو گاہ گاہ کرنے سے حلت کا ثبوت ہو جاتا اور
جہاں کا فعل لغو ہے تو یہ التزام بھی کچھ نافع نہ ہوگا اور بزعم خود تعدی حد اللہ عبث سر پر لی اور عوام کو فائدہ کچھ نہ ہوا چوتھے یہ کہ اصرار کو تعدی
ہر حال لازم ہے اگرچہ مسئلہ مختلفہ ہو گیا ہو اس واسطے کہ جو فعل ایسا ہو کہ ایک فریق اس کو حلال مستحب اور دوسرا حرام کہے مثلاً زعفران سے
ریش کا خضاب کرنا ابن عمرؓ مستحب کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ اور ائمہ دیگر حرام تو اب اگر کوئی بتقلید ابن عمرؓ ریش کو خضاب زعفران کا کرے مستحب
جان کر اور اصرار کرے تو بالضرور حسب رائے ابن عمرؓ کے مصر علی مستحب اور متعدی ہوا اور عوام کے افساد عقیدہ کا سامان کیا کہ اپنے مستحب
مزعوم کو عوام پر واجب کرتا ہے پس یہ قاعدہ مؤلف کا کس قدر غلط ہے کہ کوئی معنی اس کے نہیں کہ مستحب مختلف میں اصرار و تعدی درست ہے
یہ کیسا جہل اور مخالفت شرع کی ہے معہذا طرفہ یہ ہے کہ مؤلف مانعین محض مولود اور قیام کو اپنے کلام نافرجام میں اقل قلیل کہا

۱ جائز ماننے والے ۲ گنہگار ۳ بے کار ۴ مانعین کا حرام قرار دینا ۵ حد الٰہی سے تجاوز کرنا ۶ بے پرواہ کر دینے والے ۷ صراحت شدہ ۸ بے ہودہ لغو

کرتا ہو بلکہ سب اس کو اہتمام سے بجالاتے ہوں تو اس کی مداومت اور التزام سے البتہ عوام کے دلوں میں شبہ وجوب یا فرضیت کا پڑ سکتا ہے وہ خیال کر سکتے ہیں کہ اس امر کا کوئی منکر نہیں اور سب بالاتفاق کمال تاکید و اہتمام سے کر رہے ہیں شاید یہ کام فرض یا واجب ہوگا پس صاحب مجمع البحار کا کلام جس کو بعض فضلاء سند میں لائے ہیں درحقیقت وہ ایسے ہی مندوب اور مستحب بالاتفاق کے حق میں ہے کہ المندوب ینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ برخلاف اس قیام کے کہ اس میں لوگوں کو کیا کیا گفتگوئیں ہیں، بھلا جس چیز کے جواز و عدم جواز میں مباحثہ ہو رہا ہو اور مجوزین قیام جا بجا فتاوی اقرار و استحسان قیام کے باب میں چھاپ چھاپ کر مشتہر کر چکے ہوں کب عقل سلیم باور کرے گی اس بات کو کہ اس کی فرضیت یا وجوب شرعی کا شائبہ کسی ل میں پیدا ہوگا حاشا وکلا **اعتراض** بانیان محفل میلاد نے مطلق کو مقید کر دیا ہے یہ بدعت ہے **جواب** بدعت کی تعریف اگلے علماء فرما چکے مولوی اسحاق صاحب مأتہ مسائل میں نقل کر چکے ہم بطور خلاصہ لکھتے ہیں جو علماء بدعت کی تقسیم مانتے ہیں وہ کہتے ہیں

آدمی غیر معتبر غیر معتمد القول[۱] کالعدم اور مجوزین کو سواد اعظم[۲] جم غفیر معتمد القول لکھ آیا ہے پس ان کی منع کا اور تحریم[۳] کا کیا اعتبار ہے اور ان کے منع پر کس سبب سے یہاں التفات ہونے لگا کہ بدون التزام مکروہ کے چارہ ہی نہ ملا اور پھر آخر جواب میں اول کے خلاف وہی لکھتا[۴] کہ اس اشتہار فتاوی کے بعد فرضیت کا عقیدہ ہو نا کسی کی عقل سلیم باور نہیں کرتی پس یہ جواب مؤلف کی قابل تماشا ہے اور خوبی علم و فہم مؤلف کی کس قدر روشن ہوئی کہ بایدوشاید اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مستحب میں اصرار ہو وہ مؤلف کے نزدیک تعدی[۵] حد اللہ اور حرام ہے اور جس فعل مستحب دا التزام سے عوام کو مضرت ہو کہ مستحب کو واجب یا حرام جانیں وہ بھی تعدی ہے اور حرام ہے اور پہلے جواب میں اس کراہت کا بعض علماء کے نزدیک مؤلف مقر تھا اب حرمت کا خود اقرار کر لیا اور اول جواب میں بعض مستحب کے اصرار کو جائز کہتا تھا اور اب اس قاعدہ میں عموماً اصرار مستحب پر حرام ہونے کا حکم لگا دیا کیونکہ تعدی حد اللہ سب میں لازم ہے پس یہ مبلغ علم مؤلف کا ہے اور اس پر دعویٰ فہامتہ العصر ہونے کا ہے سبحان اللہ بہر حال خدا تعالیٰ ناظرین اس لیاقت علمی اور فصاحت بیانی کو غور کریں لاحول ولا قوۃ الا باللہ **قولہ** برخلاف اس قیام کے الخ **اقول** بعد اس تحقیق حقیق کے مؤلف نے کیا عجب نتیجہ نکالا ہے کہ دنیا میں کسی ذی عقل و ادنیٰ عقل والے سے بھی نہیں ہوا ہوگا، سو مقدمات تو یہ تھے کہ قیام مختلف فیہ ہے اگر مجوزین بھی ترک کرنے لگیں اور التزام نہ کریں تو تعدی حکم اللہ کی عوام کے نزدیک ہو جاوے گی لہٰذا التزام اس کا ضرور ہے اور یہی قاعدہ مقرر کیا کہ ایسے امر مختلف فیہ میں اصرار مضر نہیں بلکہ ضرور ہے اور خلاصہ یہ نکلا کہ عوام کو بسبب اشتہار فتاوی کے عقیدہ وجوب کا نہیں ہو سکتا اب غور کرنا چاہیے کہ اعتراض تو اصرار کی کراہت کا تھا اور خلاف جواب کے اور مقدمات وہ جو مؤلف کے دماغ میں خلل ہے یا نہیں اور یہ جواب خاص عطر فکر صائب مؤلف کا ہے کہ جس پر نہایت ناز و نخرہ ہے **قولہ** اعتراض بانیان محفل میلاد نے مطلق الخ **اقول** بدعت کی تعریف میں سب متفق ہیں تفاوت الفاظ کا ہے پہلے تحقیق ہو چکا اور یہ بھی محقق ہو لیا کہ یہ محفل مروجہ ہر دو تعریف کے موافق بدعت ضلالہ ہے اگرچہ اصل ذکر فخر عالم ﷺ کا بلا قیود مندوب ہے چونکہ بہت واضح بیان پہلے ہو چکا ہے لہٰذا اعادہ نہیں کیا جاتا مگر مؤلف کی سوء فہم کو دیکھنا ہے کہ مطلق کو مقید کرتا اور عکس اس کا کہتا ہے کہ حد بدعت میں داخل نہیں حالانکہ اس کے بدعت ہونے کے برابر سب قائل ہوتے چلے آئے ہیں اور سب کے نزدیک داخل حد بدعت کی ہے کیونکہ جس نے مطلق شرع کو مقید کیا تو یہ قید خلاف منقول عن الشارع ہوئی اور احداث مخالف حکم شارع کے

---

۱ غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہونے کے برابر ۲ کثیر تعداد ۳ حرام قرار دینا ۴ یقینی ۵ حد الٰہی سے تجاوز کرنا

البدعۃ عندالموبکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کو دو قسم کرتے ہیں ایک حسنہ اور ایک سیئہ پس ان کے نزدیک محفل میلاد بدعت حسنہ میں داخل ہے اور مستحب ہے اور جو علماء تقسیم بدعت کے قائل نہیں وہ بدعت کی تعریف یہ کرتے ہیں ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان علماء کے نزدیک محفل میلاد خود سنت میں داخل ہے کیوں کہ گو یہ محدث ہے لیکن محدث علی خلاف الحق نہیں ہے کہ کوئی حکم قرآن یا حدیث و اجماع کا بدلتی اور تغیر دیتی ہو پس اصل حال تو یہ ہے کہ محفل میلاد شریف ہر دو طائفہ کے نزدیک مستحسن ہے باقی جو بعض علماء کو انکار واقع ہوا ہے وہ نہیں پہنچے اس رمز دقیق کو الحاصل بدعت کی تعریفیں سلف سے وہ ہیں جو بیان کی گئیں اب سمجھو کہ دونوں سے یہ لوگ یہ تقریر سیکھے ہیں کہ بدعت وہ ہے جو مطلق کو مقید کر دیں یا مقید کو مطلق کر دیں حالاں کہ اگر ہم اس کو تسلیم بھی کر لیں تب بھی حرمت مولد شریف کی ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ محفل مولد شریف میں کسی مطلق کو مقید نہیں کیا، یعنی روایات میلاد و معجزات کا پڑھنا جس طرح ماہ ربیع الاول میں ہوتا ہے دوسرے مہینوں میں بھی پڑھ لیتے ہیں پھر مطلق مقید کہاں ہوا اور جس طرح ذکر ولادت شریف کے وقت قیام کرتے ہیں اسی طرح اور بھی چند مقامات میں قیام کرتے ہیں چنانچہ وہ مواقع بیان تحقیق قیام میں کسی حد لکھے گئے پس قیام بھی مقید ہوا کہ نہ ہو قیام کسی مکان اور کسی زمان اور کسی مجمع میں مگر خاص مولد شریف میں اور اسی طرح تقسیم شیرینی یا کھانا کھلانا اور بھی تقریبات دین و دنیا میں ہوتا ہے محفل ختم قرآن تراویح و مجلس بسم اللہ و عقد نکاح وغیرہ اور منبر یا چوکی وعظ میں بھی بچھتی ہے اور فرش کا بچھانا وعظ میں بھی ہوتا ہے اور مجلس نکاح وغیرہ میں اور پڑھنا قصائد و مناقب کا جیسا محفل مولد میں ہوتا ہے بعض غیر مجالس میں بھی ہوتا ہے اور بعض آدمی تنہا بھی شوقیہ پڑھتے ہیں اب بیان فرمادیں یہ صاحب کہ مقید کر دیا ہم نے کونسی مطلق شرعیہ کو اس طرح کو نہ جائز سمجھتے ہوں

کے ہوا کہ عہد شارع میں نہ تھا دونوں حد دیکھو اس پر بظاہر صادق ہوئے ہیں اس کا بھی پہلے بیان ہو لیا ہے پس یہ محفل مروج بسبب قیود کے داخل بدعت ہیں سب حدود کے موافق ہو گئی بداہۃً اس میں کوئی امر دقیق[1] و مخفی نہیں اگرچہ مؤلف کے فہم پر عطار ہے کہ واضح مضامین کو بھی سمجھنے نہیں دیتا اور حالاں کہ خود تقیید مطلق کو قابل جرو توبیخ کہہ آیا ہے غور طلب ہے کہ مؤلف کہاں ہے

قولہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ محفل مولد الخ | وجہ مولود کے جواز سے شریعت کا حکم مطلق کو مقید کرنا لازم آتا ہے **اقول** دعویٰ مؤلف کا سراسر غلط اور کورہ بھی ہے اور ہنوز مؤلف معترض کے مطلب کو بھی نہیں سمجھا ساری عمر گنوا دی اور کچھ تمیز[2] نہیں معترض یہ کہتا ہے کہ ذکر فخر عالم علیہ السلام کا مطلق بلا کسی قید کے مندوب ہے اور کسی ہیئت اور قیود سے مقید کرنا اس کا اگرچہ وہ قیود امور مباحہ یا مندوبہ ہی ہوں مکروہ و بدعت ہے پس تقرر تاریخ اور فرش معمول اور شیرینی مروج اور روشنی کثیرہ اور منادی و اہتمام وغیرہ اگر سب یا بعض جیسا مروج ہے ذکر مولود کے ساتھ ہو دیں گے تو وہ محفل تو ان قیود کی اطلاق سے نکلکر بدعت ہو جاوے گی اور جو امور غیر مشروعہ محفل میں ہو دیں گے مکروہ بنجاوی گی پس معترض یہ نہیں کہتا کہ زمانہ اور شیرینی وغیرہ کو محفل میں مقید و منحصر[3] کر دیا کہ انکار وجود کہیں نہیں ہا بلکہ یہ کہتا ہے کہ ذکر کو ان قیود کے ساتھ مقید کیا کہ بدون ان قیود کے سب کے یا اکثر کے یہ ذکر ہوتا ہی نہیں جس سے معلوم ہوا کہ ان قیود کا ہونا ضروری ہو گیا ہے پس ذکر ولادت جو مطلق عن القیود تھا مقید بقیود کر دیا یہ ذکر بدون قیود کے ہوتا ہی نہیں گو یا لازم غیر منفک[4] میں اگرچہ قیود دوسری جگہ بھی ہوں تو قیود کو مقید کرنا نہیں کہا مگر مؤلف نہیں سمجھتا اور قیام جو سب ذکر فخر عالم میں مندوب تھا اس کو خاص ذکر ولادت میں حصر و مقید کیا کہ سوائے ذکر ولادت کو محفل مخصوص میں ہو اور کسی ذکر پر نہیں ہوتا تو مطلق قیام ذکر فخر عالم بھی مقید ہوا مگر مؤلف کا فہم عالی کچھ کا کچھ سمجھتا ہے مؤلف

[1] باریک [2] تکلف [3] منحصر [4] علیحدہ نہ ہونے والا

ہم اس مطلق کو کسی وقت بلا قید ہاں یہ بات تو ضرور ہے کہ مجلس خیر میں جسقدر حسنات و امور خیر کی کثرت ہو اور جس قدر تعظیم و محبت کا ظہور ہو
اسی قدر موجب خیر و برکت ہو گا سو تقیید مطلق اس کا نام نہیں ہے یہ بات ہر مرد سلیم الطبع پسند اور دل سے قبول کرے گا **اعتراض** سلامی جوابی
مثل روافض کے معین کرتے ہیں **جواب** یہ بات تو ملک عرب میں بھی رائج ہے کہ جب مولد شریف میں کوئی روایت قاری مولد تمام کرتے ہیں تو ہر
اس وقت حاضرین مجتمع ہو کر درود پڑھتے ہیں اور وہ اکثر شعر ہوتا ہے حالانکہ اہل الحرمین روافض کے دشمن ہیں ممکن نہیں کہ وہ اعداء دین کی بات
اخذ کرتے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب نے یہ بات حضرت سید العرب والعجم کے فعل سے استنباط کی ہو صحیحین میں انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ مہاجر
و انصار خندق کھودتے اور مٹی نکالتے جاتے تھے اور زبان سے یہ پڑھتے تھے ؎ نحن الذین بایعو محمدًا ؛ علی الجہاد ما بقینا ابدًا
اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں پڑھتے تھے ؎ اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ ؛ فاغفر للانصار و المھاجرۃ ؛ کذا فی المشکوٰۃ
فی باب البیان والشعر پس یہ بات قابل طعن نہیں ہاں اگر قواعد موسیقی کے طور پر تغنی کرنے لگیں تو البتہ علماء دین میں مسئلہ مختلف فیہ ہے اور فقط
اپنی آواز کا حسن ظاہر کرنے کو پڑھیں اور اخلاص حضور ہرگز دل میں نہ ہو تو بالاتفاق ممنوع ہو گا جیسے بعض قاری خوش الحان محض نمود کی
کے لئے قرآن مجامع میں پڑھنے لگتے ہیں پس اس نیت سے پڑھنا منع ہے امور خیر میں اخلاص ضروری ہے وما امروا الا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین
اعتراض مولوی محمد ہاشم صاحب میرٹھی فتوی ثانیہ مطبوعہ مطبع ہاشمی کے آخری صفحہ ۲۴ میں اپنی مہر لگا کر رقم فرماتے ہیں لکھنا حضرت مجدد الف ثانی کا
در باب مولد شریف کے اگر فرضاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم دنیا میں زندہ ہوتے اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہیں نزدیک فقیر کے

کہتا ہے پس قیام بھی مقید نہ ہوا سبحان اللہ خوب سمجھے۔ علیٰ ہذا طعام و منبر و شیرینی و فرش کو کس قدر الٹا سمجھ گیا ہے پس یہ دعویٰ مولف کا محض
غلط نکلا کہ ذکر مولود اور قیام مقید نہیں ہوا بلکہ مقید ہونا اس کا بدیہی ہے اور یہ فہم مولف کا کہ شیرینی اور فرش وغیرہ کو مقید کرتا ہے محض
خطاء فاحش ایسے واضح کلام کے فہم سے عاری لاحول ولا قوۃ الا باللہ **قولہ** اعتراض سلامی الخ **اقول** بحث تشبہ میں ثابت ہو چکا کہ تشبہ ؎۱
ممنوع کے واسطے ضرور نہیں کہ اس قوم سے ہی دیکھ کر اخذ کریں بلکہ عام ہے سو اگر کسی امر کو مسلمان کرتے ہیں بشرطیکہ وہ شعار بھی کفار و
فساق کا ہو اور طبعی اور گو کہ شرعی نہ ہو تو بسبب تشبہ ؎۲ حادث کے ممنوع ہو جاتا ہے دست چپ ؎۳ میں خاتم کا پہننا حدیث سے ثابت
ہے پھر جب شعار روافض ؎۴ کا ہو گیا تو اب تمام فقہاء مکروہ لکھتے ہیں کیونکہ یہ سنت مؤکدہ نہ تھا ایسا ہی بحق رسلک کا لفظ حدیث سے
ثابت اور بسبب شعار حادث معتزلہ کے فقہاء نے منع لکھدیا مولف کو کاش خبر ہوتی پس یہ سوال جواب گو عرب میں ہو اور قصہ حدیث
بھی لیا گیا ہے مگر تاہم اب بسبب تشبہ شعار مجلس روافض کے مکروہ ہو گیا ہے اور فعل فخر عالم اول تو مشابہ روافض کے نہیں تھا کیونکہ
اس وقت روافض کہاں تھے دوسرے روافض کی مجلس مرثیہ میں یہ ہوتا ہے مگر قطع نظر اس کے اب جو مجلس مولود میں تشبہ حادث ہو گیا
گو یہ کہیں سے لیا ہو ممنوع ہو گیا ہے جیسا مسئلہ تختم اور لفظ بحق کا معلوم ہو لیا **قولہ** اعتراض مولوی محمد ہاشم الخ **اقول** مولف کی عادت
مستمرہ ہے کہ دوسرے کلام کو ہرگز نہیں سمجھتا اور اپنے نزدیک اس کے کچھ معنی ٹھیرا کر زبان درازی شروع کر دیتا ہے حاصل مطلب مولوی
محمد ہاشم کا مسوبہ ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ مجھکو تردد تھا کہ مجلس مروجہ مولود جائز ہے یا نہیں مگر اب ان فتاوی کے مطالعہ سے
اور امام ابو الحسنؒ اور حضرت مجدد صاحب کی تحریر دیکھنے سے تردد رفع ہو گیا اور نامشروع ہونا معلوم ہو گیا اور پھر اس فتوی
کی عبارت تو نقل نہ کی کہ خود موجود تھی مگر ترجمہ امام ابو الحسنؒ اور حضرت مجددؒ کی عبارت کا نقل کیا تو غرض مجیب کی تو اسی قدر تھی

؎۱ ایسی مشابہت جس سے منع کیا گیا ہو ؎۲ نیا پیدا شدہ تشبہ ؎۳ بایاں ہاتھ ؎۴ شیعہ ؎۵ انگوٹھی پہننے کا مسئلہ،

یہ ہے کہ ہرگز اس امر کو جائز نہ فرماتے انتہیٰ کلامہ المجدد، اس کے بعد مولوی صاحب موصوف لکھتے ہیں ثابت ہوا کہ یہ مجلسیں ایسی صورت پر بیشک بدعت ہیں اب مجھ کو کچھ شک و شبہ باقی نہ رہا یہ خلاصہ کلام ہے مولوی محمد ہاشم صاحب کا جواب افسوس کرتا ہوں کہ یہ صاحب نہ سباق و سیاق پر نظر فرماتے ہیں اور نہ شان الفاظ و مرجع ضمائر میں فکر لگاتے ہیں مجدد صاحبؒ اس مقام پر مکتوب ۲۷۳ جلد اول میں فرزندان خواجہ احرار کا ذکر اور اپنے خواجہ علیہ الرحمۃ کا حال بیان فرماتے ہیں جس کا دل چاہے مکتوب مذکورہ نکال کر دیکھے غرضکہ وہ ان کی نسبت لکھتے ہیں اگر فرضاً حضرت ایشاں دریں آوان درونیاز زندہ بودند، اب خیال کیجئے کہ کجا ضمیر حضرت ایشاں کی راجع مذکورین بالا کی طرف اور کجا مولوی محمد ہاشم صاحب کا ترجمہ فرمانا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں زندہ ہوتے بھلا مجدد صاحبؒ حضرت ایشاں سے اگر مراد رسول خدا لکھتے تو ان کو یہ رشد و ہدایت نہ تھی نعوذ باللہ منہا کہ وہ حضرت کے نام پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے، حضرت ایشاں بلا درود لکھنا بھی صریح دلیل ہے

کہ ان بزرگوں کے افادات سے میرا شک رفع ہو گیا اور مولوی احمد علی صاحب کا یہ خلاصہ کلام تھا کہ اصل ذکر درست اور قیود مکروہ و بدعت تو نفس مولود کی ممانعت نہیں کرتے اور یہی حضرت مجددؒ نے فرمایا بقولہ در نفس قرآن خواندن بصورت حسن و قصائد نعت خواندن چہ مضائقہ است،، پس مجیب کے یہ محقق ہو گیا کہ اصل ذکر محمود ہے، مگر ضم قیود سے کراہت و بدعت فقط قیود کے پیدا ہو جاتی ہے اور حضرت مجددؒ کے نزدیک ایسی صورت میں مذموم ہونا محقق ہے چنانچہ فرماتے ہیں اگر اندک تجویز کردند منجر بہ بسیار خواہد شد الخ اس سے معلوم ہوا کہ اس قدر پر کہ اصل ذکر مولود ہے اگر زیادہ ہوا تو مکروہ ہو گا علی ہذا قولہ یقین فقیر آن ست کہ ہرگز تجویز ایں معنی نمی فرمودند، جس سے حضرت مجددؒ کے نزدیک ان امور زائد کا مکروہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور یقین فرماتے ہیں کہ حضرت ایشاں بھی اس کو ہرگز جائز نہ فرماتے پس اس مجموعہ کے اصل کا جواز اور قیود کا عدم جواز حضرت مجددؒ کے نزدیک محقق ہونا معلوم ہو گیا پس مجیب بتقلید حضرت مجددؒ کے اس کو قبول کرتے ہیں کہ اصل درست اور قیود ناجائز چنانچہ مجیب خود کہتا ہے کہ یہ مجلس ایسی صورت پر جو تکلفات کئے جاتے ہیں الخ جس سے خوب بدیہی ہے کہ یہ مجلس ہیئت کذائیہ کو بدعت کہتے ہیں نہ نفس مولود کو مگر مؤلف خوش فہم کہتا ہے **قولہ** افسوس کرتا ہوں الخ **اقول** بیشک سخت افسوس ہے کہ مؤلف ایسے بدحواس کہ بدیہی امر کو بھی نہ سمجھے اور مطلب اصل سے اعراض اور زوائد امور پر زور شور اور طعن کرنے کو موجود ہو جائے اچھا صاحب تسلیم کر لیا کہ مجیب نے مرجع آں حضرت میں غلطی کی مگر مطلب میں تو کوئی خطا نہیں کی اور مقصود تو صاف ہے لیکن مؤلف کس منہ سے تخطیہ ناجائز کہتا ہے مؤلف تو اصل مطلب کو بھی نہیں سمجھا حضرت مجددؒ کا مطلب پوچھا نہ مولوی احمد علی صاحب کا نہ مجیب کا کیونکہ مجیب نے تو یہی کہا ہے کہ مجلس مروجہ حضرت مجددؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور اس قدر یقین عدم جواز کا رکھتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ حضرت ایشاںؒ اگر زندہ ہوتے تو حضرت ایشاں بھی ناجائز ہی فرماتے تو یہ حضرت مجددؒ کے کمال وثوق کی وجہ ہے کہ حضرت ایشاںؒ پر بھی اس حکم کا یقین رکھتے ہیں تو گویا عدم جواز کی ایسی دلیل واضح ہے کہ حضرت ایشاںؒ اس امر میں ایسا ہی فرماتے بس مطلب تو خوب روشن ہے گو کسی کو نظر نہ آئے اب رہا کہ حضرت ایشاںؒ کن سے مراد ہے فخر عالم علیہ السلام یا خواجہ احرار یا خواجہ محمد باقی اس کو کوئی غرض و مقصود متعلق نہیں اور اس پر ایسے زور شور سے بحث محض فضول ہے اچھا حضرت احرارؒ ہی سہی مگر حضرت مجددؒ کا مکروہ جاننا تو اس مجلس کا ثابت ہو گیا اور یہی مجیب کی غرض تھی اور اگر فخر عالم علیہ السلام مراد ہوں جب بھی تو یہ قول حضرت مجددؒ کا ہی ہے اور ان کا ہی یقین ہے حدیث تو نہیں ہو جائے گی اور اس کو کوئی حدیث ہونا نہیں مانتا جیسا اب خواجہ

---

۱ واضح ہے ۲ یقین،

کہ اس سے مراد آپ نہیں ہیں اور پھر یہ کونسی دلیل شرعی قطعی ہو گئی کہ وہ فرماتے ہیں یقین فقیر آن ست کہ ہرگز ایں معنی تجویز نمی فرمودند اسلئے کہ دوسرا آدمی کہہ سکتا ہے کہ پرائے دل کی کیا خبر ہے کچھ تعجب نہیں کہ وہ جائز فرماتے ہوں ہرگز کوئی دلیل یقینی قابل اسناد نہیں ہے اب یہ عاجز اصل مطلب حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اس مکتوب کا بیان کرتا ہے اول تو یہ ہے کہ انہوں نے مولد شریف نام رکھا ہے اشعار پڑھنے کا خواہ وہ اشعار کسی طرح کے ہوں چنانچہ عبارت خاص ان کی یہ ہے، مولود کہ عبارت از قصائد نعت و اشعار غیر نعت خوانند ست، دیکھئے اول تو

احرار اگر مراد ہیں حسب زعم مؤلف کے تو یہ خواجہ احرار کا قول نہ ہو گیا بلکہ محض قول حضرت مجدد کا اور حکم یقینی ان کا ہی ہے پس مطلب میں کچھ نقصان نہ ہوا لیکنہ مؤلف ہی نہیں سمجھتا اور اپنے زعم میں اگر کسی کی ذرا لفظی غلطی پر بھی مطلع ہو جاتا ہے تو کبروں میں نہیں سماتا اور گویا مؤلف کا علم و فہم الفاظ میں ہی منحصر ہے اول کتاب سے آخر تک دیکھو کہیں بھی کوئی مطلب نہیں سمجھتا کوئی غلط مضامین ہی موضوع لہ اس کتاب کا ہے اس پر خود کو تنبیہ نہیں اور مواخذات لفظیہ سے ہم کو غرض نہیں ورنہ وہ بھی دکھلایا جاتا مگر چونکہ یہ داب اہل علم کا نہیں لہذا اس پر التفات ہی نہیں لیکن مؤلف کو کونسی دلیل محقق سے محقق ہوا کہ جناب فخر عالم یہاں مراد نہیں اول منام میں رخسار فخر عالم کا دیکھنا مذکور تھا اس کے بعد درمیان میں خواجہ احرار کا ذکر بطور اعتراض کے کیا اور پھر صاحبزادہ کا حال بیان کر کے فرماتے ہیں کہ خواب کا کچھ اعتبار نہیں اگر حضرت فخر عالم علیہ السلام زندہ ہوتے تو یقین تھا ہرگز جائز نہ فرماتے اگر یہ تقریر اس کی ہو تو مؤلف بتائے کہ کون حجت مانع اس کی ہے اور کیا دلیل قطعی اس کے خلاف کی ہے اور یہ دلیل کہ حضرت ایشاں پر درود نہیں لکھا اور اس کو مؤلف دلیل صریح کہتا ہے تو یہ مؤلف کی کمال کوتاہ فہمی پر دال ہے کیونکہ اس کتاب میں تلاش کر کے مؤلف دیکھے تو بہت جگہ آپ کے نام پاک پر درود مکتوب نہیں سو یہ کوتاہی کاتب کی ہے نہ حضرت مجدد صاحب کی مگر مؤلف کی ہر روز یہ عادت رہی کہ کاتب اور اہل مطبع اگرچہ کوئی کیسی ہی غلطی کرے اس کو ری کر کے اصل مصنف تک پہنچا کرتا ہے پس یہ دلیل کسقدر بے اصل ہوا اگر مجیب یا کوئی کہدے کہ کاتب نے صلوٰۃ و سلام نہیں لکھا اصل کتاب میں تھا تو پس مؤلف کی تحقیق تمام ہوئی ہاں مؤلف کے پاس حضرت مجدد کے ہاتھ کا لکھا ہوا مکتوب ہو گا جو یہ جزم ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ ایسی جربوز دلیل پر اس قدر زور و شور غرض ایسی ضعیف دلیل پر مؤلف کا ایسا اعتماد اور پھر خواہ مخواہ اعتراض کسقدر عجیب بات ہے پس مطلب بھی درست ہے اور مرجح کی خطا بھی محقق نہیں مؤلف کا یہ غیظ و غضب محض نادانی ہے قولہ پھر یہ کونسی دلیل شرعی قطعی الخ اقول دلیل قطعی تو آیت قرآن شریف کی یا ادعیہ معلومہ اور حدیث متواتر اور اجماع قطعی ہی ہے باقی سب آپ کی کتاب دلائل ظنیہ سے بھری ہے بلکہ مؤلف تو اپنی واہیات سے ہی اثبات ناچیز مطلب کا کرتا چلا آرہا ہے اور مراد مولوی محمد ہاشم کی تو یہ تھی کہ حضرت مجدد کے نزدیک یہ محقق ہوا اور ایسا یقینی ہے کہ حضرت ایشاں پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ یہی فرماتے اور واضح ہوا احتمال خلاف کا بھی ہے مگر حضرت مجدد کا یہ یقینی تھا تو عجیب ہے حضرت مجدد کے حکم سے ابنا رفع تردد لکھا ہے نہ حضرت ایشاں کے حکم سے فراموش کر و مطلب سمجھو پس یہ اعتراض مؤلف کا کہ دوسرا کہہ سکتا ہو کہ دوسرے آدمی کے دل کی کیا خبر ہے الخ، کسقدر کم فہمی ہے کیوں کہ یہ اعتراض حضرت مجدد پر کرے کہ تم نے کیوں ایسی بات دوسرے شخص پر کہدی اس میں مولوی محمد ہاشم پر کیا اعتراض ہے وہ تو حضرت مجدد کے علم الیقین سے استدلال لائے ہیں نہ حضرت احرار کے قول کو ذرا ہوش کر سمجھو مت پس یہ حضرت مجدد کا قول دلالت قطعی لکھتا ہے کہ حضرت مجدد کے نزدیک یہ فعل ناجائز تھا اور یہی مراد ہے مگر مؤلف کے فہم میں خلل ہے،

مجدد صاحب کی عبارت سے جواز مولد ثابت نہیں | قولہ اب یہ عاجز اصل مطلب الخ اقول یہ مؤلف کا کمال فہم عالی ہے کہیں بھی دینا

۱ عادت ۲ خواب ۳ شیخی ۴ حسن کے بارہ میں یقین نہ ہو محض ظن ہو،

ہماری مجلسیں اسی عبارت سے بری ہو گئیں کیونکہ ہم روایات میلاد و معجزات و خصائص کا بیان کرتے ہیں اور جو اشعار پڑھتے ہیں نعت و حمد کے پڑھتے ہیں اور اشعار غیر سے ہم کو کچھ کام نہیں ثانیاً یہ کہ مجدد صاحبؒ نے اس اشعار غیر نعت کو جو منع کیا ہے وہ اس لئے نہیں کہ اس میں قباحت شرعی ہے بلکہ اپنی طرز کے خلاف سمجھ کر منع فرمایا ہے اس لئے کہ ایسے اشعار پڑھنے سے طرز سماع پیدا ہوتا ہے اور سماع ان کے طریقہ میں درست نہیں چنانچہ اسی مکتوب میں منع کرنے کا سبب بیان فرماتے ہیں۔ مبالغۂ فقیر در منع بواسطہ مخالفت طریقت خود است حضرت خواجہ نقشبند فرمودہ اند نہ ایں کار می کنم و نہ انکار می کنم۔ اور دو صحیح ہو کہ یہ منع فرمانا مجدد صاحبؒ کا مبنی اسباب پر ہے کہ ان کے وقت میں کسی نے

میں غزلیات و اشعار کا نام مولود خوانی ہے شرعاً یا لغۃً یا عرفاً ایسی بادہوائی بات تو مولف کو ہی نصیب ہے کہ نوشہ و سودا کی غزلیات کو مولود کہا جاسکے استغفر اللہ خوب مطلب سمجھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس مجلس میں ذکر مولود اور قصائد مدح کے ہیں اور اشعار غیر مدح کے بھی جمع اس جگہ کو ہوتے ہیں نہ یہ کہ خالص غزلیات کو مولود خوانی کہتے ہیں حاشا و کلا اور بمعنی جمع کے ہیں بمعنی اور کے نہیں جیسا مولف سمجھا کہ اصل معنی حقیقی کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی لیتا ہے دوسرے مکتوب کی عبارت جو خود مولف نقل کرتا ہے اس زعم مولف کو رد کرتی ہے فرماتے ہیں، ودر باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصورت حسن و قصائد منقبت خواندن چہ مضائقہ است الخ اب دیکھو کہ مولود میں قرآن و قصائد منقبت آپ ہی فرماتے ہیں اور اس کے ہی عدم جواز کا ارشاد ہے اگر کوئی محظور شرعی اس میں مضموم ہو جیسا نغمہ تصفیق و تحریف و تبدیل کلمات و حروف قرآن مثلاً پس دیکھو مولف کی غفلت کو کہ خود ہی مولود کے معنی نقل کرتا ہے اور پھر آپ ہی اس کے خلاف کہتا ہے اور اگر ہم مسلّم رکھیں کہ اصطلاح حضرت مجددؒ کی میں مطلقاً اشعار خوانی کا نام مولود تھا تو یہی ایک فرد مطلق مولود کی ہے جو کہ حضرت مجددؒ نے فرمائی ہے قرآن و قصائد مدح خواندن پس اگر اس میں بھی محظور شرعی ہو وے گا وہ بھی ممنوع ہو گی بارشاد حضرت مجددؒ کے وہو المراد پس مولف کی توجیہ کس قدر لغو ہو گئی اور مدعا مولوی محمد ہاشم صاحب کا ثابت ہو گیا بہر حال مجالس مروجہ مانعا ہرگز اس تقریر حضرت مجددؒ سے خارج نہیں ہو سکتی کیونکہ ذکر ولادت و اشعار مناقب اس میں بھی ہیں اور محظورات شرعیہ بھی موجود ہیں حضور امارد و فساق مثلاً جیسا پہلے ذکر کیا گیا کچھ خصوصیت تصفیق و تحریف حروف قرآن کی تو نہیں بلکہ سب مناکیر کے ضم سے کراہت حاصل ہو جاتی ہے پس مولف کی مجالس حسب ارشاد حضرت مجددؒ کے جملہ بدعت و منکر مگر مولف کو ہرگز فہم ہوش نہیں **قولہ** ثانیاً یہ کہ مجدد صاحبؒ نے اول اشعار غیر نعت الخ **اقول** یہ مسلّم کہ اشعار غیر نعت کو خلاف طریقہ اپنے کے ہونے کی وجہ سے منع فرمایا مگر اشعار مناقب کا پڑھنا بھی ان کے طریقہ کے خلاف ہے خصوصاً جب اس میں کوئی محظور ہو تو ہر حال ممنوع ہے پس اس تقریر سے مولف کی کوئی غرض صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ کیا ہے اس واسطے کہ اشعار نعت یا غیر نعت کا نام مولف نے مولود فرض کیا اور جس مولود میں امر محظور ہو گا وہ ممنوع ہو جاوے گا خواہ کوئی مولود ہو بوجہ امر محظور کے محظور ہو جاوے گا جیسا کہ خود حضرت مجددؒ کے ہی کلام سے ظاہر ہے اور جس میں کوئی محظور نہ ہو گا دونوں جائز ہوں گی مگر خلاف طریقہ حضرت مجددؒ کے ہے کہ اشعار کی نسبت وجدیہ ہو گی اور ان حضرات کی نسبت سکینہ ہے، پس یہ فقرہ اول ہی توجیہ کی تتمیم ہے جس کو مولف ثانی امر کہتا ہے مگر بہر حال یہی مقصود مولوی محمد ہاشم کا ہے اگرچہ مولف خواہ مخواہ تطویل کر رہا ہے **قولہ** اور واضح ہو کہ یہ منع فرمانا الخ **اقول** مولف خود مطلق اشعار خوانی کا نام مولود باصطلاح حضرت مجدد بتلا چکا ہے پس اب خود کہتا ہے کہ مولود میں اس وقت کسی نے تالی بجانا اور قواعد موسیقی سے پڑھنا جاری کیا تھا اس کو منع کیا سو اول تو غیر اشعار نعت کو خلاف طریقہ مجددیہ کے ہونے سے ممنوع کہتا تھا اور ابھی مطلق مولود کو بوجہ محظور شرعی کے منع بتانے لگا

۱؎ وہ معنی جس کے لئے لفظ وضع نہیں کیا گیا ۲؎ تالی بجانا ۳؎ رد و بدل ۴؎ تعریف و مدح ۵؎ نابالغ لڑکوں اور فاسقوں کی موجودگی ۶؎ تکمیل

تالی بجا بجا کر اور قواعد موسیقی و نغمات کی رعایت سے مولد شریف پڑھا تھا چنانچہ جلد ثالث مکتوبات سے صاف سمجھا جاتا ہے وہی حسام الدین احمد جنکو یہ مکتوب ۲۹۳ جلد اول ہیں واسطے منع کے لکھا ہے جان ہی حسام الدین احمد کو یار دوئم جلد ثالث میں مکتوب ۷۲ لکھا ہے اس کی عبارت یہ ہے، در باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف و تغیر حرف قرآن است والتزام رعایت مقامات نغمہ و تردید صوت باآں بطریق الحان باتصفیق مناسب آں کہ در شعر نیز غیر مباح است اگر بنہجے خوانند کہ تحریفے در کلمات قرآنی واقع نہ شود در قصائد خواندن شرائط مذکورہ متحقق نہ گردد واآں را ہم بغرض صحیح تجویز نمایند چہ مانع است الی آخرہ، اب سب ارباب انصاف خیال فرما دیں کہ یہ تحریر مجدد صاحبؒ کی کس درجہ میں ہے جس کو مولوی محمد ہاشم صاحب حجت قطعی سمجھ کر مطمئن ہو گئے اب مجھکو کچھ شک باقی نہ رہا ہرگز اس مجلس کا ہونا نہ چاہیے، اے حضرتؒ اگر آپ مجدد صاحبؒ کے کہنے پر چلتے ہیں تو فقط ایسے طریقہ والوں کو منع کیجیے، دوسرے لوگوں پر کیوں انکار فرماتے ہو مجدد صاحبؒ کی دلیل تو اس مکتوب میں مبنی اس پر ہے کہ تم انکاری کہتم و نہ ایں اکاری کہتم پورا مکتوب پڑھ کر دیکھو اگر لاتقربوا الصلوٰۃ پڑھا ہے تو وانتم سکارے بھی پڑھو والسلام علی من اتبع الہدی اعتراض محفل مولود

تماشا ہے اور یہ جو مراد ہے کہ اشعار غیر نعت کی وہ وجہ نہیں اور اشعار نعت کی یہ وجہ ہے تو یہ تفرقہ بھی غلط ہے کیوں کہ محظور شرعی سے تو سب اقسام ممنوع ہو جاتے ہیں مگر تاہم خلاصہ مطلب مخالف کا دیکھو اگرچہ بیان مؤلف کا پریشان و حیران ہے کہ مطلق مولود کی وجہ کراہت کسی محظور کا اس میں مختلط ہو جانا ہی ہے گو اصل ذکر مباح ہو مگر اختلاط امر محظور سے ممنوع ہو جاتا ہے تو یہ مؤلف نے اس قدر تقریر طویل کر کے حاصل نکالا اور حالانکہ یہی مجیب نے کہا تھا بعینہٖ چنانچہ ہر ادنیٰ عاقل پر بھی ظاہر ہے کہ اب مؤلف سے کوئی پوچھے کہ اعتراض مجیب کا تو خود قبول کرتا ہے اور اس کی ہی تشریح و توضیح کرتا ہے تو نے جواب کیا دیا اور کیا رد کیا فقط ایک مرجع حضرت ایشاں کا کہ وہ بھی محتمل المعنی ہے اس میں تشکیک ظاہر کر دی اور بس مگر کیا عجب العجاب ہے کہ مؤلف کو لکھنے ہی کا شوق ہے سمجھنے کا خیال بھی نہیں دعویٰ تو رد تقریر مجیب کا کیا اور دلیل دعویٰ میں خود مجیب کا مطلب ثابت کیا سبحان اللہ کیا ہی فہم عجیب ہے **قولہ** اب سب ارباب انصاف الخ **اقول** اب سب ارباب انصاف خیال فرما دیں کہ مجدد صاحبؒ نے مطلق مولود کو بوجہ ضم امر غیر مشروع کے ممنوع شرعاً کہا ہے اور اشعار کو مطلقاً اپنے طریقہ کے خلاف کہا ہے اگرچہ شرعاً مباح ہوں اور مؤلف ہرگز نہیں سمجھا اور اپنی کج فہمی سے طعن مجیب پر کیا مگر مجیب کے مقصود کا اعتراف کرتا ہے اور حاصل مؤلف کا کچھ نہیں محض غیظ بے موقع ہے سارے مکتوب کو نہیں دیکھا نہ سمجھا خواہ مخواہ الجھتا ہے حق تعالیٰ اس کو ہدایت فرماوے،

اعتراض مانعین کے جواب میں مؤلف کی لغزشیں | **قولہ** اعتراض محفل میلاد میں الخ **اقول** حاصل اعتراض یہ ہے کہ جس مجمع میں مرد و عورت ذاکر و جمع ہو ویں محل اندیشہ فتنہ کا ہے خواہ کہیں ہوں، شادی غمی ہو یا وعظ و مولود، کیونکہ ایسا مجمع خلاف شرع کے ہے تو مؤلف جواب دیتا ہے کہ یہ امر مولوی عبدالرب اور مولوی حفیظ اللہ کے وعظ میں بھی ہوتا ہے سبحان اللہ اول تو مولوی عبدالرب و مولوی حفیظ اللہ کا فعل کونسا حجت شرعیہ ہے کہ اس کو دلیل جواز بنانا مؤلف کے نزدیک مقبول ہوا مگر ہاں مؤلف تو ایسی ہی حجج لکھا کرتا ہے سو یہ خود مردود ہے دوسرے معترض نے یہ کب کہا ہے کہ ایسا مجمع وعظ میں درست ہے بلکہ اگر ایسا مجمع وہاں بھی ہوگا وہ بھی ممنوع ہوگا پھر وعظ و مولود میں فرق بھی ہے مگر ہم کو اس کے بیان سے بحث نہیں اور یہ جو جواب مؤلف نے الزامی دیا ہے تو معترض کب معترض جواز ایسے مجمع وعظ کا مولوی عبدالرب میں ہوا ہے جو اس کو جواب الزامی ایسا چہ تو بند دیا گیا پھر آخر میں قول مؤلف کا کہ اگر یہی دلیل حرمت کی ہے تو مجالس وعظ کو بھی حرام ٹھیراؤ سخت کم فہمی ہے

مجدد صاحب کی عبارت سے مولود کا ثبوت نہیں

ے اختلاف کے حل ہو جانے سے جواب دینے والا کے تفصیل سے دلیل سے دوسرے معنی کا احتمال سے شبہ سے حصہ سے کمزور۔

مرد وعورت جمع ہوتے ہیں جواب مولوی حفیظ اللہ اور عبدالرب وغیرہ کے وعظ میں بھی بہت عورتیں جمع ہوتی ہیں اگر یہی دلیل حرمت کی ہے تو مجالس
وعظ کو بھی حرام ٹھیراؤ اعتراض مولود شریف میں روایات موضوعہ بے اصل پڑھتے ہیں جواب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا اور دایہ
حلیمہ کا دودھ پلانا چالیسویں سال نبوت کا ہونا اور معجزات کا واقع ہونا اور آپ کا سید المرسلین ہونا یہ سب کچھ مولد شریف میں پڑھا جاتا ہے
یہ سب صحیح ہے اگر شاید فضائل میں کوئی حدیث مطعون فیہ یا موضوع بھی بیان ہو گئی تو انصاف کی بات یہ ہے کہ خاص ان
لوگوں کو منع کرنا چاہیئے کہ ایسی روایت نہ پڑھیں اس میں ہم بھی تمہارے ساتھ ہو جاویں اور یہ بات انصاف سے بہت بعید
ہے کہ اگر کسی ناواقف نے کوئی ایسی روایت پڑھ دی تو اس کو تم ذریعہ اپنے خیال خام کا ٹھیرا کر علی العموم سب محفل میلاد کو حرام
سمجھنے لگو ہم نے بہت سنا ہے کہ واعظین آج کل کی بہتیری روایتیں موضوع بیان کر جاتے ہیں ان کو تمیز بھی حاصل نہیں تو چاہیے
بعض واعظوں کی جہالت سے علی العموم کل مجالس میلاد حرام ٹھیر جاویں اعتراض بعضے امیر لباس ریشمین وزریں خلاف شرع پہنکر محفل

مجالس وعظ فی حد ذاتہ حلال ومشروع ہے، جیسا ذکر مولود مشروع ہے اور جیسا امر محظور[1] کے مختلط ہونے سے وہ مکروہ اور حرام
ہو جاتا ہے یہ مولود بھی ممنوع ہو جاتا ہے پس یہ فقرہ کسقدر مہمل مؤلف نے لکھا ہے مجالس وعظ کون حرام کہتا ہے مگر خلط ممنوع[2] سے ممنوع ہو جانا
ہے علی ہذا مولود کا ہے مگر جو اس مؤلف کے محال صواب نہیں ہے جو کچھ سمجھے قولہ اعتراض مولود میں روایات موضوعہ الخ اقول درست ہے
روایت موضوع پڑھنے کا اعتراض اس پر ہی ہے جو ایسی روایت پڑھے اگر مؤلف اس سے بری ہے تو خیر یہ ملامت مؤلف سے رفع ہو گئی
مگر دیگر امور غیر مشروعہ جو پہلے مذکور ہو چکے ہیں وہ تو مؤلف کی مجلس میں موجود ہیں پس جیسا مؤلف نے اس کے ممنوع ہونے کا اقرار اور
اس سے اپنی برأت[3] کی کیسی عمدہ بات ہو کہ دیگر امور سے بھی ایسا ہی برأت حاصل کرے کہ اعتراض ان کی قبائح کا کر کے تائب ہو جاوے...
پھر اس کے ذکر میں اہل سنت بھی آیا کریں خیر یہ تو مؤلف کی عادت سے معلوم ہے مگر یہ ثابت ہو گیا کہ مؤلف کے نزدیک بھی جس محفل میں روایات موضوعہ
ہو دیں گی وہ قابل منع کے ہے سو ایسا ہی سد[4] منہی کی وجہ سے ممنوع ہونا اس محفل کا ضروری یا اقرار مؤلف ہو گیا یہ علت مشترکہ پس جس محفل میں مداراۃ
فساق کی اور مداہنت[5] امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ہو دیگی وہ بھی ممنوع ٹھیرے گا سو مؤلف کی مجلس ہر روز ایسی ہی ہوتی ہے کیا اس مسئلہ سے
مؤلف واقف نہیں ہے لہذا استدعا ہے تو توبہ کرے کہ یہ مسئلہ تو ایسا ہے کہ عوام بھی جانتے ہیں اور مؤلف تو بحر العلوم ہے باقی پھر دیکھی جاوے گی
الغرض کوئی امر خیر وشر تو مخفی نہیں مگر مؤلف کو بڑا اندیشہ کساد بازاری[6] کا ہے کیا کیجیے کہ اس ضرورت نے محظورات کو عند المؤلف مباح بنا رکھا
ہے پس باستثناء امور قیود سے ایک روایت موضوعہ کا بیان مؤلف کے یہاں نہیں تھا اس کا وہی انکار اور ممنوع ہونا بلا تامل اقرار کیا باقی اپنے عیوب
کو کسطرح قبول کرے یہ تو غیرت کی بات ہے دیکھو کہ جو حرام اتفاقی ہے اس کے تلبس کا کیا جواب دیا ہے قولہ اعتراض امرا لباس ریشمین الخ اقول دیکھو کہ یہ لباس باتفاق امت حرام
ہے اور معترض نے یہ کہا ہے کہ ایسے لوگوں کو کیوں بلاتے ہو اور ان سے مودت کا اظہار اور مدارات کرتے ہو اور امر ونہی جو فرض عین ہے کس واسطے ترک کرتے ہو تو چونکہ ان کی
سب جلوہ اور ان سے ہی رونق وشہرت ہے تو مشکل جواب بن آیا ضد کے سبب یہ نہ لکھدیا کہ یہ امور حرام وغیر مشروع ہیں اور ایسی محفل مولود جس میں مدارات
فساق ومداہنت فی الدین ہو جانا مکروہ ہے بلکہ توجیہ جواز کی شروع ہوئی کہ عیدین اور نکاح میں بھی یہ لوگ ہوتے ہیں تو مؤلف کی
یہ مراد ہے کہ جیسا باوجود ان کے عید ونکاح میں جانا درست ہے اس مجمع مولود کو بھی محظور رکھنا چاہیے اور یہ جواب مؤلف کا
سراسر خلاف حق ہے اور مطلق کج فہمی ہے کیوں کہ معترض کب کہتا ہے کہ نکاح میں یا عید گاہ میں یہ امر غیر مشروع ہے نہیں بلکہ
حالت صلوٰۃ خمسہ میں بھی حرام ہے اور کوئی اگر ایسے لباس سے صلوٰۃ جمعہ اور عیدین میں آوے اس کو بھی نہی عن المنکر[8] کرنا فرض ہے اور جو

---

[1] ممنوع [2] ممنوع کے شامل ہو جانے سے [3] چھٹکارا حاصل کرنا [4] خاطرداری [5] مخالفت [6] بازاری نقصان [7] بحث
[8] امر ممنوع سے منع کرنا۔

مولد شریف میں آتے ہیں اور بعضے داڑھی منڈے بھی آتے ہیں **جواب** یہ لوگ مجالس نکاح وغیرہ میں اور نیز عیدگاہ کی نماز پڑھنے
عیدین میں بھی اسی طرز سے بالباس فاخرہ اور ریشہائے محلوقہ جاتے ہیں تو چاہیے کہ ان کے شریک ہو جانے سے مجالس نکاح
اور مجامع عیدگاہ وغیرہ میں بھی محرمات شرعیہ ہیں اور دیندار وہاں وہاں نہ جایا کرے **اعتراض** اس محفل میں فروش نفیسہ اور گلدستہ
ہائے عجیبہ ہوتے ہیں **جواب** یہ کچھ ضروریات محفل سے تو نہیں کہ جس کو نہ میسر ہو وہ بھی اس کی بہم رسانی میں جا بکاہی کرے ہاں
جن آدمیوں کو یہ چیزیں میسر ہیں یا بسہولت دوست آشناؤں سے مستعار لے سکتا ہے تو وہ لوگ بھی ایسے سامان کر لیتے ہیں سو
کوئی دلیل شرعی فروش نفیسہ اور گلدستوں کی حرمت یا کراہت پر نہیں قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ کی
تشریح تفسیر کبیر اور بیضاوی وغیرہ میں دیکھو **اعتراض** جب کسی کے گھر محفل میلاد شریف وقت شب ہوتی ہے اور سامعین

قدرت نہ ہو تو ان کو ترک کرنا نہیں چاہیے کیونکہ یہ فرض اور واجب ہیں اور نکاح میں اگر ایسے امرد ہوں تو وہاں شریک
ہونا لاریب[1] حرام ہے اگر ان کو منع کریں اور نہ مانیں تو چلا آوے اور ایسوں کو طلب کر کے شریک کرنا حرام ہے بقولہ تعالیٰ
فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یأکل طعامک الا تقی ولا تأکل الا طعام تقی
الحدیث اور ایسے مجامع[2] میں ضیافت بھی ترک کرنی واجب ہے حالانکہ اجابت اس کی سنت ہے اور ترک ضیافت میں وعید ہے ومن لم یجب فقد عصیٰ
ابا القاسم الحدیث اور وہاں سے لوٹ آنا واجب ہے جیسے پہلے تحقیق ہو چکی پس محفل مولود بھی مندوب ہے اگر ایسوں کو بلا کر شریک کرے گا بلانے والا
گنہگار ہے اور ان کی شرکت کے بعد ان کو منع کرنا واجب ہے اگر مداہنت ہو تو وہاں بیٹھنا حرام ہو اس میں کیا تردد ہے، عجب ہے
مؤلف سے کہ کیسا جواب بیجا دیا ہے شرح منیہ میں جو زیر نظر مؤلف ہے لکھا ہے وان کان مع الجنازۃ نائحۃ او صائحۃ زجرت فان لم
تنزجر لا یترک اتباع الجنازۃ انتہی ردالمختار میں ہے ولا یترک اتباعہا لاجلہا لان السنۃ لا تترک بما اقترن بہا من البدع ولا یرد
الولیمۃ حیث تترک حضورہا لما فیہا للفارق بانہم لو ترکوا المشی مع الجنازۃ لزم عدم انتظامہا بخلاف الولیمۃ انتہی چونکہ
یہ فرض کفایہ ہے مگر نہی کرنا واجب ہے اگر نہ کرے گا بیشک عاصی ہوگا پس یہی حال جواب عیدین کا ہے اور امر مستحب میں ترک کرنا اس کا لازم
ہے جیسا ضیافت کا حال پہلے مع روایات کے لکھا گیا مؤلف ہوش کر کے دیکھ لیوے پس یہ جواب خالص غلط ہے اور باطل اور خلاف نصوص
اور روایات فقہ کے ہے اگر رسائل اردو مؤلف پڑھ لیتا تب بھی ایسا غلط جواب نہ دیتا قولہ اعتراض محفل میں فروش نفیسہ اور گلدستہ الخ اقول
اس کا جواب پہلے بھی ہو چکا ہے بساط و فروش اگر اباحت کے درجہ میں ہیں تو درست ہیں مگر جب تاکد کی نوبت ہو جاتی ہے تو مکروہ ہو جاتی ہیں اور
گلدستہ عجیبہ کا حال بھی یہی ہے کہ بتکلف بہم پہنچانا اور ایسے امر مباح کا اہتمام کرنا عوام کے نزدیک موجب تاکد کا ہو جاتا ہے کہ وعظ
و دیگر مجامع خیر میں یہ نہیں ہوتا اور اس محفل میں ہر روز ہوتا ہے تو بالضرور اُن کو سنت یا مستحب ہونیکا عقیدہ ہوتا ہے اسوجہ سے مکروہ
ہوگا اور یہ سب مولوی احمد علی صاحب مرحوم کے جواب میں مذکور ہے مگر مؤلف نے آنکھ فہم کی بند کر لی اور وجہ کراہت و تقیید کی نفیاً اثباتاً کر کے
اصل اباحت کا جواب دے کر یہاں جائز کرتا ہے مولوی صاحب مرحوم نے بھی تو ان کو مباح ہی کہا ہے مگر قید اس کی کر کے امور مباحہ کو مکروہ فرماتے ہیں مؤلف
اس مطلب کو گویا سمجھا ہی نہیں ختم حق بیں پر خطا بانی ہوائے طبعی کا ڈالکر اصل اباحت کو حجت لاتا ہے ورنہ امر بدیہی تھا کچھ خفا نہیں تھا
اور کراہت تقیید مطلق کا خود مؤلف بھی مقر ہے مگر فہم سے اپنے مجبور رہا ہے قولہ اعتراض جب کسی کے گھر میں محفل میلاد وقت شب میں الخ اقول
بیشک خود مؤلف کے محافل میں جو قصبہ رام پور میں شب کو ہوتے ہیں تو اس صبح کی جماعت تو اکثر کی جاتی ہے اور بعض بعض کے

[1] یقیناً [2] مجمع کی جمع [3] قبول نہ کرنا [4] کمزور [5] بار بار کرنا [6] فراموش [7] نہ ہونے کے برابر کر دینا۔

جو زیادہ رات گئے فارغ ہو کر سوتے ہیں تو صبح کو شاید اگر کسی کی نماز میں دیر ہو گئی یا سو آدمیوں میں ایک کی نماز قضا ہو گئی تو کمال جہالت سے اس بات کو دلیل عام مذمت مولد شریف کی ٹھیراتے ہیں حالانکہ اگر یہی دلیل برائی کی ہے تو محفل عقد نکاح کے اہتمام میں اگر آدمیوں کی نماز پس و پیش ہو جاوے اور اکثر ہو جاتی ہے اور نیز رمضان میں سحری کھانے کو اٹھتے ہیں بعضوں کی نماز صبح قضا ہو جاتی ہے چاہئے اسی دلیل سے نکاح اور سحری بھی حرام ہو جاوے ہر چند اعتراضات واہیہ ہمارے خیال کرنے کے قابل نہ تھے لیکن چونکہ ہم نے دیکھا کہ بعضے صاحب علم بھی اپنی زبان مقالات ردیہ سے آلودہ کرتے ہیں اور بعضے نادان ان کو کمال درجہ کے حجج ساطعہ اور براہین قاطعہ سمجھتے ہیں اسلئے یہ چند الفاظ ان کے جواب میں لکھے گئے اور عطر و لوبان و پھول وغیرہ کا ذکر اور زیب و زینت محفل کا بیان اور جو کہ منبر پر بیٹھ کر پڑھنے کی اسناد یہ سب باتیں رسالہ دافع الاوہام میں ہیں طالب حق اس کی طرف رجوع کرے اب ہم کو زیادہ گنجائش اس رسالہ میں نہیں وقت شروع تحریر رسالہ ہذا یوں سمجھا گیا تھا کہ شاید دو تین جزو میں مکمل ہو جاوے گی لاکن کیا کیجئے ہر چند قلم کو روکا گیا پھر بھی اس قدر طویل ہو گیا اور اطناب کلام اس میں نہ فقط فتوی انکاری کے سبب واقع ہوا بلکہ اور بھی چند رسائل منکرین کے مغالطات و شبہات کا رد کرنا مد نظر ہوا جو شخص اس رسالہ کو اور دافع الاوہام کو خوب جمیع شقوق اور قیود سے بغور ملاحظہ کر کے ذہن میں جما وے گا امید خداوند کریم سے یہ ہے وہ دھوکا اور مغالطہ نہ کھاوے گا اور منکرین کے رسائل پر عوائل کی تردید ان میں صراحۃً یا اشارۃً پاوے گا بنا بر علیہ اب ضرور یہ سمجھا گیا کہ عنان سمند خامہ گویا شنہ کو بی [illegible] وادی طول تقریر سے جانب اختصار موڑ دیجے اور جو علماء ربانی اور

نماز کبھی قضا ہو جاتی ہے اور جس امر مندوب سے ایسا ہو اس امر مندوب کا کرنا منع ہے بخاری میں ہے لہ کان یکرہ النوم قبلہا والحدیث بعدہا عسقلانی اس کی شرح میں کہتا ہے لہ والسمر بعدہا قد یؤدی الی النوم عن الصبح او عن وقتہا المختار او عن قیام اللیل وکان عمر یضرب الناس علی ذلک ویقول اسمرا اول اللیل ونوما آخرہ انتہی دیکھو کہ خدشہ فوت وقت مختار اور تہجد میں حدیث صحیح سے مسامرۃ مکروہ ہوئی اور حضرت عمر رض کا مارنا اس پر ثابت ہوا قال فی شرح المنیہ ومنہا ان فی صلوۃ الصبح مخالفۃ السنۃ فی تعجیل الفجر انتہی ہر گاہ کہ ترک سنت اسفار سے صلوۃ مکروہ ہوئی تو محفل مولود واجب کے ترک میں تو حرام ہونا چاہیئے پس اس کو کمال جہالت کہنا مؤلف کا ایک کمال جہل مرکب مؤلف کا ہے کہ حدیث اور قول فقہاء کو اپنی رائے ناقص سے رد کرتا ہے اور پھر مؤلف نے وہی نظیر نکاح شادی کی لکھی اور بداہۃً خود نہایت تبحر کو کام فرمایا حالانکہ یہ محض جہل ہے لاریب اگر اہتمام شادی و نکاح میں نماز یا جماعت فوت ہو جاوے تو وہ حرام ہے اور ایسا کام کرنا بھی حرام ہوا اسکو کہاں شرع نے جائز کیا ہے مگر مؤلف بیخبر ہے علی ہذا اگر سحر کے کھانے کے سبب جماعت فوت ہو تو ایسے شخص کو سحور بھی حرام ہے علی قاری شرح مناسک میں لکھتے ہیں ثم اعلم انہ قیل یشترط ایضا ان یکون الحاج متمکنا من اداء المکتوبۃ علی وجہہا فی الاوقات قال الکرمانی لانہ لا یلیق بالحکمۃ ایجاب فرض علی وجہ یفوتہ فرض آخر یہ لکھتے لکھتے آخر میں لکھتے ہیں ویؤید الاول ایضا ما قال ابن الحاج المالکی وضیع صلوۃ واحدۃ اعظم من فقدہا الامیل فریضۃ الحج لا یجوز اجماعا وقد قال علماؤنا فی المکلف اذا علم انہ یفوتہ صلوۃ واحدۃ اذا خرج الی الحج فقد سقط الحج عنہ انتہی اب مؤلف ذرا آنکھ کھولکر دیکھے کہ خدشہ فوت ایک صلوۃ میں حج بھی ساقط ہوتا ہے چہ جائیکہ سحور مستحب کا کھانا حلال ہو یا نکاح کے سامان مباح کا کرنا جائز ہو یا مولود مستحب کی شرکت درست ہو وجہ جانیکہ مولود بدعت کی پس واضح ہو کہ ایک نماز کی فوت یا تاخیر سے یہ سب حرام ہو جاتا ہے اب بھی اگر کسی کی چشم نابینا حق بین ہو تو بس لہ ومن یضلل اللہ فلا ہادی لہ کا مضمون ہے اور

لہ اور برا جانتے تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سونا پہلے نماز عشاء سے اور کلام کرنا بعد اس کے لہ یعنی اور قصہ گوئی بعد عشاء کے کبھی باعث ہوتا ہے نماز صبح کے فوت ہونے کا بوجہ سو جانے کے یا وقت بہتر سے ہٹ جانے کا یا نماز تہجد کے فوت کا اور حضرت عمر رض لوگوں کو مارتے تھے بوجہ قصہ گوئی کے اور یوں فرماتے تھے کہ کیا شروع رات میں قصہ گوئی میں مشغول ہوتے ہو اور آخر رات میں سوتے رہو گے ۱۲ لہ یعنی جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا ۱۲

عرفاء حقانی مجوزین محفل میلاد شریف ہوئے ہیں ان کا ذکر کیجئے لمعہ تامعتہ نام ذکر کیا کیا جاتا ہے ان علماء محدثین و فقہاء کا جنھوں نے عمل مولد شریف کو مستحب اور مستحسن فرمایا ہے (۱) شیخ عمر بن محمد الملاء الموصلی من الصالحین المشہورین (۲) علامہ ابوالخطاب ابن دحیہ اندلسی جو دحیہ کلبی صحابی کی اولاد میں سے تھے ذکرہ الزرقانی اور جس قدر علماء و صلحاء سلطان ابو سعید مظفر کی محفل میں آتے تھے ان کی اسماء نگاری کہاں تک کیجائے جن کو جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے وحضر عندہ فیہ العلماء والصلحاء من غیر نکیر منہم تحو لاء علماء متدینین رضوہ ا قرہ و لم ینکرہ (۳) علامہ ابو الطیب السبتی نزیل قوص من اجلۃ العلماء المالکیۃ ذکرہ الزرقانی (۴) ابو محمد عبد الرحمٰن ابن اسمٰعیل استاد امام نووی معروف بہ ابو شامہ (۵) علامہ ابو الفرج بن جوزی محدث و فقیہ حنبلی (۶) امام علامہ سیف الدین حمیری دمشقی حنفی محدث معروف بابن طغربک (۷) امام القراء و المحدثین حافظ شمس الدین ابن جزری (۸) حافظ عماد الدین ابن کثیر (۹) علامہ ابو الحسن احمد بن عبد اللہ البکری (۱۰) علامہ ابو القاسم محمد بن عثمان اللؤلؤی الدمشقی (۱۱) شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی (۱۲) علامہ سلیمان برسوی امام جامع السلطان کشف الظنون میں لکھا ہے کہ مولد شریف ان کا تالیف کیا ہوا پڑھا جاتا ہے مجالس اور مجامع میلادیہ میں (۱۳) ابن الشیخ

پس اب ہر ناظر بالانصاف دیکھے کہ کون جاہل ہے تارک فرض صلوٰۃ کا اور تارک واجب جماعت کا برائے مندوب مولود اور مؤلف مجوز اس معصیت کا یا مفتی تحریم محدث سہارنپوری قدس سرہ پر کا مکہ فقہاء کے نزدیک فوت صلوٰۃ کی وجہ سے حج کی فرضیت ساقط ہو تو مجوز کا کھانا اور مولود کی شرکت کس طرح حلال ہووے گی سو یہ مذمت نفس مولود کی نہیں بلکہ ایسی شرکت کی ہے کہ جس کے عوارض کے سبب کراہت شرکت مولود ثابت ہوتی ہے اور باقی جواب عطر و لوبان وغیرہ کا سب کچھ بفضلہ تعالیٰ لکھا گیا ہے کہ مؤلف اور اس کے معاونین اگر دین سے ہاتھ دھو کر جواب دیں تو ممکن ہے ورنہ اگر پابند قواعد دینیہ کے رہیں گے تو دلائل واضحہ سے اثبات حق ہو چکا ہے وما علینا الا البلاغ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم

ایک قاعدہ کلیہ مفیدہ	قولہ لمعہ تامعتہ نام ذکر کیا جاتا ہے ان علماء الخ اقول پہلے بندہ لکھ چکا ہے کہ مانعین بدعت نفس مولود کو جائز کہتے ہیں اس میں

ہرگز ان کو بحث نہیں البتہ قیود زائد کی کراہت اور بدعت ہونے کے قائل اور مثبت ہیں اور یہ بات متفق علیہ تمام امت کی ہے کہ امر مشروع اگرچہ فرض ہو کسی غیر مشروع کے خلط و عروض سے خواہ یہ غیر مشروع اصلی ہو یا عرضی غیر مشروع و ممنوع ہو جاتا ہے جیسا نماز فرض ارض مغصوبہ میں مکروہ تحریمہ ہے اور تصویر کے سامنے اور آتش کے سامنے نماز مکروہ تحریمہ ہے اگرچہ نماز فرض عمدہ عبادت مفروضہ تھی مگر عروض ان امور غیر مشروعہ سے محروم ہو گئی اور پہلے یہ بھی عرض کر چکا ہے کہ قیود محفل مروجہ کی دو قسم کی ہیں بعض وہ امور ہیں کہ باصلہ مکروہ حرام ہیں تو ان کی اس محفل میں موجود ہونے سے یہ محفل محکوم بحرمت و کراہت ہو جاوے گی ہر حال اس کا عقد اور شرکت دونوں ممنوع رہیں گے اور کوئی عذر تاویل اس کے جواز کی ممکن نہیں جیسا روشنی زائد فذر حاجت کہ بعض حرام و اسراف ہے اور لباس وزی حاضرین کا جو محرم شرعی ہے اور مداہنت فی الدین کہ نص سے حرمت اس کی محقق ہے اور قسم دوم وہ امور ہیں کہ باصلہ مباح ہیں یا مندوب مگر بسبب عروض تاکد یا وجوب کے علماً یا عملاً ذہن خواص میں یا عوام میں ان کو کراہت عارض ہو گئی ہے حسب حکم شرع کے پس ان امور قسم ثانی کا وجود مجلس مولود میں اس وقت تک مباح و جائز ہے کہ اپنی حالت اصلیہ پر رہیں اور جس وقت اپنی حالت سے نکلی اور خواص یا عوام کے ذہن میں ان کی کیفیت اندراز اباحت و ندب سے بڑھی اس وقت وہ بھی مکروہ ہو جاتے ہیں اور ان کے ہونے سے محفل مولود عقد اور شرکت میں مکروہ ہو جاتی ہے پس یہ قاعدہ شرعیہ سب اہل ایمان خوب محفوظ رکھیں کہ بہت کار آمد ہے اور یہ احقر بار بار اس کو بھی ظاہر کر چکا

ؔ جائز قرار دینے والا سے سحری کی جمع کے عارض ہونا کے غصب کا ہوئی زمین ؔ یعنی اس پر حرمت و کراہت کا حکم لگایا جاے گا

آقا شمس الدین ذکرہ صاحب کشف الظنون (۱۴) المولیٰ حسن البحری (۱۵) الشیخ محمد بن حمزۃ العربی الواعظ (۱۶) الشیخ شمس الدین احمد بن محمد السیواسی (۱۷) علامہ حافظ ابوالخیر سخاوی (۱۸) سید عفیف الدین الشیرازی (۱۹) ابوبکر الدقلی (۲۰) برہان محمد ناصحی (۲۱) برہان ابوالصفا ان کے مولد شریف کا نام ہے فتح اللہ حسبی وکفیٰ فی مولد المصطفیٰ (۲۲) الشمس الدمیاقی المعروف بابن السفیاطی (۲۳) برہان بن یوسف الفاقوسی ان کا مولد شریف چار سو شعر سے زیادہ ہے (۲۴) حافظ زین الدین عراقی (۲۵) مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی شیرازی صاحب قاموس ان کے مولد شریف کا نام ہے النفحات العنبریہ فی مولد خیر البریہ (۲۶) امام محقق ولی الدین ابوزرعۃ العراقی (۲۷) ابوعبداللہ محمد بن النعمان (۲۸) جمال الدین العجمی الہمدانی (۲۹) یوسف الحجاز (۳۰) یوسف بن علی بن رزاق الشامی الاصل المصری المولد (۳۱) ابوبکر الحجاز (۳۲) منصور بشار (۳۳) ابوموسیٰ الزرہونی وقیل زرہونی (۳۴) الشیخ عبدالرحمٰن بن عبدالملک المعروف بالمخلص (۳۵) ناصر الدین المبارک الشہیر بابن الطباخ (۳۶) امام علامہ ظہیر الدین ابن جعفر الحسینی (۳۷) فاضل عبداللہ بن شمس الدین الانصاری (۳۸) الشیخ الامام صدر الدین موہوب الجزری الشافعی (۳۹) علامہ ابن حجر عسقلانی (۴۰) شیخ جلال الدین سیوطی مجدد مائۃ تاسعہ (۴۱) محمد بن علی الدمشقی مصنف سیرت شامی (۴۲) شیخ شہاب الدین قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ و شارح صحیح بخاری (۴۳) نور الدین علی حلبی شافعی مصنف سیرت حلبی (۴۴) علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی شارح مواہب وغیرہ کتب خادم (۴۵) علی بن سلطان محمد ہروی معروف بملا علی قاری انہوں نے اپنے مولد شریف میں ثابت کیا ہے عمل مولد شریف تمام ملکوں مصر و شام و روم و اندلس و مغرب و بلاد ہندوستان و مکہ مدینہ زادہما اللہ شرفاً جمیع بلاد اسلامیہ سے پس در حقیقت یہ ایک کتاب گویا اقالیم سبعہ کا ثبوت ہے اور لکھا ہے اس میں علی قاری نے کہ اس محفل کی عظمت یہ ہے کہ مشائخ و علماء اسی

کو مؤلف کے پاس کوئی دلیل ادلۂ شرعیہ سے اپنے مقصود پر کہ اثبات جواز قیود و ہیئت مروجہ کا ہے نہیں محض قول علماء کا اور تعامل ان کا پیش کر دیتا ہے اگرچہ ابتداء امر میں کوئی نص لکھتا ہے مگر چونکہ ان کے مدعا پر وہ دلیل نہیں ہو سکتی ناچار مضطر ہو کر وہی تعامل علماء کا پیش کر دیتا ہے وہ نص محض تبرکاً اور دھوکہ دہی عوام کے واسطے ہے ورنہ ہرگز مثبت اس کے مدعیٰ کے نہیں ہوتی چنانچہ ناظرین نے سارے رسالہ کو اس کے ملاحظہ کر لیا ہے پس معلوم ہوا کہ اس کے پاس کوئی دلیل اثبات جواز ہیئت مروجہ کذائیہ میں نہیں سوائے اس فقرہ کے کہ اکابر علماء کرتے رہے ہیں پس اب اس لمعہ ثامنہ میں وہی اپنے مبلغ علم اور دلیل معتمد و حجت مستند کو لکھتا ہے کہ جس کے سہارے پر یہ کتاب لکھنے کی اس نے ہمت کی تھی تو گویا اس کی ساری عمر کی تحصیل اور تمام ایام کی تحقیق کا یہ ثمرہ و نتیجہ ہے، مگر یہ بھی اس کا محض خیال باطل اور سودائے لاحاصل ہے کیونکہ یہ دلیل بھی مثل ادلۂ اربعہ کے مؤلف کے مدعیٰ کا اثبات نہیں کرتی اور اس تعامل کو بھی اس کی مراد سے مطابقت و موافقت نہیں،

علماء متقدمین کے مولد کرنے کی کیفیت | چنانچہ یہ احقر پہلے لکھ چکا ہے اب پھر ذرا بسط[1] لکھتا ہوں کہ یہ علماء معدودین کہ بعد و سبعین[2] یہاں مؤلف نے لکھے ہیں بعض تو ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے کتاب ذکر فخر عالم علیہم السلام کی لکھی اور اس کا مذاکرہ کیا پس اس تالیف و تذکیر سے سوائے اس بات کے کہ ذکر فخر عالمؐ اور سیر آپؐ کی تالیف کرنا و پڑھنا عمدہ عمل ہے اور کچھ ثابت نہیں ہوتا سو اس کا کوئی بھی منکر نہیں اس سے عمل مولد کا کسی قسم کا جواز نہیں ظاہر ہوتا اور بعض وہ ہیں کہ انہوں نے عمل مولد کیا اور وہ عمل مولد جو ان

[1] مجبور [2] انتہائے علم [3] بے شمار کے ستر

انکار نہیں کرتا اس میں شامل ہوتے ہے (۴۶) عبدالرحمٰن صفوری شافعی صاحب نزہۃ المجالس (۴۷)، نورالدین ابوسعید ہمدانی انہوں نے بھی کل ملکوں سے مولد شریف کا ہونا ثابت کیا ہے اور بادشاہ مصر کے حال میں لکھا ہے، کہ بادشاہ مصر سائبانی ساختہ بود کہ در آنجا ہزار کس در سایۂ او می نشستند در غایت آراستگی از جہت آنکہ دریں شب و روز آنرا برافرازند و غیر آں پیچیدہ باشند (۴۸) سید امام جعفر برزنجی ان کا مولد شریف نثر عبارت مقفیٰ فصیح مشہور ہے دیار عرب میں بہت پڑھا جاتا ہے (۴۹) سید زین العابدین برزنجی ان کا مولد شریف منظوم دیار عرب شریف میں رائج ہے (۵۰) شیخ احمد ابن علامہ ابوالقاسم بخاری ان کا نسب محمد بن اسماعیل بخاری تک پہنچتا ہے (۵۱) شیخ اسماعیل حقی آفندی مفسر و اعظ مصنف تفسیر روح البیان (۵۲) احمد بن محمد قشاشی مدنی (۵۳) محمد بن عزب مدنی (۵۴) شیخ عبدالملک کردی (۵۵) فاضل ابراہیم باجوری (۵۶) امیر محمد استاد ابراہیم باجوری (۵۷) شیخ سقاط استاد الاستاد باجوری (۵۸) شیخ عبدالباقی پدرو استاد علامہ زرقانی (۵۹) شیخ محمد رملی (۶۰) علامہ احمد بن حجر مؤلف تحفۃ الاخیار بمولد المختار (۶۱) حافظ ابن رجب حنبلی (۶۲) ابی زکریا یحییٰ ابن عائذ حافظ کبیر اندلسی (۶۳) سعید بن مسعود گازرونی انہوں نے بہت ملکوں کے علماء و صوفیہ سے مولد شریف ہونا ثابت کیا ہے (۶۴) مولانا زین الدین محمود نقشبندی (۶۵) حضرت مولانا جمال الدین

چھ سو چار میں ایجاد ہوا اور آخر تک جاری رہا وہ یہ ہے کہ جلال الدین سیوطی کے رسالہ حسن المقصد سے بندہ نقل کر چکا ہے کہ جمع ہو کر کچھ قرآن پڑھیں اور ذکر آپ کا کر کے کھانا کھا کر چلے جاویں اور اس سے زیادہ کچھ نہ ہو تو اس عمل میں ذکر مندوب[1] بہ اجتماع یوم معین اور اطعام طعام زائد ہوا ہے اور یہ دونوں امر باصلہ مباح ہیں چونکہ اس زمانہ میں نہ یہ امور مؤکد علی ہوئی تھی اور نہ عوام کو اس سے کوئی مضرت تھی بزعم ان علماء کے لہٰذا اس مجلس میں کراہت نہ تھی بلکہ مباح تھے اگرچہ بعض علماء کو اس میں اس امر کا خدشہ تھا انہوں نے اس کو مکروہ کہا تھا چنانچہ بالا واضح ہو لیا پس چونکہ اس میں کوئی امر منکر نہیں تھا محض یہ دو امر مباح تھے کہ خواص و عوام میں علماً و عملاً اپنے درجہ سے نہیں خارج ہوئے تھے تو وہ محافل مباح رہی اور مولود انکار شرع کی نہ ہوئی اور اسی طرح عمل درآمد رہا پس ابتدا ایجاد اس محفل سے آخر تک یہی وضع مباح رہی اب شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی محفل کی کیفیت سنو کہ جن کو مؤلف خاتم الاسماء بنا رہا ہے فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں یہ عبارت بعینہا ان کی نقل کرتا ہوں وکنت قبل ذلک بمکۃ المعظمۃ فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم ولادتہ والناس یصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویذکرون ارھاصاتہ التی ظھرت فی ولادتہ ومشاھدہ قبل بعثتہ فرأیت انوارا سطعت دفعۃ واحدۃ لا اقول انی ادرکتھا ببصر الجسد ولا اقول ادرکتھا ببصر الروح واللہ اعلم کیف الامر بین ھذا وذلک فتاملت تلک الانوار فوجدتھا من قبل الملائکۃ المتوکلین بامثال ھذہ المشاھد وبامثال ھذہ المجالس ورأیت یخالط الانوار الملائکۃ انوار الرحمۃ انتہی بلفظہ اب ناظرین غور فرمائیں کہ شاہ ولی اللہ جو مولد النبی میں اپنا ہونا فرماتے ہیں تو مولد النبی وہ مکان مکہ معظمہ میں ہے جس میں آپؐ کی ولادت ہوئی تھی وہاں ایک قبہ بنا رکھا ہے اس کی زیارت کرتے ہیں اور وہاں لوگ جو جمع ہوئے یوم ولادت میں تو زیارت مکان کے واسطے جمع ہوئے اور وہاں جو صلوٰۃ و سلام اور ذکر آپؐ کی حالات کا تھا وہ نفس ذکر آپؐ کا تھا چنانچہ بالکل ظاہر و بدیہی ہے پس اس میں نہ اجتماع بتداعی ہوا تھا نہ وہاں طعام و شیرینی کا ذکر ہے نہ وہاں فرش و بخور[2] کا نشان ہے نہ فسقہ فجرہ بلباس وزی مکروہ کا پتہ ہے فقط وہاں مجمع ناس کا ہونا اور آپؐ کے حالات کے ذکر اور صلوٰۃ کا ہونا مذکور ہے جس کو مؤلف مجلس مولود قرار دیتا ہے اور اپنی ہیئت

[1] مستحب ۱۲ کھانا کھلانا سوا اگربتی وغیرہ، [2] مکہ معظمہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ آں حضرت علیہ السلام کی ولادت کے دن اور وہاں لوگ دور دور سے جمع ہو کر وہاں اللہ سے دیکھا انوار اللہ ہی قریب جاتا ہے کہ کہیں کہ تھا وہ امر و مجلس ان کے اور اس کے عہد کیا میں نے عین انوار کی طرف

تھے اور ذکر کرتے تھے ان کرامات و معاملات کو جو وقت ولادت کے ظاہر ہوئے اور وہ نظارے جو پہلے مبعوث ہونے کی پیشی آئے پس دیکھا میں نے انوار کو کہ یکا یک بلند ہوئے اور میں یہ نہیں کہتا کہ آنکھ ظاہری سے میں نے ان کو دریافت کیا اور عدم ۱۹ ایسے مواضع اور مجامع کے حاضر ہونے کے لئے مستقر ہیں اور میں نے دیکھا انوار ملائکہ اور رحمت سے مختلف ہیں ۱۲

میرکی (۶۶) علامہ محمد فاسی مدنی ساکن فی رزقاق المدور (۶۷) قاضی ابن خلکان شافعی (۶۸) شیخ محمد بن طاہر محدث مصنف مجمع البحار (۶۹) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۷۰) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فیوض الحرمین میں اپنا شریک ہونا محفل مولد شریف میں اور دیکھنا انوار کا اس میں بیان کرتے ہیں اور ان کے کلام سے یہ ظاہر ہے کہ جس جگہ ایسی مجلسیں ہوتی ہیں وہاں سب جگہ فرشتے انوار رحمت لاتے ہیں کما قال فتاملت تلک الانوار فوجدتہا من قبل الملائکۃ الموکلین بامثال ھذہ المشاھد بامثال ھذہ المجالس ورایت یمازج انوار الملائکۃ انوار الرحمۃ واضح ہو کہ ہم شروع رسالہ میں لکھ چکے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ جمیع مفتیان فتویٰ انکاری کے مستند اور معتمد اور منتہی الیہ اسناد ہم ہیں پس فاتحہ طعام بھی ہم نے انہی سے ثابت کر دی اور اب بحث مولد شریف کا اثبات بھی ہم نے انہی کے نام پر ختم کیا اور خاص ان کی زبان سے اس مجلس کا محل نزول ملائکہ اور مورد رحمت ہونا ثابت کر دیا وکفیٰ بہ حجۃ نقل مواہیر علمائے عرب حضرت مولانا احمد سعید فقیہ محدث دہلوی نقشبندیؒ اپنے رسالہ میں جو مولوی محبوب علی جعفری کے جواب میں لکھا ہے علمائے عرب کے مفتیان مذاہب اربعہ کا فتویٰ در باب قیام نقل فرماتے ہیں علاوہ اس کے غایۃ الکلام مطبوعہ کلاں کوٹھی میں بھی وہ فتویٰ عرب کا منقول ہے اس کو بطور تلخیص و ترک تطویل لکھتا ہوں (۱)

قد اجمعت الائمۃ المحمدیۃ من اھل السنۃ والجماعۃ علی استحسان القیام وھی بدعۃ مستحبۃ لما فیہ من اظہار الفرح والسرور والتعظیم قالہ بفمہ وامر برقمہ عثمان حسن الدمیاطی الشافعی المقیم بالمسجد الحرام (۲) نعم استحسنہ کثیرون کتبہ عبداللہ بن محمد المیرغنی الحنفی مفتی مکۃ المکرمۃ

گذا ئیہ پر دلیل لاتا ہے ذرا انصاف درکار ہے کہ اس میں تو دوامر مباح کے سیوطی کے عمل مولد میں منقول تھے وہ بھی نہیں تعین ذکر فخر عالم کا بیان ہے اب دیکھو کہ یہ عمل مولد ابتدا سے شاہ ولی اللہ تک جو ثابت ہوا مولف کی محفل اور دعویٰ کو اس سے کیا مناسبت ہے کیونکہ اس وقت کی محافل میں بار ہا مذکور ہو چکا کہ منکرات شرعیہ جو باصلہ مکروہ حرام ہیں موجود ہوتے ہیں اور وہ امور کہ باصلہ مباح تھے اور اب وہ واجب علماً یا عملاً ہو گئے ہیں اور مکروہ و بدعت بن گئے ہیں ضرور موجود ہوتے ہیں پس ان علمائے سلف سے جو کچھ مولف نے ثابت کیا یا نفس ذکر ہی یا مخلوط بامر کروہ جیسا حنفیہ میں ہی ہے اور مولف کے مولد میں خود مناکیر بھی موجود ہیں اور مباحات بھی مناکیر ہو گئے ہیں پس ان علماء کے قول و تعامل سے کس طرح اثبات ہیئت کذائیہ مروجہ کا ممکن ہو کوئی عاقل بالغ ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ جس امر کا مانعین انکار کرتے ہیں اس کا اس تعامل میں نام و نشان نہیں اور جس کا دعویٰ مولف کرتا ہے اس کا یہاں پتہ بھی نہیں اور پھر حجت جواز کی بنا دے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کیا غباوۃ و غفلت ہے اور کس قدر کوتاہ فہمی و جہل ہے پس صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ مولف کی اسم نویسی علماء کی محض مردم شماری و دھوکہ دہی عوام کی ہے ورنہ کوئی حجت اس کی اس میں نہیں اسی واسطے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا قصہ بیان ہو لیا کہ جس پر مولف کو بہت شور تھا اور جلال الدین کی تحریر سے تمام حال عمل مولد کا واضح ہو لیا کہ جس پر مولف کو کمال اعتماد تھا کہ اس وقت سے لے کر برابر متعامل علماء معدودین کا یہ ہے اور واضح ہو گیا کہ یہ متعامل ہرگز مانعین خلاف رائے نہیں اگر تھوڑا سا فہم ہوتا تو یہ سمجھ آتا پس اب مولف کا یہ قول کہ شاہ ولی اللہ کی زبان سے اس محفل کو محل نزول ملائکہ ہونا ثابت کر دیا کس قدر لغو ہے کیونکہ نفس ذکر مولود کا نہ انکار ہے نہ اس کی نزاع ہے قیود میں کلام ہے سو اس کا یہاں نہ نام ہے نہ نشان ہے مگر مولف کو بالکل جہل ہے اور اس کا کوتاہ فہم ہونا ہر ناظر عاقل پر ظاہر و عیاں ہے

نقل مواہیر علمائے عرب دہند اصلاً مفید نہیں | قولہ نقل مواہیر علمائے عرب الخ اقول اوپر تو مولف نے شاہ ولی اللہ تک کے اقوال سے ثابت جواز مجلس مولود مروج کا چاہا تھا سو وہ تو اس کے مدعا کا مثبت ہرگز نہ ہوا جیسا واضح ہو لیا اب علمائے عرب کے اقوال سے قیام کا اثبات کرتا ہے اور یہ علماء مندرجہ معاصر جناب مولانا احمد علی صاحبؒ کے ہیں نہ ان کو مولانا ممدوح پر تقدم زمانی ہے اور نہ سبق علمی ہم رجال و نحن رجال کا مضمون ہے اور نہ یہ وجہ حاصل کہ سوائے ایک مولانا احمد علی صاحبؒ کے سب کا اتفاق استحسان قیام پر بالخصوص

ل محفل کی ہیئت کے ممنوعات سے عمل سکے جن کا رواج ہو شے وہ بھی آدمی اور ہم بھی آدمی ہیں

(۳) ان القیام عند ذکر ولادۃ سید الاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استحسنہ کثیر من العلماء کتبہ حسین ابن ابراہیم مفتی المالکیہ بمکۃ المحمیہ (۴) نعم القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استحسنہ العلماء وھو حسن الفقیر اوبہ محمد بن ابی بکر الرئیس مفتی الشافعیہ بمکۃ المکرمہ (۵) نعم یجب القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استحسنہ العلماء الاعلام قدوۃ الدین والاسلام کتبہ الفقیر الی اللہ تعالی سلیمان بن یحیی مفتی الحنابلۃ فی مکۃ المشرفہ (۶) امام القیام اذا جاء ذکر ولادتہ عند قراءۃ المولد الشریف توارثہ الائمۃ الاعلام واقرہ الائمۃ الحکام من غیر نکیر منکر ورد راد واللہ ولی التوفیق والھادی الی سواء الطریق حررہ خادم الشریعۃ والمنہاج عبد اللہ بن المرحوم عبد الرحمن سراج المفسر والمحدث بمسجد الحرام واضح ہو کہ میں یہ عبد اللہ سراج بڑے کمل رجال میں تھے اس عاجز نے مخالف اور موافق مذہب والوں سے ان کی تعریف سنی ہے اور حضرت مولانا احمد سعید نقشبندی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ مولانا عبد اللہ سراج حنفی مفسر و محدث حرم شریف مکہ یکتائے عہد خویش بود و راس رئیس فرقہ محدث برانوی ادب در درس او نشست داعتراف بجامعیت مولانا موصوف می نمود و فتوی باستحسان قیام نموداست و نزد راقم السطور موجود الی آخرہ فائدہ اور یہ بھی معلوم ہو کہ یہ جو ہم نے کلام ان علماء عرب کا نقل کیا ہے یہ وہ منتخب کاملین تھے جو سلطان عالیجاہ روم کی طرف سے مکہ معظمہ میں مفتی مقرر کئے ہوئے تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور ان سے پہلے بھی قدیم الایام میں جو علماء و فضلاء عرب میں گذرے ہیں حکم دیتے رہے ہیں استحباب قیام کا چنانچہ سید امام برزنجی عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر میں فرماتے ہیں وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذو روایۃ افسوس ہے کہ جب اب تک کتنی صدیاں گذر چکیں اور مخبر صادق کا سچا وعدہ ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد جو بدعت کو گھٹائے اور سنت کو قائم کرنے پیدا ہوا کرے گا کیا سبب کہ بلاد معتبرہ ہندوستان میں تو جب سے بہتیرے مجدد ہو گئے اور وہاں یعنی مکہ میں ایک بھی مجدد نہ ہوا جو اس بدعت اور ضلالت کا استیصال کرتا پس معلوم ہوا کہ صحیح یہی ہے کہ یہ قیام خیر البلاد میں سیکڑوں برس سے ہے اور علماء سب مستحسن اس کو کہتے رہے اور عبد اللہ سراج مفتی مکہ معظمہ لکھتے ہیں کہ کسی نے اس پر رد و انکار

ہوگیونکہ ہزارہا علماء اس عصر کے محض منکر اس قیام کے ہیں اور یہ امر مخفی نہیں پس ان علماء مذکورہ کے اقوال کی حجت ہونے کی مؤلف کے نزدیک وجہ یہ ہے کہ وہ عرب ہیں اس واسطے مؤلف اس کو پیش کرتا ہے سو یہ باطل ہے جس کو حق تعالی علم دیوے وہی عالم معتمد ہے خواہ ہند و عجم میں ہو خواہ عرب میں بخاری و مسلم اور جملہ اصحاب کتب حدیث اور شرح وقایہ ہدایہ و کنز و در مختار وغیرہا جملہ مؤلفین کتب فقہ کے عجم تھے اور اس آخر وقت میں اب مولوی رحمۃ اللہ صاحب تمام علماء مکہ پر فائق ہیں اور باقرار علماء مکہ اعلم ہیں اور رہا یہ وجہ کہ خود لکھتا ہے کہ سلطان نے ان کو انتخاب کر کے مفتی بنایا تو یہ نہ کوئی شرعی حجت اعلمیت کی ہے اور نہ دلیل عقلی کیونکہ اکثر مشاہد و موجود ہے کہ عمال و قضاۃ سلطانی ادنی ادنی علماء ہوتے ہیں چنانچہ اب بھی بلاد روم و عرب میں موجود ہے کہ مفتی و قاضی ہونے کو اعلمیت لازم نہیں سو یہ دلیل اعلمیت مؤلف کی یا جہل ہے حقیقۃ الحال اور قواعد شرع سے یا عوام کو دھوکہ دینا مراد ہے مجتہدنا مولانا احمد علی صاحب تو اس قیام کی کراہت دلیل شرعی سے ثابت فرما رہے ہیں جس میں مؤلف نے کیا کیا چکر کھائے اور کلام خارج از علم و فہم کر کے اس کے جواب کے درپے ہوا اور ناکام رہا اور تمام جوہر مخفی اپنا ظاہر کر کے ضحکہ بنا اور یہ علماء مؤلف کے یہی لکھ رہے ہیں کہ استحسنہ کثیر من العلماء یا قریب اس کے کوئی کہتا ہے کہ امت محمدیہ نے اجماع کیا ہے استحسان پر اور بدعت مستحبہ ہے کوئی اکثر کا استحسان کہتا ہے کوئی کہتا ہے کہ متوارث بلا نکیر ہے اور یہ فقط دعوی محض اور قول ہی قول ہے کیونکہ اس پر انکار کرنا علماء کا خود ثابت ہو چکا اور بدعت ہونے کا وہ بھی اقرار کر رہے ہیں پھر اجماع کس طرح ہو سکتا ہے اور یہ کلیات نصوص سے تقیید اطلاق خود ممنوع ہو چکی پھر کس کا اجماع معتبر ہو سکتا ہے اور کس کا استحسان قابل التفات کے بن سکتا ہے ہاں اگر نفس قیام کا استحسان ہو

سے قابل اعتماد کے بلند کے بڑے عالم کے دلیل سے مطلق کو مقید بنانا۔

انکار نہیں کیا بیشک و شبہ جائز بلکہ مستحسن ہے ہرگز ضلالت نہیں مولوی قطب الدین خان صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مسئلہ پر مکہ اور مدینہ کے علماء متفق ہوں یہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے مظاہر الحق مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۹ میں بدعتیوں کے بیان میں لکھتے ہیں کہ سنیوں کا مذہب سچا ہے مکہ مدینہ کہ دین وہیں سے پیدا ہوا ہے لوگ بھی سنی ہیں اگر ان کا مذہب یعنی بدعتیوں اور رافضیوں کا اچھا ہوتا تو وہ مکہ مدینہ والے پہلے اس مذہب میں ہوتے انتہی کلامہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر انکار قیام مولد شریف کا اچھا ہوتا تو اول علماء عرب انکار کرتے کیونکہ پختہ اہل سنت والجماعت وہی ہیں اب نقل کرتے ہیں ہم بطور اختصار دو سوال فتویٰ علماء عرب کا جس کو ۱۲۸۶ بارہ سو اٹھاسی ہجری میں مولوی عبدالرحیم صاحب گنگمانی مرتب کرا کر لائے تھے اور کتاب وضعت النعیم کے آخر میں چھاپا تھا عبارات سوال یہ ہے **سوال** ما قولکم رحمکم اللہ فی ان ذکر مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم والقیام عند ذکر الولادۃ خاصۃ مع تعیین الیوم و تزئین المکان واستعمال الطیب وقراءۃ سورۃ من القرآن واطعام الطعام للمسلمین ھل یجوز ویثاب فاعلہ ام لا بینوا توجروا۔ جواب علماء مکہ معظمہ لحفظہا اللہ۔ اعلم ان عمل المولد بھذہ الکیفیۃ المذکورۃ مستحسن مستحب فالمنکر لھذا مبتدع لانکارہ علی شیئ حسن عند اللہ والمسلمین کما جاء فی حدیث ابن مسعود قال ما راٰہ المسلمون حسنًا فھو حسن والمراد من المسلمین الذین کملوا الاسلام کالعلماء العاملین وعلماء العرب والمصر والشام والروم والاندلس کلھم راٰہ حسنا من زمان السلف الیٰ الاٰن فصار الاجماع والامر الذی ثبت بالاجماع فھو حق لیس بضلال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجتمع امتی علی ضلالۃ فعلی حاکم الشرع تعزیر منکرہ واللہ اعلم۔

عبدالرحمن سراج	احمد دحلان	حسن	عبدالرحمن جمال	حسن طیب	محمد شرقی	مفتی حنفی	مفتی شافعی
مفتی حنبلی	حنفی	حنفی	مفتی مالکی	سلیمان عقبے	عبدالقادر خوقیر	ابراہیم الفتنی	محمد جاراللہ
احمد تقی الداغستا	عبدالقادر شمس	عبدالرحمن آفندی	احمد ابوالخیر	عبدالقادر سنخینی	محمد سعید	عبدالمطلب	کمال احمد

بلا تقیید اور بلا فساد عقیدہ عوام تو خود مانعین بھی نفس قیام کو منع نہیں کرتے تو یہ فتاوی ہرگز مخالف مانعین کے نہ ہوئے اور مؤلف کو کچھ مفید نہ ہوویں گے بہر حال ان اقوال سے علماء کے نزدیک موافق قاعدہ شرعیہ کے کوئی کچھ بھی ثبوت نہیں مگر مؤلف کی ناواقفیت علم دین سے یہ حرکات کراتی ہے اور وہی مآل کار حجت ہوتی ہو کہ علماء نے یہ کہا اور کیا ہے اور یہ کوئی حجت فی الدین نہیں خصوصًا ہر گاہ کہ یہ تعامل نص کے مخالف ہوا اور رد وانکا اکثیر کسی عالم سے ثابت ہو جائے چہ جائیکہ صدہا سے مدلل رد کئے ہو چکا ہو اب یہ قول مؤلف کا کہ کتنی صدیاں گذر چکی کسی مجدد دین نے اس کو منع نہ کیا یہ بھی ایک کلام سخت کم فہمی مؤلف کی ہے ہر چند ظاہر ہے کہ مؤلف نہ مجدد کے معنی اور کیفیت سمجھا اور نہ تجدید کی حقیقت سے واقف ہوا فقط ترجمہ حدیث کا مظاہر حق سے یاد کر لیا ہے اور ہم کو بھی جواب دینے کے واسطے اس کی تقریر و تحقیق ضرور نہیں فقط اس قدر الزامی جواب کافی ہے کہ عید عاشوراء کو بخاری و مسلم کی حدیث صریح ہے کہ فخر عالم علیہ السلام نے رد کیا اور خالفوا الیہود اس میں ارشاد فرمایا اور پھر کسی وقت میں عید عاشوراء مکہ میں حادث ہوئی اور کسی مجدد نے اس کو منع اور موقوف نہ کیا اب تک چلی آتی ہے اور سب علماء کے گھروں میں ہوتی ہے تو معلوم کہ مؤلف کے نزدیک کوئی مجدد وہاں نہیں ہوا یا یہ عید مسنون و مستحب ہے اور مؤلف اور اس کے سب مجددین و علماء مکہ کے نزدیک حلال ہے

ف معترضین کے انجام کار کے دلیل سے ثابت کے یہود کی مخالفت کرو

محمد سعید الادیب	علی جودہ	سید عبداللہ کوشک	حسین عرب	براہیم لزموسی	احمد امین	شیخ فروش	عبدالرحمن مجتبی
عبداللہ مشاط	عبداللہ تماشی	محمد بابا بصیل	محمد سیرتی	علی آبسی	محمد صالح زواری	عبداللہ زواری	محمد حبیب اللہ
احمد الغزاوی	سلیمان عقبہ	سید شبلی عمر	عبدالحمید الاغتانی	مصطفی عفیفی	منصور	نشاوی	محمد راضی

جواب علماء مدینہ منورہ تلخیصاً۔ اعلم ان ما یضع من الولائم فی المولد الشریف وقراءۃ تہ مجضرۃ المسلمین وانفاق المبرات والقیام عند ذکر ولادۃ الرسول الامین ورش ماء الورد والقیاد البخور وتزئین المکان وقراءۃ شیء من القرآن والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظہار الفرح والسرور فلا شبہۃ فی انہ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ وفضیلۃ مستحسنۃ فلا ینکرھا الا مبتدع لا استماع بقولہ بل علی حاکم الاسلام ان یعزرہ واللہ اعلم وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

محمد ایمن	جعفر حسینی البرزنجی	عبدالجبار	سید جمال الدین	ابراہیم بن خیار	یوسف سید	السید علی عمید	السید عبداللہ بن سید احمد
محمد بن احمد رفاعی	عمر ابن علی	حریری علی	مصطفی سید	احمد سراج	حسن ادیب	ابوالبرکات	عبدالقادر مشاط
سید سالم	راجح الحبشی	محمد تقی سلیمانی	عبدالرحیم البرعی	محمد عثمان کردی	قاسم	عبدالعزیز ہاشم	یوسف روبے
محسن	مبارک ابن سعید	حامد	محمد ہاشم ابن حسن	عبداللہ ابن علی	عبدالرحمن صفوری		

جواب علماء جدہ تلخیصاً

اعلم ان ذکر مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہٰذہ الصورۃ المجموعۃ المذکورۃ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ شرعاً لا ینکرھا الا من فی قلبہ شعبۃ من شعب النفاق وکیف یسوغ انکار ذلک مع قولہ تعالیٰ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب واللہ اعلم

حالانکہ نص صریح اس کے منع کی موجود ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں صواعق محرقہ سے نقل کرتے ہیں۔ وہم از بدعہا ناصبیہ متعصبہ باہل بیت از عید گرفتن آن روز باظہار فرح وسرور وزینت وخضاب واکتحال ولبس ثیاب الخ خلاصہ یہ کہ احادیث واقوال معتمدین سے عید ہونا عاشوراء کا حرام ہو چکا پس اب مؤلف حدیث صریح کو اور اقوال علماء مقبولہ خود کو بالرائے رد کر کے تجدید مکہ کو قبول کرے تا کہ اس کا قیام مستحب ہو یا کچھ تاویل اس عید کی جریان کی باوجود مجدد دین کی کرے گا وہ ہی اس قیام کی کرے اور دل میں سمجھ کر تائب ہو جاوے بہرحال مؤلف کے فہم کا کمال ہر ہر نکتہ میں واضح ہوتا ہے اور نواب قطب الدین خاں نے یہ لکھا ہے کہ قدیم صحابہؓ کے عہد سے وہاں حرمین میں سنی ہی ہے یہ دلیل اہل سنت کی اہل حق ہونے کی ہے نہ یہ کہ وہاں کوئی بدعت جاری نہیں ہوتی اب یہی منا کیر مروجہ حرمین کی مؤلف پر مخفی نہیں اور رفض بھی اب ایک مدت سے مکہ مدینہ میں موجود ہے اگر مؤلف کو یقین نہیں تو تحقیق کر لیوے پس یہ خوبی فہم مؤلف کی ہے کہ مطلب کو غور نہیں کرتا پس قیام تو خود بعد چھ سو سال کے حادث ہوا ہے اور عید عاشوراء بھی بعد قرون کثیرہ کے حادث ہوئی ہیں ایسے تعامل سے حجت لانا اہل علم کا کام نہیں اور یہ دلیل لائق شان علم کے نہیں بلکہ عوام کا قول ہے اور فتویٰ بارہ سوا بچاسی کا جو مؤلف نقل کرتا ہے اس کے جواب کی کچھ حاجت نہیں کیونکہ اجماع کے

علی بن احمد باصبرین | عباس ابن جعفر ابن صدیق | احمد فتاح | محمد سعید سلیمان | احمد عباس | محمد صالح | احمد عثمان

احمد بن عجلان | محمد سعد فتی | عبدالرحیم بن محمد شیری

جواب علماء حدیدہ قراءۃ المولد لشریف مع الاشیاء المذکورۃ جائزۃ بل مستحبۃ ثبت ناعلیھا نقل الف ذلک العلماء وحثوا علی فعلہ فالمنکر لھا الامتناع فعلی حاکم الشریعۃ ان یعزرہ۔

علی شامی | محمد سالم عابش | علی بن عبداللہ | محمد بن ابراہیم خشری | علی الممان | محمد بن عبداللہ | الفقرالی اللہ یحییٰ ابن مکرم | محمد بن داؤد بن عبدالرحمٰن | علی بن ابراہیم الزبیدی

علی ابن محمد حماب | احمد بن محمد ابن یحلیل | عبدالرحمٰن بن علی حضرمی

واضح ہو کہ یہ چاروں جواب یعنی علماء مکہ و مدینہ زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً نیز علماء جدہ و حدیدہ اسی ایک سوال کے جواب میں ہیں جمیع قیود قیام تزئین مکان وغیرہ کی مذکور ہیں پس علماء عرب ادام اللہ وسلمہم اسی ہیئت کذائی کے منکر کو بالاتفاق تعزیر کا حکم دیتے ہیں اب نقل کی جاتی ہیں تحریریں ہندوستان کے علماء مستندین کے جو اپنے وقت کے فرد کامل تھے از انجملہ علماء فرنگی محل کہ سنہ یکہزار دو صد و ہفتاد و نہ ہجری ۱۲۷۹ میں محمد مصطفےٰ خاں صاحب کے مطبع مصطفائی میں فتویٰ ان کا مطبوع ہوا تھا جس کو اس کے مضامین بالتفصیل دیکھنے ہوں کتاب مذکور بہم پہنچا کر دیکھے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مولد شریف کی تعیین خاص ماہ ربیع الاول کے ساتھ فرض اور واجب تو نہیں ہاں البتہ بہت علماء و محدثین نے مستحب اور مستحسن فرمایا ہے اور یہ بات کہ جو چیز قرون ثلثہ میں نہ ہوئی ہو وہ بدعت سیئہ ہے صحیح نہیں اور جب کہ آیت کریمہ وتعزروہ وتوقروہ سے تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت ہوئی کھڑا ہونا محفل میلاد میں وقت ذکر ولادت شریف جو منجملہ افراد تعظیم ہے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ یہ بدعت سیئہ ہرگز نہیں (۱) احمد ابوالبرکات رکن الدین محمد المدعو بتراب علی عفی عنہ (۲) محمد سعداللہ عفی عنہ (۳) محمد لطف اللہ عفی عنہ (۴) ابوالاحیار محمد المدعو بالنعیم (۵) ابوالحسن محمد صالح (۶) محمد عبدالوحید

ابوالبقاء محمد عبدالحلیم ۱۲۳۰ | حفیظ اللہ ۱۲۳۳ | نعیم اللہ ۱۲۴۷ | محمد علی ۱۲۶۲ | محمد عبدالحلیم ۱۲۶۶

از انجملہ علماء دہلی و بریلی و رامپور افغانان واضح ہو کہ محفل مولد شریف اور قیام کے جواز میں ایک کتاب غایۃ المرام مطبع علوی کی لکھی ہوئی یا واقع سنہ یکہزار دو صد و ہفتاد و یک مطبوع ہوئی تھی اسمیں علماء و فضلاء دہلی و بریلی و رامپور وغیرہ چند مقامات کے علماء مستندین کے فتویٰ جمع کرکے چھاپے تھے اور چونکہ سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ بادشاہ دہلی بھی استحباب محفل میلاد شریف کا اعتقاد رکھتا تھا اور رئیس مسلمان اسلام کے تجمل اور احتشام

معنی اور حدیث ما رأہ المسلمون حسن کی مراد پہلے واضح ہو چکی ہے اب اس فتویٰ سے علم علماء عرب کا ہر اہل علم پر واضح ہو جاوے گا اور قول ان کا مخالف نص کے ہرگز معتمد اور ملتفت نہیں ہو سکتا ہے اور ان کے اقوال کے قیود مذکورہ کو درجہ ثابت میں اگر کوئی دعویٰ کرلیوے تو پھر مؤلف کو کوئی جواب نہیں گو بظاہر الفاظ فتاویٰ کے ان قیود کی تاکید کو تقاضا کرتے ہیں اور خلاف نص کے ہو کر مردود بن جاتے ہیں اور یہی جواب فتاویٰ ہندیہ کا ہے کہ منجملہ مقبلیوں مؤلف کے بہادر شاہ اور حکیم احسان خاں اور حکیم امام الدین خاں بھی ہیں اور دیگر اشخاص خواہ مخواہ تصریح نام کی حاجت نہیں اور جس قدر یہ اس کہ چند گو نہ زیادہ علم عقل اور عدد میں مانعین موجود ہیں مگر ہم کو بعد دلائل ادلۂ اربعہ کے کیا حاجت مردم شماری کی ہر یہ طریقہ مؤلف کا تو خود دلیل عجز کی اثبات حجت شرعیہ سے اور پھر آخر میں مؤلف مانعین کو جمع کثیر خود بخود دل کی تسلی کو کہہ بیٹھا ہے شرم کی آنکھ نہ ہو تو جو چاہے کہے، اور سواد اعظم کے معنی

کا سبب ہوتا ہے رئیس المسلمین اور زین المسلمین سمجھ کر ان کی مہر بھی علماء دہلی کی مہروں کے ساتھ کرائی گئی تھی اور شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے مولوی مخصوص اللہ صاحب مرحوم بھی اس وقت زندہ تھے ان کی مہر بھی استحسان محفل مولد شریف پر کرائی گئی جس کو ہر علامہ فاضل کی تحریر حرفاً حرفاً بالتفصیل دیکھنی منظور ہووے اصل کتاب بہم پہنچا کر ملاحظہ کرے اسمیں محفل مولد شریف کو مع جمیع تعینات مروجہ مثل قیام و تقسیم شیرینی وغیرہ جائز بلکہ مستحب لکھا ہے ایک سو بائیس صفحہ کی کتاب ہے اس کے صفحات متفرقہ پر جو مہریں اور دستخط مزین ہیں ان سب کو مجتمع ایک جگہ نقل کرتا ہوں سڑسٹھ ۶۷ علماء کے دستخط اور مہریں ہیں ہر عالم کا نام ایک شکل مربع میں مندرج کرتا ہوں

محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی — ابوظفر سراج الدین
حکیم احسان اللہ خانصاحب وزیر — عبدہ احسن اللہ
مفتی صاحب صدر الصدور دہلی — محمد ... اللہ
مدرس اول مدرسہ دہلی — یا سید محمد قطب

عالم فاضل کریلفظ حکیم سرور دہلی معروف محمود — امام الدین خان
قاضی احمد الدین صاحب — احمد الدین
قاضی محمد علی صاحب — حب محمد علی / دردل و درجان بداں
حضرت شاہ احمد سعید مجددی — ہو احمدی / فقیر احمد سعید
ہو احمد محمد عمر

خلف حضرت احمد سعید صاحب — محمد مظہر
فاضل جامع علوم مولوی کریم اللہ صاحب — شفیع الله ... خلق محمد کریم
مولوی فرید الدین صاحب واعظ جامع دہلی — دین محمدی / در فرید آمدہ
دستخط مولانا حیدر علی صاحب / مصنف منتہی الکلام

یہ عالم بڑے متقی تھے — دستخط مولوی داور بخش صاحب
دستخط مولوی حسن زمان / محمد عفی عنہ
محمد عزیز الدین
سید تفضیل حسین
رضوی / سید یعقوب علی
محمد رضا علی خاں

محمد اللہ کے مخصوص ہیں
احمد حسین
میر محمود علی
غلام حسین
حمد / محمد عبد الواحد
محمد لطف علیخاں
وارث علم محمد علی

جلال الدین / محمد کمال
المولی / طالب ... مذکر
عمدۃ العلماء شرع متین مفتی مولوی محمد شرف الدین
عفی اللہ عنہ / محمد یعقوب علی
یا حافظ
کرم بنی
واللہ یوید بنصرہ من یشاء

محقق ہو چکے اور جو نا ری شافی ہے وہ بھی معلوم ہو لیا اب ایک قول پر اکتفا کر کے ختم رسالہ کرتا ہوں قال اللہ تعالیٰ ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتھوا. حق تعالیٰ اپنے کلام پاک میں اتباع طریقہ مرضیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرض فرماتا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد کیا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ الحدیث. وعن ابن مسعود قال من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ

عبدالکریم	عبداللہ ولد محمد رفیع اللہ	فخر العلماء محمد عبد الجامع خاں	ابن اللہ جمیل وہیب الجمال	محمد عبد الاعلیٰ	علی حسین	محمد لطف اللہ	نور النبی
محمد عبداللہ	علی الدین	آل نبی	مقصود علی	حسین حافظ شریف	شفاء ظہور حسین علم و عدل اشہر	سبط محمد کل باغ جا دیلہ	نظام الدین احمد
محمد علی خادم العلماء	وزیر علی	مولانا محبوب علی شاہ علی خلف کلاں	احمد تاج محمد عالم علی	محمد سلامت اللہ	دستخط فضل رسول فاضل بدایونی	سید بشیر علی امروہی	مولوی داد بخش
حسن الزماں	محمد فضل حق	رفیع اللہ	محمد جلال الدین	وحید الدین	محمد فضل اللہ	فضل حسن	محمد عبد الحق
محمد حیات	محمد خلیل الرحمن	محمد حیات ولد مولوی سید احمد					

اہل سنت والجماعت خیال فرمادیں کہ ان دونوں فتویٰ متاخرہ میں ہندوستان کے کیسے کیسے علماء جلیل القدر مثل مفتی سعد اللہ صاحب و مولانا تراب علی و مولانا سید محمد مدرس اعلیٰ و مولانا فضل حق و مولانا محمد حیات و مولانا حیدر علی مصنف منتہی الکلام و مولانا سلامت اللہ و مفتی صدر الدین خاں صاحب و مفتی شرع متین مفتی شرف الدین صاحب الحسان محفل مولد شریف پر فرماتے ہیں اس وقت میں ایسے عالم کہاں ہیں ایک ایک عالم کو دو دو سو کے مقابل سمجھو اور ہم نے اس وقت کے علماء کی مہریں نہیں کرائیں علماء سلف کی نقل مؤلف پر اکتفا کیا اب یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اس لمعہ تامہ میں ہم نے جسقدر علماء عاملین اور فضلاء کاملین کے نام ذکر کیئے اگرچہ یہ جمیع اقالیم مشرقی و مغربی جنوبی و شمالی کے تمام علماء و فقہاء کے نام نہیں اگر ان سب کے جمع کیجئے تو اللہ اکبر ایک دفتر بنتا ہے کما قال ع گران جملہ اسعدی ملاکند:. مگر دفتر دیگر انشا کند، یہ تو چند مقامات کے چند علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن یہ بھی کیا کچھ کم ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عباد صالحین کا ایک جمہور کبیر اور جم غفیر ہے پس بموجب فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ان کا اتباع اہل سنت کو لازم ہے فرمایا آپ نے اتبعوا السواد الاعظم من شذ شذ فی النار اس کی تحقیق لمعہ اولیٰ نور چہارم میں محدثین سے ہم نقل کر چکے ہیں یہاں دیکھو معنی یہ ہیں کہ پیروی کرو بڑی جماعت کی جو کچھ الگ ہو وہ پڑے گا آگ میں یعنی جب اختلاف واقع ہو علماء میں تو جس طرف اکثر مسلمین ہوں اس پر عمل کرو یہ تو حدیث ہے اب فقہ کا مسئلہ سنو علامہ شامی نے جلد ثانی شرح درمختار باب صدقۃ الفطر میں تصریح کی ہے فان المانعین جمع یسیر والمجوزین جم غفیر والاعتماد علی ما علیہ الجم الکثیر اور نیز جلد اول رسم المفتی میں لکھا ہے فان اختلفوا یرجح بقول الاکثرین اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی اس دلیل کو حق جانتے ہیں چنانچہ مصباح التراویح مطبوعہ مطبع ضیائی کے صفحہ میں لکھتے ہیں اتفاق اکابر و تسلیم اوشاں با جم غفیر از وشاں نیز دلیل است الیٰ آخرہ اور مولوی اسمٰعیل صاحب تذکیر الاخوان کی فصل سادس میں کتاب و سنت و اجماع و قیاس مجتہدین کا ذکر کرکے اس کے بعد لکھتے ہیں پھر اور کوئی مولوی مشائخ جو اپنی عقل کو دخل دیکر کوئی بات نکالے تو اس کا کیا ٹھکانا مگر ہاں اکثر دیندار متقی پرہیزگار اس مسئلہ کو قبول کریں تو البتہ وہ

الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ہذہ الامۃ ابرہا قلوبا واعمقہا علما واقلہا تکلفا اختارہم اللہ لصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لہم فضلہم واتبعوہم علی اثرہم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقہم وسیرہم فانہم کانوا علی الہدی المستقیم الحدیث پس دونوں حدیث تمسک سنت نبویہ اور التزام واستنان طریقہ صحابہ کو واجب کرتے ہیں الخ ہر امر عبادت میں واجب ہے کہ طریقہ وسنت صحا

بھی معتبر ہے انتہی، اب دیکھیے اس عبارت سے صاف ثابت ہے کہ کسی مولوی مشائخ کی نکالی ہوئی بات کو اگر کسی بار اجہان متفق ہو کر شافی کر دیں دیندار
متفق اس کو مان لیں تو وہ بھی حق اور معتبر ہے پس اس مسئلہ میں مولوی اسماعیل صاحب اور نیز مولوی محمد قاسم صاحب تابع فقہاء اور محدثین کے ہیں کہ مسئلہ مختلف فیہ
میں متفق ہو جاتا اکثر علماء دین کا ایک جانب میں دلیل حقیقت کی ہو یہ مسئلہ خاص ان کی زبان سے ہم نے سنوا دیا اگر موقع استحسان مولد شریف میں یہ صاحب یا ان
کے تابعین اس دلیل سے باہر ہوتے لگیں تو ہم ان لوگوں پر کچھ داروغہ ہو کر مؤکل نہیں ہوئے کہ ان کے دل و زبان کو امر حق کی طرف جبراً پھیر دیں خود حضرت ہادی
انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہ نسبت یہ ارشاد ہے لست علیہم بمصیطر اور دوسری جگہ فرمایا انک لا تہدی من احببت ہمارا ذمہ توضیح امر حق تھا وہ
کر چکے جس لفظ کی قید مولوی اسماعیل صاحب نے لگائی ہے یعنی دیندار متقی پرہیزگاروں کے جواز محفل مولد شریف ثابت کر چکے مثل امام ابو شامہ و ابو الخیر سخاوی و ابن
جزری و سیوطی و قسطلانی وغیرہم جن کے نام لمعہ ثامنہ میں ہم نے لکھے ہیں اور جو شخص شاہ ولی اللہ صاحب کے سلاسل طریقت اور اسانید علم حدیث سے واقف
ہوگا اس کے یہ بات مخفی نہیں ہوگی کہ ان مجوزین مولد شریف میں وہ علماء بھی ہیں جو شاہ ولی اللہ صاحب کے مشائخ حدیث اور شیوخ طریقت کے پیشوا ہیں پس تحقیق
تحقیق کو پہنچا چکے ہم یہ بات کہ مولد شریف کرنا جم غفیر سے ثابت ہے اور یہ مضمون حدیث اور فقہ سے اور ان علماء مستندین سے ثابت کر چکے کہ جو چیز جم غفیر سے ثابت ہو
وہ معتبر اور ماخوذ بہا اور معتمد علیہ لازم الاتباع ہے جب دونوں مقدمہ صحیح ثابت ہو چکے تو یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ مولد شریف کرنا معتبر ماخوذ معتمد علیہ لازم الاتباع ہے والسلام علی من
اتبع الہدیٰ مناجات بدرگاہ مجیب الدعوات یا اللہ میں تیرا بندہ ہوں تو سمیع و علیم ہو سنتا ہے جمیع اقوال کو جانتا ہے دلوں کے احوال کو نہیں لکھی میں نے یہ کتاب مگر اس لئے کہ
افراط و تفریط جانبین کی دور ہو ہر فریق اپنی غلو و تعصب سے نفور ہو اگر حضرات مانعین پر باعث تکفیر و تفسیق اہل ایمان چند تنبیہات ہیں تو طرف ثانی کو بھی
اصلاح نیت و تصحیح اعمال کے لئے ہدایات بینات ہیں اور سعی کیا میں نے جمیع مسائل و دلائل کو ان علماء مقبولین کی دلائل و اقوال پر کہ وہ دنیا میں
کالبدر المنیر مشہور ہیں اور کتابیں ان کی ان ملکوں میں جابجا موجود اور حوالے جابجا ہوں میں ہر ایک مسئلہ میں تصانیف سلف صالحین کا پس میرا
میرا جو قول ہے وہ فی الحقیقت انہی مقبولین کا قول ہے یا اللہ ان مقبولین کے توسل کو قبول کر مجھ سے یہ کتاب اور کیجیو اس کو فریقین کے لئے فصل الخطاب
یا اللہ اس کتاب کی ہر دلیل مظہر الحق اور شک میں پڑے ہوؤں کو دافع الاوہام ہو یہ کتاب تسکین بخش براہین حقانی سے راحت قلوب مستہام ہو یا اللہ میری کل ساعات
مغفرت کی وسائل ہوں اور یہ انوار ساطعہ اندھیری گور کا چراغ ہو میری قبر بہار جنت کا باغ ہو اور ناظرین انوار ساطعہ کہو تم ہمیں بھی دعا پر آمین یا رب العالمین
آمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین :: فقط تمام شد

تمت

کو ہر مسلم عاقل اپنا امام بنالے اور اس کے موافق عمل کرے اور خلاف قول و فعل ان کے قول کسی عالم کا اور توارث اور استحسان کسی
کا ہرگز قابل التفات و اعتبار فی الدین کے نہیں مؤلف نے لا طائل تطویل کی اور کوئی نفع اس کو اس سے حاصل نہیں ہوتا کما لا یخفی
علی من وفق للفہم والسداد واللہ الہادی الی سبیل الرشاد والحمد للہ علی آلہ ونوالہ کہ برہان رابع تمام ہوئی و تمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا
اور ساطع انوار یا طلاق انوار ساطعہ کا کما ینبغی حاصل ہوا ذہب اللہ بنورہم وترکہم فی ظلمت لا یبصرون اب بعد اس
براہین قاطعہ کے بھی اگر مؤلف اور اس کے شریک بدعت کو تنبیہ نہ ہو تو من یضلل اللہ فلا ہادی لہ کا مورد ہے اور اب بھی اگر ظلمات
ضلالۃ بدعت پر تبصرہ نہ ہو تو ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور کا مصداق ہے نعوذ باللہ تعالیٰ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد
اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوہاب الحمد للہ الذی ھدانا لہذا وما کنا لنہتدی لولا ان ھدانا اللہ وصلی اللہ
علی سیدنا و مولانا محمد ہادی الامۃ و کاشف الغمۃ الذی ترکنا علی مثل البیضاء لیلہا ونہارہا سواء وعلی آلہ وصحبہ واتباعہ مسرج الامۃ
و مصابیح الظلمۃ صلوۃ دائمۃ کما یحب ربنا ویرضی و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تمت

[1] اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی سچائی اور انصاف میں ۔ [2] اور جس کو اللہ تعالیٰ روشنی نہ دے اس کو کہیں روشنی نہیں مل سکتی ۱۲

تقریظ کتاب براہین قاطعہ جیدہ قلم فیض رقم جناب قدوۃ المحققین زبدۃ الفقہا والمحدثین عمدۃ الصلحاء والکاملین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مدفیوضہم،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا ومصلیًا۔ امابعد احقر الناس خادم الطلبہ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ نے اس کتاب مستطاب براہین قاطعہ کو اول سے آخر تک بغور دیکھا الحق کہ بندہ کے نزدیک رد اور جواب کافی اور الزام وحجت تامی ہے اور فی الواقع یہ براہین قاطعہ اپنے مصنف کی وسعت نور علوم دینیہ وصحت ذکاء وفہم وحسن تقریر وبہار تحریر پر دلیل واضح اور اقوال مخالف کے باحسن البیان فاضح ہے لہذا یہ احقر الناس اس کتاب کو ملقب بالدلائل الواضحہ علی کراہۃ المروج من المولود والفاتحہ کرتا ہے حق تعالیٰ اس کے مؤلف کے علم وفہم میں برکت اور اس کی خیرات ومبرات میں عمومًا اور اس تالیف نفیس میں خصوصًا کرامت قبولیت عطا فرما دے اور اس کو موجب ندامت وتوبہ اہل بدعت کا اور سبب استقامت اور تثبت متبعین سنت کا بنا کر مقبول مقبولین ومعمول عاملین فرمائے آمین وما ذٰلک علی اللہ بعزیز واللہ تعالیٰ ولی التوفیق وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سید الکائنات والہ وصحبہ اہل الدرجات عدد ما یحب ویرضی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

تاریخ طبع اول کتاب براہین قاطعہ از جناب قامع البدعۃ محی السنۃ مولوی محمد حسین صاحب فقیر

چوں اختطاف برق براہین حق رسید	شد باعث ذہاب بانوار ساطعہ
تاریخ او بست بے سر طغیان وگفتگو	بدعات قطع کرد براہین قاطعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقل خط فیض نمط حضرت سیدنا و مرشدنا جناب حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکہ معظمہ سلمہ اللہ تعالےٰ

التماس مشتہر

بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح رائے ناظرین ہو کہ امسال جو بعض حجاج مکہ معظمہ سے بعد فراغ حج بیت اللہ و زیارت روضہ اطہر جناب سرورِ عالم فخرِ بنی آدم رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم و زیارت حضرت حجۃ الاصفیاء رتاج الاولیاء زبدۃ المقربین عمدۃ الواصلین شمس الحقیقۃ والعرفان بدر الطریقۃ والاحسان حجۃ اللہ تعالیٰ البالغۃ برہان الملۃ المستنیفۃ مرجع عالم منبع الفیض الاتم بحر الحقائق والاسرار معدن العلوم والانوار صاحب المقامات العلیۃ والافضال والدرجات الرفیعۃ الصدیق الاعظم والقطب الافخم وسیدنا الحاج شاہ امداد اللہ الفاروقی الچشتی المہاجر فی المکۃ المعظمۃ لازالت شموس فیوضہ بازغۃ و بدور مکارمہ طالعۃ ہندوستان کو واپس آئے تو ایک نقل نامہ والا حضرت موصوف الصدور سلمہ کی جو ذیل میں بلا کم و کاست درج کیجاتی ہے ساتھ لائے کہ جس کی تحریر کی وجہ حضرت سلمہ کو یہ پیش آئی کہ ایک مولوی نذیر احمد خاں نامی ساکن رام پور فی الحال مدرس مدرسہ احمد آباد گجرات نے ایک خط طویل جس میں چند اعتراضات براہین قاطعہ کے مضمون پر کئے ہیں روانہ خدمت عالیہ حضرت حاجی صاحب سلمہ کیا اس خط میں علاوہ اعتراضات کے تکفیر علماء ربانیین کی نوبت پہنچائی چنانچہ ان اعتراضات کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاوے گا۔

الحاصل اس نامہ والا حضرت موصوف سلمہ کو دیکھکر اور اسکے مضامین سے بقدر استعداد واقف ہو کر یہ خیال میں آیا کہ چونکہ اس تحریر میں حضرت سلمہ نے افراط و تفریط سے اغماض فرما کر طریق وسط کو جو خیر امت کی علامت ہے اختیار فرمایا ہے اور اصلاحِ خلق اور رفع اختلافات کو مدنظر رکھا اور حق گوئی میں پرواہِ مطاعنِ طاعنین نہیں فرمائی علاوہ ازیں بیان بھی ایسا مدلل اور قوی ہے کہ باوجود اختصار کے مطالب بوجہ احسن منکشف ہیں صاف صاف الفاظ میں مسائل متنازعہ کو ایسی طرح بیان فرمایا کہ کسی کو گنجائش چون و چرا نہ رہی عقل و نقل و شریعۃ و حقیقۃ کو باہم ایسا ربط دیا کہ کسی کو سوائے تسلیم مجال گفتگو نہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس خط حضرت حاجی صاحب سلمہ کو طبع کرا دیا جاوے کہ اس تحریر سراپا ہدایت کو اہل انصاف علی الخصوص معتقدین و مریدین حضرت سیدنا جناب حاجی صاحب موصوف سلمہ دیکھ کر اختلاف باہمی سے کنارہ کریں اور تحریرات طرفین کے لئے یہ خط محاکمہ ہو جاوے اور نیز یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ حضرت سیدی و مرشدی جناب حاجی صاحب عم فیضہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ جو خاص خلیفہ[1] حضرت سلمہ کے ہیں ان مسائل میں ---------- متفق ہیں کسی قسم کی

---

[1] چنانچہ حضرت سیدنا جناب حاجی صاحب سلمہ ضیاء القلوب کے صفحہ ۷۶ میں ارقام فرماتے ہیں و نیز ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہ و مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے من فقیر راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق از من

مخالفت باہم نہیں جیسا کہ عوام میں مشہور ہو گیا اور اس تحریر بابرکت کے دیکھنے سے حلم و اخلاق حضرت سلمہٗ کا سب پر عیاں ہو جاوے گا کہ باوجود
یکہ مسائل یعنی مولوی نذیر احمد خاں اپنے خط میں بہت کچھ سب و شتم و تکفیر و تذلیل کو کام میں لائے ہیں لیکن حضرت سلمہٗ نے کوئی امر خلاف
دابِ علماء تحریر نہیں فرمایا اور نہ ان کی سب و شتم کا جواب ترکی بترکی دیا بلکہ نفس مطلب سے بحث فرمائی اور اصلاح باہمی مدنظر رکھی علاوہ
ازیں چونکہ حضرت عمّ فیضہم نے وقت تحریر جواب یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ مولوی عبدالسمیع کو بھی ان ہی مسائل میں شبہ ہے ایک نقل اس کی ان
کے پاس بھی جانا مناسب ہے اس لئے طبع کرانے میں یہ بھی نفع سمجھا گیا کہ مولوی عبدالسمیع یا جس کسی صاحب کو ان مسائل میں اشتباہ

شمارند اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ ادشاں بجائے من و من بمقام ادشاں شدم و صحبت ادشاں را غنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں دریں زمان نایاب اند
واز خدمت بابرکت ایشاں فیضیاب بودہ باشند و طریق سلوک کہ دریں رسالہ نوشتہ شد در نظر ادشاں تحصیل نمایند انشاء اللہ تعالیٰ بے بہرہ نخواہند ماند اللہ تعالیٰ
در عمر ایشاں برکت دہد و از تمامی نعمائے عرفانی و کمالات قربیت خود مشرف گرداند و بمراتبات عالیات رساند و از نور ہدایت ایشاں عالم را منور گرداند و تا قیامت
فیض ادشاں جاری دارد و بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد انتہیٰ بلفظہ۔ احقر کاتب الحروف کہتا ہے کہ خدائے پاک نے حضرت حاجی صاحب سلمہٗ کی دعا ان حضرات
کے بارہ قبول فرمائی چنانکہ ان کے نور ہدایت سے عالم کو منور فرمایا اور نیز جناب حاجی صاحب سلمہٗ نے بارہا یہ فرمایا کہ جو کچھ ضیاء القلوب میں ان
حضرات کی شان میں کلمات لکھے گئے ہیں وہ میں نے اپنی طرف سے نہیں لکھے بلکہ بامر حق جل و علیٰ والہام غیبی لکھے گئے ہیں وکفیٰ بہ فضلاً والحمد للہ تعالیٰ
پس حضرت مولانا رشید احمد صاحب سلمہٗ پر طعن کرنا بعینہٖ حضرت حاجی صاحب سلمہٗ پر طعن ہے مخالفین اپنا انجام سوچیں اور تائب ہوں وما علینا الا البلاغ

۱ے کیونکہ جو کچھ حضرت سیدنا جناب حاجی صاحب نے مسائل متنازعہ کی نسبت اس خط میں تحریر فرمایا ہے بعینہٖ وہی مسلک حضرت مولانا رشید احمد صاحب کا
ہے ۱۲ ۲ے چنانچہ مولوی احمد حسن صاحب پنجابی مدرس مدرسہ کانپور وغیرہ کو بھی اس مسئلہ میں اشتباہ واقع ہوا اور معتزلہ و متکلمین کے کلام میں لفظ محال
و ممتنع دیکھ کر قدرت باری کی نفی کر دی حالانکہ وہی حضرات دوسری جگہ خلاف وعدہ کو داخل قدرت فرماتے ہیں پس معلوم ہوا کہ وہ حضرات وقوع کذب کو
محال لکھتے ہیں اور ان کی مراد محال و ممتنع سے محال بالغیر و ممتنع بالغیر ہے ورنہ خدائے پاک قادر علی الاطلاق کو خلاف وعدہ وعید و خلاف مقدرات کے کرنے
سے مجبور کہنا پڑے گا وھو باطل بالاجماع، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مثلاً زید جس کی تقدیر میں عالم ہونا اور عمرو جس کے مقدر میں جاہل ہونا لکھا گیا یا ایک
شخص کیلئے جنت کا وعدہ ہوا اور دوسرے کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم ہوا سو اگر اس تقدیر یا وعدہ وعید کا خلاف ہوگا تو لوح محفوظ میں یا وحی میں خلاف واقع ہونا
ثابت ہوگا اور یہی کذب ہے مگر اس عدم وقوع سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالیٰ کو خلاف کرنے پر بھی قدرت نہ رہی ورنہ زید عالم کا جاہل کرنا اور عمرو جاہل کا
عالم بنانا اور جنتی کا دوزخ میں لیجانا اور اس کا عکس قدرت خدائے پاک سے خارج ماننا پڑے گا بلکہ یہ لازم آئے گا کہ تمام کائنات کے لئے جو کچھ ایکبار مقدر
کر دیا گیا اس کے خلاف سے خدا تعالیٰ عاجز ہے معاذ اللہ مولوی احمد حسن صاحب بلا تدبر و تفقہ رسالہ لکھنے کو تو موجود ہو گئے پر نہ سمجھے کہ اس مسئلہ کے انکار اور
اہل حق کی تضلیل سے بالکل خدا تعالیٰ کا عجز لازم آتا ہے اور عقیدہ اہل سنت بلکہ اہل اسلام کے خلاف پر عوام کو جماتا ہے لفظ کذب سے گھبرا کر کمال و
قدرت جناب باری کی نفی کرنا بعینہٖ ایسا ہے جیسا کوئی شخص خنزیر وغیرہ و ارذل مخلوقات دیکھ کر یا افعال و اعمال سیئہ و شرور انسانی کو لحاظ فرما کر خدا
تعالیٰ کو ان چیزوں کے خالق کہنے سے انکار کرے اور خدا تعالیٰ کے تنزیہ اس میں سمجھے اور یہ کہنے لگے کہ خدا تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ ایسے برے
افعال اور بدترین مخلوقات کو پیدا فرماوے سو جیسا اس شخص کا یہ کہنا اہل حق کے نزدیک مسلم نہیں بلکہ سب جانتے ہیں کہ مخلوقات کے نقص سے
خدائے پاک تک نقص نہیں پہنچتا اور اس کی تنزیہ میں کچھ فرق نہیں آتا ایسے ہی قضیہ کاذبہ خلاف واقع کے پیدا کرنے سے خدائے پاک میں
کیوں نقص آئے گا جو بدیں وجہ قادر مطلق کی قدرت کا انکار کیا جاوے ۱۲

جو اس جواب حضرت حاجی صاحب سلمہ سے اپنی تسکین کرے اور چونکہ اس تحریر کی اشاعت سے صرف اصلاح طرفین در رفع فتنہ وخلافت باہمی مقصود ہے نہ اظہار نفسانیت وعناد پس اگر کسی صاحب کو اس تحریر کی حقیقت میں شبہ ہو تو حضرت سیدی و مولائی جناب حاجی صاحب سلمہ سے بذریعہ تحریر تصدیق کرے اور مولوی نذیر احمد خاں صاحب مکتوب الیہ کے پاس بھی یہ تحریر موجود ہے امید ہے کہ وہ بھی بےکم وکاست اظہار واقعی فرمائیں گے اور اصل تحریر کو نہ چھپائیں گے اور نیز جناب مولوی حاجی محمد عزیز الرحمن صاحب دیوبندی جو قریب ایک سال حرمین شریفین میں تھے وقت تحریر صحیفہ بھی حضرت حاجی صاحب سلمہ کی خدمت میں حاضر تھے اس امر کے شاہد ہیں اور نقل اصل خط حضرت موصوف کی اپنے پاس بھی رکھتے ہیں اور چونکہ کاتب حروف کی فرض اشاعت سے صرف اصلاح وتسکین فتن ہے اسلئے مصداق حدیث الدال علی الخیر کفاعلہ امید اجر رکھتا ہے اور بصد عجز وزاری جناب باری عز اسمہ وعلی میں ملتجی ہے کہ اس تحریر حضرت والا سلمہ کی باعث رفع فتنہ ونزاع باہمی فرمائے اور نیز ناظرین حق بین اور انصاف پرست کی خدمت والا میں ملتمس ہے کہ اس تحریر کو بغور ملاحظہ فرمائیں اور کاتب کی اصل اشاعت کو کسی اور غرض پر محمول فرما کر مطعون وملام نہ فرمائیں نقل سوالات سائل یہ ہیں سائل کے نفس مطلب کو بوجہ اختصار لکھتا ہوں سب وشتم وتکفیر وتفسیق جو اصل خط سائل میں مندرج ہے وہ بوجہ تطویل درج تحریر لہذا نہیں کیا اصل خط بندہ کے پاس موجود ہے جواب حضرت سلمہ بجنسہ نقل ہوگا

خلاصہ اعتراض

پہلا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کذب ممکن ہے اس مسئلہ کی وجہ سے کتب الٰہیہ میں احتمال جھوٹ کا پیدا ہو سکتا ہے یعنی مخالفین کہہ سکتے ہیں کہ شاید قرآن ہی جھوٹا ہے اور اس کے احکام ہی غلط ہیں اور براہین قاطعہ کی اس تحریر کی وجہ سے بہت لوگ گمراہ ہو گئے

دوسرا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بشریت میں مثل جملہ مخلوقات کے کہکر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب کی برابر کر دیا اور ہامان وفرعون بھی اس اعتبار سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی برابر ہو گئے یہ بات کفر کی ہے

تیسرا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں مجلس میلاد کو بدعت ضلالہ کہا اور فاتحہ اور محفل میلاد کرنیوالوں کو ہنود اور روافض لکھا،

چوتھا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں دیوبند کو حرمین شریفین پر ترجیح دی،

پانچواں اعتراض براہین قاطعہ میں لکھا ہے کہ جو ایک وتر نہ پڑھے اس کے ایمان کا کیا ٹھکانا ہے پس یہ اعتراض امام صاحبؒ وصاحبینؒ وغیرہ تک جو تین وتر کے قائل ہیں پہنچتا ہے اس سے لازم آتا ہے کہ ان کے ایمان کا بھی ٹھکانا نہ ہو، نعوذ باللہ

چھٹا اعتراض:۔ براہین قاطعہ میں یہ صاف لکھدیا ہے کہ مسائل مختلف فیہا بین الحنفیہ والشافعیہ میں بلا ضرورت دوسرے کے مذہب پر عمل کرے

نقل خط حضرت حاجی صاحب سلمہٗ

نحمد اللہ العلیم القدیر الدیان الذی کشف بمحض فضلہ علی من اصطفے من عبادہ حقائق العلوم والبیان ونصلی ونسلم علی عبادہ الذین اصطفے لاسیما علی اشرف الرسل والانبیا سیدنا محمد ن المصطفے وآلہ وصحبہ النجبا ما لاتقیا را اما بعد از **فقیر امداد اللہ** چشتی فاروقی عفا اللہ عنہ بخدمت مولوی نذیر احمد خاں صاحب بعد سلام تحیۃ اسلام آنکہ آپ کا خط آیا مضمون سے مطلع ہوا ہر چند کہ بعض وجوہ سے عزم تحریر جواب نہ تھا مگر بغرض اصلاح اور توضیح براہین قاطعہ بالاختصار لکھا جاتا ہے شاید اللہ تعالیٰ نفع پہنچائے ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ

جواب اول ۔ واضح ہو کہ امکان کذب کے جو معنی آپ سمجھے ہیں وہ بالاتفاق مردود ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف وقوع کذب کا قائل ہونا باطل ہے اور خلاف نص صریح کو من اصدق من اللہ قیلا ۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد وغیرہما آیات کے وہ ذات پاک مقدس ہے شائبہ نقص و کذب وغیرہ سے باقی خلاف علماء کا جو دربارہ وقوع خلاف وعید ہے جس کو صاحب براہین قاطعہ نے تحریر کیا ہے دراصل کذب نہیں صورت کذب ہے اس کی تحقیق میں طول ہے الحاصل امکان کذب سے مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ وعید فرمایا ہے اس کے خلاف پر بھی قادر ہے اگرچہ وقوع اس کا نہ ہو امکان کو وقوع لازم نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شئے ممکن بالذات ہو اور کسی وجہ خارجی سے اس کو استحالہ لاحق ہوا ہو چنانچہ اہل عقل مخفی نہیں پس مذہب جمیع محققین اہل اسلام صوفیا کرام وعلماء عظام کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہے پس جو شبہات کہ آپ نے وقوع کذب پر متفرع کئے تھے وہ مندفع ہو گئے کیونکہ وقوع کا کوئی قائل نہیں یہ مسئلہ دقیق ہے عوام کے سامنے بیان کرنے کا نہیں اس کی حقیقت اور اک سے اکثر اذہان قاصر ہیں آیات واحادیث کثیرہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے ایک ایک مثال قرآن وحدیث کی لکھی جاتی ہے ایک جگہ ارشاد جناب باری ہے قل ہو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا الآیۃ اور دوسری جگہ فرمایا

۱؎ کیونکہ فساق مومنین کے لئے مثلاً جو کچھ وعید وتہدید آیات واحادیث میں فرمائی گئی ہیں وہ عموماً باعتبار استحقاق عذاب سزائے نفس اعمال بلا تخصیص مقرر فرمائے گئے ہیں پھر اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ ہم ان میں سے جس کو چاہیں بلا تعذیب بخش دیں پس اس وعید کا خلاف کذب نہیں چنانچہ بعض اہل عصیان مومنین کا بلا تعذیب جنت میں جانا اور خدا تعالیٰ کا ان کو محض اپنی رحمت سے بخش دینا احادیث میں مصرح ہے البتہ کفار کے لئے دوزخ میں جانا وعید قطعی ہے اس کا خلاف کذب ہے اس لئے کفار جنت میں نہ جاویں گے مگر کفار کا جنت میں داخل کرنا قدرۃ خداوندی میں داخل ہے یہی معنی امکان کذب کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کذب پر قادر ہے پر وقوع اس کا نہ ہوگا ۱۲۔ ۲؎ جیسے رسول خدا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل اصل میں ممکن ہے یعنی خدا تعالیٰ قادر ہے کہ آپ کا مثل پیدا کرے کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ مثل الممکن جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ممکن ہیں واجب نہیں مخلوق ہیں خالق نہیں تو آپ کا نظیر بھی ممکن ہے نعنینا بالحق الاول مگر چونکہ وعدہ الٰہی ہو چکا کہ کمالات نبوت ورسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی اور آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اس لئے وقوع نظیر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محال ہو گیا ہے محال بالغیر علیٰ ہذا زید مثلاً جس کی تقدیر میں عالم ہونا لکھا گیا اس کا جاہل ہونا بالذات ممکن یعنی خدا تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے پس چونکہ خدا تعالیٰ کا لکھا ہوا بدلتا نہیں اس لئے زید کا جاہل ہونا محال بالغیر ہو گیا اسی طرح غیر متناہی مثالیں اس کی موجود ہیں ۱۲ ۳؎ معترض کے شبہات کی بنا وقوع کذب پر تھی کیونکہ قرآن شریف میں مثلاً احتمال کذب اسی وقت ہے کہ کذب کے وقوع کا کوئی قائل ہو ہرگاہ وقوع کذب باری تعالیٰ محال ہو یا استحالہ کسی وجہ سے ہو احتمال کذب کلام اللہ بھی غلط اور نیز واضح ہو کہ ہرگاہ جناب حاجی صاحب سلمہ نے جمیع محققین اہل اسلام وصوفیہ کرام کا مذہب امکان کذب بمعنی دخولہ تحت القدرۃ تحریر فرمایا تو اب منکرین اپنا انجام سوچیں کہ وہ کس گروہ میں داخل ہیں ۱۲ ۴؎ مگر جب دیکھا کہ اس زمانہ کے معمولی مغالطات کے بھروسہ قدرت خداوندی کی نفی کرنے لگے اور اہل حق کی تکفیر وتذلیل پر آمادہ ہوئے تو بضرورت اظہار اس مسئلہ کا کرنا پڑا ۱۲ منہ ۵؎ اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے تمہارے اوپر عذاب بھیجنے پر اور آیت ثانیہ کا حاصل یہ ہے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بدولت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں عذاب نہ آئے گا پس اس وعدہ کی وجہ سے دنیا میں بے شک عذاب نہ آئے گا مگر آیت اولیٰ سے اس کا قدرت الٰہی میں داخل ہونا معلوم ہوا وہو المدعیٰ ۱۲ منہ ۶؎ بدلالۃ عرف وعقل ثابت ہے کہ خلاف وعدہ کے قدرت میں داخل ہونے سے کذب کا داخل قدرۃ ہونا لازم آتا ہے بلکہ احادیث میں مصرح کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے خلاف وعدہ عہد کو کذب سے تعبیر کیا چنانچہ قصہ ابوہریرہؓ میں جو ان کو شیطان لعین کے ساتھ غلہ صدقہ میں پیش آیا اور شیطان نے یہ عہد کیا کہ میں پھر نہ آؤں گا مگر چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ شیطان پھر آئے گا اور اپنا

وما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم الآیۃ آیۃ ثانیہ میں نفی وقوع عذاب کا وعدہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ اگر اس کا خلاف ہو تو کذب[1] لازم آئے مگر آیت اولیٰ سے اس کا تحت قدرت باری تعالیٰ داخل ہونا معلوم ہوا پس ثابت ہوا کہ کذب داخل تحت قدرۃ باری تعالیٰ جل علیٰ ہے کیوں نہ ہو وہو علیٰ کل شیئ قدیر، احادیث کو دیکھئے کہ عشرہ مبشرہ[2] مثلاً بالیقین جنتی بارشاد نبوی جو حقیقۃً[3] وحی الٰہی جل علیٰ ہے ہوچکی مگر چونکہ صحابہ کرام جانتے تھے کہ خدائے پاک مجبور نہیں ہے اس لئے نظر بقدرۃ جلال[4] کبریائی ڈرتے ہی رہے بلکہ خود سرور کائنات علیہ علیٰ الہ الصلوٰۃ والتسلیمات جن کی شان میں لیغفر لک[5] اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر ہے فرماتے رہے واللہ[6] ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم اوکما قال واللہ تعالیٰ یحق الحق وھو یھدی السبیل،

جواب ثانی:- علیٰ ہذا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بشریت میں شریک مثل ہونا جملہ بشر کے نص قرآنی ثابت ہے اس کا انکار نص کا انکار ہے مگر ایک وصف میں شامل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جمیع اوصاف میں شامل ہو اگر یہ سو برابری کا دعویٰ کوئی جنبیس کرتا خود براہین قاطعہ میں آیت انما انا بشر مثلکم کی شرح کے بعد صاف لکھدیا ہے، کہ جملہ یوحی الی سے علو مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور امتیاز معلوم ہوگئی شاید آپنے براہین قاطعہ کی اگلی عبارت کو بنظر انصاف نہیں دیکھا اس لئے تکفیر علمار وصلحار پر مبادرت کر کے اپنا خیال کیا یہ طعن تو در پردہ خود سرور کائنات بلکہ خالق موجودات تک پہنچتا ہے کیوں کہ انما انا بشر مثلکم کے اظہار وبیان کا ارشاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جناب باری تعالیٰ جل علیٰ کی طرف سے ہوا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار

وعدہ اور عہد پورا نہ کرے گا اس لئے اس کو کاذب فرمایا الفاظ کذب جو حدیث میں موجود ہے شاید دعویٰ ہے لیعنی شیطان تجھ سے جھوٹ بول گیا پس بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ وعدہ کا خلاف کرنا تو داخل قدرت جناب باری ہے پر کذب داخل قدرت نہیں محض سفسطہ[1] عقلی ہے لے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یعنی محدثات وممکنات خواہ برے ہوں یا اچھے سب اس کی قدرت میں ذات وصفات خداوندی جو ازلی ابدی ہیں ان میں حدوث ممکن نہیں اس لئے وہ اس سے خارج ہیں ۱۲ [2] عشرہ مبشرہ یعنی دس صحابی جن کو ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم نے دخول جنت کی بشارت دی ۱۲ [3] کیوں کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جس کے لئے قطعاً جنت کا وعدہ فرمایا اس کو دوزخ میں ڈال دے اور دوزخی قطعی کو جنت میں داخل کرے اگرچہ اس کے عدل وکرم سے ایسا نہ ہوگا پر اس کی قدرت وجلال کے سامنے چون وچرا کی مجال نہیں وہو القاہر فوق عبادہ وہو الحکیم الخبیر ۱۲ [4] تاکہ بخشے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ اگلے پچھلے ۱۲ [5] قسم اللہ تعالیٰ کی نہیں جانتا ہوں میں حالانکہ میں رسول خدا تعالیٰ کا ہوں کہ کیا کیا جائے گا ساتھ میرے اور نہ یہ کہ کیا معاملہ ہوگا ساتھ تمہارے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا نظر بقدرۃ جلال وکبریائی ہے ورنہ آپ کو وعدہ الٰہی پر پورا وثوق تھا ۱۲ [6] معترض کا یہ کہنا کہ ہامان وفرعون کی برابر سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے کہدیا نہایت درجہ کی بلادت اور گستاخی ہے رسول اللہ[ؐ] کے کمالات تو اور انبیاء[ؑ] کو بھی عطا نہیں ہوئے اور کوئی نبی[ؑ] کمالات میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں چہ جائیکہ فرعون وہامان مگر یہ خوش فہمی معترض کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بشر اور مخلوق کہدینے سے فرعون وہامان کی برابری ثابت کردی کیا معترض کے نزدیک جملہ انبیار علیہم السلام اور امتی اور مومنین وکفار یکساں ہیں معاذ اللہ، یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ودیگر انبیار[ؑ] معترض کے نزدیک مخلوق وبشر ہونے سے خارج ہیں آں حضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم ونیز دیگر انبیار[ؑ] کا کمال تو عبدیت ہی میں ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ[7] لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ - ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۱۲

جواب ثالث ۔ اسی طرح صاحب براہین قاطعہ نے نفس ذکر میلاد کو بدعت ضلالہ نہیں کہا قیود ات زائدہ محرمہ مکروہہ کہا ہے اور نہ نفس ذکر و قیام کرنے والوں کو ہنود و روافض لکھا بلکہ عقیدہ باطلہ پر حکم حرمتہ مشابہتہ روافض و ہنود کا لگایا ہے چنانچہ خود فتوی جناب مولوی احمد علی صاحب مرحوم اور مولوی رشید احمد صاحب سلمہ میں یہ امر مصرح موجود ہے کہ نفس ذکر میلاد کو وے باعث حسنات و برکات لکھتے ہیں اور براہین قاطعہ میں مکرر اس کو ظاہر کیا ہے انصاف شرط ہے

جواب رابع ۔ ایسے ہی براہین قاطعہ میں دیوبند کو حرمین پر ترجیح نہیں دی ہے جو موجب استبعاد ہو بلکہ اس کتاب میں صاف لکھدیا ہے کہ دیوبند کو مثل بازار کے جو شر البلاد ہے سمجھو اور حرمین کو مثل مسجد کے جو خیر البلاد ہے مگر فتوی میں اعتبار علم ربانی متقی کا ہے گو وہ کسی جگہ کا ہو بنظر تحقیق اس میں کس کو کلام ہو سکتی ہے،

جواب خامس ۔ ایسے ہی ایک وتر کی بحث میں جواب نے لکھا ہے کہ صاحب براہین کا اعتراض امام صاحب و صاحبین علیہ الرحمۃ تک پہنچتا ہے یہ تو محض تعصب یا سفاہت ہے صاحب براہین اس شخص کو رد کرتے ہیں جو عموماً ایک وتر پڑھنے والو پر طعن کرے کیوں کہ ایک وتر پڑھنے والے بعض صحابہؓ و ائمہ بھی ہیں حضرت امامؒ و صاحبینؒ نے کب ایک وتر پڑھنے والوں پر طعن کیا ہے اور وے کب طعن کر سکتے ہیں کہ اس طرف بھی صحابۂ کبار و ائمہ اخیار ہیں صاحب انوار ساطعہ نے چونکہ بالعموم ایک وتر پڑھنے والوں کو مطعون کیا تھا حالانکہ ان میں صحابہؓ و ائمہ ہیں اس کو متنبہ کیا ہے اور اس گستاخی سے روکا ہے

جواب سادس ۔ صاحب براہین نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ مسائل مختلف فیہا بین الحنفیہ والشافعیہ میں بلا ضرورت دوسرے کے مذہب پر عمل کرنا درست ہے اس میں یہ مضمون کسی جگہ نہیں شاید آپکو نقل قول امام ابن ہمام سے جو در بارہ تراویح لکھا ہے یہ شبہ پیدا ہوا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں اول تو امام ابن ہمامؒ حنفی ہیں شافعی نہیں پھر صاحب براہین نے اس پر عمل ہونا نہیں لکھا اور نہ اس کو ترجیح دی فقط واللہ الموفق والہادی واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ سید نا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین،

لہ حضرت حاجی صاحب سلمہ نے جیسا اس تحریر میں قیودات زائدہ سے منع فرمایا ایسا ہی زبانی بھی بارہا قیودات زائدہ سے منع فرمایا اور نیز حضرت سلمہ کی دیگر تحریرات سے مخالفت عیاں ہے پس اس صورت میں اگر حضرت سلمہ نے کسی کو اجازت میلاد شریف کی دی تو اس کو نفس ذکر میلاد شریف پر محمول کرنا چاہیے ۱۲ سلہ پس معترض کا یہ کہنا کہ براہین کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب و صاحبین رحمہم اللہ تعالی کے ایمان کا بھی کیا ٹھکانا نہایت حمق و شقاوت ہے کیوں کہ ان حضرات نے ایک وتر پڑھنے والوں صحابہؓ و ائمہؒ کو کبھی طعن نہیں کیا اور نہ کلمات تحقیر ان حضرات کی شان میں لکھے مؤلف انوار ساطعہ نے بالعموم ایک وتر پڑھنے والوں کی نسبت کلمات ناشائستہ لکھے اس لئے اس کو گستاخی سے روکا گیا ہے تعجب ہے کہ تحقیر آحاد و تحقیر سلف میں ایمان کا ٹھکانا نہیں ، اگر مؤلف انوار ساطعہ کہے کہ میری مراد حضرت صحابہؓ و ائمہ قائلین وتر واحد پر اعتراض کرنا نہیں تو یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کیونکہ اس کتاب میں بالتعمیم ایک وتر پڑھنے والوں پر اعتراض کیا ہے حکم شرع ظاہر پر ہے اور پھر سلف ہوں یا خلف جس امر میں وہ متبع حدیث نبوی ہیں اس فعل پر اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہ اس کی تحقیر زیبا اعتراض جب ہے کہ کسی احادیث یا اتباع ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ چاہیئے کہ فرق باطلہ و اہل ہوی جن عقائد و اعمال میں اہل حق کے موافق ہیں ان عقائد و اعمال پر بھی اعتراض کیا جائے پھر جب ایک وتر کے قائلین بھی صحابہؓ و اہل سنت ہیں تو اس فعل پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے فقط ———— **تمام شد**

ضمیمہ براہین قاطعہ

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مصنف براہین قاطعہ پر تنقیص شان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ناپاک بہتان اور اس کا مفصل جواب

از مولانا محمد منظور نعمانی

مولوی احمد رضا خاں صاحب حسام الحرمین ص ۱۵ پر لکھتے ہیں:

وهؤلاء اتباع شيطان الآفاق ابليس اللعين وهم ايضاً اذناب ذلك المكذب الكنگوهي فانه قد صرح في كتابه البراهين القاطعة وما هي والله الا القاطعة لما امر الله به ان يوصل بان شيخهم ابليس اوسع علما من رسول الله صلى الله عليه وسلم وهذا نصه الشنيع بلفظه الفظيع (ص ۴۷) شیطان وملک الموت کو الخ اى ان هذه السعة في العلم ثبتت للشيطان وملك الموت بالنص

اور یہ شیطان آفاق ابلیس لعین کے پیرو ہیں اور یہ بھی اسی تکذیب خدا کرنے والے گنگوہی کے دم چھلے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں تصریح کی واللہ خدا کی قسم وہ قطع نہیں کرتی مگر ان چیزوں کو جن کے جوڑنے کا اللہ عزوجل نے حکم فرمایا ہے) کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے اور یہ اس کا بُرا قول خود اس کے بد الفاظ میں ص ۴۷ پر ہے۔
شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص

واى نص قطعى فى سعة علم رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حتى تُرَدَّ به النصوص جميعا ويُثبت شركٌ وكتب قبله ان هٰذا الشرك ليس فيه حبة خردل من ايمان۔

کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے اور اس سے پہلے لکھا کہ شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصّہ ہے۔

پھر مؤلف براہین کو کچھ "صلواتیں" سنا کر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

وقد قال فى نسیم الریاض کما تقدم من قال فلان اعلم منه صلى الله عليه وسلم فقد عابه ونقصه فهو ساب والحكم فيه حكم الساب من غير فرق لا نستثنى منه صورة وهذا كله اجماع من لدن الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم ثم اقول انظروا الى آثار ختم الله كيف يصير البصير اعمى، وكيف يختار على الهدى العمى، يؤمن بعلم الارض المحيط لابليس وافجاء ذكر محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم قال هذا شرك وانما الشرك اثبات الشريك

اور بے شک نسیم الریاض میں فرمایا (جیسا کہ اس کا نص اصل کتاب میں گذر چکا ہے) کہ جو کسی کا علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بے شک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگایا اور حضورؐ کی شان گھٹائی تو وہ گالی دینے والا ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والا ہے، اصلاً فرق نہیں، اس میں سے ہم کسی صورت کا استثنا نہیں کرتے، اور ان تمام احکام پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ سے اب تک برابر اجماع چلا آیا ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اللہ کی مہر کر دینے کا اثر دیکھو، کیونکر انکھیارا اندھا ہو جاتا ہے اور راہ حق چھوڑ کر چوپٹ ہونا پسند کرتا ہے۔ ابلیس کے لئے تو زمین کے علم محیط پر ایمان لاتا ہے اور جب

لله تعالیٰ فالشیئ اذا کان اثباته
لاحد من المخلوقین شرکاً
کان شرکا قطعا لکل الخلائق
اذ لا یصح ان یکون احد شریکا
لله تعالیٰ فانظروا کیف آمن بان
ابلیس شریک له سبحانه وانما
الشرکة منفیة عن محمد صلی
الله تعالیٰ علیه وسلم ثم انظروا
الیٰ غشاوة غضب الله تعالیٰ
علیٰ بصره یطالب فی علم محمد
صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بالنص
ولا یرضیٰ به حتی یکون قطعیا
فاذا جاء علیٰ سلب علمه صلی
الله تعالیٰ علیه وسلم تمسک
فی هذا البیان نفسه علی
صفحه ۴۶ لسته اسطر قبل
هذا الکفر المهین بحدیث
باطل لا اصل له فی الدین
وینسبه کذبا الیٰ من لم یروه
بل رده بالرد المبین حیث
یقول روی الشیخ عبدالحق
قدس سره عن النبی صلی
الله تعالیٰ علیه وسلم انه قال

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا تو
کہتا ہے یہ شرک ہے، حالانکہ شرک تو اسی کا
نام ہے کہ اللہ عزوجل کے لئے کوئی شریک
ٹھہرایا جائے تو جس چیز کا مخلوق میں سے کسی
ایک کے لئے ثابت کرنا شرک ہو، وہ تو تمام
جہان میں جس کے لئے ثابت کی جائے یقیناً
شرک ہوگا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہو
سکتا۔ تو دیکھو ابلیس لعین کے اللہ عزوجل
کے ساتھ شریک ہونے کا کیسا ایمان رکھتا
ہے۔ شرکت تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے منتفی ہے پھر غضب الٰہی کا گھٹا
ٹوپ اس کی آنکھوں پر دیکھو۔ علم محمد صلی
اللہ علیہ وسلم میں تو نص مانگتا ہے اور نص
پر بھی راضی نہیں جب تک قطعی نہ ہو اور
جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی
پر آیا تو خود اسی بحث میں صفحہ ۴۶ پر اس
ذلت دینے والے کفر سے چھ سطر پہلے ایک
باطل روایت کی سند پکڑی ہے جس کی دین
میں بالکل اصل نہیں اور انکی طرف اسکی نسبت
کر رہا ہے جنہوں نے اسے روایت نہ کیا
بلکہ اس کا صاف رد کیا کہ کہتا ہے شیخ عبدالحق روایت
کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم
نہیں حالانکہ شیخ نے "مدارج النبوۃ" میں

لا اعلم ما وراء هذا الجدار اھ

مع ان الشیخ قدس اللہ تعالیٰ سرہ انما قال فی مدارج النبوۃ هکذا یشکل ههنا بان جاء فی بعض الروایات انه قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انما انا عبد لا اعلم وراء هذا الجدار وجوابه ان هذا القول لا اصل له ولم تصح به الروایة اھ فانظروا کیف یحتج بلا تقربوا الصلوٰۃ ویترک ، و انتم سکاری۔

(حسام، ص۱۸)

یوں فرمایا ہے

کہ یہاں یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ــــــــ

ــــــــ میں تو ایک بندہ ہوں، اس دیوار کے پیچھے کا حال مجھے معلوم نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول بے اصل ہے، اس کی روایت صحیح نہیں ہوتی۔ دیکھو کیسی لاتقربوا الصلوٰۃ سے دلیل لایا اور انتم سکاریٰ کو چھوڑ گیا۔

اِس موقع پر شوقِ تکفیر پورا کرنے کے لئے مولوی احمد رضا خاں صاحب نے دین و دیانت پر جو ظلم کیا ہے اس کی فریاد بس واحدِ قہار سے ہے۔ اس کی بازپرس انشاءاللہ روزِ جزا ہو گی۔ لیکن دُنیا میں ارباب انصاف بھی فیصلہ فرمائیں کہ اس مدّعی مجددیت کے بیان اور اس کے فتوے میں کتنی صداقت ہے؟

اس عبارت میں خاں صاحب نے مصنّفِ براہینِ قاطعہ پر مندرجہ ذیل چار اعتراض کیے ہیں:

۱۔ (معاذ اللہ) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ شریف کو شیطانِ رجیم کے علم سے گھٹایا۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زمین کے علمِ محیط کے اثبات کو شرک بتلایا اور شیطانِ لعین کے لئے اس کو ثابت مانا حالانکہ کسی ایک مخلوق کے لئے جس چیز کا ثابت کرنا شرک ہے دُوسری مخلوقات کے لئے بھی اس کا ثابت

کرنا یقیناً شرک ہے تو گویا مصنف براہین نے (معاذ اللہ) شیطان کو خدا کا شریک مان لیا۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر نص قطعی کا مطالبہ کیا، اور جب حضور اقدس کے علم کی نفی کی، تو ایک باطل الروایۃ حدیث سے استناد کیا۔

۴۔ پھر اس حدیث کی روایت کو از راہِ دروغ بیانی اس شخص کی طرف منسوب کیا جس نے روایت نہیں کی بلکہ نقل کر کے ردِّ بلیغ کیا۔

یہ ہے خاں صاحب کی اس ساری عبارت کا خلاصہ اور مصنف براہینِ قاطعہ کے خلاف ان کی فردِ قرار دادِ جرم ـــــــ ہم تحریر جواب سے پہلے چند تمہیدی مقدمات عرض کرتے ہیں۔

پہلا مقدمہ علم کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور عطائی۔ ذاتی وہ ہے جو از خود ہو کسی کا دیا ہوا نہ ہو۔ اور عطائی وہ ہے جو کسی کا دیا ہوا اور بتلایا ہوا ہو۔ پہلی قسم (علمِ ذاتی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ مخلوقات میں سے جس کو بھی کوئی علم ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا اور بتلایا ہوا ہے، اگر کوئی شخص کسی ولی یا نبی یا فرشتے کے لئے بھی علمِ ذاتی ثابت کرے گا تو سب کے نزدیک مشرک ہوگا، چونکہ یہ تمام اُمت کا مشہور اجماعی مسئلہ ہے لہٰذا ہم اس کے ثبوت میں صرف خاں صاحب بریلوی ہی کی تصریحات پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں ؎

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

موصوف "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۸ پر رقمطراز ہیں:

"علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیر خدا کو بہ عطائے خدا مل سکتا ہے تو ذاتی و عطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی، یوں ہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدیہی، ان میں اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف ہر تقسیم کی قسم اوّل ہے یعنی علمِ ذاتی و علمِ محیط حقیقی۔"

نیز اسی "خالص الاعتقاد" کے صفحہ ۳۲ پر فرماتے ہیں:

"بلاشبہ غیرِ خدا کے لئے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں، اس قدر خود ضروریاتِ دین سے ہے اور منکر کافر۔"

اور "الدولۃ المکیۃ" کی نظر اول صفحہ ۶ پر ہے:

فالاول (العلم الذاتی) مختص بالمولیٰ سبحانہ وتعالیٰ لا یمکن لغیرہ ومن اثبت شیئاً منہ ولو ادنیٰ من ذرۃ لاحد من العالمین فقد کفر واشرک وباد وھلک۔

علمِ ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لئے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیرِ خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہو گیا اور ہلاک و برباد ہوا۔

دوسرا مقدمہ

کائنات کے ہر ذرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی ہیں اور چونکہ کسی مخلوق کا علم معلوماتِ غیر متناہیہ کو محیط نہیں ہو سکتا لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ کسی مخلوق کو ایک ذرہ کا بھی حقیقی معنی میں علم محیط نہیں ہو سکتا۔

اس کے ثبوت میں بھی ہم خان صاحب بریلوی ہی کی تصریحات پر قناعت کریں گے موصوف "الدولۃ المکیۃ" صفحہ ۹ نو پر لکھتے ہیں:

بل لہ سبحانہ وتعالیٰ فی کل ذرۃ علوم لا تتناھیٰ لان لکل ذرۃ مع کل ذرۃ کانت او تکون او یمکن ان تکون نسبۃ بالقرب والبعد والجہۃ مختلفۃ فی الازمنۃ باختلاف الامکنۃ من اول یوم الیٰ مالا اٰخر لہ والکل معلوم لہ سبحانہ وتعالیٰ بالفعل فعلمہ عزجلالہ غیر

بلکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لئے ہر ذرہ میں علوم غیر متناہیہ ہیں، اس لئے کہ ہر ذرہ کو دوسرے اس ذرہ کے ساتھ جو موجود ہو چکا یا آئندہ موجود ہوگا یا جس کا وجود ممکن ہے، قرب اور بُعد اور جہت کے اعتبار سے کوئی نسبت ہے جو مختلف ہوتی رہتی ہے، زمانوں میں ساتھ مختلف ہونے ان امکنہ کے جو واقع ہوں اور جن کا امکان ہے دنیا کے پہلے دن سے

متناهٍ فی غیر متناهٍ فی غیر متناهٍ	ابد الآباد تک اور سب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو بالفعل معلوم ہے، پس اللہ عزوجل کا علم غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہے۔
و معلوم ان علم المخلوق لا یحیط فی اٰن واحدٍ غیر متناہی کما بالفعل تفصیلا تاما حیث یمتاز فیہ کل فردٍ عن صاحبہ امتیازاً کلیاً	اور معلوم ہے کہ مخلوق کا علم ایک آن میں غیر متناہی بالفعل کا تفصیلی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس طرح کہ اس میں ہر فرد دوسرے سے کامل طور پر ممتاز ہو۔

نیز اسی "الدولۃ المکیۃ" کے صفحہ ۲۱۲ پر ہے :

انی بینت ان لہ سبحانہ فی کل ذرۃ ذرۃ علوم لا تتناہی فکیف ینکشف شی لخلق کما نکشافہ للخالق عز وجل "	"یہ تحقیق میں بیان کر چکا ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہر ہر ذرہ میں غیر متناہی علوم ہیں پس کوئی چیز کسی مخلوق کے لئے اس طرح کیسے منکشف ہو سکتی ہے جیسے کہ اس کا انکشاف خداوند تعالیٰ کے لئے ہے "

تیسرا مقدمہ عقیدہ قائم کرنے کے لئے دلیلِ قطعی کی ضرورت ہے اور نفی کے لئے صرف عدمِ دلیلِ ثبوت کافی ہے۔ اسی لئے قرآنِ عزیز میں جابجا مشرکین کے خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ کی تردید میں فرمایا گیا ہے کہ یہ ان کے ذاتی خیالات اور شیطانی وسوسے ہیں۔ خدا کی طرف سے ان پر کوئی دلیل و برہان نہیں۔

نیز خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی انباء المصطفیٰ میں عقائد کے اثبات کے لئے دلیلِ قطعی کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔

چوتھا مقدمہ علوم دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کو دین سے تعلق ہے (جیسے تمام علوم دینیہ شرعیہ) اور دوسرے وہ جن کو دین سے تعلق نہیں (جیسے زید، عمرو، گنگا پرشاد، جمنا داس، سر بیگ اور لارڈ ولنگڈن، مسٹر چرچل وغیرہ کے جزئی حالات کا علم، زمین کے کیڑے مکوڑوں اور سمندر کی مچھلیوں کی تعداد اور ان

کے خواص کا علم، ان کی عام نقل و حرکت، اکل و شرب اور بول و براز کا علم، ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے علم کو دین سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ان علوم کو کمالِ انسانی میں کوئی دخل، اور نہ ان کے نہ ہونے سے انسان میں کوئی نقصان!

اگرچہ یہ مقدمہ بدیہی ہے اور ہر معمولی سی عقل رکھنے والا بھی اس کو تسلیم کرے گا، مگر اب چند روز سے مولوی احمد رضا خاں صاحب کی روحانی ذریت نے اس سے انکار شروع کر دیا ہے اور وہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی علم ایسا نہیں جس کا دین سے تعلق نہ ہو اور جس کو کمالِ انسانی میں دخل نہ ہو۔ لہٰذا یہاں بھی ہم صرف خاں صاحب ہی کی ایک عبارت پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ موصوف کے ملفوظات حصہ دوم صفحہ ۶۲ پر ہے "سیمیا ایک ناپاک علم ہے" خاں صاحب کے اس مختصر مگر پُر معنی فقرے سے صرف اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ بعض علم ناپاک بھی ہیں اور ظاہر ہے کہ جو علم ناپاک ہو وہ نہ دینی علم ہو سکتا ہے اور نہ کسی انسان کے لئے باعثِ کمال۔

پانچواں مقدمہ شریعت میں جس علم کی مدح کی گئی ہے اور انسانوں کو جس کی ترغیب دی گئی ہے اور جو رضائے الٰہی کا باعث ہے، وہ صرف وہ علم ہے جس کا تعلق دینیات سے ہو اور جس سے کمالِ انسانی وابستہ ہو، مثلاً قرآن عزیز میں ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ — کیا علم والے اور بے علم سب برابر ہو سکتے ہیں۔ (ہرگز نہیں)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ — اللہ تعالیٰ تم میں سے اہلِ ایمان اور اہلِ علم کے درجے بلند کرے گا۔

ظاہر ہے کہ ان آیات میں علم سے نہ انگلش مراد ہے نہ سنسکرت یا بھاشا، نہ سائنس نہ جغرافیہ، نہ جادوگری نہ شاعری، بلکہ صرف علمِ دین ہی مراد ہے، اور وہی خدا کو محبوب ہے اور حدیث شریف میں ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى — طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

كُلِّ مُسْلِمٍ۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَ مِنْهُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ

بہ تحقیق انبیاء علیہم السلام نے دراہم و دنانیر کی میراث نہیں چھوڑی، ان کی میراث صرف علم ہے، جس نے اسکو لے لیا اس نے بہت بڑا حصہ پایا۔

ان احادیث کریمہ میں بھی علم سے علم شریعت اور علم دین ہی مراد ہے۔ کون بدبخت کہہ سکتا ہے کہ دنیاوی علوم کو حاصل کرنا بھی مسلمان کا مذہبی فرض ہے، اور کون محروم البصیرت خیال کر سکتا ہے کہ جادوگری و شعبدہ بازی جیسے لغو علوم بھی میراث نبوت ہیں۔ بہر حال یہ چیز بالکل بدیہی ہے کہ شریعت میں جس علم کی ترغیب دی گئی ہے اور جس کو کمال انسانی میں دخل ہے وہ صرف علم دین ہے۔ بلکہ بیکار اور غیر متعلق باتوں کی کھود کرید سے تو شریعت نے منع فرمایا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ (حدیث نبوی)

انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار باتوں میں نہ پڑے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب سے کسی نے تعزیہ داری اور متعلقہ تعزیہ داری کے متعلق چند سوال کئے تھے، منجملہ ان کے بارھواں سوال (شہداء کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق) یہ تھا کہ:

"بعد شہادت کس قدر سر مبارک دمشق کو روانہ ہوئے تھے اور کسقدر واپس آئے؟"

اس کے جواب میں مولوی صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"حدیث میں فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتیں چھوڑے"

خاں صاحب کا پورا فتوی جس میں یہ سوال و جواب درج ہے، کئی جگہ متعدد

بار چھپ کر شائع ہو چکا ہے اور اس کی اصل بر مہر و دستخط بھی میرے پاس محفوظ ہے اور اگر ان کے یہاں نقل فتاویٰ کا پورا اہتمام ہوگا (جیسا کہ میں نے سنا ہے) تو غالباً وہاں بھی اس کی نقل محفوظ ہوگی۔

فتوے پر تو کوئی تاریخ درج نہیں اور لفافہ پر ڈاک خانہ کی مہر بھی کچھ زیادہ صاف نہیں تاہم بعد غور بسیار ظن غالب یہ ہے کہ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں بریلی کے ڈاک خانہ سے وہ فتوےٰ روانہ ہوا ہے۔ واللہ اعلم!

خاں صاحب کے اس فتوے سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ بعض علوم ایسے بھی ہیں جو بیکار ہیں اور ان کا حاصل نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ جس سوال کے جواب میں خاں صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے وہ سوال زید، عمرو، بکر، حیوانات و بہائم، دریا کی مچھلی، مینڈک یا حشرات الارض کے متعلق نہیں کیا گیا ہے بلکہ اہل بیت کرام و شہدائے عظام کے مقدس سروں کے متعلق سوال ہے اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتوں کو چھوڑ دے۔

چھٹا مقدمہ جو علوم انسان کے لئے باعث کمال نہیں اور جن کے حصول کے لئے انسان خدا کی طرف سے مامور نہیں (جیسے روزمرہ کے جزئی حوادث اور مخصوص افراد کے شخصی اور خانگی حالات) ان میں ایک مفضول کا دائرۂ علم افضل سے اور ایک مردود کا مقبول سے وسیع ہو سکتا ہے بلکہ غیر دینی اور غیر ضروری امور میں غیر نبی کا علم بھی کبھی نبی سے بڑھ سکتا ہے۔ لیکن علوم شرعیہ و امور ضروریہ اور اصول دینیہ میں ہمیشہ نبی ہی کا دائرۂ علم زیادہ وسیع ہوگا کیونکہ ان علوم کے فیضان میں وہ تمام امت کے لیے واسطہ کبریٰ ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے یہ علوم افراد امت تک پہنچتے ہیں

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

یجوز ان یکون غیر النبي	جائز ہے کہ غیر نبی، نبی سے بڑھ جائے
فوق النبي فی علوم لا تتوقف نبوته	ان علوم میں کہ جن پر نبی کی نبوت

علیہا۔ (ج ۵، ص ۳۹۵) موقوف نہ ہو۔

ساتواں مقدمہ

دین سے غیر متعلق اور غیر ضروری امور کے نہ جاننے کی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقبولینِ بارگاہِ احدیت کی شان میں کوئی کمی بھی نہیں آتی اور نہ ان کے کمالِ علمی کو اس سے کچھ صدمہ پہنچتا ہے۔ بلکہ ایسا سمجھنا انتہائی سفاہت اور منصبِ رسالت سے اعلیٰ درجہ کی جہالت ہے۔

علامہ قاضی عیاض جن کو حضرتِ رسالت کے ساتھ قابلِ تقلید عشق ہے "شفا شریف" میں اس نکتہ پر تنبیہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فاما تعلق منہا بامر الدنیا فلا یشترط فی حق الانبیاء العصمۃ من عدم معرفۃ الانبیاء ببعضہا اواعتقادہا علی خلاف ما ھی علیہ ولا وصم علیہم فیہ اذ ھمتھم متعلقۃ بالاٰخرۃ و انبائہا وامر الشریعۃ وقوانینہا وامور الدنیا تضادہا بخلاف غیرھم من اھل الدنیا الذین یعلمون ظاھرًا من الحیٰوۃ الدنیا وھم عن الاٰخرۃ ھم الغافلون۔

(شفاء، ص ۲۵۴)

بہرحال وہ علوم جن کا تعلق دنیاوی باتوں سے ہو، سو ان میں سے بعض کے نہ جاننے سے اور ان کے متعلق خلافِ واقعہ اعتقاد قائم کر لینے سے انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا ضروری نہیں (یعنی ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بعض دنیاوی باتوں کا علم نہ ہو) اور اس کے نہ جاننے کی وجہ سے ان پر کوئی دھبہ نہیں کیونکہ انکی توجہ آخرت اور اسکی خبروں اور شریعت اور اس کے قوانین کے ساتھ متعلق ہے اور دنیاوی باتیں اُن کے برعکس ہیں بخلاف اوروں اہل دنیا کے جو اسی دنیاوی زندگانی کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں

پھر اس مضمون کو متعدد احادیث شریفہ سے ثابت فرما کر صفحہ ۲۰۲ پر لکھتے ہیں:

فمثل ھذا واشباھہ من امور الدنیا التی لا مدخل فیہا لعلم دیانۃ ولا اعتقادھا

پس دنیاوی امور میں سے ایسی باتیں کہ جن کو نہ دین کے علم میں کوئی دخل ہے نہ اسکی تعلیم میں نہ اس کے اعتقاد میں (سو ایسی باتوں کے

ولا تعلیمہا یجوز علیہ فیہا ما ذکرنا اذ لیس فی ھذا کلہ نقیصۃ ولا حطۃ وانما ھی امور اعتیادیۃ یعرفہا من جربہا وجعلہا ھمہ وشغل نفسہ بہا والنبی مشحون القلب بمعرفۃ الربوبیۃ ملآن الجوانح بعلوم الشریعۃ۔

انتھی بقدر الحاجہ

شفا قاضی عیاض، ص ۳۰۲

بارے میں، جائز ہے نبی علیہ السلام پر وہ جو ہم نے ذکر کیا (یعنی ان باتوں کا نہ جاننا) اس لئے کہ ایسی باتوں کے نہ جاننے کی وجہ سے نہ تو کچھ نقصان پیدا ہوتا ہے نہ درجہ اور مرتبہ میں کوئی کمی آتی ہے۔ یہ امور تو عادت پر موقوف ہیں ان کو وہ شخص خوب جانے گا جس نے ان کا تجربہ کیا ہو اور انھیں کو اپنا مقصد بنالیا ہو اور جس نے اپنے نفس کو انھیں باتوں میں مشغول کر دیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک تو معرفت الٰہیہ سے اور سینۂ فیض گنجینہ علوم معرفت سے لبریز ہے

بہر حال جو امورِ دین سے غیر متعلق ہوں، اگر ان میں سے بعض کا علم کسی غیر نبی کو ہو جائے، اور نبی کو نہ ہو تو اس میں اس نبی (علیہ السلام) کی کوئی تنقیص نہیں کیونکہ ان امور سے حضرات انبیاء علیہم السلام کو کوئی خاص تعلق ہی نہیں۔ اسی لئے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انتم اعلم بامر دنیاکم۔

(رواہ مسلم)

اپنی دنیا کی باتوں کے تم زیادہ جاننے والے ہو۔

صحیح مسلم کی یہ روایت ہمارے مدعا کے لئے نہایت واضح اور روشن دلیل ہے

نیز آپ ارشاد فرماتے ہیں:

اذا کان شیٔ من امر دنیاکم فانتم اعلم بہٖ واذا کان شیٔ من امر دینکم فالیّ رواہ احمد ومسلم عن انس، وابن ماجۃ

جب کوئی چیز تمہارے دنیاوی امور میں سے ہو جب تو تم ہی اس کے زیادہ جاننے والے ہو اور اگر کوئی دینی معاملہ ہو تو میری طرف رجوع کرو۔ روایت کیا اس کو امام احمد

عن انس و عائشہ ؓ معاً، و ابن خزیمۃ عن ابی قتادۃ ؓ)
(کنز العمال، ج ۶، ص ۱۱۲)

اور امام مسلم نے حضرت انس سے اور ابن ماجہ نے حضرت انس اور حضرت عائشہ دونوں سے، ابن خزیمہ نے حضرت ابو قتادہ سے۔

آٹھواں مقدمہ

اگر بعض جزئی واقعات کا علم کسی ادنیٰ درجے کے شخص کو ہو اور اعلیٰ کو نہ ہو، یا کسی اُمتی کو ہو اور نبی کو نہ ہو تو صرف اس کی وجہ سے اس ادنیٰ کو اعلیٰ سے اور اس اُمتی کو نبی سے اعلم (زیادہ علم والا) نہیں کہا جا سکتا، مثلاً آج کل کی مادی ایجادات اور صنعتی اختراعات کے متعلق جو معلومات یورپ کے ایک ملحد کو حاصل ہیں یقیناً وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کو حاصل نہ تھے۔ گراموفون بنانے کا علم جو اس کے غیر مسلم موجد کو تھا، وہ یقیناً حضرت غوث پاکؒ کو نہ تھا، لیکن کون احمق ہے جو ان مادی اور دنیوی امور کی وجہ سے یورپ کے ان ملحدین کو حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے اعلم (زیادہ علم والا) کہنے کی جرأت کرے سینما اور تھیٹر کے متعلق جو معلومات ایک فاسق و فاجر بلکہ ایک کافر و مشرک تماشہ بین کو ہیں وہ یقیناً ایک بڑے سے بڑے متقی عالم کو نہیں۔ تو کیا کوئی تاریک دماغ ہر تماشہ بین کو اس عالم سے اعلم کہہ سکتا ہے اور اسی پہ کیا موقوف، جرائم پیشہ لوگوں کو جو معلومات اپنے جرائم کے متعلق ہوتے ہیں حضرات علمائے دین کو ان کی ہوا بھی نہیں لگتی تو کیا سب چور، ڈاکو، گرہ کٹ، پاکٹ مار، شرابی، کبابی، ہر عالم دین کے مقابلہ میں اعلمیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ نجاست کھانے والے کیڑے کو نجاست و غلاظت کا ذائقہ معلوم ہوتا ہے اور ہر شریف انسان اس سے ناواقف ہے، تو کیا اب نجاست کا ہر کیڑہ بھی تمام انسانوں سے اعلم کہا جا سکتا ہے۔

بہر حال یہ مقدمہ بالکل بدیہی ہے کہ جو علوم دین سے غیر متعلق ہوں اور جن علموں کو کمال انسانی میں کوئی دخل نہ ہو، وہ اگر کسی شخص کو زیادہ مقدار میں حاصل ہو جائیں، تو صرف اس کی وجہ سے اس کو زیادہ علم داں نہیں کہا جا سکتا۔ اَعْلَمْ (زیادہ علم والا)

جبھی کہا جائے گا جب کہ علومِ کمالیہ اور علومِ دینیہ میں دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو۔

نواں مقدمہ قرآن و حدیث میں اس کی نظیریں بکثرت ملتی ہیں کہ حضور کی حیاتِ طیبہ میں بہت سے واقعاتِ جزئیہ کی اطلاعات دوسرے لوگوں کو ہو گئی تھیں باوجود اس کے کہ وہ واقعہ انھیں پر گزرا تھا یا ان سے اس کا کوئی خاص تعلق تھا، اور حضورؐ کو اس وقت اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں؛

۱۔ غزوۂ تبوک میں عبد اللہ بن اُبَی منافق نے کسی موقعہ پر یہ کہا:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ — جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے والے ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو۔

نیز اسی مجلس میں اُس نے یہ بھی کہا:

وَلَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ۔ — اگر ہم مدینہ پہنچے تو ہم میں سے جو زیادہ عزت والا ہوگا وہ ذلیلوں کو نکال دے گا (یعنی ہم مہاجرین کو مدینہ سے بھگا دیں گے)

اس کی یہ بکواس حضرت زید بن ارقم رضؓ نے سنی اور انھوں نے اپنے چچا سے اس کا ذکر کر دیا، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ نے عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا اور اس سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اُن منافقین نے جھوٹی قسم کھائی کہ ہم نے نہیں کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تصدیق کر دی اور زید بن ارقم کو جھوٹا قرار دے دیا۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا ایسا صدمہ ہوا کہ مدت العمر کبھی ایسا صدمہ نہ ہوا تھا، یہاں تک کہ میں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا، تا آنکہ اللہ تعالٰے نے سورۂ منافقون کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ درحقیقت اُن منافقین نے ناشائستہ کلمات کہے تھے۔ تو حضورؐ نے مجھ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مطمئن ہو جاؤ۔ اللہ تعالٰی نے تمھارے بیان کی تصدیق نازل فرما دی۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

۲۔ بعض منافقین کے متعلق سورۂ توبہ میں ارشاد ہے :

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ	اور بعض ان لوگوں میں سے جو تمہارے ارد گرد ہیں بدوی منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ میں سے منافقت میں بہت مشاق ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں خود مدینہ طیبہ اور اس کے آس پڑوس کی بستیوں میں کچھ ایسے منافق تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کو نہیں جانتے، اور ظاہر ہے کہ خود ان منافقین کو اپنے نفاق کا ضرور علم ہوگا۔

(۳) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۔ (سورۂ بقر)	اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کی بات اس دنیاوی زندگی میں آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کی بات پر خدا کو شاہد بناتے ہیں اور فی الحقیقت وہ نہایت جھگڑالو ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر خازن وغیرہ میں ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ شخص دیکھنے میں بہت اچھا اور نہایت شیریں زبان تھا۔ حضور کی خدمت میں آتا اور اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا اور بہت زیادہ اظہار محبت کرتا تھا اور اس پر خدا کی قسمیں کھاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے پاس بٹھاتے تھے اور درحقیقت وہ منافق تھا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

فنزل فیہ "ومن الناس من یعجبک قولہ" ای یروقک وتستحسنہ و یعظم فی قلبک۔ (خازن، جلد اول، ص ۱۶۱)	اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جن کی بات آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور آپ اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور آپ کے دل میں اسکی عظمت ہوتی ہے۔

اس آیت کریمہ اور اس کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ اخنس بن شریق کے باطن

کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی تھا، اور ظاہر ہے کہ وہ بدبخت اپنے حال سے ضرور آگاہ تھا۔

۴۔ نیز منافقین ہی کی ایک جماعت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے :۔

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۔ (سورۂ منافقون)	اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں، اور اگر وہ کچھ کہیں تو آپ انکی سُن لیں گے ۔

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل میں وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ کی تفسیر میں ہے :

ای فتحسب انه صدق	یعنی آپ اسکو سچا سمجھیں (ج ۷، ص ۸۲)

ان تینوں آیتوں سے بطور قدرِ مشترک اتنا معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مدینہ طیبہ ہی کے اندر کچھ ایسے سیاہ باطن منافق بھی تھے جن کے نفاق (یا مدارجِ نفاق)، کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا۔ ظاہر حال دیکھ کر آپ ان کو اچھا جانتے تھے۔ ان کی جھوٹی باتوں کو سچ سمجھتے تھے، اور وہ بدکردار اپنے حال سے خود یقیناً خبردار تھے (اگرچہ بعد میں بذریعہ وحی حضورؐ کو بھی مطلع فرما دیا گیا ہو)

اس کے بعد ہم اس سلسلہ میں صرف ایک آیت اور پیش کرتے ہیں، ارشادِ خداوندی ہے :

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ ۔ (سورۂ یٰس)	اور ہم نے اپنے رسول کو شعر نہیں سکھایا اور نہ وہ ان کے لئے مناسب ہے ۔

اس آیت کریمہ سے نہایت صاف طور پر معلوم ہوا کہ آپ کو علمِ شعر نہیں عطا فرمایا گیا حالانکہ یہ علم کافروں تک کو حاصل ہوتا ہے ۔

بہر حال قرآن اس حقیقت پر شاہد ہے کہ بعض غیر ضروری اور امورِ رسالت سے غیر متعلق علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں عطا فرمائے گئے، اور دوسروں کو حتیٰ کہ

لا یموت فیکم میت ما دمت بین ظہرانیکم الا آذنتمونی به فان صلوٰتی له رحمة
(ج ۱ ص ۲۸۴)

جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جب تک میں تمہارے درمیان موجود ہوں، تو مجھ کو ضرور اسکی خبر دیا کرو کیونکہ میری نماز اس کے واسطے رحمت ہے۔

اس روایت سے بھی ہمارے مدعا پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے اور اس سے صرف ایک وقتی واقعہ ہی نہیں بلکہ آپ کی زندگی کی ایک عام مستمر حالت معلوم ہوتی ہے

(۳) صحیح بخاری اور سُنن اربعہ میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد میں شہدائے اُحد میں سے دو دو کو ایک ایک قبر میں دفن فرماتے تھے اور قبر میں اتارتے وقت لوگوں سے دریافت فرماتے تھے۔

ایهما اکثر اخذ اللقرآن فاذا اشیر الی أحدهما قدمه فی اللحد۔

ان دونوں میں سے کون زیادہ قرآن حاصل کرنیوالا ہے پس جب ان میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کر دیا جاتا تو آپ اُس کو لحد میں پہلے اُتارتے۔

(۴) صحیح مُسلم اور سُنن نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے کچھ آواز سُنی، فرمایا:

متی مات هذا؟ — یہ شخص کب مرا ہے؟

قالوا مات فی الجاهلیة — لوگوں نے عرض کیا، دور جاہلیت میں۔

فسّر بذلك — تو آپ کو اس سے مسرت ہوئی۔

(۵) مسند احمد اور مسند بزار میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں حضورؐ کی خدمت میں پنیر حاضر کیا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ:

این صنعت هذه؟ — یہ کہاں کا تیار شدہ ہے؟

فقالوا بفارس! الخ — لوگوں نے عرض کیا کہ پارس کا بنا ہوا ہے۔

(۶) ابو داؤد و جامع ترمذی میں ابیض بن جمال سے مروی ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مقام مارب میں جو شورابہ[1] ہے وہ مجھ کو عنایت فرمادیا جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے درخواست منظور فرمائی۔ اور وہ ان کو دے دیا گیا۔ جب وہ واپس چلدیئے تو حاضرینِ مجلس میں سے ایک صحابی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے اُن کو کیا دے دیا؟

اتدری ما قطعت له یارسول الله انما قطعت له الماء العِدّ فانتزعه منه۔ الخ ترمذی ج ا ص ۱۶۶

آپ نے تو ان کو بنا بنایا پانی (جو بلا کد و کاوش کے نمک بن سکتا ہے) دے دیا، تو حضورؐ نے ان سے وہ واپس لے لیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو پہلے اس سرزمین کی مخصوص حیثیت معلوم نہیں تھی اور اسی لاعلمی کی وجہ سے وہ ابیض بن جمال کو عطا فرمادی گئی تھی۔ لیکن جب بعد میں اُن صحابی کے عرض کرنے سے اس کی حیثیت معلوم ہوئی (کہ اس سے عام پبلک کے منافع وابستہ ہیں)، تو حضورؐ نے اس کو واپس لے لیا۔

(۷) صحیح بخاری اور صحیح مُسلم اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دفعہ قضائے حاجت کے لئے) بیت الخلا تشریف لے گئے تو میں نے حضورؐ کے لئے پانی بھر کر رکھدیا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ

ماوضع ھذا فاُخبر فقال اللّٰھم فقّھہُ فی الدّین وعلّمہُ التاویل۔

یہ کس نے رکھا ہے؟ تو حضورؐ کو اطلاع دی گئی کہ میں نے رکھا ہے تو حضورؐ نے میرے تفقہ فی الدین اور علم تاویل قرآن کی دعا فرمائی۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اس موقع پر حضورؐ کو پانی رکھنے والے کی اطلاع دوسروں نے دی۔

(۸) سُنن ابی داؤد میں حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بخار میں مُبتلا تھا اور مسجد میں پڑا ہوا تھا کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پس آپ نے فرمایا:

من احسّ الفتی الدوسی ثلث مرات فقال رجل یارسول اللہ هو ذایوعك فی جانب المسجد فاقبل یمشی حتی وصل الیّ فوضع یدہ علیّ الخ

کسی نے دوسی جوان (ابو ہریرہ) کو دیکھا ہے؟ یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا، تو ایک شخص نے عرض کیا، حضرت وہ یہ ہیں ایجار میں مبتلا ہیں، مسجد کے کونہ میں ہیں، پس آپ میری طرف کو چلے اور میرے پاس پہونچ کر اپنا دست مبارک مجھ پر رکھ دیا۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ کے مسجد میں ہونے کی اطلاع حضورؐ کو نہ تھی، دوسرے شخص کے مطلع کرنے سے حضورؐ کو خبر ہوئی۔

(۹) مصنف ابن ابی شیبہ میں عبدالرحمٰن ابن الازہر سے مروی ہے کہ:

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح وانا غلام شاب یسئل عن منزل خالد بن ولید۔

میں نے فتح مکہ کے سال (جبکہ میں جوان لڑکا تھا) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خالد ابن ولید کے گھر کا پتہ پوچھتے تھے۔

(۱۰) صحیح بخاری صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے خالد بن ولید نے بیان کیا کہ میں ایک بار اپنی خالہ حضرت میمونہؓ[۱] کے پاس حاضر ہوا، تو میں نے ان کے پاس بھنی ہوئی "گوہ" دیکھی جس کو ان کی بہن "حفیدہ" نجد سے لائی تھیں۔ وہ گوہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی گئی اور حضورؐ کی عادت شریفہ تھی کہ جب تک کھانے کی کیفیت نہ بیان کر دی جاتی اور اس کا نام نہ بتلایا جاتا۔ آپ اسکی طرف بہت کم ہاتھ بڑھاتے تھے۔

وکان قلما یقدم یدیه لطعام حتی یحدث عنه ویسمی له فاھوی بیدہ الی الضب فقالت امرأۃ

پس آپ نے اپنا دست مبارک گوہ کی طرف بڑھایا تو ایک عورت نے کہا کہ حضورؐ کو بتلا دو کہ حضورؐ کے سامنے کیا رکھا گیا ہے۔

---

[۱] حضرت میمونہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور خالد بن ولید اور عبداللہ بن عباسؓ کی حقیقی خالہ ہیں۔ ۱۲ منہ۔

اخبرن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما قدمتن لہ قلن ھوالضب یا رسول اللہ فرفع یدہ الخ

(چنانچہ ازواج مطہرات میں سے جو حاضر تھیں انھوں نے عرض کیا کہ حضورؐ یہ گوہ ہے، تو اس حضرت نے اپنا ہاتھ اُٹھا لیا۔ الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب وہ گوہ حضورؐ کے سامنے رکھی گئی تو آپ کو معلوم نہ تھا کہ یہ گوہ ہے حتیٰ کہ آپ نے کھانے کے لئے ہاتھ بھی بڑھایا اور بعد میں جب، دوسروں کے بتلانے سے اس کا علم ہوا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔

(۱۱) طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت بلالؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میرے پاس معمولی درجہ کی کھجوریں تھیں، میں نے ان کھجوروں کو دے کر ان کے بدلے میں ان سے آدھی عمدہ کھجوریں لے لیں اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر کیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، ان سے اچھی کھجوریں آج تک ہم نے نہیں دیکھیں۔ تم یہ کہاں سے لائے ہو (حضرت بلالؓ کہتے ہیں)

من این ھذا لک یا بلال؟ فحدثتہ بما صنعت فقال انطلق فردّہ علی صاحبہ الخ

میں نے وہ تبادلے کا واقعہ بیان کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی جاؤ اور ان کو واپس کر کے آؤ (کیونکہ یہ ربو ہو گیا)

(۱۲) مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں نہایت عمدہ کھجوریں دیکھیں، دریافت فرمایا یہ کھجوریں تمہارے پاس کہاں سے آئیں انہوں نے عرض کیا:

من این لکم ھذا؟ قلن ابدلنا صاعین بصاع فقال (صلی اللہ علیہ وسلم) لا صاعین بصاع ولا درھمین بدرھم الخ

ہم نے دو صاع اپنی معمولی کھجوریں دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں لے لی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، ایک صاع کے بدلے میں دو صاع، اور ایک درہم کے بدلے میں دو درہم جائز نہیں۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو اس ناجائز تبادلہ کی اطلاع دوسروں

کے عرض کرنے سے ہوئی۔

(۱۳) روایت کیا ابن ابی شیبہ نے مصنّف میں اور امام احمد نے مسند میں اور ابونعیم نے کتاب المعرفۃ میں حضرت عبداللہ بن سلام سے، اور عبدالرزاق نے ابوامامہ سے اور ابن جریر نے ابن ساعدہ سے کہ:

جب اہلِ قبا کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

ما هذا الطهور الذي قد خصصتم به في هذه الآية وفي بعض الروايات فما طهوركم وفي بعضها ان الله قد اثنى عليكم في الطهور خيرا الخ

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبا کو بلا کر دریافت فرمایا کہ تمہاری وہ کیا خاص طہارت ہے جسکی تعریف خداوند تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں فرماتا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم استنجا میں ڈھیلے کے ساتھ پانی کا بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱۴) صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ہجرت پر حضورؐ سے بیعت کی اور حضرت کو یہ علم نہ تھا۔

ولم يشعر انه عبد فجاء سيده يريده فقال له صلى الله عليه وسلم بعنيه فاشتراه بعبدين اسودين ثم لم يبايع احدا بعده حتى يسئل اعبد هو؟

کہ وہ غلام ہے۔ بعد میں اس کے لینے کے ارادہ سے اس کا آقا آیا تو حضورؐ نے اس سے فرمایا کہ تم اس غلام کو ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔ چنانچہ آپ نے دو حبشی غلام دے کر اس کو خرید لیا اور اسکے بعد آپ کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے جب تک کہ یہ دریافت نہ فرما لیں کہ وہ غلام تو نہیں ہے

(۱۵) صحیح بخاری اور جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ مدینہ میں سریانی زبان کے جاننے والے صرف یہودی تھے۔ اگر کہیں سے سریانی میں کوئی خط آتا تو وہی پڑھتے اور کسی کو سریانی میں کچھ لکھوانا ہوتا تو وہ انھیں سے لکھواتا۔ جب حضورؐ کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے مجھکو سریانی

سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا، خدا کی قسم، میں اپنی خط و کتابت میں یہودیوں کی طرف سے مطمئن نہیں (واللہ ما آمن یہود علی کتابی) پس نصف مہینہ پورا نہیں ہوا تھا کہ میں نے سریانی سیکھ لی اور مجھے اس میں خاصی مہارت ہو گئی۔ پھر میں ہی آں حضرتؐ کی طرف سے یہودیوں کو خط لکھتا تھا، اور میں ہی اُن کے خطوط پڑھتا تھا۔"

اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے جس خطرے کا ذکر ہے وہ جب ہی ممکن ہے کہ حضورؐ کو اس سریانی زبان کا علم نہ ہو جس کا علم اس زمانہ کے یہودیوں کو تھا۔ اگرچہ اس مدعا کے لئے حضورؐ کا اُمّی ہونا بھی کافی ہے جس کی شہادت قرآنِ مجید میں دی گئی ہے مگر میں نے یہ روایت اس لئے نقل کر دی کہ یہ اُس اُمّیت کی ایک عملی تفسیر ہے جس کے بعد کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ تاویل صرف اقوال و الفاظ میں چل سکتی ہے نہ کہ واقعات و حالات میں۔

یہاں تک پانچ آیتوں اور پندرہ حدیثوں سے صرف یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عہدِ رسالت میں بہت سے جزئی واقعات پیش آتے تھے اور حضورؐ کو ان کی اطلاع نہیں ہوتی تھی اور دوسرے لوگوں کو ہو جاتی تھی۔ لیکن صرف ان جزئی معلومات کی وجہ سے (جن کو امورِ دین و دیانت اور فرائضِ نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق بھی نہیں)، نہ ان دوسرے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم والا کہا جا سکتا ہے اور نہ ان علوم کے عدمِ حصول سے حضورؐ کے کمالِ علمی میں کوئی کمی آتی ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد علیہ الرحمۃ اپنی بے نظیر تفسیر "روح المعانی" میں ارقام فرماتے ہیں:

ولا اعتقد فوات كمال بعدم العلم بحوادث دنيوية جزئية كعدم العلم بما يصنع زيد مثلاً في	اور میں دُنیوی اور جزئی حوادث کے علم نہ ہونے کی وجہ سے کمال کے فوت ہو جانے کا قائل نہیں جیسے کہ زید کے روزمرہ کے

بیتہ وما یجری علیہ فی یومہ وغدہ۔ (روح المعانی ج ۸، ص ۲۵) خانگی حالات کا علم دسوا ایسے علموں کے نہ ہونے سے کمال نہیں جاتا)۔

دسواں مقدمہ اگر زید کو ایک ہزار باتوں کا علم ہو اور عمرو کو لاکھوں کروڑوں باتوں کا لیکن زید کے ان ایک ہزار معلومات میں سے دس بیس ایسے ہوں جو عمرو کو حاصل نہ ہوں تو ان دس بیس علوم کی وجہ سے (جو زید کو حاصل ہیں اور عمرو کو حاصل نہیں) زید کو علی الاطلاق "اعلم من عمرو" (عمرو سے زیادہ علم داں) نہیں کہا جاسکتا (دراں حالانکہ عمرو کو لاکھوں اور کروڑوں وہ علوم عالیہ حاصل ہیں جن کی زید کو ہوا بھی نہیں لگی) البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ زید کو فلاں فلاں معلومات ہیں اور عمرو کو نہیں، مثلاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو شریعت کے لاکھوں اور کروڑوں علم حاصل تھے اور ابن رشد کو بھی علوم شرعیہ میں خاصی دستگاہ تھی، لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رح کے عشر عشیر بھی نہیں تھی مگر فلسفہ یونان کے متعلق جو معلومات ابن رشد کو حاصل تھے، وہ یقیناً حضرت امام ابوحنیفہ رح کو حاصل نہ تھے کیونکہ ان کے زمانے میں فلسفہ یونان عربی میں منتقل ہی نہیں ہوا تھا لیکن اس کی وجہ سے ابن رشد کو حضرت امام ابوحنیفہ رح سے اعلم نہیں کہا جاسکتا۔

علیٰ ہٰذا حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو کتاب و سنت کے لاکھوں علوم حاصل تھے مگر تاریخ و سیر میں جو معلومات ابن خلدون اور ابن خلکان کے تھے وہ تمام بحیثیت مجموعی ان حضرات کو یقیناً حاصل نہ تھے کیونکہ ابن خلکان اور ابن خلدون کے علم میں تو بہت سے وہ تاریخی واقعات بھی تھے جو ان حضرات ائمہ کی وفات کے بعد وقوع میں آئے۔ لیکن اس کی وجہ سے ابن خلکان اور ابن خلدون کو یا آج کل کے کسی مورخ کو ان ائمہ دین سے اعلم نہیں کہا جاسکتا۔ علیٰ ہٰذا ایک موٹر ڈرائیور کو ڈرائیوری کے متعلق اور ایک موچی کو جفت دوزی کے متعلق جو معلومات حاصل ہوتے ہیں وہ یقیناً خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کو حاصل نہ تھے، لیکن میرے نزدیک کوئی اعلیٰ درجہ کا احمق بھی اس کی وجہ سے ہر موٹر ڈرائیور اور موچی کو خاں صاحب موصوف

سے زیادہ وسیع العلم کہنے کی جرأت نہ کرے گا۔

بہر حال جب کسی ایک شخص کو دوسرے کے اعتبار سے علی الاطلاق اعلم (زیادہ علم والا) کہا جائے گا۔ تو مجموعہ علوم کے اعتبار سے اور بالخصوص علوم دینیہ شرعیہ ہی کے اعتبار سے کہا جائے گا ——— اور اگر کوئی شخص زید کے لئے کسی خاص علم کی وسعت تسلیم کرے اور عمرو کے لئے تسلیم نہ کرے تو اس سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ اس نے زید کو عمرو سے اعلم مان لیا۔ بالخصوص جب کہ وہ علم علوم عالیہ کمالیہ میں سے بھی نہ ہو۔ اور پھر خصوصاً جب کہ شخص مذکور عمرو کے لئے اعلیٰ درجہ کے لاکھوں اور کروڑوں علوم ایسے مان رہا ہو جن کی زید کو بلکہ دنیا کے کسی انسان کو ہوا بھی نہ لگی ہو ——— تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

یہاں تک دس مقدمے ہوئے۔ ہم اس سلسلہ کو یہیں ختم کرتے ہیں اور اصل مبحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس بحث میں بھی جواب دینے سے پہلے ہم کو مولوی احمد رضا خاں صاحب کی دیانت کا مرثیہ پڑھنا پڑتا ہے اگر جناب موصوف عباراتِ "براہینِ قاطعہ" کے نقل کرنے اور ان کا مطلب بیان کرنے میں خیانت سے کام نہ لیتے تو آج اس کے جواب میں ہم کو اس قدر طوالت اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

"براہینِ قاطعہ" میں نہ تو مطلق علم کی وسعت میں کلام تھا، نہ علومِ عالیہ کمالیہ کی بحث تھی، بلکہ صرف علمِ روئے زمین کی وسعت میں گفتگو تھی۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے ہم مشرب مولوی عبدالسمیع صاحب نے "انوارِ ساطعہ" میں شیطان و ملک الموت کے لئے اسی وسعتِ علمی کو دلائل سے ثابت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس پر قیاس کیا اور اسی قیاس کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علمِ زمین کی وسعت ثابت کی تھی، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مصنف "براہینِ قاطعہ" نے اسی قیاس کو رد کیا ——— ("براہینِ قاطعہ"، "انوارِ ساطعہ" ہی کا جواب ہے)۔

بہر حال "براہینِ قاطعہ" کی ساری بحث صرف علمِ زمین کی وسعت میں تھی، جس کو دین و دیانت اور فرائضِ نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق نہیں (اور ایسے

علوم کے متعلق بذیل مقدمہ ۶ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح ہم تفسیر کبیر سے نقل کر چکے ہیں کہ ان میں غیر نبی سے بڑھ سکتا ہے"۔ [۱]

لیکن مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنی مجدّدانہ تلبیس سے لکھ مارا کہ :

انه قد صرح فی کتابه البراهین القاطعة .... بان شیخهم ابلیس اوسع علما من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم

اُس نے اپنی کتاب " براہین قاطعہ " میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔

غور فرمایا جائے کہ کہاں صرف علم زمین کی وسعت اور کجا مطلق علم کی وسعت۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

ہم ناظرین کی سہولت کے لئے ایک مثال بھی پیش کرتے ہیں اور اُسی سے انشاء اللہ عبارتِ براہین کی پوری توضیح بھی ہو جائے گی۔

فرض کیجئے کہ مصنف انوارِ ساطعہ کی ذہنیت رکھنے والا مولوی احمد رضا خاں صاحب کا کوئی دوسرا بھائی مثلاً زید کہتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو " شعر " کا علم حاصل تھا اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بہت سے فاسقوں اور کافروں کو یہ فن آتا ہے، امرأ القیس بدترین کافر تھا اور ساتھ ہی اعلیٰ درجہ کا شاعر بھی۔ فردوسی فاسد العقیدہ شیعی تھا اور فارسی کا بہترین شاعر بھی، پس جب کہ فاسقوں اور کافروں تک کو یہ فن حاصل ہے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جو افضل المرسلین سید الاولین والآخرین ہیں ضرور حاصل ہوگا۔ اس کے جواب میں مولانا خلیل احمد صاحب کا کوئی اہم مسلک مسلمان کہے کہ:

"امرأ القیس اور فردوسی کا حال تاریخ کی متواتر شہادتوں سے معلوم ہوا، اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضول سے

---

[۱] نیز مقدمہ ۳ کے ذیل میں نہایت واضح دلائل سے ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ اگر ایسے علوم میں کسی کا دائرۂ علم زیادہ وسیع ہو تو اس کو دوسروں کے اعتبار سے علی الاطلاق اعلم نہیں کہا جا سکتا، جب کسی کو دوسرے کے اعتبار سے اعلم کہا جائے گا تو علوم کمالیہ اور مجموعۂ علوم ہی کے اعتبار سے کہا جائے گا جیسا کہ آخری مقدمہ میں ثابت کیا جا چکا ہے۔

ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں۔ اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جائیں، بلکہ قطعی ہیں قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبرِ واحد بھی یہاں مفید نہیں لہٰذا اس کا اثبات جب قابلِ التفات ہو کہ قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کب قابلِ التفات ہوگا۔

قرآن پاک میں ہے:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (سورہ یٰس)

یعنی ہم نے ان کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) شعر کا علم نہیں دیا، اور وہ ان کے لئے مناسب بھی نہیں۔

اور کتب حدیث میں مروی ہے کہ حضورؐ نے مدت العمر کبھی ایک شعر بھی نہیں کہا، اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتاویٰ قاضی خاں" میں ہے:

قال بعض العلماء من قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال شعراً فقد کفر۔

جو شخص کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شعر بھی کہا ہے، وہ کافر ہے۔

تیسرے اگر افضلیت ہی اسکی موجب ہے تو تمام نیک مسلمان امراء القیس اور فردوسی سے اچھے شاعر ہونے چاہئیں۔۔۔۔ علیٰ ہذا القیاس

غور کرنا چاہیے کہ امراء القیس اور فردوسی کا حال دیکھ کر علم شعر کا فخرِ عالم کو خلافِ نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا بدیہی نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔

امرأ القیس اور فردوسی کو علم شعر کی وسعت تاریخ کی متواتر شہادتوں سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم کی وسعتِ علمِ شعر کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک خلافِ شریعت عقیدہ ثابت کرتا ہے۔"[1]

[1] مذکورہ بالا عبارت بعینہٖ "براہین قاطعہ" کی ہے، البتہ خط کشیدہ الفاظ ہمارے ہیں جن میں تفصیل کی ضرورت سے کچھ ترمیم کر دی گئی ہے ورنہ خاکہ بالکل براہین قاطعہ ہی کا ہے۔ ۱۲ منہ

اس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کا کوئی روحانی فرزند فتویٰ دے کہ :۔

"اس شخص نے اپنی عبارت میں تصریح کی ہے کہ امراء القیس اور فردوسی کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے ...... اور بیشک نسیم الریاض میں فرمایا کہ جو کسی کا علم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بیشک حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عیب لگایا اور حضورؐ کی شان گھٹائی تو وہ (حضورؐ کو) گالی دینے والا ہے۔[۱] (لہٰذا کافر و مرتد ہے)

ناظرین با انصاف غور فرمائیں کہ اس مفتی نے خیانت نہیں کی؟ کیا مذکورہ بالا عبارت میں مطلق علم، یا علوم عالیہ کمالیہ کی بحث تھی؟ اور کیا شخص مذکورہ نے امراء القیس اور فردوسی کے لئے مطلق علم کی یا علوم عالیہ کمالیہ کی وسعت تسلیم کی ہے؟ اور کیا اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلق وسعت علمی سے انکار کیا ہے؟ یا علوم متعلقہ نبوت و رسالت و علوم عالیہ و کمالیہ سے اس کو انکار ہے؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں بلکہ یہاں صرف علم شعر کی بحث ہے۔ اُسی کی وسعت کو امراء القیس جیسے کافر اور فردوسی وغیرہ کے لئے تسلیم کیا گیا ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ شخص مذکورہ نے امراء القیس جیسے کافر اور فردوسی جیسے فاسد العقیدہ کو حضور سے زیادہ وسیع العلم مان لیا ——— یا تو ایسے عیار و مکار کا کام ہے جو اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لئے مسلمانوں میں تفریق ڈالنا چاہتا ہے یا ایسے جاہل اور احمق کا کام ہے جو "اعلم" اور "اوسع علماً" کے معنی سے بھی ناآشنا ہے۔ ہم دسویں مقدمہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ ایک کو دوسرے کے اعتبار سے اعلم (زیادہ وسیع العلم) علومِ عالیہ کمالیہ اور مجموعۂ علوم ہی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ایک موچی اور ایک موٹر ڈرائیور بلکہ بلکہ نجاست

---

[۱] منقولہ بالا عبارت بعینہٖ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی ہے، ہم نے صرف تطبیقِ مثال کے لئے، ابلیس کے بجائے امراء القیس اور فردوسی کا نام لکھ دیا ہے۔ ۱۲ منہ

کے ایک ناپاک کپڑے کو بھی مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مقابلہ میں اعلم کہنا صحیح ہو، اس کی تفصیل آٹھویں اور دسویں مقدمے کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

اگرچہ ارباب فہم کے لئے اسی قدر کافی ہے مگر بدقسمتی سے سابقہ ایسی جماعت سے پڑا ہے جس میں جہل کی کثرت ہے اور پھر اللہ کی عنایت سے جو علماء ہیں وہ بھی جہلاء سے کمتر نہیں بلکہ بدتر ہیں۔ لہٰذا مزید تفصیل کے لئے ہم ایک مثال اور عرض کرتے ہیں:

مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایک اُلّو کی عجیب و غریب کہانی بیان فرمائی ہے:

خاں صاحب بریلوی کا کراماتی اُلّو

خاں صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

"تین صاحب جا رہے تھے، دُور سے ایک جنگل میں دیکھا کہ بہت سے آدمیوں کا مجمع ہے۔ ایک راجہ گدی پر بیٹھا ہے، جوار[1] حاضر ہیں ایک فاحشہ ناچ رہی ہے، شمع روشن ہے۔ یہ صاحب تیراندازی کے بڑے مشاق تھے۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس مجلسِ فسق و فجور کو درہم برہم کرنا چاہیئے۔ کیا تدبیر کی جائے؟

ایک نے کہا کہ راجہ کو قتل کر دو کہ سب کچھ اسی نے کیا ہے، دوسرے نے کہا، اس ناچنے والی عورت کو قتل کرو۔ تیسرے نے کہا کہ اسے بھی نہ قتل کرو کہ وہ خود نہیں آئی، راجہ کے حکم سے آئی ہے۔ اپنی غرض تو مجلس کا درہم برہم کرنا ہے۔ اس شمع کو گل کر دو، یہ رائے پسند ہوئی، انھوں نے تاک کر شمع کی لَو پر تیر مارا۔ شمع گل ہوئی، اب نہ وہ راجہ رہا، نہ فاحشہ نہ مجمع، نہایت تعجب ہوا۔ بقیہ رات وہیں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ ایک اُلّو مرا پڑا ہے اور اسکی چونچ میں وہی تیر لگا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سب

---

[1] یعنی پیشہ ور لونڈیاں۔ ۱۲

کام اسی اُلّو کی مدوح کر رہی تھی"۔[1]

اب فرض کیجیے کہ خاں صاحب کا ایک مرید (علیم الدین) جو خاں صاحب کو محدث، مفسر، فقیہ، صوفی، حافظ، قاری،[2] سبھی کچھ سمجھتا ہے مگر کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مسمریزم نہیں آتا تھا اور ایک دوسرا مرید (حفیظ الدین) کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مسمریزم آتا تھا اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مذکورہ بالا ملفوظ شریف سے معلوم ہوا کہ ایک اُلّو مسمریزم کا اتنا ماہر تھا کہ اپنی ایک نگاہ میں اچھا خاصہ بھان متی کا تماشا دکھاتا تھا تو ہمارے اعلیٰ حضرت مجدد ملت جو خدا کے بڑے مقبول بندے تھے اور اس اُلّو سے یقیناً ہزاروں بلکہ لاکھوں درجہ افضل تھے تو بھلا ان کو کیوں نہیں آتا ہوگا۔ اس پر علیم الدین کہتا ہے کہ اُلّو کی مسمریزم دانی تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے ملفوظ شریف سے معلوم ہوئی مگر اعلیٰ حضرت کی مسمریزم دانی کا کیا ثبوت ہے؟ اور اعلیٰ حضرت کو اُلّو پر قیاس کرنا ——— قیاس فاسد (بلکہ نہایت بیہودہ حرکت) ہے۔

تو کیا خاں صاحب کے کسی مرید یا وارث کو حق پہونچتا ہے کہ اس غریب علیم الدین پر اعلیٰ حضرت کے علم کی تنقیص کا دعویٰ دائر کرے اور یہ کہے کہ اس نے ایک اُلّو کو حضور پُرنور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد الملت صلّی اللہ تعالیٰ علیٰ جدہٖ علیہ وسلم ——— سے زیادہ وسیع العلم مان لیا ——— میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا سمجھنے والا اور کہنے والا اُلّو ہے، اور اگر بیچارے علیم الدین کو رضاخانی برادری سے خارج کرنے کے لئے دانستہ طور پر ازراہ عیاری اس کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے تو اعلیٰ درجہ کا فریبی اور پرلے سرے کا خائن ہے۔

بہرحال خاں صاحب کی پہلی خیانت تو یہ ہے کہ براہین قاطعہ میں ایک خاص علم کی وسعت یعنی علم روئے زمین کی وسعت میں کلام تھا۔ اسی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب

---

[1] جناب خاں صاحب نے یہ قصہ مسمریزم کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ملاحظہ ہو ملفوظات حصہ چہارم مطبوعہ حسنی پریس بریلی ۱۲۰ منہ

[2] مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مریدین و متبعین یوں ہی کہتے ہیں۔

کے مشرب بھائی مولوی عبد السمیع صاحب نے شیطان اور ملک الموت کے لئے دلائل سے ثابت کر کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنا بر افضلیت قیاس سے ثابت کیا تھا اور مصنفِ براہین نے اسی قیاس کو رد کیا تھا، نیز عبارت میں ایسے الفاظ بھی موجود تھے جنہوں نے بحث کو صرف علم زمین کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ چنانچہ براہین قاطعہ کے صفحہ ۴۷ سے خاں صاحب نے جو فقرہ نقل کیا ہے، اس کے شروع میں یہ الفاظ موجود ہیں:۔

• "الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیطِ زمین کا فخرِ عالم کو خلاف نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔"

اس فقرے میں "علم محیط زمین" کا لفظ موجود ہے جس کے بعد کوئی شبہ بھی نہیں رہتا مگر خاں صاحب کی دیانت ملاحظہ ہو کہ آپ نے "حسام" میں اس فقرے کا آخری خط کشیدہ جز یعنی صرف "خبر" تو نقل کر دی، لیکن پہلا جز یعنی مبتدا جس میں علم محیط زمین کی تصریح تھی صاف ہضم کر گئے، اور اس پر آپ کا لقب ہے مجددِ مائۃ حاضرہ، مویدِ ملتِ طاہرہ وغیرہ وغیرہ۔

پھر اسی جگہ اسی قسم کی ایک اور خیانت ملاحظہ ہو، خاں صاحب کی نقل کردہ عبارت براہین سے ٹھیک نو سطر کے بعد اسی صفحہ پر یہ عبارت شروع ہوتی ہے:۔

"پس اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کے تشریف رکھنے اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ۔"

اس عبارت میں بھی "ان امور" کا لفظ صاف بتلا رہا ہے کہ بحث صرف علم روئے زمین کی ہے نہ مطلق علم کی۔ نہ علوم عالیہ کمالیہ کی جن پر فضیل انسانی کا مدار ہے، لیکن خاں صاحب نے اس عبارت کو بھی صاف اڑا دیا۔

بہر حال براہین قاطعہ میں یہ تمام تصریحات ہوتے ہوئے بھی جن سے صاف

معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بحث صرف علم روئے زمین کی ہے نہ مطلق علم کی، خاں صاحب نے بے دریغ لکھ مارا کہ:

"اس نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے۔"

یہاں تک خاں صاحب کی پہلی خیانت کا ذکر تھا اور اس کے ضمن میں موصوف کے پہلے اعتراض کا شافی جواب بھی ہو گیا جس کے بعد کسی منصف بلکہ متعنت اور متعصب کو بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ فللّٰہ الحمد!

حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ براہین قاطعہ میں ملک الموت اور شیطان کے لئے (ان دلائل کی بنا پر جو مولوی عبد السمیع صاحب مصنف انوارِ ساطعہ نے پیش کئے ہیں) صرف علم زمین کی وسعت تسلیم کی گئی ہے اور اسی مخصوص وسعت کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیر ثابت بالنص کہا گیا ہے اس کو مطلق وسعتِ علمی کے انکار پر محمول کرنا اور یہ نتیجہ نکالنا کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کو شیطان کے علم سے کم بتلا دیا صرف اسی جاہل اور احمق کا کام ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم عالی کو اسی عالم سفلی میں محدود سمجھتا ہو لیکن جس کے نزدیک آپ کے علم کی پرواز عرش و کرسی سے بھی بالاتر ہو وہ ایسی حماقت کا ارتکاب کیونکر کر سکتا ہے؟

اگر آج کوئی شخص کہے کہ تعمیرات کے فن میں فلاں یورپین انجینئر کے معلومات حضرت امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ وسیع ہیں تو کوئی احمق سے احمق بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس شخص نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علم کو اس کافر انجینئر کے علم سے گھٹا دیا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں شرابی کو شراب کے متعلق بہت کچھ معلومات ہیں اور فلاں غوث و قطب کو وہ معلومات حاصل نہیں تو اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس شخص نے اس شرابی کو غوث و قطب سے زیادہ وسیع العلم مان لیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ گمراہ کرنے کے لئے شیطان کو جن وسائل کی ضرورت

تھی (بندوں کی آزمائش کے لئے) حق تعالیٰ نے وہ سب اس کو عنایت فرمائے۔ قیامت تک کی عمر دی۔ وہ عجیب و غریب قدرت دی کہ انسان کی رگ و پے میں خون کی طرح دوڑ سکے بندگانِ خدا کو گمراہ کرنے کے لئے جس علم کی ضرورت تھی، وہ بھرپور دیا تاکہ وہ اپنی ابلیسانہ کوششیں ختم کرلے اور دنیا دیکھ لے کہ "عباد الرحمٰن" کے مقابلے میں اس کے سارے ہتھیار کس طرح بے کار ہوتے ہیں۔

اُس کو ضرورت ہے کہ بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لئے ان کے امیال و عواطف وجذبات وخواہشات سے واقف ہو، اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ فلاں جگہ تنہائی میں ایک نوجوان عورت ہے اور فلاں آوارہ نوجوان کو اس تدبیر سے وہاں تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ فلاں جگہ مجلس رقص ہے اور شوقین مزاج نوجوانوں کا فلاں جگہ مجمع ہے اور اس حیلہ سے ان کو اس مجلس فواحش میں بھیجا جاسکتا ہے۔ بہرکیف اس کو ان شیطانی امور کی تکمیل کے لئے اس عالمِ سفلی کے وسیع معلومات کی ضرورت ہے لیکن مقربانِ بارگاہِ خداوندی کو ان لغویات سے کیا غرض؟ ان کا کام تو ارشاد و ہدایت ہے اور اس کے لئے جن پاکیزہ علوم کی ضرورت ہے وہ حق تعالیٰ نے ان کو بے نہایت عطا فرمائے۔

پس اگر اس عالمِ سفلی کے کچھ علوم شیطان کو حاصل ہوں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو حاصل نہ ہوں تو کون احمق اور شیطان کا کونسا اُمتی ہوگا۔ جو صرف علومِ سفلیہ کی وجہ سے شیطان کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے نبی علیہ السلام سے زیادہ وسیع العلم کہہ دے دراں حالیکہ علومِ الٰہیہ اور معارفِ ربانیہ سے ان کو وہ وافر حصہ ملا ہے جو کسی مقرب سے مقرب فرشتہ کو بھی نصیب نہیں۔

ہم مقدمات کے ذیل میں اس موضوع پر کافی سے زیادہ روشنی ڈال چکے ہیں اب یہاں صرف ایک چیز اور عرض کرتے ہیں اور اسی پہ ان شاء اللہ اس بحث کا خاتمہ ہے۔ دشمنانِ صداقت سے تو ہمیں کوئی توقع نہیں، ہاں جن حق پسندوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دے ان سے ضرور قبولِ حق کی اُمید ہے ملاحظہ ہو:

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی صفائی میں

مولوی عبد السمیع و مولوی احمد رضا خاں صاحبان کی زبردست شہادت

ہُوا ہے مدّعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہِ کنعاں کا

ہمارے بیان سابق سے یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنفِ براہینِ قاطعہ کا جرم صرف اس قدر ہے کہ اس نے ایک خاص علم یعنی علمِ زمین کی وسعت (بنا بر اِن دلائل کہ جو آپ کے مولوی عبد السمیع صاحبؒ نے انوارِ ساطعہ میں پیش کئے ہیں) ملک الموت اور شیطان کے لئے تسلیم کی ہے اور اسی وسعتِ علمی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیر ثابت بالنص کہا ہے لیکن ———— ایں گناہیست کہ در شہرِ شمانیز کنند۔

ذرا اِسی بحث میں انوارِ ساطعہ کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

"اور تماشا یہ کہ اصحابِ محفلِ میلاد تو زمین کی تمام پاک ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعوٰی کرتے۔ ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک، ناپاک، کفر، و غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔"

کہیے! اتنی صفائی کے ساتھ تو مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی نہیں لکھا بلکہ انہوں نے تو صرف علمِ زمین کی اُس مخصوص وسعت کو غیر منصوص تبلایا تھا، مولوی احمد رضا خاں صاحب کے یہ مشربی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب تو صاف فرماتے ہیں کہ ملک الموت اور شیطان کا حاضر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہی نہیں بلکہ زیادہ تر مقامات میں پایا جاتا ہے۔ منقولہ بالا عبارت انوارِ ساطعہ کے اُس پہلے ایڈیشن میں بھی ہے جو براہینِ قاطعہ سے پہلے شائع ہوا ہے، اور اس میں بھی

جو بعد میں مولوی عبد السمیع صاحب کی نظرِ ثانی اور ترمیم کے بعد شائع ہوا ہے اور جس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تقریباً چار صفحہ تقریظ بھی ہے جس میں مولوی عبد السمیع صاحب اور انکی انوارِ ساطعہ کی تعریف میں خوب زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں لہٰذا مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اخلاف و متبعین بتائیں:

(۱) مولوی عبد السمیع صاحب اس عبارت کی وجہ سے کافر ہوئے یا نہیں؟

(۲) اور خود خاں صاحب اس پر تقریظ لکھنے کی وجہ سے کہاں پہنچے؟

اللہ تعالےٰ ہم کو اور آپ کو دیدۂ بصیرت دے۔ آپ حضرات نے مصنفِ براہینِ قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت دیکھی؟ ان خاں صاحب نے جو الزام ان پر رکھا تھا، وہ خود ہی اس میں گرفتار ہو گئے۔

اس وقت ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں اور مناسب سمجھتے ہیں کہ خاتمہ بحث میں رسالہ "التصدیقات لدفع التلبیسات" سے مصنفِ براہینِ قاطعہ (علیہ الرحمۃ) کا وہ کلام بھی نقل کر دیں جو آں مرحوم نے خاں صاحب کے اسی شیطان والے بہتان کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

جب مولوی احمد رضا خاں صاحب اپنی محنت اور کمائی کا نتیجہ (فتویٰ کفر) لے کر حرمین شریفین پہنچے اور وہاں سے ان علمائے کرام سے جو حقیقتِ حال سے ناواقف تھے دھوکا دے کر تصدیق کرالی اور حرمین شریفین میں بھی علمائے دیوبند کے متعلق یہ چرچے ہوئے تو وہاں کے بعض اہلِ علم نے حضرات علمائے دیوبند و سہارنپور سے ان کے عقائد کے متعلق چھبیس ۲۶ سوالات کئے ان سوالوں کا جواب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مصنف براہینِ قاطعہ نے تحریر فرمایا۔ پھر یہ مجموعہ بغرضِ تصدیق و توثیق حرمین شریفین، شام، دمشق، حلب، مصر وغیرہ بلادِ اسلامیہ کے علمائے کرام کی خدمت میں بھیجا گیا اور ان علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے اس کی تصدیق و تصویب فرمائی اور پھر وہ جواب مع ان تصدیقات کے چھپوا دیا گیا اور اسی زمانہ میں "التصدیقات لدفع التلبیسات" کے نام سے اس کا پہلا اڈیشن مع ترجمہ کے شائع ہو گیا۔ پھر اس کے بعد سے اس وقت تک اس کے بہت سے

اڈیشن نکل چکے ہیں۔

اس میں انیسواں سوال مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اسی شیطان والے بہتان کے متعلق ہے۔ ذیل میں ہم وہ سوال وجواب بجنسہ نقل کرتے ہیں، ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہم نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے وہ درحقیقت اسی اجمالی جواب کی تفصیل ہے جو خود مصنف براہین نے اپنی زندگی میں دیا ہے۔

السؤال التاسع عشر

اترون ان ابليس اللعين اعلم من سيّد الكائنات عليه السلام واوسع علما منه مطلقا وهل كتبتم ذلك في تصنيف ما وبم تحكمون على من اعتقد ذلك۔

الجواب

قد سبق منا تحرير هذه المسئلة ان النّبي عليه السّلام اعلم الخلق على الاطلاق بالعلوم والحكم والاسرار وغيرها من ملكوت الآفاق ونتيقن ان من قال ان فلانا اعلم من النّبي عليه السلام فقد كفر وقد افتى مشائخنا بتكفير من قال ان ابليس اللعين اعلم من النبي عليه السّلام فكيف يمكن

انیسواں ۱۹ سوال

کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ ملعون شیطان کا علم سید الکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے زیادہ اور مطلقاً وسیع تر ہے اور کیا یہ مضمون تم نے اپنی کسی تصنیف میں لکھا ہے جس کا یہ عقیدہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب

اس مسئلہ کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کا علم حکم و اسرار وغیرہ کے متعلق مطلقاً تمامی مخلوقات سے زیادہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم علیہ السلام سے اعلم ہے وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتوے دے چکے ہیں جو یوں کہے شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جا سکتا ہے، ہاں کسی جزئی حادثہ حقیرہ کا

ان توجد هذه المسئلة في تاليف
ما من كتبنا غير انه غيبوبة لبعض
الحوادث الجزئية الحقيرة عن
النبي عليه السلام لعدم التفاته
اليه لا يورث نقصا ما في اعلميته
عليه السلام بعد ما ثبت انه اعلم
الخلق بالعلوم الشريفة اللائقة
بمنصبه الاعلى كما لا يورث
الاطلاع على اكثر تلك الحوادث
الحقيرة لشدة التفات ابليس
اليها شرفا وكمالا علميا فيه
فانه ليس عليها مدار الفضل
والكمال ومن ههنا لا يصح
ان يقال ان ابليس اعلم من
سيدنا رسول الله صلى الله عليه
وسلم كما لا يصح ان يقال لصبي
علم بعض الجزئيات انه اعلم من
اعلم متبحر محقق في العلوم و
الفنون الذي غابت عنه تلك
الجزئيات ولقد تلونا عليك
قصة الهدهد مع سليمان على
نبينا وعليه السلام وقوله اني
احطت بما لم تحط به ودواوين

حضرت کو اس لیے معلوم نہ ہونا کہ آپ نے
اسکی جانب توجہ نہیں فرمائی، آپ کے اعلم ہونے
میں کسی قسم کا نقصان پیدا نہیں کر سکتا جب
کہ ثابت ہو چکا کہ آپ اُن شریف علوم میں جو
آپ کے منصب اعلیٰ کے مناسب ہیں ساری
مخلوق سے بڑھے ہوئے ہیں جیسا کہ شیطان
کو بہتیرے حقیر حادثوں کی شدتِ التفات
کے سبب اطلاع مل جانے سے اس مردود
میں کوئی شرافت اور علمی کمال حاصل نہیں ہو
سکتا کیونکہ ان پر فضل و کمال کا مدار نہیں ہے
اس سے معلوم ہوا کہ یوں کہنا کہ شیطان کا علم
سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم
سے زیادہ ہے ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ کسی ایسے
بچہ کو جسے کسی جزئی کی اطلاع ہو گئی ہے یوں
کہنا صحیح نہیں کہ فلاں بچہ کا علم اس متبحر و محقق
سے زیادہ ہے جس کو جملہ علوم و فنون معلوم
ہیں مگر یہ جزئی معلوم نہیں اور ہم ہُدہُد کا
سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پیش
آنے والا قصہ بتا چکے ہیں۔ اور یہ آیت پڑھ
چکے ہیں کہ "مجھے وہ اطلاع ہے جو آپ کو
نہیں" اور کتب حدیث و تفسیر اس قسم کی
مثالوں سے لبریز ہیں، نیز حکماء کا اس پر
اتفاق ہے کہ افلاطون و جالینوس وغیرہ بڑے

الحدیث ودفاتر التفسیر مشحونة بنظائرها المتکاثرة المشہورة بین الانام وقد اتفق الحکماء علی ان افلاطون وجالینوس وامثالہما من اعلم الاطباء بکیفیات الادویة واحوالہا مع علمہم ان دید ان النجاسة اعرف باحوال النجاسة وذوقہا وکیفیاتہا فلم تضر عدم معرفة افلاطون وجالینوس ہذہ الاحوال الردیة فی اعلمیتہما ولم یرض احد من العقلاء والحمقٰی بان یقول ان الدید ان اعلم من افلاطون باحوال النجاسة ومبتدعة دیارنا یثبتون للذات الشریفة النبویة علیہ الف الف تحیة و سلام جمیع علوم الاسافل و الاراذل و الافاضل الاکابر قائلین

طبیب ہیں جن کو دواؤں کی کیفیت وحالات کا بہت زیادہ علم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ نجاست کے کیڑے نجاست کی حالتوں اور مزے اور کیفیت سے زیادہ واقف ہیں تو افلاطون وجالینوس کا ان ردّی حالات سے ناواقف ہونا ان کے اعلم ہونے کو مُضر نہیں اور کوئی عقلمند بلکہ احمق بھی یہ کہنے پر راضی نہ ہوگا کہ کیڑوں کا علم افلاطون سے زیادہ ہے حالانکہ ان کا نجاست کے احوال سے افلاطون کی بہ نسبت زیادہ واقف ہونا یقینی امر ہے اور ہمارے ملک کے مبتدعین سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام شریف وادنیٰ واعلیٰ واسفل علوم ثابت کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ ساری مخلوق سے افضل ہیں تو ضرور سب ہی کے علوم جزئی ہوں یا کلی آپ کو معلوم ہوں گے اور ہم نے بغیر کسی معتبر نص کے محض اس فاسد قیاس کی بناء پر اس علم کلی وجزئی کے ثبوت کا انکار کیا۔ ذرا غور تو فرمائیے ہر

مع انہا اوسع علماً من افلاطون

عه یہ واقعہ سورۂ نمل میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت سلیمانؑ نے ہدہد کو تلاش کیا تو نہیں پایا۔ تو بہت زیادہ ناراضگی کا اظہار فرمایا جب وہ دیر کے بعد حاضر ہوا تو اس سے باز پرس کی تو اس نے کہا کہ میں ملک "سبا" سے ایک نہایت عظیم الشان خبر معلوم کر کے لایا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدہد جیسے پرند کو ایک ایسی بات معلوم ہو سکتی ہے جو نبی وقت کے علم میں نہ ہو۔ ۱۲۰۔

عه ہم نویں مقدمہ میں اس مضمون کی پانچ آیتیں مع اقوال مفسرین اور پندرہ حدیثیں پیش کر چکے ہیں۔ ۱۲۰۔

انه علیه السلام لما کان افضل
الخلق کافة فلا بد ان یحتوی علی
علومهم جمیعها کل جزئی جزئی و
انکرنا اثبات هذا الامر بهذا
القیاس الفاسد بغیر نص من
النصوص المعتدة بها الا تری ان
کل مومن افضل واشرف من
ابلیس فیلزم علی هذا القیاس
ان یکون کل شخص من احاد
الامة حاویا علی علوم ابلیس
ویلزم علی ذلك ان یکون سلیمان
علی نبینا وعلیه السلام عالما
بما علمه الهد هد وان یکون
افلاطون وجالینوس عارفین بجمیع
معارف الدیدان واللوازم باطلة
باسرها کما هو المشاهد وهذا
خلاصة ما قلناه فی البراهین
القاطعة لعروق الاغبیاء المارقین
القاصمة لاعناق الدجاجلة
المفترین فلم یکن بحثنا فیه
الا عن بعض الجزئیات المستحدثة
ومن اجل ذلك اتینا فیه بلفظ
الاشارة حتی تدل ان المقصود

مسلمان کو شیطان پر فضل و شرف حاصل ہے
پس اس قیاس کی بناء پر لازم آئے گا کہ ہر
امتی بھی شیطان کے ہتھکنڈوں سے آگاہ
ہو اور لازم آئے گا کہ سلیمان علیہ السلام
کو خبر ہو اس واقعہ کی جسے ہُدہُد نے جانا اور
افلاطون و جالینوس واقف ہوں کیڑوں کی
تمام واقفیتوں سے اور سارے لازم باطل
ہیں چنانچہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ یہ ہمارے قول
کا خلاصہ ہے جو براہین قاطعہ میں بیان کیا ہے
جس نے کُند ذہن بد دینوں کی رگیں کاٹ
دیں اور دجال و مفتری گروہ کی گردنیں توڑ
دیں سو اس میں ہماری بحث صرف بعض
حوادث جزئی میں تھی اور اسی لئے اشارہ
کا لفظ ہم نے لکھا تھا تاکہ دلالت کرے
کہ نفی و اثبات سے مقصود صرف یہی جزئیات
ہیں لیکن مفسدین کلام میں تحریف کیا کرتے
ہیں اور شاہنشاہی محاسبہ سے نہیں
ڈرتے ہیں اور ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ جو
شخص اس کا قائل ہو کہ فلاں کا علم نبی علیہ السلام
سے زیادہ ہے وہ کافر ہے چنانچہ
اس کی تصریح ایک نہیں ہمارے
بہتیرے علماء کر چکے ہیں اور جو شخص
ہمارے بیان کے خلاف ہم پر بہتان

بالنفی والاثبات ھنالك تلك الجزئیات لا غیر لکن المفسدین یحرفون الکلام ولا یخافون محاسبة الملك العلام وانا جازمون ان من قال ان فلانا اعلم من النبی علیه السلام فهو کافر کما صرح به غیر واحد من علمائنا الکرام ومن افتری علینا بغیر ما ذکرناه فعلیه بالبرھان خائفا عن مناقشة الملك الدیان والله علی مانقول وکیل۔

باندھے اس کو لازم ہے کہ شاہنشاہ روزِ جزا سے خائف بن کر دلیل بیان کرے اور اللہ ہمارے قول پر وکیل ہے۔

للہ انصاف! کیا خود مصنف براہین کے اس جواب کے بعد بھی اس بہتان کی کوئی گنجائش باقی رہتی ہے۔ لاوالله الحساب یوم الحساب۔

براہین قاطعہ پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب

مؤلف براہین قاطعہ حضرت مولینا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر خاں صاحب بریلوی کا دوسرا سنگین اعتراض یہ تھا کہ انھوں نے شیطان کے لئے علم محیط تسلیم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسی علم کے اثبات کو شرک کہا حالانکہ جس چیز کا کسی ایک مخلوق کے لئے ثابت کرنا شرک ہے، دوسری تمام مخلوقات کے لئے بھی اس کا اثبات شرک ہی ہوگا تو گویا مصنف "براہین قاطعہ" نے شیطان کو خدا کا شریک مان لیا (سبحان اللہ وبحمدہ) لیکن اگر ناظرین کرام غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ خاں صاحب کا یہ اعتراض پہلے سے بھی زیادہ غلط اور بے بنیاد ہے اور اس کو حقیقت سے اتنا ہی بُعد ہے جتنا کہ خاں صاحب اور اُن کے فتوے کو دیانت وصداقت سے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ "براہین قاطعہ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم

ذاتی کے اثبات کو شرک بتلایا گیا ہے اور ان دلائل کے بموجب جو خاں صاحب کے مشربی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب نے "انوار ساطعہ" میں پیش کئے ہیں) شیطان کے لئے صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے، اور شرک علم ذاتی ثابت کرنے سے لازم آتا ہے جیسے کہ پہلے مقدمہ کے ذیل میں ہم خود خاں صاحب کی تصریحات سے ان کو ثابت کر چکے ہیں۔

براہین قاطعہ میں جابجا ایسی تصریحات موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ شیطان کے لئے صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کے اثبات کو کہا گیا ہے۔ (جس سے خاں صاحب کو بھی اختلاف نہیں) مگر افسوس ہے ان کی اس مجددانہ دیانت پر کہ براہین قاطعہ کی ان تمام تصریحات سے چشم پوشی کرتے ہوئے صاحب براہین کے متعلق صاف لکھ ڈالا کہ:

> "ابلیس کے لئے تو زمین کے علم محیط پر ایمان لایا ہے اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا تو کہتا ہے یہ شرک ہے۔ حالانکہ شرک تو اسی کا نام ہے کہ اللہ عزوجل کے لئے کوئی شریک ٹھہرایا جائے تو جس چیز کا مخلوق میں سے کسی ایک کے لئے ثابت کرنا شرک ہو وہ تو تمام جہان میں جس کے لئے ثابت کی جائے یقیناً شرک ہو گا۔"

ہم کو خاں صاحب کے اس کلیہ سے اتفاق کلی ہے کہ مخلوق میں سے کسی ایک کے لئے جس کا اثبات شرک ہے وہ تمام جہان میں سے جس کے لئے بھی ثابت کی جائے یقیناً شرک ہوگا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مشرکین عرب اگر اپنے بتوں کے لئے تصرف ثابت کریں تو شرک ہو اور مشرکین ہند قبروں یا قبر والوں کے لئے وہی تصرف ثابت کریں تو شرک نہ ہو اور اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جو امور عادتاً طاقت بشریہ سے خارج ہیں، مثلاً اولاد دینا، کاروبار میں نفع دینا، مارنا جلانا، وغیرہ وغیرہ، ان امور میں بتوں سے مدد مانگنا تو شرک ہو اور زندہ یا مردہ بزرگوں سے مدد مانگنا اور ان کو فاعل بااختیار سمجھنا شرک نہ ہو جیسا کہ قبر پرستوں کا خیال ہے۔)

بہر حال مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اس کلیہ سے ہم کو بالکل اتفاق ہے

لیکن صاحب براہین پر اس کو چسپاں کرنا خاں صاحب کی وہی مخصوص کارروائی ہے جس کو خیانت یا تحریف کہتے ہیں۔

علاوہ اس ذاتی اور عطائی فرق کے اس موقع پر خاں صاحب نے ایک کھلا افترا یہ کیا کہ صاحب براہین نے شیطان کے لئے "علم محیط" مان لیا، حالانکہ یہ وہ جھوٹ ہے جس میں سچائی کا شائبہ تک نہیں۔

مگر افسوس ہے کہ رضا خانی جماعت میں کوئی ایسا دیانتدار اور راستباز بھی نظر نہیں آتا جو اپنے مقتدا کی اس قابلِ نفرت حرکت کو اگر خیانت نہیں تو نادانستہ غلطی ہی تسلیم کر لے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے برادرِ مشربی مولوی عبد السمیع صاحب نے انوارِ ساطعہ میں شیطان کے علم کی وسعت ثابت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

"درمختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر جس کو اللہ نے بچالیا۔ بعد اس کے لکھا ہے۔ واقدرہ علی ذالک کما اقدر ملک الموت علیٰ نظیر ذالک، یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے۔" (انتھیٰ کلامہ انوار ساطعہ)

پس مولوی عبد السمیع صاحب کی اس دلیل سے شیطان کے لئے جتنا علم ثابت ہوتا ہے اس کو بیشک مولانا خلیل احمد صاحب نے تسلیم کیا ہے، اگر اسی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب روئے زمین کا علم محیط سمجھتے ہیں، تو یہ ان کی علمی قابلیت ہے جس کی داد اہلِ علم ہی دیں گے ورنہ کجا شیطان کا آدمیوں کے ساتھ رہنا اور کجا روئے زمین کا علم محیط جس کے لئے ذرّے ذرّے قطرے قطرے اور پتے پتے کا علم ضروری ہے۔

اور اگر خاں صاحب کی خاطر اسی کو علم محیط مان لیا جائے تو بھی شیطان کے علم محیط

پر پہلے ایمان لانے والے بلکہ دوسروں کو ایمان لانے کی دعوت دینے والے خاں صاحب کے برادر بزرگوار مولوی عبد السمیع صاحب ٹھہریں گے اور اس کفر و شرک کے فتوے کے اولین مصداق وہی ہوں گے کیونکہ انھوں نے ہی شیطان کے لئے یہ وسعت علم دلائل سے ثابت کی ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ تو صرف "سلّمنا" کہنے والے ہیں۔ بہر حال خاں صاحب نے اس موقع پر ایک افتراء تو یہ کیا کہ بالکل خلافِ واقعہ مصنفِ براہین کے متعلق لکھ دیا کہ "ابلیس کے لئے زمین کے علمِ محیط پر ایمان لایا" اور دوسری خیانت یہ کی کہ براہینِ قاطعہ میں شیطان کے لئے مولوی عبد السمیع صاحب کے پیش کردہ دلائل کے بموجب صرف علمِ عطائی تسلیم کیا گیا تھا، اور حضور سرورِ عالم صلّے اللہ علیہ وسلم کے لئے علمِ ذاتی ثابت کرنے کو شرک قرار دیا تھا جناب خاں صاحب نے یہ ذاتی اور عطائی کا زبردست فرق بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔ اب ہم ان دونوں باتوں کا ثبوت عرض کرتے ہیں کہ تسلیم علمِ عطائی کیا گیا ہے اور شرک علمِ ذاتی کو کہا گیا ہے۔

امرِ اوّل کا ثبوت براہینِ قاطعہ کی اسی بحث بلکہ اسی قول میں صفحہ ۵۰ کی چودھویں سطر میں ہے:
"شیطان کو جس قدر وسعت علم دی" الخ

پھر اُسی کے چار سطر بعد ہے:
"اور شیطان و ملک الموت کو جو یہ وسعتِ علم دی" الخ

ان دونوں فقروں میں تصریح ہے کہ شیطان کے لئے علم کی جو وسعت تسلیم کی گئی ہے وہ خدا کی دی ہوئی ہے۔

امرِ دوم کا ثبوت پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ مصنّف براہینِ قاطعہ اس بحث میں اس قیاس کو رد فرما رہے ہیں کہ جب شیطان اور ملک الموت کو علم کی یہ وسعت حاصل ہے (جو انوارِ ساطعہ کے حوالہ سے مذکور ہو چکی) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی افضلیت کی وجہ سے اس سے زیادہ یعنی روئے زمین کا علم خود ہی پیدا کر لیں گے اور اسی خیال کو صاحبِ براہین نے شرک قرار دیا ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد ملاحظہ ہو۔

براہین قاطعہ میں جس جگہ یہ بحث ہے اس کی پہلی سطر ہے :

"تمام اُمت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالٰے نے عنایت کر دیا اور بتلا دیا اس سے ایک ذرّہ زیادہ کا بھی علم ثابت کرنا شرک ہے۔ سب کُتب شرعیہ سے یہی مستفاد ہے"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صاحب براہین کے نزدیک صرف اس علم کا ثابت کرنا شرک ہے جو علاوہ عطائے خداوندی کے کسی مخلوق کے لئے ثابت کیا جائے اور اسی کا نام علم ذاتی ہے۔ پھر اسی بحث میں کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں :

"عقیدہ اہلسنت کا یہ ہے کہ کوئی صفت حق تعالٰے کی بندے میں نہیں ہوتی اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں، اس سے زیادہ ہرگز کسی میں ہونا ممکن نہیں، ...... پھر جس کو جس قدر علم عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا۔ شیطان اور ملک الموت کو جسقدر وسعت دی (جس کو مولوی عبدالسمیع صاحب نے دلائل سے ثابت کیا ہے) اس سے زیادہ کی ان کی کچھ قدرت نہیں"

پھر فرماتے ہیں :

"علمِ مکاشفہ جس قدر حضرت خضرؑ کو ملا، اس سے زیادہ پر وہ قادر نہ تھے اور حضرت موسیٰؑ کو باوجود افضلیت کے نہ ملا، تو وہ حضرتِ خضرؑ مفضول کی برابر بھی اس علمِ مکاشفہ کو پیدا نہ کر سکے"

یعنی یہ خیال غلط ہے کہ کوئی افضل اپنی افضلیت کی وجہ سے بغیر عطائے خداوندی کوئی صفتِ کمال مفضول سے زیادہ اپنے اندر پیدا کر سکے بلکہ جس کو جو کچھ علم وغیرہ ملے گا وہ اللہ تعالٰے ہی سے ملے گا۔ اس مضمون کو مدلل کرنے کے بعد صاحب براہین تحریر فرماتے ہیں :

"الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر (یعنی یہ دیکھ کر کہ ان کو بعض مواقع زمین کا علم حاصل ہے جیسا کہ مولوی عبد السمیع صاحب کے دلائل سے معلوم ہوا) علم محیط زمین کا (علم ذاتی) فخر عالم کو خلافِ نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا (یعنی اس اٹکل سے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شیطان و ملک الموت سے افضل ہیں تو آپ بوجہ اپنی اس افضلیت کے اپنے اندر خود ہی ساری زمین کا علم پیدا کر لیں گے) شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت (یعنی اللہ کے حکم سے بہت سے مواقع زمین کا علم ہونا) نص سے ثابت ہوئی (یعنی اس نص سے جو مولوی عبد السمیع صاحب نے پیش کی) فخر عالم کی وسعتِ علم کی (یعنی علم ذاتی کی کیونکہ قیاس فاسد اور محض اٹکل سے تو وہی ثابت کیا جا رہا ہے اور حضرت مولانا اسی کی بحث فرما رہے ہیں جیسا کہ اوپر کے مضمون سے معلوم ہو چکا اور آئندہ خود حضرت مرحوم کی تصریح سے معلوم ہو جائے گا) کون سی نصِ قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔"

اس آخری جملہ سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مرحوم یہاں اسی وسعتِ علم کی بحث فرما رہے ہیں جس کا ثابت کرنا شرک ہے اور یہ سب سے پہلی سطر نے بتلا دیا تھا کہ شرک صرف اسی علم کا ثابت کرنا ہے جو عطاءِ خداوندی کے علاوہ ذاتی طور پر ثابت کیا جائے۔

الغرض زیر بحث عبارت سے پہلی عبارت اور اس سے متصل ہی اس کے بعد کی عبارت صاف طور سے بتلا رہی ہے کہ صاحب براہین اس موقع پر صرف وسعتِ علم ذاتی میں کلام فرما رہے ہیں اور اسی کو انھوں نے شرک قرار دیا ہے۔

یہاں تک تو سیاق و سباق کے قرائن سے ہم نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے

اور اگرچہ یہ قرائن بھی تصریحات سے کچھ کم نہیں لیکن اس کے بعد ہم مصنف براہین کی صاف و صریح عبارت پیش کرتے ہیں جس میں انھوں نے نہایت صفائی کے ساتھ اس کو واضح کر دیا ہے کہ میری یہ بحث صرف علم ذاتی میں ہے نہ کہ عطائی میں، ملاحظہ ہو اسی بحث اور اسی قول میں خاں صاحب کی نقل کردہ عبارت سے چند ہی جملوں کے بعد یہ عبارت ہے؛

"اور یہ بحث اس میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسا جہلا کا یہ عقیدہ ہے۔ اگر یہ یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں ہے مگر بدون ثبوتِ شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں۔"

غور فرمایا جائے، مصنفِ براہین نے کتنی وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کر دیا کہ شرک کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب کوئی شخص حضور کے لئے علم ذاتی ثابت کرے۔[1] اور ہم پہلے مقدمہ کے ذیل میں "الدولۃ المکیۃ" اور "خالص الاعتقاد" کے حوالہ سے خود خاں صاحب کی تصریح نقل کر چکے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی کے لئے بھی ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر کا علم ذاتی ثابت کرے تو وہ مشرک ہے۔

---

[1] مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنے رسالہ "الموت الاحمر" میں براہین قاطعہ کی اس عبارت پر بڑا ویسع جواب لکھا ہے اور بہت زیادہ زور اس پر دیا ہے کہ مولوی عبد السمیع صاحب نے انوارِ ساطعہ میں کہیں علم ذاتی ثابت نہیں کیا۔ پس ان کے جواب میں علم ذاتی کا ابطال کسی طرح امرِ معقول نہیں۔ نیز دوسرے رضاخانی صاحبان بھی اس بحث میں ان ہی کی پیروی میں یہی کہا کرتے ہیں۔ سردست اس کے متعلق ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ یہ بات تو صاحبِ براہین کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شرک کا حکم صرف علمِ ذاتی کے اثبات پر ہے۔ اب یہ کہنا کہ جانبِ مخالف جب اس کا مثبت نہیں تو اس کا ابطال اور شرک کا حکم لگانا کیسا؟ ایک الگ علمی بحث ہے جس کا مبحثِ تکفیر سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر تکفیر کی غلطی تسلیم کر لینے کے بعد ہم سے یہ سوال کیا جائے تو انشاء اللہ اس کا بھی ایسا تشفی بخش جواب دیا جائے گا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی روح بھی حیرت کرے کہ اتنی کھلی ہوئی چیز مجھ سے کیوں مخفی رہی۔ ۱۲ (مؤلف)

پس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی جرم ایسا نہیں جس میں خاں صاحب برابر کے شریک نہ ہوں اور اگر بفرض براہین میں یہ تصریح بھی نہ ہوتی اور سیاق و سباق کے وہ قرائن بھی نہ ہوتے جو علم ذاتی کے مراد لینے پر مجبور کر رہے ہیں تب بھی اس جگہ وسعت علم سے علم عطائی کی وسعت مراد لینا بالخصوص مولوی احمد رضا خاں صاحب کے لئے کسی طرح جائز نہ تھا، وہ "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۸ پر بطور قاعدہ کلیہ کے لکھ چکے ہیں کہ:۔

"آیات و احادیث و اقوالِ علماء جن میں دوسرے کے لئے اثباتِ علم غیب سے انکار ہے اُن میں قطعاً یہی دو قسمیں (ذاتی یا محیطِ کل) مراد ہیں"

پس براہین قاطعہ میں جس علم کے اثبات کو شرک کہا گیا ہے وہ بدرجۂ اولیٰ ذاتی یا محیطِ کل پر محمول ہونا چاہیئے لیکن افسوس ہے کہ شوقِ تکفیر نے اپنا لکھا ہوا اصول بھی بھلا دیا، سچ ہے، حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ۔

یہاں تک براہینِ قاطعہ کے متعلق خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب ہوا جس کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اعتراض جب وارد ہو سکتا تھا کہ شیطان کے لئے جو علم تسلیم کیا گیا تھا اسی کے اثبات کو شرک کہا گیا ہوتا۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے شیطان کے لئے علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کے اثبات کو کہا گیا ہے۔ وشتان ما بینہما۔

براہین قاطعہ پر خاں صاحب کے تیسرے اعتراض کا جواب

مؤلف براہینِ قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر خاں صاحب کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف پر تو نص قطعی کا مطالبہ کرتا ہے اور نفی کے موقع پر خود ایک باطل روایت سے استدلال کیا"

روایت کی حیثیت کے متعلق تو ان شاء اللہ ابھی چوتھے اعتراض کے جواب میں عرض کیا جائے گا۔ یہاں تو ہم صرف خاں صاحب کے اس علمی مغالطہ کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ "ثبوت کے لئے نص قطعی کا مطالبہ کیا اور نفی کے موقع پر خود ایک

پیش کی ہے"
کاش خاں صاحب اعتراض کرنے سے پہلے یہ غور فرما لیتے کہ مصنف براہین نے اس موقع پر جو حدیثیں پیش کی ہیں اور مدعی اور مستدل ہونے کی حیثیت سے پیش کی ہیں، یا مانع اور معارض ہونے کی حیثیت سے، اور کاش اصولِ مناظرہ کی کسی کتاب میں ان دونوں حیثیتوں کا فرق ملاحظہ فرما لیتے۔
واقعہ یہ ہے کہ صاحب براہینؒ نے عقیدہ کے اثبات کے لئے نصِ قطعی کا مطالبہ کیا ہے اور مولوی عبد السمیع صاحب مصنف "انوارِ ساطعہ" کے قیاس کے معارضہ میں خود احادیث پیش کی ہیں اور یہ دونوں چیزیں صحیح ہیں، عقیدہ کے ثبوت کے لئے بیشک نصِ قطعی ہی کی ضرورت ہے۔ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بھی اصولاً یہ تسلیم ہے (ملاحظہ ہو انباء المصطفٰی) اور بیشک قیاس کے معارضہ میں احادیث کیا معنی قیاس بھی پیش کیا جا سکتا ہے (ملاحظہ ہو مناظرۂ رشیدیہ اور اسکے حواشی)

براہینِ قاطعہ پر چوتھا اعتراض اور اس کا جواب

چوتھا اعتراض یہ تھا کہ "صاحب براہین نے نقل میں خیانت کی، اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے جس روایت کو نقل کر کے رد کیا، اس کو انکی طرف منسوب کر کے نقل کر دیا اور رد کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تو گویا "لا تقربوا الصلوٰۃ" تو لے لیا" "انتم سکارٰی" کو چھوڑ دیا۔
خاں صاحب کی ذرّیت ہمیں معاف فرمائے یہاں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ چونکہ وہ خود اس قسم کی کارروائیوں کے عادی تھے، اس لئے انھوں نے دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھا لیکن ان کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ ان باتوں کی ضرورت صرف اہل باطل کو پیش آتی ہے۔ حق پرستوں کو اس کی حاجت نہیں، مگر چونکہ خانصاحب کا یہ اعتراض بھی موضوعِ تکفیر سے غیر متعلق ہے اس لئے اس کے جواب میں بھی یہاں ہم اختصار ہی سے کام لیں گے۔
دیکھنا یہ ہے کہ اس موقع پر "صاحب براہینؒ" کے الفاظ کیا ہیں؟ ملاحظہ ہو

صفحہ ۱۵ کی ساتویں سطر میں فرماتے ہیں:

"اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔"

یہاں صاحب براہین نے شیخ کی کسی خاص کتاب کا نام نہیں لیا ہے۔ پس اگر شیخ کی کسی ایک کتاب میں بھی یہ روایت بغیر جرح و تردید مذکور ہو تو صاحب براہین کا حوالہ بالکل صحیح ہے اور یہ سمجھا جائے گا کہ انھوں نے وہیں سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح باب صفۃ الصلوٰۃ کی فصل ثالث کے اخیر میں ذیل کی حدیث درج ہے:

عن ابی هریرة قال صلّی بنا رسول الله صلّی الله علیه وسلم الظهر وفی مؤخر الصفوف رجل فاساء الصلوٰة فناداه رسول الله صلّی الله علیه وسلم یا فلان الا تتقی الله الا تری کیف تصلی انکم ترون انه یخفی علیّ شیئ مما تصنعون والله انی لاری من خلفی کما اری من بین یدی

(رواه احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک دفعہ ظہر کی نماز پڑھائی اور پچھلی صفوں میں ایک شخص تھا جس نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھی۔ پس جب سلام پھیر دیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پکارا کہ اے فلانے کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم کیسی نماز پڑھتے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اس میں سے کوئی بات مجھ پر پوشیدہ رہتی ہے۔ خدا کی قسم! میں اپنے پیچھے کے لوگوں کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے والوں کو۔ (روایت کیا اس کو امام احمد نے)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ ــــ "اشعۃ اللمعات" صفحہ ۳۹۲ پر ارقام فرماتے ہیں:

بداں کہ ایں دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم از پس وپیش بطریق

جان کہ دیکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے اور پیچھے سے بطور خرق عادت

خرق عادت بود بوحی یا بالہام وگاہ گاہے بود نہ دائم و مؤید آں است آنچہ در خبر آمدہ است کہ چوں ناقہ آنحضرت گم شد و در نیافت کہ کجا رفت منافقاں گفتند کہ محمد می گوید کہ خبر آسماں می رسانم و نمی داند کہ ناقہ او کجا است، پس فرمود آنحضرت واللہ من نمی دانم مگر آنچہ بدانا ند مرا پروردگار من اکنوں بنمود مرا پروردگار من کہ وے در جائے چنیں وچناں است و مہار وے در شاخ درختے بند شدہ است و نیز فرمودہ است کہ من بشرم نمی دانم کہ در پس ایں دیوار چیست یعنی بے دانا نیدن حق سبحانہٗ۔

(اشعۃ اللمعات جلد اوّل صفحہ ۲۹۲)

تھا وحی یا الہام سے اور کبھی کبھی تھا نہ ہمیشہ۔ اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ ایک بار کہ گم ہو گئی اور یہ نہ معلوم ہوا کہ کہاں گئی، تو منافقوں نے کہا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کہتے ہیں کہ میں آسمان کی خبر دیتا ہوں اور ان کو کچھ خبر نہیں کہ ان کی ناقہ کہاں ہے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اللہ کی میں نہیں جانتا مگر وہ کہ میرے پروردگار نے مجھ کو دکھایا ہے۔ اب میرے پروردگار نے مجھ کو بتلا دیا ہے کہ فلاں جگہ ہے اور اسکی مہار ایک درخت کی شاخ میں بندھی ہوئی ہے اور یہ بھی حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میں بشر ہوں میں نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے، یعنی بے بتلائے حق سبحانہٗ کے:

365

یہاں شیخ نے اس روایت کو نقل فرمایا اور کوئی جرح نہیں فرمائی لہٰذا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب علیہ الرحمۃ کا حوالہ بالکل صحیح ہوا۔ بلکہ غور کیا جائے تو شیخ کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک قابل اعتبار ہے۔ کیونکہ یہاں اس کو شیخ نے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کیا ہے اور شیخ کی ثقاہت سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی روایت کو باطل محض سمجھتے ہوئے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کریں۔ پس مقام تائید میں شیخ کا اس روایت کو نقل فرمانا صریح دلیل اس کی ہے کہ یہ ان کے نزدیک معتبر ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ شیخ نے "مدارج النبوۃ"

میں ایک جگہ اسی روایت کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے کہ "اس کی کوئی اصل نہیں"، سو اگرچہ اس سوال کا جواب ہمارے ذمہ نہیں، مگر تاہم ناظرین کے دفع خلجان کے لئے اس کے متعلق بھی کچھ مختصراً عرض کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مشہور محتاط اور متشدد محدث حافظ ابن جوزی (حدیث کے بارے میں جن کی غیر معمولی احتیاط اور حد اعتدال سے بڑھا ہوا تشدد اہل علم کو معلوم ہے) نے اس روایت کو اپنی بعض کتابوں میں بلا اسناد کے نقل فرمایا ہے اور ان جیسے محتاط ناقد بصیر محدث کا کسی روایت کو بغیر جرح کے نقل کرنا اسکے معتبر ہونے کی کافی دلیل ہے، اور اسی وجہ سے شیخ علیہ الرحمۃ نے روایت کو معتبر سمجھا اور "اشعۃ اللمعات" کی مذکورہ بالا عبارت میں اپنے دعوے کی تائید میں پیش کر دیا مگر چونکہ اس روایت کی اسناد منقول نہیں، اس لئے "مدارج النبوۃ" میں ایک جگہ یہ بھی فرمایا کہ "اسکی کوئی اصل نہیں" یعنی اسناد نہیں، اس طرح شیخ کے کلام کا تعارض بھی دفع ہو جاتا ہے اور کوئی اشکال بھی باقی نہیں رہتا۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح کا کلام بھی اس روایت کے متعلق بظاہر اسی طرح متعارض ہے چنانچہ قسطلانی "مواہب لدنیہ" میں حافظ سخاوی رح کی "مقاصد حسنہ" سے ناقل ہیں کہ:

حدیث ما اعلم ما خلف جداری هذا قال شیخنا شیخ الاسلام ابن حجر لا اصل له قلت ولکنه قال فی تلخیص تخریج احادیث الرافعی عند قوله فی الخصائص ویری من وراء ظهره کما یری من قدامه هو فی الصحیحین وغیرهما من حدیث انس وغیره والاحادیث الواردة بذلک مقیدة بحالة	یہ حدیث کہ "میں نہیں جانتا جو میری اس دیوار کے پیچھے ہے" تو ہمارے شیخ، شیخ الاسلام حافظ ابن حجر اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اس حدیث کی اصل نہیں"، میں کہتا ہوں کہ مگر تخریج احادیث رافعی کی تلخیص میں خصائص کے بیان میں رافعی کے اس قول کے پاس کہ "اور آپ دیکھتے تھے اپنے پس پشت جس طرح دیکھتے تھے اپنے آگے" خود انہی (حافظ ابن حجر) نے فرمایا ہے کہ

الصلوٰۃ وبذٰلک یجمع بینہ وبین قولہ علیہ السلام لا اعلم ماوراء جداری ھذا انتہی و ھذا مشعر بورودہ

یہ حضرت انس وغیرہ سے صحیحین اور انکے علاوہ دوسری کتب حدیث میں مروی ہے اور جن احادیث میں یہ مضمون (یعنی حضرت اقدس کا پس پشت کی چیزوں کو دیکھنا) وارد ہوا ہے وہ نماز کی حالت کے ساتھ مقید ہیں اور اس توجیہ سے تطبیق ہو جاتی ہے ان احادیث میں اور حضور علیہ السلام کے فرمان میں کہ:

"میں نہیں جانتا اس کو جو میری اس دیوار کے پیچھے ہے"

ختم ہوا (کلام حافظ ابن حجرؒ کا، اس کے بعد حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ) اور ہمارے شیخ کے، اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث وارد ہوئی ہے"

علامہ زرقانی شرح مواہب میں حافظ سخاویؒ کے اس قول کے بعد فرماتے ہیں کہ:

فینافی قولہ لا اصل لہ فھو تناقض منہ ویمکن ان مرادہ لا اصل لہ معتبر لکونہ ذکر بلا اسناد لا ان مرادہ لبطلانہ

پس ان کا (یعنی حافظ ابن حجرؒ کا) یہ قول ان کے اس قول کے منافی ہے (جس میں انھوں نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ "اس کی اصل نہیں") پس یہ انکی جانب سے (کھلا ہوا) تناقض ہے اور ممکن ہے کہ اس قول سے انکی مراد یہ ہو کہ "اس حدیث کی اصل معتمد نہیں" کیونکہ وہ بلا اسناد منقول ہوئی ہے یہ مطلب نہیں کہ سرے سے باطل ہے۔

پس ہم نے شیخ علیہ الرحمۃ کے مدارج والے قول کی جو توجیہ کی ہے وہ بعینہ وہی ہے جو علامہ زرقانی نے حافظ ابن حجرؒ کے کلام کی کی ہے۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا، وہ شیخ کے قول "اصلے ندارد" کی توجیہ سے متعلق تھا اور اپنے فریضہ سے زائد، ورنہ ہمارے ذمہ صرف اسی قدر تھا کہ شیخ کی کسی تصنیف سے بس اتنا ثابت کر دیتے کہ انھوں نے اس کو بلا جرح نقل فرمایا ہے یہ ہمارا تبرع تھا کہ ہم نے شیخ کے طرزِ عمل سے روایت کا معتبر ہونا بھی ثابت کر دیا اور ان کے دونوں قولوں کے ظاہری تعارض کو بھی اٹھا دیا۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ

اور قطع نظر ان تمام چیزوں سے اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ یہ روایت معناً صحیح ہے اور بہت سی صحیح حدیثیں اس کے مضمون کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ صحیحین اور سنن نسائی میں حضرت زینب زوجۂ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں زکوٰۃ کے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر حاضر ہوئی جب میں پہنچی تو اسی ضرورت سے ایک انصاری بی بی بھی وہاں کھڑی ہوئی تھیں ...... پس حضرت بلالؓ ہمارے پاس آئے تو ہم نے ان سے کہا:

ائت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ ان امرأتین بالباب تسألانک اتجزی الصدقۃ عنہما علی ازواجہما وعلی ایتام فی حجورہما ولا تخبرہ من نحن فسألہ بلال فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ہما فقال امرأۃ من الانصار و زینب فقال لہ ای الزیانب قال امرأۃ عبد اللہ فقال لہما اجران اجر القرابۃ واجر الصدقۃ	آپ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جائیے اور ان کو اطلاع دیجئے کہ دو عورتیں دروازہ پر کھڑی ہیں اور یہ مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہیں کہ "اگر وہ اپنے شوہروں اور ان یتیم بچوں پر جو ان کی پرورش میں ہیں صدقہ کردیں تو کیا ادا ہو جائے گا؟" اور دیکھئے بلال حضرت کو یہ مت خبر دینا کہ ہم کون ہیں۔ پس حضرت بلال نے حضورؐ سے وہ مسئلہ اسی طرح دریافت کیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ پوچھنے والیاں کون ہیں؟ حضرت

بلالؓ نے عرض کیا کہ ایک کوئی انصاری بی بی ہیں اور ایک زینب، حضورؐ نے فرمایا کہ کون زینب؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ عبد اللہ ابن مسعود کی بیوی۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس صورت میں ان کو دو اجر ملیں گے۔ ایک صدقہ کا، ایک قرابت کا۔

سو اگر حضورؐ کو دیوار کے پیچھے کی سب باتیں معلوم ہو جایا کرتی تھیں تو حضرت بلالؓ سے نام دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہوتی؟ پس آپ کا نام دریافت فرمانا اور زینب نام معلوم ہونے پر یہ فرمانا کہ کونسی زینب؟ صریح دلیل اس کی ہے کہ آپ کو دیوار کے پیچھے کی باتیں معلوم نہیں ہوتی تھیں۔

نیز حیاتِ طیبہ کے اخیر دنوں میں حالتِ مرض میں حضورؐ کو اپنی جماعت کو دیکھنے کے لئے حجرۂ مبارکہ کے دروازہ پر تشریف لانا اور پردہ ہٹا کر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والی جماعت کو دیکھنا جس کا ذکر کتبِ صحاح میں ہے، اور بالخصوص آخری دن بار بار دریافت فرمانا کہ اَصَلَّی النَّاس؟ "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟" حالانکہ مسجد مبارک اور حجرۂ شریفہ میں صرف دیوار ہی حائل تھی، صریح دلیل اس کی ہے کہ دیوار کے پیچھے کی کچھ باتیں حضورؐ کو معلوم نہیں ہوئی تھیں، پس اگر کسی حدیث میں یہ وارد ہوا ہو کہ "واللہ لا ادری ما وراء جداری هذا او کما قال علیه الصلوٰة والسلام (یعنی اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا اس کو جو اس دیوار کے پیچھے ہے) تو اس میں کیا استبعاد ہے۔ بہرحال اس روایت کی معنوی صحت سے تو کسی کو بھی انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

اور پھر اگر ان باتوں سے بھی قطع نظر کر لیا جائے تو یہ ہر منصف مزاج کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ صاحب براہین نے اس روایت کو علمِ ذاتی کی نفی کے موقع پر پیش کیا ہے کیونکہ ہم خود صاحب براہین کی تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں کہ ان کی وہ تمام بحث علمِ ذاتی کے متعلق ہے تو گویا اس روایت کو انھوں نے علمِ ذاتی کی نفی پر محمول کیا ہے اور ہم خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں کہ وہ بھی علمِ ذاتی کے قائل نہیں بلکہ جو شخص ایک ذرہ یا اس سے بھی کمتر کا علمِ ذاتی غیر اللہ کے لئے مانے وہ ان کے نزدیک بھی کافر و مشرک ہے۔ پس اس اعتبار سے تو یہ روایت خاں صاحب کے نزدیک بھی معناً صحیح ہے اور وہ تو خود فرما چکے ہیں کہ "جن آیات و احادیث و اقوالِ علماء جن میں دوسروں کے لئے اثباتِ علمِ غیب سے انکار ہے، ان میں قطعاً یہی دو قسمیں (یعنی ذاتی یا محیطِ کل) مراد ہیں۔" خالص الاعتقاد، صفحہ ۲۸۔

پس جب کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو علمِ ذاتی کی نفی پر محمول فرما رہے ہیں تو پھر خاں صاحب یا اُن کی ذریت کے لئے کیا محلِ اعتراض ہے۔

ہم شروع ہی میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ بحث موضوعِ تکفیر سے غیر متعلق ہے اس لئے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

یہاں تک عبارت براہین قاطعہ کی بحث ختم[1] ہوگئی اور خاں صاحب کے چاروں اعتراضوں کے جوابات سے ہم بعون اللہ تعالیٰ فارغ ہوگئے، اب حسام الحرمین کی آخری بحث متعلق عبارت حفظ الایمان شروع ہوتی ہے۔

---

[1] واضح رہے کہ خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کے جواب میں جو ذاتی اور عطائی کا فرق ہم نے دکھلایا ہے وہ پہلے اعتراض کے جواب میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ فافہم وتامل۔ ۱۲ منہ